بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین

اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں

مرتبہ مسعود احمد امام جماعت المسلمین

جماعت المسلمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترتیب وپیش کش

محمّد صدّیق میمن

اشاعت اوّل۔ ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء

تعداد ــــــــــ ایک ہزار

شائع کردہ

ادارہ مطبُوعاتِ اسلامیہ

۲/۱۶۲۔ حسین آباد ۱۔ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

فون ۶۳۲۴۱۰۴ ـــ ۶۳۲۳۳۶۴

قیمت :- ۱۲۰ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست

التماس

نوٹ :۔ ① اس مجموعے میں "مقتدی کی قرأتِ فاتحہ اور امام کے سکتات" اشاعت ۲ کو شامل نہیں کیا گیا۔ "امام کے دو سکتے" اس کا نیا اور نعم البدل ایڈیشن ہے، نیز اس سلسلے کا ایک مضمون "صلوٰۃ المسلمین" میں بھی شامل ہے۔

نوٹ :۔ ② اس مجموعے میں " ذہن پرستی " اشاعت ۹۶، ۹۷ اور ۱۰۰ بھی شامل نہیں کئے گئے۔ اب اس نام کی ایک مکمل کتاب وجود میں آچکی ہے — یہ مضامین اسی کتاب میں شامل ہیں۔ ان کی جگہ اس مجموعے میں "الجماعۃ" کو شامل کیا گیا ہے جس پر کوئی اشاعت نمبر نہیں۔ اس مضمون کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو اس مجموعے میں شامل کرنا ضروری سمجھا گیا۔

نوٹ :۔ ③ اس مجموعے میں تین مضامین کے علاوہ تمام مضامین مسعود احمد صاحب کے تحریر کردہ ہیں جو بیس سال کے دوران وقتی ضرورت کے تحت تحریر کئے گئے تھے۔ ارکانِ جماعت کی یہ شدید تمنّا تھی کہ ان مضامین کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے۔ الحمد للہ! اس مجموعہ کو تیار کرنے اور اس کی اشاعت کا شرف اس ناچیز کو حاصل ہوا ہے۔

محمد صدّیق میمن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ آغاز

(فرقوں میں اسلام نہیں)

فطری ردِّ عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ دین کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور ایک خاص قسم کی روح اس میں سرایت ہوتی ہے۔ اس روح اور مزاج کی رعایت کے بغیر اس دین کے ذریعہ نہ معاشرے کی حفاظت ہوسکتی ہے اور نہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے جس کے پیشِ نظر یہ دین نازل کیا گیا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ کے دین میں ملاوٹ ہوجاتی ہے اور اس ملاوٹ کو دین سمجھ لیا جاتا ہے تو اصل دین سے غفلت برتی جاتی ہے حالانکہ لوگوں کو اس کا علم بھی ہوتا ہے پھر دین مؤثر ہونے کے بجائے خود متاثر ہونے لگتا ہے، اس کی حیثیت ایک رسمِ محض کی رہ جاتی ہے اور وہ خاص قسم کی روح اور مزاج رفتہ رفتہ ختم ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر دین کے ذریعہ فروغ پانے والی ساری افادی صلاحیتیں ختم ہوجاتی ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دین مذاہب اور فرقوں میں تقسیم ہوجاتا ہے، پھر مذہب خود مذہب کا دشمن بنتا ہے اور فرقہ داریت اور گروہ بندی زور پکڑتی چلی جاتی ہے، اصل دین اپنی بقا کے لئے ان مذاہب اور فرقوں سے نبرد آزمائی پر مجبور ہوجاتا ہے۔

یہ قانونِ فطرت ہے کہ اصل دین کبھی ختم نہیں ہوتا، انبیاءِ کرام کا سلسلہ جاری رکھنے کی یہی وجہ تھی۔ اب چونکہ کسی نبی کو نہیں آنا اور قانونِ فطرت کے مطابق دین کو قیامت تک زندہ رہنا ہے اس لئے یہ بات طے شدہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو کسی نہ کسی ذریعے سے قائم رکھنا چاہتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ ماضی میں جب مذاہب پرستی اور فرقہ داریت نے زور پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹی جماعت یا چند افراد کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت فرمائی۔ موجودہ حالت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اپنے دین کی حفاظت فرمائے گا۔

طبقاتی کشمکش

ہمارے ملک میں قابلِ ذکر چار بڑے طبقے پائے جاتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے گروہ اور جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں اور وہ بھی فکری یگانگت کے باوجود باہم برسرِ پیکار ہیں۔

(۱) ایک طبقہ ایسا ہے جو اسلامی قانون کی لچک اور ارتقائی صلاحیت کا کوئی اندازہ نہیں رکھتا، بس ایک محدود صورت میں خودساختہ جزئیات وفروع اس کے سامنے ہیں اور انہیں کی حد تک وہ کُل اسلام کی نمائندگی کا دعوے دار ہے۔ یہ طبقہ تقلید کو واجب سمجھتا ہے، علماء پرستی میں مبتلا ہے اور انہیں کے اقوال کو اپنے عقائد واعمال میں معیار بلکہ سند سمجھتا ہے۔ قرآن وحدیث کے دلائل اس کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ الغرض، یہ طبقہ اس قولِ بلادلیل کو جزءِ ایمان سمجھتا ہے کہ علامہ نسفی پر اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا۔

(۲) اس کے مقابل ایک دوسرا طبقہ ہے۔ اس کی نظر میں ماضی کی عظیم الشان روایات فرسودہ اور بے کار ہو چکی ہیں۔ یہ طبقہ مثلِ شُترِ بے مُہار کے باوجود اس کا ہر فرد اپنے حلقہ کی ذہنی رہنمائی کرتا ہے۔ دراصل یہ ایک ذہنیت ہے جو نامعلوم رفتار سے پروان چڑھ رہی ہے۔ اس ذہنیت کا ایک مخصوص نام ہے جس کو یہ لینا پسند نہیں کرتے، اس لئے جیسا دیس ویسا بھیس والی مثال پر کاربند ہیں۔ شعوری طور پر ان کا کسی فرقے سے تعلق نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ عملاً کسی فرقے سے وابستہ رہتے ہیں۔ ان کے ذہنی ناخون بہت تیز ہوتے ہیں اس لئے ہر چیز کو کریدتے رہتے ہیں، ان میں اطاعت کا مادّہ بہت کم ہوتا ہے اس لئے اپنی خود مختاری میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ان کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوئی منزل نہیں، اس لئے اپنی خود سری میں مست رہتے ہیں۔ یہ کسی جماعت میں شامل ہو بھی جائیں تو فتنہ انگیزی کرتے رہتے ہیں۔ یہ حدیث کو نہیں ماننے لیکن قرآن کو نہ مانیں تو ان کو مسلمان کون کہے گا۔ مطلب یہ کہ وہ مسلمانوں میں رہنا چاہتے ہیں۔

ان میں کچھ دقیانوسی قسم کے لوگ بھی ہیں جو ہر صحیح حدیث کو ماننے کا پُر زور

دعویٰ کرتے رہتے ہیں لیکن تاریخی روایات اور فنِ رجال کی روشنی میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو بھی ضعیف اور موضوع ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو اس طبقہ کو ذہنی اور فکری غذا فراہم کرتے ہیں لیکن پھر بھی رہنمائی کا دعویٰ نہیں کرتے، بس خاموشی سے اپنا فریضہ انجام دیتے ہیں اور فتنہ برپا کرتے رہتے ہیں لیکن سمجھتے یہ ہیں کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں۔

(۳) ان دونوں کے درمیان ایک اور طبقہ ہے جو قرونِ اُولیٰ کے ائمہ کی تقلید کو تو حرام بلکہ شرک سمجھتا ہے لیکن ماضی قریب یا دورِ حاضر کے علماء کے فتووں اور قیاس پر بے دلیل اور بلا تامل عمل کرتا ہے۔ اس پر طُرفہ تماشہ یہ کہ ان علماء کی تقلید کو تقلید نہیں سمجھتا گو دعویٰ غیر مقلد ہونے کا کرتا ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی امام کا فتویٰ پیش کیا جائے تو اس کے ثبوت میں حدیث کا مطالبہ کرتا ہے لیکن اپنے علماء کے فتووں کو بے دلیل تسلیم کر لیتا ہے۔ کتاب و سنت کا نام ہر وقت زبان پر رہے لیکن ترکِ سنت کو جائز سمجھتا ہے، گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم کرتا ہے اور ان کی اطاعت کو فرض، واجب یا سنّت نہیں بلکہ نفل سمجھتا ہے اور قیاس کو بھی حُجتِ شرعیہ سمجھتا ہے گویا کہ دین کامل نہیں ہے۔

(۴) ان تینوں سے ذرا ہٹ کر ایک اور طبقہ بھی ہے جو واقعی کچھ کرنے کا خواہشمند ہے۔ اگر اس کی خواہشوں کو جرأت مندانہ رہنمائی میسر آجائے تو اس سے بڑی توقعات وابستہ ہو سکتی ہیں۔ دراصل یہی طبقہ مسلم معاشرہ کی علامت ہے لیکن افسوس! اس طبقہ کو ابھی تک اس کی خواہشوں کے مطابق رہنمائی میسر نہیں آئی اور لاشعوری طور پر مجبور ہو کر اس نے اپنے کو ایسے رہنماؤں کے حوالے کر دیا ہے جو اسلام کی خود ساختہ تعبیر کے امراض میں مبتلا ہیں۔ جتنے رہنما ہیں اُتنی ہی تعبیریں ہیں اور اس طرح ان کی بھی کئی جماعتیں ہیں۔ اس طبقہ کو جو رہنما میسر ہیں وہ شعوری طور پر اپنے کو مجدّد اور مجتہد سمجھتے ہیں گو عملاً وہ تقلید کے مرض میں مبتلا ہیں اور تقلید کو واجب ہی سمجھتے ہیں۔

المختصر، یہ چاروں طبقات مختلف قسم کے ذہنی امراض میں مبتلا ہیں اور اپنے مرض کو ہی اسلام سمجھتے ہیں۔

ہم ان چاروں طبقات کے امراض کو پیش نظر رکھ کر اپنے تبلیغی سفر کا آغاز کرتے ہیں :۔

محمد صدیق میمن

ناظم

ادارہ مطبوعات اسلامیہ

یکم رمضان ۱۴۱۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۱۴

صفر ۱۴۱۳ھ

جماعت المسلمین کا تعارف

(۱) جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام نہیں بدلا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا نام مسلم رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج - ۷۸) (اے ایمان والو) اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔ جماعت المسلمین کا ہر فرد اپنے کو صرف مسلم ہی کہتا ہے کسی فرقہ وارانہ نام سے اپنے کو موسوم نہیں کرتا۔

(۲) مسلمین کی جماعت کا نام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت المسلمین رکھا تھا۔ مسلمین نے اپنی جماعت کا نام بھی نہیں بدلا۔ مسلمین کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے نام "جماعت المسلمین" ہی سے موسوم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواتین کو بھی جو نماز نہ پڑھ سکیں عید گاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا:۔

فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ
(صحیح بخاری کتاب العیدین)

وہ خواتین بھی (جو نماز نہ پڑھ سکیں) جماعت المسلمین کے ساتھ (عید گاہ میں) حاضر ہوں۔

(۳) جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جو احکامِ الٰہی، احکامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سُننِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہی درجہ دیتی ہے جو اُن کا حق ہے۔

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں:۔

كُنَّا نُؤْمَرُ اَنْ نَّخْرُجَ يَوْمَ

ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم عید کے

الْعِيْدِ حَتّٰى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا حَتّٰى نُخْرِجَ الْحُيَّضَ فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيْرِهِمْ وَيَدْعُوْنَ بِدُعَائِهِمْ يَرْجُوْنَ بَرَكَةَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهٗ (صحیح بخاری کتاب العیدین)	روز (گھر سے) نکلیں (عیدگاہ جائیں) حتّٰی (کہ ہمیں یہ بھی حکم دیا جاتا تھا) کہ ہم کنواری لڑکی کو بھی اس کے پردہ سے باہر نکال کر عیدگاہ لائیں حتّٰی کہ ان خواتین کو بھی لائیں جو اذیت ماہانہ میں ہوں، وہ لوگوں کے پیچھے رہیں (نماز نہ پڑھیں لیکن) ان کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہتی رہیں، ان کی دعا کے ساتھ دعا مانگیں اور عید کے دن کی (خیر و) برکت اور اس کی پاکی (یعنی مغفرت) کی امیدوار رہیں۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

اَمَرَنَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ (صحیح بخاری کتاب العیدین)	ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم جوان عورتوں کو اور ان کنواری لڑکیوں کو جو گھر کے اندر پردے کے پیچھے بیٹھی رہتی ہیں نکالیں (اور عیدگاہ لائیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جماعت المسلمین اس حکم کو حکم ہی سمجھتی ہے اور اس کی تعمیل کو فرض سمجھتی ہے۔ جماعت المسلمین کے علاوہ کسی نے اس کو فرض قرار نہیں دیا۔ کسی نے نفل قرار دیا اور کسی نے مکروہ قرار دیا۔

(۴) جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جس کے پاس خالص دین ہے۔ اس میں کسی کے فتوے، اجتہاد، رائے اور قیاس کی آمیزش قطعاً نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر-۳) خبردار ہو جاؤ اللہ کا تو دین خالص ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۭ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝
(النسآء ۔ ۱۴۵ و ۱۴۶)

بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور (اے رسول) آپ ان کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہ پائیں گے مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں، (اپنی) اصلاح کرلیں، اللہ کو (یعنی اللہ کے دین کو) مضبوطی سے پکڑلیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کرلیں وہ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور اللہ عنقریب مؤمنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

مندرجہ بالا دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کو اللہ تعالےٰ کے لئے خالص رکھے۔ اس میں کسی کے قول و فعل یا رائے کی آمیزش نہ کرے۔

یہ صرف جماعت المسلمین ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے دین میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کرتی۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث نبوی ہی کو دین سمجھتی ہے۔ جماعت المسلمین کے علاوہ تمام جماعتوں اور فرقوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں علماء کے اقوال اور فتووں کو شامل کرلیا ہے۔ ہر جماعت اور ہر فرقے کے ہاں فتووں کی کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کا وجود اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ انہوں نے دین کو اللہ تعالےٰ کے لئے خالص نہیں رکھا۔

(۵) جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا انکار کفر ہے۔ دوسری کوئی جماعت نہیں کہتی اور نہ کوئی فرقہ دعوےٰ کرتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کا انکار کفر ہے۔ مثلاً احناف نہیں کہتے کہ جو ہماری فقہ یا ہمارے مذہب کا انکار کرے وہ کفر کا مرتکب ہے۔ اہلحدیث بھی نہیں کہتے کہ ان کے مذہب کا انکار کفر ہے لیکن یہ سب مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام کا انکار

کفر ہے۔ اس کے صاف اور صریح معنیٰ یہ ہیں کہ اسلام میں اور انکے مذاہب میں فرق ہے۔ اگر ان کے مذاہب بھی عین اسلام ہوتے تو وہ ضرور کہتے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا انکار کفر ہے کیونکہ جماعت المسلمین کے پاس صرف اسلام اور خالص اسلام ہے لہٰذا جماعت المسلمین ببانگ دہل کہتی ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا انکار کفر ہے۔

(۶) جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جس سے چمٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ (صحیح بخاری کتاب الفتن وصحیح مسلم کتاب الامارۃ)	جماعت المسلمین اور ان کے امیر سے چمٹے رہنا۔

جماعت المسلمین کے علاوہ کسی جماعت یا فرقے سے چمٹنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

(۷) کیونکہ جماعت المسلمین سے چمٹنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا اس کو چھوڑنا کسی حالت میں جائز نہیں۔ جماعت المسلمین ہی ہے جو کہتی ہے کہ جماعت المسلمین کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ رَاٰی مِنْ اَمِيْرِهٖ شَيْئًا يَكْرَهُهٗ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح بخاری کتاب الفتن وصحیح مسلم کتاب الامارۃ)	جو شخص اپنے امیر کی کوئی ایسی بات دیکھے جو اُسے ناپسند ہو تو اسے چاہیئے کہ اس پر صبر کرے اس لئے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اور (اسی حالت میں) مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔

جماعت المسلمین کے علاوہ کوئی جماعت نہیں کہتی نہ کوئی فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے۔

(۸) جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جماعت المسلمین

کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يُرَاجِعَ (رواہ الترمذی فی الامثال وصححہ)

جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسّی کو اپنی گردن سے علیحدہ کر دیا سوائے اس صورت کے کہ وہ (جماعت کی طرف) واپس لوٹے۔

کوئی جماعت نہیں کہتی اور نہ کوئی فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے۔

(۹) جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جو امیر کو وہ حیثیت دیتی ہے جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

جو شخص امیر کی اطاعت سے باہر ہو گیا اور جماعت چھوڑ دی پھر (اسی حالت میں) مر گیا تو وہ جاہلیّت کی موت مرا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا أَحَبَّ أَوْ كَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ (صحیح بخاری کتاب الاحکام وصحیح مسلم کتاب الامارۃ)

مسلم آدمی پر (امیر کا حکم) سننا اور اطاعت کرنا لازمی ہے خواہ اُسے وہ (حکم) پسند ہو یا ناپسند بشرطیکہ کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِيْ عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ وَأَثَرَةٍ عَلَيْكَ

تم پر (امیر کا) حکم سننا اور (اس کی) اطاعت کرنا لازم ہے، تمہاری تنگی میں بھی اور تمہاری آسانی میں بھی، تمہاری خوشی میں

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ) بھی اور تمہاری ناخوشی میں بھی اور (غیر مستحق کو) تم پر ترجیح دی جانے کی صورت میں بھی۔

جماعت المسلمین امیر کی اطاعت کو فرض سمجھتی ہے۔ امیر کی نافرمانی گویا جماعت کو چھوڑنا ہے اور جماعت کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے یعنی اسلام کو چھوڑنا ہے۔ کوئی جماعت یا فرقہ ایسا نہیں جو امیر کی اطاعت کو ایسی اہمیت دیتا ہو۔

(۱۰) جماعت المسلمین امیر کی اطاعت اور وفاداری کی علامت کے طور پر امیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو لازم سمجھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا حُجَّةَ لَهٗ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس (اپنی نجات کے لئے) کوئی حجت نہیں ہو گی اور جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں (امیر کی) بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جو شخص امیر کی بیعت نہ کرے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ دوسری جماعتوں یا فرقوں میں اِلَّا مَاشَاءَ اللہُ امیر کی بیعت کو یہ اہمیت حاصل نہیں۔

یہ بیعت پیری مریدی کی بیعت نہیں ہے۔ یہ بیعت مراقبے، چلّہ کشی، ہزارہ تسبیح پڑھنے اور ضربیں لگانے کی بیعت نہیں ہے۔ یہ بیعت دنیا کے چپہ چپہ پر اللہ تعالےٰ کا کلمہ بلند کرنے کی بیعت ہے۔

(۱۱) تمام دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی جماعت کا اہم ترین مقصد اور نصب العین ہے۔ فرقہ بندی کا استیصال بھی جماعت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سلسلۂ اشاعت نمبر ۹

جماعتُ المسلمین کی دعوت

جماعت المسلمین کی دعوت اسلام کی دعوت ہے۔ جماعت المسلمین کا تعلق کسی فرقہ سے نہیں اور نہ جماعت المسلمین کا کسی فرقہ وارانہ مذہب سے کوئی تعلق ہے۔ جماعت المسلمین کا نہ کوئی مکتبۂ فکر ہے اور نہ کوئی مسلک۔ جماعت المسلمین کا منہاج دین ہے اور وہ دین اسلام ہے۔

جماعت المسلمین میں فرقہ وارانہ مذاہب کے ماننے والے نہیں پائے جاتے یعنی جماعت المسلمین فرقوں کا معجون مرکب نہیں ہے۔ جماعت المسلمین میں جو شخص بھی داخل ہوتا ہے وہ صرف مسلم ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند اور توحید و سنت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

جماعت المسلمین کے مقاصد وہی ہیں جو اسلام کے مقاصد ہیں یعنی اعلائے کلمۃ الحق، شرک و بدعت کا استیصال، فرقوں کے وجود کو ختم کرنا، طبقات، قوم، وطن، زبان اور صوبہ واریت کے بتوں کو توڑ کر پھینک دینا، آپس میں ایک دوسرے سے صرف اللہ ذوالجلال والاکرام کے لئے محبت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

جماعت المسلمین جن اہم اور بنیادی نکات کی طرف دعوت دیتی ہے وہ مختصراً درج ذیل ہیں :۔

① ہمارا حاکم صرف ایک یعنی اللہ تعالےٰ

حاکم سے مراد وہ حاکم ہے جس کی حکومت ازلی و ابدی ہو، جس کی اطاعت لامحدود اور غیر مشروط ہو، جو قانون ساز ہو، جس کا قانون کامل ہو، جس کی عبادت اور اطاعت تخلیق کا مقصد ہو، حلال و حرام کرنا جس کا حق ہو، جس کی رضا کا حصول اعمال صالحہ کا مقصد ہو، جس سے تعلق آپس کی محبت کی بنیاد ہو وغیرہ وغیرہ۔

آیئے ہم سب ایک اللہ کو حاکم مانیں اور ایک ہو جائیں۔

② ہمارا امام صرف ایک یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام سے مراد وہ امام نہیں جو نماز پڑھاتا ہو، امام سے مراد وہ امام نہیں جو کسی فن میں مہارت رکھنے کی وجہ سے اُس فن میں امام کہلاتا ہو، امام سے مراد وہ امام نہیں جو امیر یا حکمراں ہو، امام سے مراد وہ امام بھی نہیں جو کسی نیکی یا تقوے میں پہل کرنے کی وجہ سے دوسروں کے لئے پیش رو بن جائے،

بلکہ

امام سے مراد وہ امام ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے منصب امامت پر سرفراز فرمایا ہو، جس کی اطاعت کا اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہو، جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو، جس کا ہر حکم واجب الاتباع ہو، جس کا ہر جملہ ضابطہ حیات کا جزو لاینفک ہو، جس کی حدیث قرآن مجید کی

واحد مستند تفسیر ہو، جس کا عمل اسوۂ حسنہ ہو، جس کی پیروی فرض ہو، جس کی امامت دائمی ہو، جس کی ہر دینی بات وحی ہو، جو معصوم ہو اور جس سے دینی بات میں غلطی کا صدور ناممکن ہو، جس کو اپنے تمام اختلافات میں حَکَم ماننا واجب ہو، جس کے فیصلہ کو بے چوں وچرا تسلیم کرنا تقاضائے ایمان ہو، جس کے فیصلہ کو بے چون وچرا اور خوش دلی سے تسلیم نہ کرنا کفر ہو، دینی معاملات میں جس کا فیصلہ آخری سند ہو، جس کی اطاعت و پیروی سے ہدایت ملتی ہو، جس کی پیروی سے ولایت ملتی ہو، جو مزکّی اور معلّم کتاب و حکمت بنا کر بھیجا گیا ہو، جس کے قول و فعل کی مخالفت فتنۂ عظیم اور عذاب الیم کی موجب ہو، جو صراط مستقیم پر قائم ہو اور صراط مستقیم کی دعوت دیتا ہو، جو سراج منیر یعنی روشن چراغ ہو جس کی روشنی سے ضلالت کی تاریکیاں معدوم ہو جاتی ہوں، جو صرف اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہو اور تبلیغ حق میں نڈر اور دلیر ہو، جو تقیہ کرکے حق پر پردے نہ ڈالتا ہو، جو قصر نبوت کی آخری اینٹ اور سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی ہو جس کے بعد قیامت تک کسی کا نبی بننا ناممکن ہو، جس کی گھریلو زندگی اور بیرونی زندگی ایک کھلی کتاب ہو، جو ہر شعبۂ زندگی میں مشعل راہ ہو، جس کی اتباع مقصد ہو اور جس کے لئے ان تمام خصوصیات پر قرآنی شہادت و سند موجود ہو۔

آیئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واحد واجب الاتباع امام مان کر ہم سب ایک ہو جائیں۔

③ ہمارا دین صرف ایک یعنی اسلام

اللہ تعالیٰ ہمارا حاکم ہے، ہمارا بادشاہ ہے، عبادت و اطاعت

صرف اس کا حق ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام ہیں۔
اللہ تعالےٰ کی اطاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوتی ہے۔
اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحد ذریعہ اور واسطہ ہیں، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالےٰ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو قانون، جو ضابطۂ حیات ہمارے لئے بھیجا ہے اُسے دین کہتے ہیں اور اس دین کا نام اسلام ہے۔

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور قانون یا ضابطہ کی پیروی کرتا ہے تو وہ قانون یا ضابطہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقبول نہیں۔

اسلام ایک کامل دین اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ دینِ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کامل ہوگیا تھا۔ کامل چیز میں مزید کوئی چیز شامل نہیں ہوسکتی لہذا فرقوں کے لئے اس دین میں کوئی گنجائش نہیں۔

دینِ اسلام اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا، اللہ تعالےٰ نے ہمیں مُنزّل من اللہ کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ مذاہب بعد میں بنے لہذا ان کی پیروی اسلام نہیں، کچھ اور ہے۔ فرقہ بندی کو ختم کرنے کے لئے فرقہ وارانہ مذاہب کو ختم کرنا ہوگا

آیئے ہم سب مل کر صرف منزل من اللہ دینِ اسلام (یعنی قرآن و حدیث) کی پیروی کریں اور ایک ہو جائیں۔

④ ہمارا نام صرف ایک یعنی مُسلِم

تمام ایمان والوں کا نام صرف ایک ہے اور وہ مسلم ہے۔ یہ

نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اس نام کے ہوتے ہوئے دوسرے نام رکھنا فرقہ واریت کو جنم دینا ہے۔

گزشتہ امتوں میں بھی ایمان والوں کا یہی نام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف یہی ایک نام تھا۔

آیئے ہم سب اپنا نام مسلم رکھ کر ایک ہو جائیں اور فرقہ بندی کو ختم کر دیں۔

⑤ ہماری محبّت کی بنیاد صرف ایک یعنی اللہ تعالےٰ

محبت کی بنیادیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ کبھی محبت کی بنیاد رشتہ ہوتا ہے، کبھی کسی کام میں شرکت ہوتی ہے، کبھی خوبصورتی ہوتی ہے، کبھی قومیت ہوتی ہے، کبھی وطن ہوتا ہے لیکن مسلم کی محبّت کی بنیاد اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

مسلم کو سب سے زیادہ محبّت اللہ تعالےٰ سے ہوتی ہے لہٰذا ان تمام وجوہ جن کی بنیاد پر کسی سے محبّت کی جاتی ہے اللہ تعالےٰ کی خاطر محبت کرنے کی وجہ سب سے زیادہ شدید اور عظیم ہونی چاہیئے۔

آیئے ہم سب آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کے لئے محبت کریں اور اس محبت کو تمام محبتوں پر ترجیح اور فوقیت دیں اور سب مل کر ایک ہو جائیں۔

اٹھیئے قوم پرستی، خاندان پرستی، وطن پرستی کے بتوں کو توڑ دیجئے۔ اللہ تعالےٰ کے لئے محبت اور اللہ تعالےٰ کے لئے بغض کو دستاویز بنایئے۔

⑥ ہمارے فخر کا سبب صرف ایک یعنی ایمان

فخر کے اسباب بہت سے ہوسکتے ہیں مثلاً نسب ، وطن ، زبان ، قابلیت ، طاقت ، سیاست ، اقتدار اور حسن وغیرہ لیکن فخر کے یہ تمام اسباب فانی ہیں ، ان میں سے کوئی بھی آخرت میں کام آنے والا نہیں ۔ آخرت میں کام آنے والی چیز صرف ایمان ہے ۔ یہی وہ چیز ہے جس پر ایک مسلم کو فخر کرنا چاہیئے ، اسی کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل کرنی چاہیئے اور اسی کی بنیاد پر محبتوں کو استوار کرنا چاہیئے ۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے تو اس کی جماعت بھی ایک ہونی چاہیئے ۔ یہ ہے وحدت ملت کا وہ سبق جس کو ہم بالکل بھول گئے ۔ ملک ، قوم ، زبان اور وطن پر فخر کرنے لگے ۔ پہلے ملکی بعد میں مسلم بننے پر ناز کیا جانے لگا ۔ کافروں کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی مادر وطن نے جنم لیا ۔

مسلمین میں ملکی ، سیاسی ، نسلی ، قومی ، لسانی ، ثقافتی ، صوبائی یا وطنی حدود قائم کرنا اسلامی اصول کو مسخ کرنا ہے ۔ وطن پرستی سے اسلامی معاشرہ کی بنیادیں ہل جاتی ہے ۔ وحدتِ ملّت کا سبق قصۂ پارینہ بن جاتا ہے ، امتِ مسلمہ عصبیت کا شکار ہو جاتی ہے اور عصبیت کی خاطر ایک دوسرے سے لڑ کر اپنی قوت کو پارہ پارہ کر لیتی ہے ۔

آیئے اور سب مل کر ایک ہو جایئے ، وطن اور زبان کو تفریق کا سبب نہ بنایئے ۔ اپنے ایمان اور اسلام پر فخر کیجیئے ۔

آیئے اور احیائے اسلام ، اعلائے کلمۃ الحق اور دنیا کے چپہ چپہ پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کی کوشش میں جماعت المسلمین کے ساتھ تعاون کیجیئے ۔

نوٹ :۔ مندرجہ بالا چھ نکات میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ پمفلٹ بھی مرتب کئے گئے ہیں ۔ تفصیلی معلومات کے لئے ان کا مطالعہ کیجیئے ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشاعت نمبر ۱۲۰

ہمارے عقائد

اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ ایک ہے، اکیلا ہے، نرالا ہے۔ نہ کوئی اس کی ذات میں اس کا شریک ہے، نہ اس کی صفات میں اس کا شریک ہے، نہ اس کے حقوق میں اس کا شریک ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، نہ اس کی بیوی ہے، اس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہا، وہ حلول نہیں کرتا، وہ انسانی شکل میں نہیں آتا۔ اس کی تمام صفات ذاتی ہیں۔ اس کی ہر صفت کامل ہے، اس کی ہر صفت کے کمال کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، اس میں کبھی کمی نہیں آتی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں۔ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، مکار اور دجال ہے مثلاً مسیلمہ، اسود، مرزا غلام قادیانی وغیرہ دجال تھے اور ان کو نبی ماننے والے کافر۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے شارح ہیں۔ آپ کی تشریح کے خلاف قرآن مجید کی تشریح کرنے والا اسلام سے خارج ہے، آپ کی زبان مبارک سے صرف حق بات نکلتی تھی، آپ کی ہر دینی بات وحی ہوتی تھی۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول دین کا ماخذ ہے اور ضابطۂ حیات ہے۔ آپ اللہ تعالےٰ کے خلیل، کلیم اور حبیب ہیں، آپ کی پیروی کرنے والا اللہ تعالےٰ کا محبوب اور ولی ہوتا ہے، آپ کی اطاعت اور اتباع کے بغیر ہدایت نہیں مل سکتی، دین ہمہ اوست کا آپ ہی مصداق ہیں۔ واجب الاطاعت اور واجب الاتباع امام

صرف آپ ہی ہیں ۔ آپ جیسا نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ آپ کے مرتبہ کو نہ کوئی پہنچا ہے اور نہ پہنچے گا۔ آپ کے مرتبہ کو گھٹانے والا، آپ کو بڑے بھائی کا درجہ دینے والا ، آپ کی طرف بحران کو منسوب کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے ۔

خلاصہ

اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین و ایمان اور اسلام کی بنیاد ہیں ۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مختصر سے جملوں میں انہی باتوں کا اظہار ہے گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے ۔ کفر سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہونے والا ان دو ہستیوں پر اپنے ایمان کی شہادت دے کر ہی مسلم ہوتا ہے یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے ۔

قرآن مجید اور حدیث شریف

قرآن مجید اور حدیث نبوی حجت شرعیہ اور ماخذ قانون ہیں ۔ انہی دو چیزوں میں اسلام کی تکمیل ہوئی تھی اور آج بھی انہی دو چیزوں میں دین اسلام کامل حالت میں محفوظ ہے ۔ اجماع صحابہ حکماً حدیث ہی کی ایک قسم ہے ۔ قرآن مجید یا حدیث کا انکار کرنے والا ، ان کو حجیت شرعیہ اور ماخذ قانون نہ ماننے والا کافر ہے ۔

انبیاء و رسل اور کتب سماوی

ہم تمام انبیاء اور رسولوں پر بلا کسی تفریق کے ایمان رکھتے ہیں ۔ نبیوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر ایمان رکھتے ہیں ۔ مثلاً قرآن مجید ، توریت ،

انجیل ، زبور وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابیں مانتے ہیں ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بھی منزّل من اللہ مانتے ہیں ۔

عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا تھا اور اب وہ پھر قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور دینِ اسلام کے قیام کے سلسلہ میں بھرپور کوشش کریں گے ، تمام ادیان باطلہ کا استیصال کریں گے ۔ وہ نبی بھی ہوں گے اور رسول بھی اور اسی نبوّت اور رسالت کے ساتھ تشریف لائیں گے جو نبوّت اور رسالت انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور رسالت سے پہلے ملی تھی ۔

صحابۂ کرام

صحابۂ کرام بہترین قسم کے مؤمن و مسلم تھے ، ہم ان میں سے کسی کے متعلق برا گمان نہیں رکھتے ۔ وہ سب حق پر تھے ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بڑے رحیم تھے ، وہ آپس میں نہ لڑتے تھے اور نہ لڑے ۔ بعض کتب تواریخ میں جو افسانے ان کی طرف منسوب ہیں اور جن سے ان کی شانِ صحابیت مجروح ہوتی ہے ہم ان تاریخی افسانوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں ۔ فضیلت اور مرتبہ کے لحاظ سے ان میں سر فہرست ابتدائی چاروں خلیفہ ہیں ۔

اولیاء کرام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- " خبردار ! اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم یعنی جو لوگ ایمان لائے اور متقی رہے (یونس ۶۲ ، ۶۳)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ جو شخص میرے ولی سے دشمنی رکھے تو میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے ۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق)

لہٰذا ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام اولیاء اللہ واجب الاحترام ہیں۔

ائمۂ دین

تمام ائمہ دین واجب الاحترام ہیں۔ دین کے سلسلہ میں ان کی خدمات امت پر ایک بہت بڑا احسان ہے، مثلاً امام سعید بن مسیبؒ، امام عطاء بن ابی رباحؒ، امام حسن بصریؒ، امام سفیان بن عیینہؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام زہریؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ترمذیؒ، امام ابن ماجہؒ وغیرہ وغیرہ۔

امام احمد بن حنبل کو ہم شرک سے مبرّا اور بڑا یکا موحد مسلم سمجھتے ہیں۔ ہم تو کسی امام کو مدلس بھی نہیں مانتے اس لئے کہ مدلس حدیث کے عیب کو چھپا کر گھڑی ہوئی حدیث کو صحیح حدیث باور کراتا ہے اور اس طرح اسلام میں وہ چیز داخل کرتا ہے جو اسلام میں نہیں ہوتی۔ مدلس گویا ایک قسم کا چور اور دھوکے باز ہوتا ہے۔ امام ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

فرقہ بندی

ہم فرقہ بندی کو حرام سمجھتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرقہ بندی کی ممانعت کی ہے اور ایک جماعت بن کر رہنے کی ہدایت کی ہے۔ فرقہ بندی کو سب لعنت سمجھتے ہیں اور اس کو ختم کرنے کی نہ صرف تمنا کرتے ہیں بلکہ کھلے الفاظ میں اس کو کالعدم کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ فرقہ بندی ختم ہونی چاہیئے۔ ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ ہم عملاً فرقہ بندی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے۔ ہم تو بس صرف اتنا کہتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ حق نہیں ہے۔ حق تو بس قرآن مجید اور حدیث شریف ہے۔ اسلام انہی دو چیزوں میں ہے۔ ان کے باہر اسلام

نہیں ۔

ہمارا دین

ہمارا دین صرف اسلام ہے ۔ ہمارا نام اللہ تعالیٰ نے مسلم رکھا تھا ہم صرف اسی نام سے اپنے کو موسوم کرتے ہیں ۔ خود ساختہ نام رکھ کر الجماعۃ سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتے ۔ ہم پر اتہام لگانے والوں سے گذارش ہے کہ ہم کو قریب سے آکر دیکھیں اور بتائیں کہ ہمارا کون سا عمل اسلام یعنی قرآن مجید یا حدیث شریف کے خلاف ہے ۔ احکام و سنن جن کو متروک کر دیا گیا تھا ہم ایک ایک کر کے ان کا احیاء کر رہے ہیں مثلاً امام کا مقتدیوں کی صفوں کو سیدھا کرنا ، جمعہ کے خطبہ میں سورۂ قٓ کی تلاوت کرنا ، خطبہ مختصر دینا ، اسی نام کو اختیار کرنا جو اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا ، شروع نماز میں اور رکوع سے پہلے سکتہ کرنا ، عید کی نماز کو عورتوں پر بھی لازم قرار دینا ، عید کی نماز میں سورۂ قٓ اور سورۂ قمر کی تلاوت کرنا ، جمعہ کی اذان مسجد کے دروازے پر دینا ، جوتیاں بیٹھ کر پہننا ، سیدھے ہاتھ سے لینا اور دینا ، ملاقات کے بعد اگر درمیان میں کوئی چیز آجائے مثلاً دیوار ، درخت وغیرہ تو پھر سلام کرنا ، مصافحہ کے وقت الحمد للہ کہنا ، تین انگلیوں سے کھانا کھانا ، کھانا کھانے کے بعد رکابی کو بالکل صاف کر دینا ۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین ۔ کوثر نیازی کالونی ۔ بلاک بی نارتھ ناظم آباد ، کراچی ۳۳

3 ک ١٧

سلسلۂ اشاعت ۳۱ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارا حاکم صرف ایک ۔ یعنی اللہ تعالیٰ

حاکم سے مُراد وہ حاکم ہے جس کی حکومت ازلی و ابدی ہو، جس کی اطاعت غیر محدود و غیر مشروط ہو، جو قانون ساز ہو جس کا قانون کامل اور غیر متبدل ہو، اطاعت کرانا جس کا حق ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا، جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ { ذاریات }

میں نے جن و انس کو صرف اِس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

یہاں عبادت سے نماز، روزہ، ذکر یا وظیفہ مُراد لیا جائے تو بڑی مشکل پیش آئے گی اس لئے کہ پھر پُوری زندگی میں ان اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کا کرنا مقصدِ تخلیق کے منافی ہوگا، نہ کاروبار رہے گا، نہ کھانا پینا اور نہ شادی بیاہ۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ نسلِ انسانی ختم ہو جائے گی، نہ زندگی ہوگی نہ عبادت۔ مقصدِ تخلیق پُورا نہیں ہوگا۔

نماز، روزہ وغیرہ عبادت تو ضرور ہیں لیکن ہر حالت میں نہیں۔ مثلاً مغرب کی تین رکعت کے بجائے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھے تو وہ لغوی اعتبار سے تو عابد ہوگا لیکن شرعی اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کا باغی قرار پائے گا۔ اس کی نماز عبادت نہیں رہے گی بلکہ بغاوت شمار ہوگی، مقصدِ تخلیق فوت ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے نوافل پڑھتا ہے تو وہ عابد تو ضرور ہوگا لیکن شرعاً وہ اللہ تعالیٰ کا باغی کہلائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے تو اُس کا وہ روزہ عبادت نہیں ہوگا۔ اُس روزہ کو ثواب یا عبادت سمجھنے والا نہ صرف گناہگار ہوگا بلکہ کافر ہو جائے گا۔

اس قسم کی سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ غور کیجئے آخر یہ عبادتیں بغاوت کیوں شمار ہو رہی ہیں، اگر آپ ذرا بھی غور کریں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ کیونکہ یہ عبادتیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کے مقررہ حدود کے اندر رہ کر نہیں کی جا رہیں اِس لئے عبادتیں نہیں رہیں۔ ان عبادتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے اُس کی اطاعت سے انحراف ہوتا ہے لہٰذا انہیں شرعاً عبادت نہیں کہا جا سکتا۔

مندرجہ بالا وضاحت سے یہ نتیجہ نکلا کہ عبادت دراصل اطاعت کا نام ہے۔ مندرجہ ذیل آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ {۳۶} شیطان کی عبادت نہ کرو۔

غور فرمائیے کیا کوئی شخص شیطان کو سجدہ کرتا ہے، اسکے نام پر قربانی کرتا ہے، اس کے نام کا وظیفہ پڑھتا ہے، اُس کے نام پر خیرات کرتا ہے، ہرگز نہیں، تو پھر آخر شیطان کی عبادت سے کیا مُراد ہے۔ ظاہر ہے کہ شیطان کی عبادت سے شیطان کی اطاعت مُراد ہے۔ شیطان کی اطاعت کرکے ہی لوگ کفر و شرک، فسق و فجور، عصیان و طغیان میں مبتلا ہوتے ہیں اور صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں، اسی لئے اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ {۳۶} میری عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت کے مقابلہ میں اپنی عبادت کا ذکر فرمایا کیونکہ شیطان کی عبادت شیطان کی اطاعت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

مندرجہ بالا آیات و مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا اطاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ جب تک اُس کی اجازت نہ ہو کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کی جاسکتی، اگر اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کی اطاعت کی جائے تو یہ شرک فی الاطاعت یعنی شرک فی العبادت ہوگا اور اس شرک سے بڑا اور کونسا شرک ہوگا کہ جس شرک سے مقصدِ حیات ہی تہ و بالا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا {۲۲} تمہارا حاکم صرف ایک ہے لہٰذا صرف اسی کی اطاعت کرو۔

اسی اطاعت کا دوسرا نام اسلام ہے، اسلام کے معنیٰ ہیں "اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری" لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ مسلم ہے، جو اطاعتِ الٰہی سے مُنہ موڑتا ہے وہ غیر مسلم ہے۔ اُس نے مقصدِ حیات کو پسِ پُشت ڈالدیا، وہ باغی ہے کہ اپنے خالق کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کرتا۔

اسلام ہی وہ ضابطۂ حیات ہے جس کے مُطابق ہر شخص کو اپنی زندگی گذارنی چاہیئے۔ اگر زندگی کے تمام کاروبار میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت جلوہ گر ہو تو وہ تمام کاروبار عبادت ہوگا۔ نماز اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مُطابق ادا کی گئی تو نماز عبادت ہے۔ روزہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مُطابق رکھا گیا تو روزہ عبادت ہے۔ تجارت اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کی گئی تو وہ تجارت عبادت ہے۔ اسی طرح زندگی کے تمام کام چلنا پھرنا، سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، شادی

بیاہ، لین دین، طلاق وعتاق، جنگ جدال، بغض وعناد، محبت ومواسات وغیرہ اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے احکام کے مطابق کیے جاتے ہیں تو وہ سب عبادت ہیں، اس طرح تمام زندگی عبادت بن جائے گی اور مقصدِ تخلیق پورا ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِیْ فِیْ اِمْرَاَتِكَ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

تم جو خرچ بھی اللہ کو خوش کرنے کیلئے کرو گے اُس پر تمہیں ضرور ثواب دیا جائے گا یہاں تک کہ اُس لقمہ پر بھی تمہیں ثواب دیا جائے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دو گے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے قانون پر عمل کرنے سے ہوتی ہے، اس قانون کا بنانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اس کا ارشادِ گرامی ہے:-

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ (شوریٰ) اللہ نے تمہارے لئے دینی قوانین بنائے

قانون سازی میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں، یہ قانون خالص اللہ تعالےٰ کا ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:-

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (زمر) خبردار ہو جاؤ، دینِ خالص اللہ کیلئے ہے

لہٰذا اس دین میں کسی کی شرکت نہیں، کسی دوسرے کو قانون ساز سمجھنا، اُس کے بنائے ہوئے ضابطوں کو دین میں شامل کرنا، اُس کے اجتہاد، قیاس اور فتوے کو دینی درجہ دینا اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ ارشاد باری ہے:-

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (شوریٰ) کیا انہوں نے (اللہ کے) شریک بنا رکھے ہیں جو اِن کیلئے دینی قوانین بناتے رہتے ہیں حالانکہ اللہ نے اسکی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا (کہف) اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا

اللہ تعالیٰ بلا شرکتِ غیرے اکیلا حاکم ہے، اس کے احکام میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ارشاد باری ہے:-

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ (یوسف) حکم کسی کا نہ مانا جائے سوائے اللہ کے، اللہ نے حکم دے دیا ہے کہ عبادت (یعنی اطاعت) کسی کی نہ کی جائے سوائے اُس کے۔

حلال وحرام کرنیکا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ جل جلالہٗ فرماتا ہے:-

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ {نحل}

اپنی زبانوں سے یونہی نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے (کہ بغیر اس کے حکم کے تم خود حلال و حرام کا فیصلہ کر کے، اُسے اللہ کی طرف منسوب کر دو)

الغرض علماء کے فتووں سے نہ کوئی چیز حلال ہو سکتی ہے اور نہ کوئی چیز حرام ہو سکتی ہے حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال کہے، حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حرام کہے۔

قاضی کے فیصلہ سے بھی نہ کوئی چیز حلال ہو سکتی ہے اور نہ کوئی چیز حرام ہو سکتی ہے۔ قاضی کا فیصلہ، فیصلہ تو ہو سکتا ہے، قانون نہیں بن سکتا۔ اگر وہ فیصلہ صحیح ہے تو فبہا اگر صحیح نہیں تو مسترد کر دیا جائے گا۔ اگر وہ غلطی سے نافذ ہو بھی گیا تو اس کا نفاذ عارضی ہوگا وہ قاضی خود بھی اسی قسم کے دوسرے مقدمہ میں اپنے گذشتہ فیصلہ کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے۔ دوسرا قاضی بھی اس کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے۔ قاضی کے فیصلہ کو ابدی قانون کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔ ابدی قانون صرف اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون ہے، جو اس قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ مُسلم ہے، جو اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ مُسلم نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ {مائدہ}

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مُطابق فیصلہ نہیں کرتے، ایسے لوگ کافر ہیں۔

صرف اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین کی پیروی کرنی چاہیئے یہی اصلِ توحید ہے، دوسری چیزوں کی پیروی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ {اعراف}

اس قانون کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور اسکے علاوہ کسی ولی کی پیروی نہ کرنا

اللہ تعالیٰ کا قانون ہی ہر معاملہ میں آخری سند ہے، کسی دوسرے کے فتوے یا رائے کو آخری سند قرار دینا شرک ہے۔ اہلِ کتاب بھی اہلِ اسلام کے اس عقیدہ سے متفق تھے، اس اشتراکِ عقیدہ کی بنیاد پر ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں دعوتِ اسلام دیتے ہوئے فرمایا:۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے (ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی مانتے ہو) وہ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور نہ آپس میں

ایک دوسرے کو اپنا رب بنائیں۔

اِس اشتراک فی العقیدہ کے باوجود وہ عملاً شرک میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اپنا رب نہ بنانے کے عقیدہ کے باوجود وہ اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنائے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ { توبہ }

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنا رکھا ہے اور عیسیٰ ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک الٰہ کی عبادت کریں (یعنی ایک حاکم کی اطاعت کریں) حاکم کوئی نہیں سوائے اللہ کے (لیکن وہ اس توحید پر قائم نہیں رہے، انہوں نے علماء اور مشائخ کو حاکم بنا کر شرک کیا) اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ آخری سند صرف اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، دوسرے کو اطاعت کا مستحق سمجھنا، اُس کی رائے اور فتوے کو آخری سند قرار دینا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ یہ شرک فی العبادت ہے، اسے شرک فی الاطاعت بھی کہہ سکتے ہیں اور شرک فی الحکم اور شرک فی التشریع بھی کہہ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی حاکم حقیقی ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت دائمی اور ابدی ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت مستقل، غیر مشروط اور لامحدود ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت زمان و مکان کے ساتھ مقید نہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت سے دنیا و آخرت میں فلاح ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اصل اطاعت کا مستحق ہے لہٰذا کسی دوسرے کی اطاعت صرف اُس حالت میں ضروری ہے جب اُس کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ خود دیدے، اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی بجاآوری کے لئے اپنے رسولوں کی اطاعت کو فرض قرار دیا لہٰذا رسولوں کی اطاعت بحکم الٰہی فرض ہے۔

جماعت المسلمین کی دعوت یہی ہے کہ ہم سب مل کر اللہ اکیلے کو حاکم مانیں، حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کریں، صرف اللہ تعالیٰ کے منزل کردہ قانون پر چلیں، اللہ تعالیٰ کا قانون صرف قرآن و حدیث میں محفوظ ہے، قرآن و حدیث ہی منزل من اللہ ہیں، ان ہی دو چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا تھا۔ ان ہی دو چیزوں کو ہم واجب التعمیل سمجھیں، فرقہ وارانہ مذاہب کو بالائے طاق رکھدیں، فرقہ بندی کو ختم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اُس ایک کو حاکم مان کر ایک ہو جائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارا امام صرف ایک - یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام سے مراد وہ امام نہیں جو نماز پڑھاتا ہو، امام سے مراد وہ امام نہیں جو کسی فن میں مہارت رکھنے کی وجہ سے اُس فن میں امام کہلاتا ہو۔ امام سے مراد وہ امام نہیں جو امیر یا حکمراں ہو۔ امام سے مراد وہ امام بھی نہیں جو کسی نیکی میں پہل کرنے کی وجہ سے دوسروں کیلئے پیش رو بن جائے ــــ بلکہ

امام سے مراد وہ **امام** ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصبِ امامت پر سرفراز فرمایا ہو۔ جس کا ہر حکم واجب الاتباع ہو، جس کا ہر فقرہ ضابطۂ حیات ہو، جس کا ہر فعل مشعلِ ہدایت ہو، جسکی اطاعت اللہ کی اطاعت ہو، جس کی امامت عارضی نہ ہو بلکہ قیامت تک کیلئے دائمی ہو، جو معصوم ہو، جس سے دینی بات میں غلطی کا صدور ناممکن ہو، جس کی ہر دینی بات وحی ہو۔

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ حاکم صرف ایک ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ اس کے بندوں پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے، دوسروں کا نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہر بندے کے پاس براہِ راست نہیں پہنچتا بلکہ وہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک بندے کو منتخب کر لیتا ہے اور اس بندے کو اپنے تمام احکام سے مطلع فرماتا ہے۔ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام سے دوسروں کو مطلع کر دیتا ہے۔ ایسے بندے کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ رسول، اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے اس کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ {نساء ۸۰} — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی۔

رسول خود اپنی اطاعت نہیں کراتا بلکہ اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ {نساء ۶۴} — کوئی رسول ہم نے نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

کیونکہ اطاعت (جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں) صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہٰذا بغیر اسکے

حکم یا اجازت کے کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی شخص بغیر اللہ تعالےٰ کے حکم یا اجازت کے دوسرے کی اطاعت کرتا ہے تو گویا اس نے اس دوسرے شخص کو اطاعت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ اپنے کسی بندے کی اطاعت کو انسانوں پر فرض قرار دیدے۔ اگر بندے خود کسی کو اطاعت کیلئے منتخب کرلیں تو گویا وہ خود اِلٰہ بن بیٹھے، اللہ تعالیٰ کے حقِ رسالت پر خود قابض ہو گئے اور یہ شرک ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ {انعام ۱۲۴} اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کس کو عطاء فرمائے۔

لہٰذا وہ جس کسی کو رسالت عطاء فرماتا ہے اُسے بنی نوعِ انسان کا امام و مُطاع بنا دیتا ہے۔ امام بنانا لوگوں کا کام نہیں۔ جو لوگ رسُول کے علاوہ دوسروں کو اپنا مطاع اور امام بنالیں، پھر انہی کی اطاعت کریں، انہی کے فتووں کو سندِ آخر سمجھیں وہ شرک فی الرسالت کے مرتکب ہوں گے۔

صرف رسول ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے امام بنا کر بھیجا جاتا ہے رسُول کو رسالت یا امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا {بقرہ ۱۲۴} (اے ابراہیمؑ) میں تمہیں لوگوں کے لئے اِمام بنا رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جانتے تھے کہ امام بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے لہٰذا وہ دُعاء فرماتے ہیں:-

وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ {بقرہ ۱۲۴} (اے اللہ) میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ○ {بقرہ ۱۲۴} (ہاں بناؤں گا لیکن) یہ وعدہ گنہگاروں کے لئے نہیں ہوگا۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوا کہ امام بنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ انسانوں کا۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ امام گنہگار نہیں ہوتا بلکہ معصوم ہوتا ہے۔ لہٰذا جو معصوم ہوگا وہی امام ہوگا، جو معصوم نہیں وہ امام بھی نہیں۔ اور معصوم سوائے نبی کے اور کوئی نہیں ہوتا لہٰذا سوائے نبی کے اور کوئی امام نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور چند اور رسُولوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے :-

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ { انبیاء ۷۳ }
ہم نے ان رسولوں کو امام بنایا تھا، وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے اُن کو نیک کام کرنے کی وحی کی تھی۔

اس آیت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبیوں کا ذکر فرمایا ہے اور اُن کے امام بنائے جانے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ امام بنانا اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ امام صرف رسولؑ ہی ہوتے ہیں۔ رسول کے علاوہ اگر کسی دوسرے کو امام بنالیا جائے تو یہ شرک فی الامامت ہے رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کو اپنے تمام اختلافات میں حَکَم ماننا اور اُس کے فیصلہ کو بلا چون وچرا تسلیم کرنا حقیقی ایمان ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے :-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ { پ ۵ }
(اے رسولؐ) آپ کے رب کی قسم لوگ اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام اختلافات میں آپ کو حَکَم نہ مان لیں اور جو فیصلہ آپ کریں اُس سے کسی قسم کی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ اُس کو برضا ورغبت تسلیم کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام اختلافات میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری سند ہیں جو لوگ اپنے معاملات میں کسی غیر نبی کو سند مانتے ہیں، اُس کے قول وفعل کو بلا چون وچرا اور بے دلیل تسلیم کرتے ہیں وہ گویا اُس کو نبی کا درجہ دیدیتے ہیں۔ آیتِ بالا کی رُو سے ایسے لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے۔

رسول ہی وہ ہستی ہے جس کی پیروی کرنے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ { آل عمران ۳۱ }
(اے رسولؐ) کہہ دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (میری پیروی کروگے تو) اللہ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

رسول ہی وہ ہستی ہے جس کی اطاعت اور پیروی سے ہدایت ملتی ہے۔ ارشادِ باری ہے :-

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا { نور ۵۴ } اگر تم رسولؐ کی اطاعت کروگے تو ہدایت یاب ہو جاؤگے۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ { اعراف ۱۵۸ } رسولؐ کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت

مل جائے۔

کیا اللہ کی طرف سے ایسی سندیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے حق میں بھی وارد ہوئی ہیں، اگر نہیں تو بے سند شخص کیسے امام ہو سکتا ہے، کیسے اس کی اطاعت اور پیروی سے ہدایت مل سکتی ہے۔

رسول ہی وہ ہستی ہے جو اپنے منصب کے لحاظ سے اس بات کا حقدار ہے کہ وہ منزّل من اللہ شریعت کی تشریح و توضیح کر سکے کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ تشریح و توضیح کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ {نحل ۴۴}

(اے رسولؐ) ہم نے یہ شریعت آپ پر (اس لئے) نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کیلئے نازل شدہ باتوں کی تشریح کر دیں اور لوگ (اپنی نجات کے متعلق) سوچ سکیں۔

رسولؐ ہی کی وہ ہستی ہے جس کے قول و فعل کی مخالفت کرنا فتنۂ عظیم اور عذاب الیم کو دعوت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ {نور ۶۳}

ان لوگوں کو جو رسولؐ کے قول و فعل کے خلاف چلتے ہیں ڈرتے رہنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

رسولؐ ہی کی وہ ہستی ہے جس کا طریقہ تمام مسلمین کیلئے ضابطۂ حیات ہے۔ یہی وہ نمونہ ہے جس کے مطابق بن کر لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی امید رکھ سکتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ {احزاب ۲۱}

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے اُس شخص کیلئے جو اللہ اور قیامت کی اُمید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

یہ نمونہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ اللہ کے نمونہ کے علاوہ دوسرے نمونے بنانا خود کو اللہ تعالیٰ کے منصب پر فائز کرنا ہے، اور یہ شرک ہے۔

رسولؐ ہی کی وہ ہستی ہے جس کی ہر بات وحی الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ — رسولؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، وہ

هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ {نجم ۲ و ۴} جو کچھ کہتا ہے وحی ہوتی ہے ۔
کیا یہ سند کسی کو حاصل ہے، اگر نہیں تو پھر کسی دوسرے کی بات کیسے سند ہو سکتی ہے ۔
رسولؐ ہی کی وہ ذات گرامی ہے جس کی ہر بات حق ہے، جو معصوم ہے ، جو کبھی غلطی پر قائم نہیں رہتا۔ ارشاد باری ہے :۔

اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝ {نمل ۹} (اے رسولؐ) بیشک آپؐ درخشاں حق پر قائم ہیں۔
کیا اللہ کی طرف سے یہ سند کسی اور کو ملی ہے ، اگر نہیں ملی تو وہ امام کیسے ہو سکتا ہے ۔ امام وہی ہو سکتا ہے جس کی ہر بات حق ہو ۔

رسولؐ ہی وہ سراجِ منیر اور روشن چراغ ہے جس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کا مطالعہ ہو سکتا ہے ۔ اگر یہ روشن چراغ نہ ہو تو پھر تاریکی میں نہ شریعتِ الٰہی کا مطالعہ ہو سکتا ہے نہ صراطِ مستقیم مل سکتی ہے ۔ ظلمت میں سوائے ضلالت کے اور کیا مل سکتا ہے۔

انسانوں میں رسولؐ ہی کی وہ ہستی ہے جس کا فیصلہ مل جانے کے بعد کسی مومن کو اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اس معاملہ میں خود کوئی رائے دے یا کسی دوسرے کی رائے لے ۔ مومن کو رسولؐ کے فیصلہ ہی پر عمل کرنا ہوگا اور بس ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ {احزاب ۳۶}

مومن مرد اور عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور رسولؐ کسی معاملہ میں فیصلہ صادر فرمادیں تو پھر بھی انہیں اس معاملہ میں کسی قسم کا اختیار باقی رہے (کہ اس فیصلہ کے مطابق کریں یا نہ کریں) اور جو شخص بھی اللہ اور اُسکے رسولؐ کی نافرمانی کریگا وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا ۔

کیا یہ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور انسان کو دیا گیا ہے ، اگر نہیں دیا گیا تو پھر وہ امام کیسے ہو سکتا ہے ؟ وہ واجب الاتباع کیسے ہو سکتا ہے ؟

کسی مومن کو اختیار نہیں کہ رسولؐ کا فیصلہ سُننے کے بعد کوئی اور بات کہے سوائے اسکے کہ " میں نے سُنا اور میں اطاعت کروں گا " اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ {نور ۵۱}

جب مومنین کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف بلایا جائے تاکہ اللہ اور اُس کا رسولؐ اُن کے درمیان فیصلہ کریں تو اُن کا قول سوائے اسکے اور کچھ نہ ہونا چاہیئے کہ " ہم نے سن لیا اور ہم نے

اطاعت کی" ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔
کیا یہ منصب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور کو عطا ہوا ہے۔ یقیناً نہیں اور جب یہ منصب کسی کو عطا نہیں ہوا تو پھر وہ واجب الاتباع کیسے ہو سکتا ہے، وہ امام کیسے ہو سکتا ہے۔
رسولؐ ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ سیدھے راستہ پر ہے۔ ارشادِ باری ہے:-
اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ {زخرف ۴۳} (اے رسولؐ) بے شک آپ سیدھے راستہ پر ہیں۔
رسولؐ ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ سیدھے راستہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-
وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ {مومنون ۷۳} (اے رسولؐ) بے شک آپ سیدھے راستہ کی طرف دعوت دیتے ہیں
رسولؐ ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ اس کی پیروی سے سیدھا راستہ مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-
وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ {زخرف ۶۱} (اے رسولؐ کہہ دیجئے) میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔
یہ آیات اس بات کی کھلی سندیں ہیں کہ رسولؐ صراطِ مستقیم پر ہے، رسولؐ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے، رسولؐ کی پیروی صراطِ مستقیم ہے۔ بتلائیے یہ سندیں اور ضمانتیں کسی اور کے پاس ہیں؟ نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو پھر وہ امام کیسے ہو سکتے ہیں، ان کی بات آخری سند کیسے ہو سکتی ہے، ان کے فتوے اور قیاسات دین میں کس طرح شامل ہو سکتے ہیں۔
رسولؐ ہی کی وہ ہستی ہے جس کی ہر دعوت اور ہر پکار حیاتِ جاوداں بخشتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام فرماتا ہے:-
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ {انفال ۲۴} اے ایمان والو، جب اللہ اور رسولؐ تمہیں ایسی بات کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے حیات بخش ہو تو فوراً ان کی بات قبول کر لیا کرو۔
رسولؐ ہی کی وہ ہستی ہے جس کی پیروی نہ کرنا میدانِ محشر میں باعثِ حسرت و ندامت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ ارشاد فرماتا ہے:-

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ {فرقان ۲۷}
روزِ محشر گنہگار اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا اے کاش میں نے رسولؐ کی پیروی کی ہوتی۔

رسولؐ ہی کی وہ ہستی ہے جس کی پیروی سے رحمت ملتی ہے۔ اللہ عزّ وجلّ کا فرمان ہے:-

رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ {اعراف ۱۵۶، ۱۵۷}
میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔ یہ رحمت میں ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی وہ لوگ جو رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں۔

رسولؐ ہی کی وہ ہستی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، جو تقیہ نہیں کرتا جو بے خوف وخطر حق کو بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ {احزاب ۳۹}
جو لوگ اللہ کی رسالت کو پہنچاتے ہیں اور اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے (وہی آپ کیلئے نمونہ ہیں)

بھلا جو لوگ غیر اللہ سے ڈرتے ہوں، تقیہ کرتے ہوں، تقیہ کر کے حق کو چھپاتے ہوں وہ کیسے معصوم ہو سکتے ہیں، ان کی ہر بات کیسے حق ہو سکتی ہے، وہ کیسے امام ہو سکتے ہیں۔ امام تو درحقیقت وہی ہو سکتا ہے جو بے خوف وخطر اللہ کے احکام کی تبلیغ کرے اور کسی ملامت کرنے والے، طعنہ دینے والے کی پرواہ نہ کرے بلکہ اپنے مخالفین کو چیلنج دے کر تم سب مل کر جو کچھ میرے خلاف کرنا چاہتے ہو کر گذرو اور مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دو۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:-

فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ {یونس}
تم اپنے تمام شرکاء کو جمع کرو پھر (میرے خلاف) جو کچھ کرنا چاہو سب مل کر اس کا فیصلہ کرو، تمہاری تدبیر کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہ رہ جائے پھر میرے خلاف (جو چاہو) کر گذرو اور مجھے (ذرا سی بھی) مہلت نہ دو۔

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:-

فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ
تم سب مل کر میرے خلاف جو تدبیر کرنی چاہو

لَا تُنْظِرُوْنِ ○ {ہود ۵۵} کر لو پھر مجھے (ذرا سی بھی) مہلت نہ دو۔

اللہ تعالیٰ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ {اعراف ۱۹۵} (اے رسولؐ) آپؐ کہہ دیجئے کہ اپنے شریکوں کو بُلاؤ اور (سب مل کر) میرے خلاف جو تدبیر کرنی چاہو کرو، پھر مجھے (ذرا سی بھی) مہلت نہ دو۔

اس حکمِ الٰہی کی تعمیل میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قوم کو چیلنج دے دیا اور کسی قسم کا خوف محسوس نہیں کیا۔

الغرض رسُولوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ وہ بے خوف وخطر ہر مسئلہ کو بیان کرتے ہیں خواہ مخالفین اس مسئلہ کو سن کر کتنے ہی غیظ و غضب میں آئیں۔ اگر رسُول ایسا نہ کریں تو حقِ رسالت ادا نہیں ہوگا جیساکہ ارشاد باری ہے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (مائدہ۔ ۶۷)

جن علماء کو لوگوں نے خود امام بنالیا ہے اور ان کی اطاعت کو واجب قرار دے لیا ہے اُن کے ایمان کے ثبوت میں بھی ان کے پاس کوئی یقینی ذریعہ نہیں۔ ہم صرف ان کے ظاہری عقائد و اعمال کی بنا پر حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ مؤمن ہیں۔ لیکن ان کے مؤمن ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ان کی تمام باتیں سوفیصدی صحیح ہوں گی، ان کی زبان سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلے گا، ان سے اجتہادی غلطی نہیں ہوگی۔ وہ تقیہ نہیں کریں گے۔ خوف و مصلحت کی خاطر حق کو نہیں چھپائیں گے، نہ ہمارے پاس ان کے متعلق وحیِ الٰہی کی ایسی کوئی سند ہے نہ خود ان اماموں کے پاس وحیِ الٰہی کی ایسی کوئی سند ہے نہ اُن کے پاس وحی آتی ہے کہ ان کو غلطی سے بچائے تو پھر بتائیے کہ ایسی صورت میں وہ امام کیسے ہوسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ {محمد ۳۳} اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسُولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار اطاعتِ رسُولؐ پر ہے۔ تمام اعمالِ حسنہ جو رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نہ کئے جائیں باطل ہیں۔ کیا یہ حیثیت بھی کسی اور کو حاصل ہے۔ اگر نہیں تو وہ امام کیسے ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ {آل عمران}

یقیناً اللہ نے مؤمنین پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں اُنہیں میں سے ایک رسولؐ مبعوث کیا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

کیا ایسی سند اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور کو حاصل ہے۔ کیا کسی دوسرے کی اتباع سے تزکیۂ نفس ہونا یقینی ہے۔ کیا کسی اور شخص کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے کتاب و حکمت کا جو مفہوم بتایا ہے وہ یقیناً صحیح ہے۔ اگر نہیں تو وہ امام کیسے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ {نساء ۵۹}

اگر تم لوگوں میں کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملہ میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔

کیا آپس کے اختلافات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی کوئی اور آخری سند مقرر کیا گیا ہے، اگر نہیں تو پھر وہ امام کیسے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ {نساء}

(اے رسولؐ) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان (اس طرح) فیصلہ کریں جس طرح اللہ آپ کو بتائے۔

کیا کسی اور کے فیصلے بھی اللہ کی رہنمائی میں صادر ہوتے ہیں۔ اگر نہیں تو انکی بات کیسے سند ہو سکتی ہے۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جس کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ جس کا طریقہ واجب الاتباع ہے۔ جس کی ہر بات وحی ہے، جو خود ہدایت پر ہے اور ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے، جس کی اطاعت و اتباع سے ہدایت ملتی ہے۔ جس کی پیروی سے ولایت ملتی ہے۔ جس کے پاس ان تمام باتوں کیلئے وحی الٰہی کی سند ہے اور وہ ہستی صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ تو پھر بتائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی اطاعت سے، کسی اور کو آخری سند یا امام بنانے سے سوائے نقصان کے اور کیا مل سکتا ہے۔ یہ نقصان دو قسم کا ہو گا ایک شرک فی الرسالت یا شرک فی الامامت کا، دوسرا فرقہ بندی کا۔

شرک کسی قسم کا بھی ہو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا لہٰذا اس سے بچنا بڑا ضروری

ہے ورنہ نجات ناممکن ہے۔

فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ صرف ایک متفق علیہ امام کو امام مانا جائے۔ ایسا امام سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کون ہو سکتا ہے، کوئی فرقہ ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واجب الاتباع نہ مانتا ہو، اُن کی پیروی کو ذریعۂ نجات نہ سمجھتا ہو۔

اتباعِ رسولؐ مقصد ہے، علماء اور فقہاء ذریعہ تو ہو سکتے ہیں مقصد نہیں بن سکتے، علماء اور فقہاء امامؐ کی باتیں ہم تک پہنچانے والے ہیں خود امام نہیں ہیں۔ امام ہمارا صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام بنایا ہے۔

جماعت المسلمین اسی دعوت کو لے کر اٹھی ہے۔ آیئے، صرف اللہ کے بنائے ہوئے امام کو امام مانیئے۔ فرقہ بندی ختم کر دیجئے، سب ایک مرکز پر جمع ہو جائیے اور ایک ہو جائیے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سلسلۂ اشاعت ۴۶ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ہمارا دین صرف ایک — یعنی اسلام

اللہ تعالیٰ ہمارا حاکم ہے، اطاعت و عبادت صرف اُسی کا حق ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے جو قانون ہمارے لئے بھیجا ہے اُس قانون کو دین کہتے ہیں۔ اور اس دین کا نام اسلام ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵/۳) "میں نے تمہارے لئے جس دین کو پسند کیا وہ اسلام ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا اور اس اسلام کو اپنے تمام بندوں پر واجب العمل قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران ۱۹) "بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔"

اسلام کے علاوہ کوئی دین یا قانون اللہ کے بندوں پر نافذ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اسلام کے علاوہ کسی اور دین یا قانون کو حق مانتے ہیں، اُس پر چلتے ہیں یا اُس کے متلاشی ہیں اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

"کیا ان لوگوں کو اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش ہے حالانکہ آسمان زمین والے سب طوعًا و کرھًا اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں اور اُسی کی طرف ان سب کو لوٹ کر جانا ہے۔"

جو لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور قانون یا ضابطہ کی پیروی کرتے ہیں وہ آخرت میں سُرخرو نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

"جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا متلاشی ہوگا تو وہ دین اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا اور آخرت میں وہ نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"

اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ أَسْلِمُوْا (ج ۳۴) "تمہارا الٰہ صرف ایک ہے لہٰذا صرف اُسی کیلئے اسلام لاؤ یعنی صرف اُسی کی فرمانبرداری کرو۔"

اسلام کے معنی سپرد کر دینے کے بھی ہیں جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے، اب وہ اپنی خواہشات پر نہیں چلتا بلکہ اُس کی تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے اشارہ پر ہوتی ہیں۔ وہ آزاد نہیں ہوتا بلکہ احکام الٰہی کا پابند ہوتا ہے، اُس کا تو پھر یہ قول ہوتا ہے:۔

مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (انعام ۱۶۲) "میری زندگی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔"

اسلام کے معنی سر جھکا دینے یعنی سرِ تسلیم خم کر دینے کے بھی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (بقرہ ۱۱۲)

"البتہ جو شخص اللہ کیلئے سرِ تسلیم خم کر دے اور نیک کام کرتا ہے اُس کیلئے اُس کے رب کے پاس (اچھا) بدلہ ہے۔"

اسلام ہی ہدایت ہے اور اسلام پر چلنے ہی سے ہدایت ملتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَإِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ (اے رسول!) اگر یہ آپ سے جھگڑیں تو کہہ دیجئے کہ

وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران)

میں نے اور میرے متبعین نے اللہ کیلئے سر تسلیم خم کر دیا ہے اور (اے رسولؐ) آپ اہل کتاب اور ناخواندہ لوگوں سے پوچھئے "کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ہدایت یاب ہو جائیں گے اور اگر وہ (اسلام سے) منہ موڑیں تو آپکے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے"۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (انعام)

(اے رسولؐ) آپ کہدیجئے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں"۔

اسلام ایک نعمت ہے اور یہ نعمت اسی کو ملتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پانے کی توفیق ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام ۱۲۵)

"جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے تو اُسکے سینہ کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے"۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (زمر)

"جس شخص کے سینہ کو اللہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے تو پھر وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہو جاتا ہے"۔

آیاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ اسلام نورِ ہدایت ہے، یہ ہدایت اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ انسانوں کے افکار اور تصورات کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (بقرہ)

(اے اولادِ آدم) جب کبھی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی اُنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى (بقرہ)

(اے رسولؐ) آپ کہدیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی درحقیقت ہدایت ہے"۔

یہ ہدایت اسلام کی صورت میں نازل ہوئی۔ اس کے نازل ہونے کے بعد اب کسی اور چیز کی پیروی میں گمراہی کے سوا اور کیا مل سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے نازل کردہ قانون (یعنی اسلام) کی پیروی کو فرض کر دیا اور دوسروں کی پیروی کو حرام کر دیا۔ ارشادِ باری ہے:۔

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ (۳) اے لوگو! جو چیز تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل ہوئی ہے (صرف) اُس کی پیروی کرو اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو۔"

جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے اُسے کامل بھی کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ (۳) آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔"

اے ایمان والو! اس آیت پر غور کیجئے، سوچئے کہ آپ کا دین کامل ہے یا نہیں؟ کیا اس میں کوئی کمی ہے، کیا اس میں کوئی نقص ہے؟ اگر اس دین میں کوئی کمی یا نقص ہے تو پھر دین کامل نہیں ہو سکتا یقیناً اس دین کو آپ کامل ہی سمجھتے ہوں گے۔ تو پھر سوچئے کہ یہ دین کس دن کامل ہوا تھا۔ آپ یہی کہیں گے کہ اُس دن کامل ہوا تھا جس دن مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تھی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً تین مہینے پہلے نازل ہوئی تھی، گویا دین اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کامل ہوا تھا۔ پھر آپ سوچئے کہ وہ کیا چیزیں تھیں جن میں یہ دین کامل ہوا تھا۔ یقیناً وہ دو ہی چیزیں تھیں۔ ایک قرآن مجید، دوسری حدیث شریف۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اسلام صرف قرآن و حدیث کے اندر محفوظ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہیئے کہ اسلام، قرآن و حدیث کا نام ہے۔ ان ہی دو چیزوں میں اسلام مکمل ہوا تھا تیسری کوئی چیز اس دین میں نہ اُس وقت شامل تھی اور نہ اب شامل ہو سکتی ہے۔ تیسری چیز اس دین میں اُسی وقت شامل ہو سکتی ہے جب اس دین کو ناقص مانا جائے لیکن یہ عقیدہ قرآن مجید کے خلاف ہے لہٰذا کفر ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اسلام کامل دین ہے لہٰذا اب اس میں نہ کسی کے اجتہاد و قیاس کو داخل کرنے کا سوال پیدا ہو سکتا ہے اور نہ کسی نیک کام کو شامل کرنے کا جو پہلے سے اس میں موجود نہ ہو۔ یعنی اسلام میں رائے اور بدعتِ حسنہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

قارئین کرام، اسلام کو کامل مان لینے کے بعد اب آپ ذرا اپنی حالت کا بھی جائزہ لیجئے کیا آپ کا دین وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ کیا آپ کا دین قرآن و حدیث کے اندر ہی محفوظ و محصور ہے یا قرآن و حدیث کے علاوہ بھی بعض چیزوں کو آپ نے دین شمار کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس دین کو قرآن و حدیث کے اندر ہی محفوظ و محصور مانتے ہیں تو پھر آپ فرقوں میں

کیوں بٹے ہوئے ہیں! سب کا دین ایک کیوں نہیں ہوتا؟ کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ آپ نے سرچشمۂ ہدایت سے آگے بڑھ کر کسی اور چیز کو بھی ہدایت سمجھ رکھا ہے! کیا یہ صحیح نہیں کہ آپ نے ائمہ اور علماء کے فتووں اور اجتہادات کو

بھی دین بھی رکھا ہے، یہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث کو ان کا تابع کر دیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے قانون کو انسانوں کی رائے کا تابع کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ کفر نہیں ہے؟

کیا آپ نے کبھی مذاہبی دُنیا کا جائزہ لیا، یہ تو ضرور ہے کہ بعض فرقے بعض فرقوں کو گمراہ سمجھتے ہیں لیکن بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو حق پر سمجھتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ان چار یا پانچ فرقوں کے فرقہ وارانہ مذاہب میں سے ہر ایک اسلام ہے یا ان فرقہ وارانہ مذاہب کا مجموعہ اسلام ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری بات کا تو آپ بڑی آسانی سے انکار کر دیں گے اس لئے کہ اس کو مان لینے کے بعد تو کسی مذہب میں بھی پورا اسلام نہیں ہوگا۔ اسلام کا ایک جزء ہی ہوگا اور یہ بات کسی کو منظور نہیں ہوگی کہ وہ اپنے مذہب کو کامل اسلام نہ سمجھے۔ رہ گئی دوسری صورت یعنی ان میں سے ہر ایک اسلام ہے، تو پھر ایک اور مشکل پیش آئیگی۔ وہ یہ کہ ان فرقہ وارانہ مذاہب میں بے حد اختلاف ہے، حلال و حرام کا فرق ہے۔ ایک ہی چیز ایک مذہب میں حلال ہے تو دوسرے میں حرام ہے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ دونوں حق پر ہیں، یعنی دونوں فرقہ وارانہ مذہب اسلام ہیں، سوچئے کیا ہر ایک کو اسلام ماننے کے بعد نتیجہ یہ نہیں نکلیگا کہ ایک اسلام کے کئی اسلام بن جائیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا یہ صحیح صورت ہے؟ ہرگز نہیں، ایک نومسلم اس بات سے کتنا پریشان ہوگا جبکہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ تمام مذاہب ایکدوسرے کے مخالف ہوتے ہوئے بھی اسلام ہیں۔ اگر کسی مذہب میں کوئی چیز حلال ہے تو وہ بھی اسلام ہے، اگر دوسرے مذہب میں وہی چیز حرام ہے تو وہ بھی اسلام ہے۔ ایں چہ بوالعجبیست۔ اس کے مقابلہ میں اگر اس نومسلم سے یہ کہدیا جائے کہ "بس جو کچھ قرآن وحدیث میں ہے، وہ اسلام ہے۔" تو یہ بات اس کیلئے کتنی سکون بخش ہوگی۔

قارئین کرام غور کیجئے، آخر ان مذاہب کے بنانے کی کیا ضرورت تھی، فتووں کو دین میں داخل کرنیکی کیا ضرورت تھی، کیا قرآن وحدیث میں کامل اسلام نہیں تھا۔ اگر نہیں تھا تو یہ ماننا پڑیگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا اسلام ناقص تھا نعوذ باللہ من ذٰلک۔ ان فتووں نے ایک اسلام کے کئی اسلام بنا دئے ان کی وجہ سے امت کئی فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔ اللہ اور اس کے رسول نے جس بات کی سختی سے ممانعت کی تھی امت اسی پر کاربند ہوگئی پھر جو نقصان ہوا وہ ظاہر ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران) "اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔"

اللہ کی رسی یقیناً اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے جو اس نے نازل فرمائی ہے اور جو ظاہر ہے کہ صرف قرآن وحدیث کے اندر محفوظ ہے، لہٰذا صرف قرآن وحدیث کو دین ماننے کے بعد ہی ہم سب ایک ہو سکتے ہیں اور فرقہ بندی سے بچ سکتے ہیں۔

اہل کتاب میں بھی کئی فرقے ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی روش سے ہوشیار کر کے فرقہ بندی کی ممانعت فرمائی تھی، ارشاد باری ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران)
"(اے ایمان والو) تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقہ فرقہ ہوگئے اور واضح دلائل آنے کے بعد بھی اپنے اختلافات پر جمے رہے ایسے لوگوں کیلئے عذاب عظیم ہے۔"

دوسری جگہ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی غلط روش کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ (بینہ)
"اہل کتاب دلیل آجانے کے بعد ہی متفرق ہوئے یعنی اپنے اپنے مذہب پر جمے رہے) حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔ دین کو خالص اللہ کیلئے مانتے ہوئے صرف اللہ کیلئے ہو جائیں۔"

لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا، علماء کے فتووں اور فرقہ وارانہ مذاہب کو بھی دین سمجھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان معلوم ہو جانے کے بعد بھی اپنے اپنے علماء کی باتوں پر جمے رہے، گویا اُنہوں نے ان علماء کی عبادت کی حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کیلئے ہی عبادت کریں۔

قارئین کرام سوچیے، کیا یہی صورت موجودہ فرقوں میں نہیں پائی جاتی؟ کیا قرآن وحدیث کے ٹھوس دلائل مل جانے کے بعد بھی ہر فرقہ کے لوگ اپنے اپنے مذہب پر جمے نہیں رہتے؟ غور کیجیے کیا یہ فعل آیتِ بالا کی رُو سے شرک نہیں؟ کاش ان لوگوں میں اختلاف نہ ہوتا اور اگر ہو گیا تھا تو واضح دلیل مل جانے کے بعد اُسے ختم کر دیتے، کاش اس اختلاف کو بنیاد بنا کر فرقہ نہ بناتے، اصول ایک ہی مانتے یعنی صرف قرآن وحدیث ہی کو دین سمجھتے۔ جب آیت یا حدیث مل جاتی تو اُس کی روشنی میں اپنے آپ کو موڑ لیتے، آیت یا حدیث کو نہ موڑتے، اپنے اختلاف کی خاطر قرآن وحدیث سے صرفِ نظر نہ کرتے۔ نہ قرآن وحدیث کو اپنے مذہب کا تابع بناتے۔ کاش اگر ایسا ہوتا تو یہ فرقہ بندی کی لعنت کبھی مسلط نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ کا راستہ ایک تھا ہم صرف اُسی پر چلتے تو ایک رہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ (انعام)
"یہ میرا سیدھا راستہ ہے، اِس پر چلتے رہو اور (خبردار) دوسرے راستوں پر نہ چلنا ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔"

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا (روم)
"دین (اسلام) پر یکسو ہو کر قائم رہو۔"

یعنی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی طرف متوجہ نہ ہو، تمہاری تمام توجہ کا مرکز صرف اسلام ہو، یعنی صرف قرآن وحدیث پر یکسو ہو کر عمل کرو۔ فرقہ بندی سے بچو۔ فرقہ بندی بہت بُری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (انعام ۱۵۹)
"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فرقہ فرقہ بن گئے (اے رسولؐ) آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔"

فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور یقیناً اسے ہر شخص ناپسند کریگا لیکن اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں

آئی کہ دینی شخص جو فرقہ بندی سے بیزار ہے کیوں اس موجودہ فرقوں سے الگ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ "یہ تمہاری جماعت حقیقتاً ایک ہی جماعت ہے
اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ (مومنون) اور میں تم سب کا رب ہوں لہٰذا مجھ سے ڈرتے رہو"

اللہ تعالیٰ ہم کو ایک جماعت دیکھنا چاہتا ہے تو پھر کیوں نہ ہم ایک جماعت بن جائیں۔ فرقے فرقے بنا لینا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو ہم کو اس سے بیزار ہونا چاہیے۔

قارئین کرام، سوچیے اختلاف اور فرقہ بندی کو ختم کرنے کی کیا صورت ہے۔ اگر آپ سنجیدگی سے غور کریں گے تو آپ خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس کی بس ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنا دین صرف اسلام کو مانیں، فرقہ وارانہ مذاہب سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اسلام پر عمل کرنے کیلئے صرف قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں جو چیز قرآن و حدیث میں نہ ہو اُس پر رائے زنی نہ کریں، نہ رائے زنی ہوگی نہ اختلافات ہوں گے جماعت المسلمین یہی دعوت لیکر کھڑی ہوئی ہے۔ اُٹھیے، جماعت المسلمین کی دعوت قبول کیجیے اور اُس کے ساتھ تعاون فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی : اللہ تبارک و تعالیٰ	.. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	.. فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام	.. فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی : اللہ کا رکھا ہوا نام مسلم	.. فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیاد محبت	صرف ایک	یعنی : اللہ تعالیٰ سے تعلق	.. دنیوی تعلقات نہیں
وجہ افتخار	صرف ایک	یعنی : ایمان باللہ العظیم	. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔
لٹریچر مفت طلب فرمائیں۔

جماعت المسلمین
مسجد المسلمین، کوثر نیازی کالونی، نزد ناظم آباد، کراچی

جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ اشاعت ۵۵

ہمارا نام صرف ایک ــــــ یعنی مُسلِم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا (حج ۷۸)

اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن سے پہلے بھی اور اِس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلِم رکھا ہے۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب بنی نوع انسان کو پیدا کیا تو اپنے ماننے والوں کا نام مسلِم رکھا۔ گویا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی نبی آئے وہ سب مسلِم کہلاتے تھے اور ان پر ایمان لانے والے بھی مسلِم ہی کہلاتے تھے۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اذکارِ جلیلہ کے سلسلہ میں لفظ مسلِم بار بار استعمال ہوا ہے۔ متعلقہ آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں :۔

(۱) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ، اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ، اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (یونس ۷۱ ، ۷۲)

(اے رسول) ان کو نوح (علیہ السلام) کا حال سنائیے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم ، اگر میرا منصب اور اللہ کی آیات کے ذریعہ میری نصیحت تم پر گراں گزرتی ہے تو میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، تم اپنے تمام شرکاء کو جمع کرو، پھر (میرے خلاف) جو کچھ کرنا چاہو سب مل کر اس کا فیصلہ کرو تمہاری تدبیر کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہ رہ جائے، پھر (اس متفقہ تدبیر کے مطابق) میرے خلاف (جو چاہو) کر گذرو اور مجھے (ذرا سی بھی) مہلت نہ دو۔ پھر (اس چیلنج کے بعد بھی) اگر تم منہ موڑو تو میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اُجرت تو اللہ کے ذمہ ہے۔ مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلم تھے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (آل عمران)

ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک اللہ کے ماننے والے مسلم تھے۔ وہ مشرکین میں سے بھی نہیں تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (بقرہ - ۱۳۲)

تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے پوتے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سب مسلم تھے۔

(۳) حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا۔ عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اُس بستی سے بخیر و عافیت باہر نکال لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (ذاریات - ۳۶)

ہمیں اس بستی میں کوئی مسلم گھر نہ ملا سوائے ایک گھر کے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلم تھے۔

(۴) حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مل کر اس طرح دعا کرتے ہیں :-

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (بقرہ ۱۲۸)

اے ہمارے رب ہم کو اپنا مسلم بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا مسلم بنا۔

(۵) حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت ان کے تمام صاحبزادے بیک زبان کہتے ہیں :-

نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (بقرہ - ۱۳۳)

ہم سب صرف اللہ کے مسلم ہیں۔

(۶) حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح دعاء کرتے ہیں :-

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○

اے رب مجھے اس حالت میں موت دے کہ میں

(یوسف ـ ۱۰۱) مسلم ہوں اور مجھے صالحین کی رفاقت عطا فرما۔

(۷) حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ (یونس ـ ۸۴)

موسیٰ (علیہ السّلام) نے (اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو اور مسلم بن گئے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

(۸) حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے مقابلہ کرنے والے جادوگر جب مسلم ہوئے تو فرعون نے انہیں پھانسی دینے کی دھمکی دی، فرعون کی دھمکی سن کر اُن اللہ کے بندوں نے اس طرح دعاء کی :۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ (اعراف ـ ۱۲۶)

اے ہمارے رب ہمیں صبر عطاء فرما اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم مسلم ہوں۔

(۹) حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ملکہٗ سبا کو خط لکھا، اُس خط میں انہوں نے تحریر فرمایا :۔

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ (نمل ـ ۳۱)

میرے ساتھ سرکشی نہ کرو اور مسلم بن کر میرے پاس آجاؤ۔

ملکہٗ سبا نے فرمایا :۔

اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (نمل ـ ۴۴)

میں سلیمان (علیہ السّلام) کے ساتھ اللہ ربّ العالمین کی مسلم ہوگئی۔

(۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ، قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (اٰل عمران ـ ۵۲)

جب عیسیٰ (علیہ السّلام) نے اپنی قوم میں کُفر (کے رجحان) کو محسوس کیا تو کہا کون اللہ کے راستہ میں میرا مددگار ہے، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے (راستہ میں آپ کے) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم ہیں۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السّلام پر ایمان لانے والوں کا ایک ہی نام تھا اور وہ نام مسلم تھا۔ بعد میں انہوں نے اس نام کو بدل دیا۔ کسی نے یہودی یا بنی اسرائیل نام رکھ لیا اور کسی نے عیسائی، علیٰ ہذا القیاس تمام اُمتوں نے اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام بدل دیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو گذشتہ اُمتوں میں دنیا کے کسی گوشہ میں ایک متنفس

بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے آپ کو مسلم کہلواتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایمان لانے والوں کا پھر وہی نام رکھا۔ قرآن مجید میں بار بار اس بات پر زور دیا کہ ایمان والوں کا نام مسلم ہی ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (زمر۔ ۱۲)

(اے رسول) آپ کہہ دیجئے "مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلم بنوں"۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے :-

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (انعام۔ ۱۶۲ و ۱۶۳)

(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران۔ ۸۴)

(اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ) ہم تو صرف اللہ کے مسلم ہیں۔

مؤمنین کے ذریعہ مسلم نام کا اعلان اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو بھی بار بار اسی نام کے اعلان کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (بقرہ۔ ۱۳۶)

(اے اہل ایمان، کہدو کہ) ہم تو صرف اللہ کے مسلم ہیں۔

جماعت المسلمین کو بشارت جماعت المسلمین کو خوش خبری دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ (زخرف۔ ۶۸ و ۶۹)

(قیامت کے دن میں کہوں گا) اے میرے بندو آج تم کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہوگے (یہ بات اُن لوگوں سے کہی جائے گی) جو ہماری آیتوں پر پر ایمان لائے تھے اور مسلم تھے۔

مسلم اور مجرم کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ (قلم۔ ۳۵)

کیا ہم مسلمین کو مجرمین کے مانند قرار دیں گے۔

جنات میں بھی اہل اللہ کا نام مسلم ہے اللہ تعالیٰ نے مسلم نام صرف ایمان والے انسانوں کا ہی نہیں رکھا بلکہ جو جنات ایمان لائے تھے وہ بھی اپنے کو مسلم ہی کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنات آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس طرح کہتے ہیں :-

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ (جن - ۱۴)

ہم میں سے بعض مسلم ہیں اور بعض ظالم ہیں تو جن لوگوں نے اسلام قبول کیا انہوں نے بھلائی کا ارادہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو ہدایت اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا :-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران - ۱۰۲)

اے ایمان والو، اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

جماعت المسلمین کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر و شر کے زمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "(ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ) لوگ (گمراہی کی طرف) اس طرح دعوت دیں گے گویا کہ وہ دوزخ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر دوزخ میں آنے کی دعوت دے رہے ہیں، جو شخص ان کی پکار پر لبیک کہے گا وہ اسے جہنم میں ڈال دیں گے (یعنی جس نے اُن کا کہنا مان لیا وہ یقیناً دوزخ میں جلے گا)" حضرت حذیفہؓ نے کہا "اے اللہ کے رسول، ان کی کچھ صفت بیان کیجئے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

هُمْ مِّنْ جِلْدَتِنَا وَیَتَكَلَّمُوْنَ بِاَلْسِنَتِنَا۔

وہ ہماری ہی قوم کے آدمی ہوں گے اور ہماری ہی زبان میں باتیں کریں گے۔

حضرت حذیفہؓ نے پوچھا "اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو (کیا کروں؟) آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِمَامَهُمْ۔

تم جماعت المسلمین اور جماعت المسلمین کے امیر سے چمٹے رہنا۔

حضرت حذیفہؓ نے پوچھا "اگر جماعت المسلمین نہ ہو اور نہ اُس کا کوئی امیر ہو (تو میں کیا کروں؟)" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ بِاَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى یُدْرِكَكَ

(ایسی حالت میں بھی) تم تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔ خواہ تمہیں درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں

اَلْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰی ذٰلِكَ (صحیح بخاری کتاب الفتن باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ وصحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعۃ) حتیٰ کہ اسی حالت میں تمہیں موت آجائے (تو مرجانا لیکن کسی فرقہ میں شامل نہ ہونا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا ارشادِ گرامی بالکل واضح ہے، اس میں نہ کوئی الجھن ہے نہ ابہام اس پیشین گوئی کے مطابق جب اُمّت میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور اُمّت مختلف فرقوں میں بٹ جائیگی تو اس وقت اگر اللہ والوں کی جماعت ہوگی تو اس کا نام جماعت المسلمین ہوگا۔ یہ جماعت ان تمام فرقوں سے علیحدہ ہوگی دوزخ کی طرف بلانے والوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

<u>وصایائے نبوی</u> اس حدیث میں دو باتوں کی وصیّت ہے :-

① جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا۔

② جماعت المسلمین نہ ہو تو تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر اگر درخت کی جڑیں چبانی پڑیں تو درخت کی جڑیں چبانا اور اسی حالت میں مَر جانا۔

بتائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن وصیّتوں پر کس طرح عمل کیا جائے۔ اگر جماعت المسلمین ہے تو اُس میں شامل ہو جائیے، نہیں ہے تو پھر تمام فرقوں سے کنارہ کش ہو جائیے اور اسی حالت میں مرجائیے۔

الغرض حدیثِ بالا کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم تمام فرقوں سے علیحدہ رہیں، صرف مسلم بنیں، اپنے کو صرف مسلم کہیں اور صرف جماعت المسلمین سے وابستہ رہیں۔

<u>حکمِ رسول</u> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جاہلیّت کی پکار پکاری وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے"۔ ایک شخص نے پوچھا "اے اللہ کے رسول، اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے"۔ پھر فرمایا "فَادْعُوْا بِدَعْوَی اللّٰہِ الَّذِیْ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ عِبَادَ اللّٰہِ" لہٰذا (مسلمین کو) اس ہی لقب سے پکارو جس لقب سے اللہ نے، جس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے، پکارا ہے، یعنی مؤمنین، اللہ کے بندے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الامثال وغیرہ)

اللہ اللہ، جب القاب تک بدلنے کی اجازت نہیں تو نام بدلنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ لوگوں نے نام بدل ڈالا اور پھر اس پر فخر بھی کر رہے ہیں۔ بتلائیے <u>کیا آپ اپنے آپ کو صرف مسلِم کہنے کے لئے تیار ہیں؟</u>

ہمیں امید ہے کہ آپ ضرور اس کے لئے تیار ہوں گے۔ بہرحال اِشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران-٦٤) آپ گواہ رہیئے کہ ہم تو مسلِم ہیں۔

سلسلۂ اشاعت ۴۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہماری محبّت کی بنیاد صرف ایک یعنی اللہ تعالیٰ

محبت کی بنیادیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ کبھی محبت کی بنیاد رشتہ داری ہوتی ہے، کبھی شرکت ہوتی ہے، کبھی دولت ہوتی ہے، کبھی خوبصورتی ہوتی ہے، کبھی قومیت ہوتی ہے، کبھی وطنیت ہوتی ہے اور کبھی محبت کی بنیاد اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرۃ) "مومن سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مومن درحقیقت وہ ہے جو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرے اور جو شخص سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے نہیں کرتا وہ مومن نہیں۔ مومن کا سب سے بڑا محبوب اللہ تعالیٰ ہونا چاہیے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ۨاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ۝ (توبہ)

"(اے رسول) کہہ دیجیے کہ اگر تم کو اپنے آبا، واجداد، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، مال جو تم نے کمایا ہے، تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے رہتے ہو، اور تمہارے پسندیدہ مکانات، اللہ، اس کے رسول اور اللہ کے راستے میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ کے حکم (یعنی عذاب) کا انتظار کرو اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ مومن کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔ لہٰذا ان تمام وجوہ سے جن کی بنیاد پر کسی سے محبت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے کی وجہ سب سے زیادہ اشد اور عظیم ہونی چاہیے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی اللہ والے سے محبت نہیں کرتا تو اس کا منطقی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت کرنے اور اللہ والوں سے محبت کرنے ہی سے ایمان کی مٹھاس مل سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا

"تین چیزیں جس شخص میں ہوں اس نے ایمان کی مٹھاس پالی (۱) جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو (۲) جو کسی بندے

يُحِبُّهٗ إِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ (صحیح بخاری، صحیح مسلم کتاب الایمان)

سے محبت کرے تو صرف اللہ کیلئے محبت کرے (۳) اور جو کفر میں واپس جانیکو اسکے بعد کہ اللہ نے اُسے کفر سے نجات دیدی ہو اتنا بُرا سمجھے جتنا بُرا کہ وہ آگ میں ڈالے جانے کو سمجھتا ہے۔"

جس طرح محبت اللہ کیلئے ہونی چاہیئے اسی طرح بُغض بھی اللہ کیلئے ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالٰے ارشاد فرماتا ہے:-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"تم ایسی کوئی قوم نہیں پاؤگے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لانیکے باوجود ایسے لوگوں سے محبت کرے، جو اللہ اور اُس کے رسُول کی مخالفت کرتے ہیں خواہ وہ اُن کے آباء و اجداد یا بیٹے یا بھائی یا برادری ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں، ایسے ہی لوگوں کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو پیوست کر دیا ہے اور اپنی رُوح سے ان کی مدد کی ہے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالٰی ایسے باغات میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے، یہی اللہ کا لشکر ہے اور خبردار رہو بے شک اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔"

جو شخص اللہ تعالٰی کا دُشمن ہے ایمان والوں کو بھی اُسے اپنا دُشمن سمجھنا چاہیئے۔ اللہ فرماتا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (توبہ)

اے ایمان والو، اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان سے زیادہ کفر کو پسند کریں تو اُن کو دوست نہ بناؤ اور تم میں سے جو شخص ان کو دوست بنائے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (ممتحنہ)

اے ایمان والو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کو محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔

آگے فرمایا:-

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

اور جو کوئی تم میں سے ایسا کریگا تو وہ سیدھے

سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝ { ممتحنہ } راستے سے بھٹک گیا۔

ایمان باللہ کا تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے محبت کی جائے، اللہ تعالیٰ ہی کیلئے بغض رکھا جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے بغض نہیں رکھتا وہ آیات بالا کی رُو سے ظالم ہے، گمراہ ہے۔ ایسے لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ { ممتحنہ } قیامت کے روز تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد تمہیں ہرگز (کسی قسم کا) فائدہ نہ پہنچا سکیگی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ محبت اور بغض کی بنیاد اللہ تعالیٰ ہے۔ جو اللہ کا ہے اس سے ہمیں محبت ہونی چاہیئے۔ جو اللہ کا نہیں ہے اُس سے ہمیں للّٰہی بغض ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا جس کسی سے جیسا تعلق ہوگا ہمارا بھی اُس کے ساتھ ویسا ہی تعلق ہوگا۔ ہمارے تعلقات للّٰہیت کے ماتحت ہوں گے جس شخص کا جتنا زیادہ تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوگا اُتنی ہی زیادہ محبت کا وہ حقدار ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ تعلق رسُول کو ہوتا ہے لہٰذا ہمیں بھی مخلوقات میں سب سے زیادہ محبت رسُول سے ہونی چاہیئے، ایمان باللہ کا تقاضہ یہی ہے۔ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ { صحیح بخاری وصحیح مسلم } تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مُومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے باپ، اُس کے لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ { احزاب } مؤمنین کو چاہیئے کہ نبی کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھیں۔

رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد پھر درجہ بدرجہ تمام رسولوں اور مُومنین سے محبت ہونی چاہیئے۔ مُومن سے محبت کیوں کی جائے؟ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اسی تعلق کا تقاضہ ہے کہ ہم اس سے محبت کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ { توبہ } مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔

ہمیں ہر مُومن سے ایسی محبت ہونی چاہیئے جیسی محبت اپنے بھائی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ { حجرات } یقیناً مُومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:۔

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ {صحیح بخاری وصحیح مسلم} ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے۔
مؤمنین کا آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بن جانا یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا	اللہ کی نعمت کو یاد کرو، ایک وہ وقت تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈالدی پھر تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بن جانا یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ زمین کی تمام دولت خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی، یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے دل میں محبت ڈال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ {الانفال ۶۳}	(اے رسول!) اگر آپ زمین کی تمام دولت بھی خرچ کرتے تو ان میں محبت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں محبت پیدا کر دی۔ بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔

جب ایک مسلم کا دوسرے مسلم سے محبت کرنا، اُس کو اپنا بھائی سمجھنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہوئی تو کوئی مسلم اس نعمت سے محروم رہنا پسند نہیں کریگا۔ اور جب یہ بات ہے تو اے ایمان والو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے تنفس نکال دو، محض اللہ تعالیٰ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرو، اللہ تعالیٰ ہی کا رشتہ مضبوط رشتہ ہے، یہی رشتہ قیامت کے دن بھی کام آئے گا۔ اس کے علاوہ تمام رشتے اور دوستیاں کام نہ آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا {معارج ۱۰-۱۵}	کوئی دوست کسی دوست کا پُرسان حال نہ ہوگا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ گنہگار اُس دن یہ چاہیگا کہ کاش وہ اُس دن کے عذاب سے بچنے کیلئے اپنے بیٹے، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے خاندان بلکہ دُنیا کے تمام انسانوں کو فدیہ میں دیدے اور اس طرح اُسے نجات مل جائے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ {عبس ۳۴}	اُس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگیگا۔

اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے، ہمیں بھی متقیوں سے محبت کرنی چاہیئے، یہ محبت کبھی منقطع نہیں ہوگی، یہ حقیقی دوستی ہے جو کبھی دشمنی میں تبدیل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ○ {زخرف ٦٧}

قیامت کے دن سب دوست آپس میں ایکدوسرے کے دشمن ہوجائیں گے سوائے متقیوں کے (وہ اس دن بھی ایک دوسرے سے محبت کریں گے)

میدانِ محشر میں بہت سخت گرمی ہوگی، لوگوں کو اتنا پسینہ آئیگا کہ کوئی اپنے پسینہ میں ٹخنوں تک، کوئی گھٹنوں تک، کوئی کمر تک ڈوب جائیگا۔ کسی کا پسینہ منہ تک پہنچ جائے گا لیکن وہ دو آدمی سایہ میں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ ..... وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ {صحیح بخاری وصحیح مسلم}

سات (قسم کے) آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اپنے سایہ میں جگہ دیگا، اُس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کہیں سایہ نہ ہوگا..... وہ دو آدمی (بھی اس سایہ میں ہوں گے) جو آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کیلئے محبت کرتے تھے۔ اکٹھے ہوتے تھے تو اسی محبت پر، جدا ہوتے تھے تو اسی محبت پر (یعنی حاضر ہوں یا غائب یہ محبت بدستور قائم رہتی تھی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "بے شک (اللہ کیلئے) آپس میں محبت کرنیوالوں کے بالاخانے جنت میں اس طرح دکھائی دیں گے جس طرح مشرق یا مغرب میں طلوع ہونیوالا تارہ دکھائی دیتا ہے۔ لوگ پوچھیں گے وہ کون لوگ ہیں (جو ان بالاخانوں میں مقیم ہیں) جواب ملیگا:۔

اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ {مسند احمد۔ رجالہ ثقات۔ بلوغ الامانی جزء ١٩ ص ١٥٧ وسندہ صحیح} یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل کیلئے آپس میں محبت کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اُن کی مجلس اور قربِ الٰہی کو دیکھکر انبیاء اور شہداء رشک کرینگے"۔ ایک شخص نے کہا "اے اللہ کے رسول اُن کی صفت کیا ہوگی؟"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ لوگ غیر معروف اور اپنے قبیلہ سے دور اور اجنبی ہونگے ان میں آپس میں کوئی قریبی رشتہ نہیں ہوگا، وہ آپس میں ایک دوسرے سے صرف اللہ کیلئے محبت کرتے ہوں گے اور اسی محبت پر وہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے، قیامت کے دن اللہ اُنہیں نور کے منبروں پر بٹھائیگا اور اُن کے چہروں اور کپڑوں کو بھی نورانی کردیگا۔ قیامت کے دن تمام لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی لیکن ان لوگوں پر کوئی گھبراہٹ طاری نہیں ہوگی۔ یہ لوگ اللہ کے ولی ہوں گے اُنہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے {مسند احمد عن ابی مالک، فتح ربانی جزء ٣ ص ١٥٢ وجزء ١٩

ص۱۵۵، حسنہ المنذری وصححا الحاکم}

رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ — میری محبت اُن لوگوں کیلئے لازم ہوگئی جو میرے لئے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

{موطا امام مالکؒ ص۳۷۳ وسندہ صحیح}

مندرجہ بالا آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے آپس میں محبت کرنا بہت ضروری ہے مسلم کا سب سے بڑا محبوب اللہ تعالیٰ ہے، تو پھر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے محبت دوسری تمام محبتوں سے بالاتر ہونی چاہئے یہی وہ محبت ہے جو ہمیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنادے گی، ہم ایک ہو جائینگے، ایک دوسرے پر اپنی جان چھڑکیں گے، دوسروں کی تکلیف ہم پر شاق گذریگی ہم اُس کو حتی الوسع دور کرنیکی کوشش کرینگے۔ رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں "تم دیکھو گے کہ مؤمن آپس میں ترحم، محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند ہیں، جب (بدن کے) کسی عضو میں (درد وغیرہ کی) شکایت ہوتی ہے تو بدن کے باقی اعضاء ایک دوسرے کو بلاتے ہیں (تاکہ وہ بھی شریک الم ہوں اور سب ملکر اس عضو کی تکلیف کو دُور کرنیکی کوشش کریں، پھر ہوتا یہ ہے کہ) نیند نہیں آتی، بخار چڑھ جاتا ہے (اور سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے)" {صحیح بخاری و صحیح مسلم}

رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں "تمام مؤمن فرد واحد کے مثل ہیں، اگر اُس کی آنکھ میں درد ہوتا ہے تو تمام بدن درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر سر میں درد ہوتا ہے تو تمام بدن بے چین ہو جاتا ہے"۔ {صحیح مسلم}

بس اگر ایک مؤمن پر کوئی مصیبت آئے تو تمام ایمان والوں کو اُس کی مصیبت میں شریک ہونا چاہیئے۔ ایک مؤمن کی تکلیف پوری اُمت مسلمہ کی تکلیف ہونی چاہیئے، اس طرح معاشرہ میں سکون و راحت کی ہوائیں چلینگی، اخوت، ہمدردی اور مواسات کی گھنگھور گھٹائیں فضائے عالم پر چھاجائینگی، ہم ایک دوسرے کی قوت کا سبب ہوں گے، ہماری قوت بے پناہ ہوگی، رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں :-

"ایک مؤمن دوسرے مؤمن کیلئے ایسا ہے جیسے ایک عمارت، کہ اس کا بعض حصہ بعض حصہ کو تقویت دیتا ہے" پھر آپ نے ایک ہاتھ کی اُنگلیاں دوسرے ہاتھ کی اُنگلیوں میں ڈالیں (اور یہ بتایا کہ جس طرح ایک اُنگلی دوسری اُنگلیوں کی قوت کا سبب ہے اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمنین کی قوت کا سبب ہے، اگر ایک فرد بھی الگ ہو جائے تو قوت میں کافی فرق پڑ جائیگا)" {صحیح بخاری و صحیح مسلم}

جماعت المسلمین کی دعوت یہی ہے کہ ہم سب ایک ہو جائیں، ایک اللہ کو حاکم مانیں، صرف حضرت محمد رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا امام مانیں، صرف اسلام کو دین مانیں، صرف قرآن و حدیث پر عمل کریں، اپنے آپ کو صرف مسلم کہیں، اللہ کیلئے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں اور اس محبت کو تمام محبتوں پر ترجیح دیں۔ کوئی شخص ہو خواہ وہ ہمارے ملک کا باشندہ ہو یا ہمارے خاندان کا فرد ہو یا ہمارا وطنی بھائی ہو ہمیں اُس کے مقابلہ میں ایک دیندار اللہ والے سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے۔ جو شخص اسلام کا یا اللہ والوں کا دشمن ہو اُس سے اللہ تعالیٰ کیلئے بغض رکھنا چاہیئے۔

سلسلۂ اشاعت ۷۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے فخر کا سبب صرف ایک — یعنی ایمان

فخر کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں، مثلاً نسب، وطن، زبان، قابلیت، طاقت، سیاسی اقتدار، حسن۔ لیکن فخر کے یہ تمام اسباب فانی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی آخرت میں کام آنیوالا نہیں، آخرت میں کام آنے والی چیز صرف ایمان ہے، یہی وہ چیز ہے جس پر ایک مسلم کو فخر کرنا چاہئے۔ اسی کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل کرنی چاہئے، اسی کی بنیاد پر محبتوں کو استوار کرنا چاہئے۔

عزت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ عزّ و جلّ ہے۔ اللہ عزّ و جلّ فرماتا ہے:۔

إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (یونس) بے شک تمام عزت اللہ کے قبضہ میں ہے۔

تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ کے بمصداق اللہ ہی عزت دیتا ہے، اللہ ہی ذلت دیتا ہے۔ اگر ہمارا اللہ تعالیٰ پر واقعی ایمان ہے تو یقیناً وہ ہمیں عزت دیگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا (فاطر) جو شخص عزت کا طلبگار ہے تو عزت تو سب اللہ کی ہے (وہ جس کو چاہیگا عزت دیگا)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (منافقون) عزت اللہ کیلئے ہے، اسکے رسول کیلئے ہے اور مومنین کیلئے ہے۔

آیتِ بالا سے واضح ہوا کہ ایمان ہی درحقیقت عزت ہے، لہٰذا قابلِ فخر چیز صرف ایمان ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا (بقرہ) ہم نے تمہیں وسطاً اُمت بنایا۔

اے ایمان والو! ایمان ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہترین اُمت کا خطاب دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران) (اے ایمان والو!) تم بہترین اُمت ہو تمہیں لوگوں (کی اصلاح) کیلئے پیدا کیا گیا ہے تم لوگوں کو نیک کام کا حکم دیتے ہو، بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اے ایمان والو! یہ ایمان ہی ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے

هُوَ اجْتَبٰكُمْ (حج ۷۸) تم کو (اقوامِ عالم میں) منتخب کیا (اور

قیادت کی ذمہ داریاں تمہارے سپرد کیں)

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر) — اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے تمہیں چن لیا اور (اپنی) کتاب کا وارث تمہیں ٹھہرایا۔

اے ایمان والو! تمہیں اپنے ایمان پر بجا طور پر فخر ہو سکتا ہے، اس لئے کہ اس ایمان ہی کی بدولت اللہ تعالیٰ کی نظرِ انتخاب تم پر پڑی اور تمہیں اقوامِ عالم کا قائد بنا دیا تمہیں وہ اعزاز بخشا کہ دوسرے لوگ تمہارے غلام کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ (بقرہ ۲۲۱) — مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ مشرک (بظاہر) کتنا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو۔

اے ایمان والو! اسی ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ ارشادِ باری ہے:۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ (بقرۃ۔ ۲۳۱) — اللہ نے جو نعمتیں تمہیں بخشی ہیں انہیں یاد کرو اور جو کتاب اور حکمت تم پر نازل کی ہے اُسے بھی یاد کرو۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (بقرہ ۲۶۹) — یہ حکمت (اتنی بڑی نعمت ہے کہ) جس کو مل گئی اُس کو درحقیقت خیرِ کثیر مل گئی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابِ حکمت کا نزول اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ اے ایمان والو! یہ نعمت بھی تمہیں ایمان ہی کی بدولت ملی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (یونس ۵۷-۵۸) — اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور قلوب کی بیماریوں کے لئے شفاء (بخش شریعت) آگئی ہے، وہ (سر تاپا) ہدایت اور مومنین کیلئے رحمت ہے (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت سے (تمہیں ملا) ہے تو اب اس (نعمت کے حصول) پر تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ یہ نعمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کو لوگ جمع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت ایمان والوں کو ملی ہے، لہٰذا ایمان ہی وہ چیز ہے جس پر فخر کا دارومدار ہے۔ اے ایمان والو! یہ ایمان ہی ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ تمہارا دوست بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:-

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (بقرہ) اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔

ایمان ہی غلبہ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران ۱۳۹)	اے ایمان والو! تم ہی غالب رہو گے اگر مؤمن رہے۔
وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ○ (نساء ۱۴۱)	اللہ کافروں کو مؤمنین پر کبھی غلبہ نہیں دے گا۔

ایمان ہی فضلِ الٰہی کا باعث ہے، ارشادِ باری ہے:-

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (آلِ عمران۔ ۱۵۲)	اللہ مؤمنین پر (بڑا) فضل کرنے والا ہے۔

ایمان ہی احساسِ برتری پیدا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ	اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو شخص ان کو دوست بنائے گا اس کا شمار اُنہی میں سے ہوگا۔
قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ (توبہ)	(اے ایمان والو!) ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور اہلِ کتاب میں سے اُن لوگوں سے بھی لڑو جو دینِ حق کو قبول نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

یہ ہے مؤمنین کی شان! مؤمنین کو برتر ہونا چاہئے نہ کہ ماتحت۔ مؤمنین کو احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ احساسِ کمتری سے انسان اپنی امتیازی شان کھو دیتا ہے۔ اسلامی چیزوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، دوسروں کی چیزوں کو اختیار کرتا ہے، یہ چیز آخر کفر کی نہیں تو اور کس چیز کی غماز ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جس نے کسی دوسری قوم کی مشابہت کی

تو وہ انہی میں شمار ہو گا۔ (ابو داؤد، صحہ العراقی۔ بلوغ الامانی ۱۹/۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنین میں مزید احساس برتری پیدا کرتے ہوئے فرمایا۔

لَا تَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ (صحیح مسلم)

یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو، اور جب تم راہ میں ان میں سے کسی سے ملو تو اُسے تنگ راستہ پر چلنے کیلئے مجبور کرو۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو مؤمنین میں احساس برتری پیدا کرنا چاہتے ہیں لیکن آجکل کے لوگ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر دوسروں کی نقالی پر فخر کرتے ہیں۔ افسوس ہے، کیا یہی شان ایمان ہے۔

ایک مؤمن کو کافر کے مقابلہ میں اپنے ایمان پر فخر کرنا چاہیئے لیکن ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن پر فخر کرنے کیلئے کوئی بنیاد نہیں۔ اس سلسلہ میں لوگوں نے جو بنیادیں بنا رکھی ہیں مثلاً نسب، وطن، زبان وغیرہ یہ سب سراسر غیر اسلامی ہیں۔

نسب پر فخر کرنا لغو ہے، نسب آخرت میں کام نہیں آئے گا۔ اہل کتاب اسی فخر میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (بقرہ ۱۳۴ و ۱۴۱)

یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی، ان کے عمل ان کے کام آئیں گے، تمہارے عمل تمہارے کام آئیں گے، ان کے اعمال کے متعلق تم سے باز پُرس نہیں ہو گی۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ (مؤمنون ۱۰۱) اُس دن نسب کام نہیں آئیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَنْسَابُكُمْ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِمَسَبَّةٍ عَلٰى اَحَدٍ كُلُّكُمْ بَنُوْ اٰدَمَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَؤُوْهُ لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِالدِّيْنِ وَتَقْوٰى كَفٰى بِالرَّجُلِ اَنْ يَّكُوْنَ بَذِيًّا فَاحِشًا بَخِيْلًا (احمد۔ بلوغ)

یہ نسب ایسے نہیں کہ ان کی وجہ سے کسی کو بُرا کہا جائے تم سب اولادِ آدمؑ ہو (تم سب آپس میں ایسے ہو جیسے) ایک صاع دوسرے صاع کے مقابلہ میں ہوتا ہے (کیا) تم اُسے بھرتے نہیں ہو (کیا) ایک صاع دوسرے صاع سے برتر ہوتا ہے، نہیں بس اسی طرح) کسی کو کسی پر بزرگی نہیں ہے

الامانی ۲۲۹ و سندہ صحیح ۔ التعلیقات للالبانی علی المشکوٰۃ ۱۳۷ د) مگر دین اور تقوے کی وجہ سے ۔ آدمی میں یہی بُرائی کافی ہے کہ وہ زبان دراز ہو، فحش بکنے والا ہو اور بخیل ہو (اخلاقی بُرائی درحقیقت بُرائی ہے، نسب کی بُرائی کوئی حقیقت نہیں رکھتی)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (حجرات)

اے لوگو ! یہ قبیلے اور خاندان ہم نے اس لئے بنائے ہیں تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو (یہ چیزیں عزت بخش نہیں ہیں عزت تو تقوے سے ملتی ہے) بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے ۔ بے شک اللہ جاننے والا، خبردار ہے ۔

وطن پر فخر کرنا بھی غیر اسلامی چیز ہے ۔ وطن زمین کا ایک حصہ ہوتا ہے ، انسانی پیدائش کے لحاظ سے زمین کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر کوئی فضیلت نہیں ، جغرافیائی لحاظ سے کسی زمین کا بہتر ہونا یا دینی لحاظ سے کسی زمین کا با حرمت ہونا اور بات ہے لیکن کسی بہتر زمین یا با حرمت زمین میں پیدا ہونے سے کسی انسان کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی ۔ مدینہ منورہ کی حرمت سے کس کو انکار ہے لیکن منافقین وہیں کی پیداوار ہیں ۔ مدینہ منورہ کے مشرقی علاقہ مثلاً عراق وغیرہ سے بموجب حدیث نبوی بہت سے فتنے اُٹھے لیکن اُسی عراق کی سرزمین میں بہت سے اہل اللہ بھی پیدا ہوئے ۔

وطن کی محبت نہ ایمان کا کوئی جُز ہے نہ اِس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد ہوئی ہے ۔ اسلام عالمگیر اخوت کا درس دیتا ہے، مسلم قوم بس ایک قوم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (مؤمنون ۵۲) ۔

یہ تمہاری جماعت حقیقتاً ایک ہی جماعت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں لہٰذا مجھ سے ڈرتے رہو ۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے تو اُس کی جماعت بھی ایک ہی ہونی چاہیئے ۔ یہ ہے وحدتِ ملت کا وہ سبق جس کو ہم بالکل بھول گئے ۔ اپنے ملک اور اپنی قوم پر فخر کرنے لگے ، پہلے ملکی بعد میں مسلم بننے پر ناز کیا جانے لگا، کافروں کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی مادرِ وطن نے جنم لیا، وطن کی خاطر مرنے اور جینے کا رجحان پیدا ہوا ۔

اپنی مادری زبان پر فخر کرنا اور اُس کی خاطر جھگڑنا اسلامی شیوہ نہیں، اسلام اس قسم کے جاہلانہ تصورات کو ملیامیٹ کرتا ہے۔ یہ تصورات تعصبات کو جنم دیتے ہیں۔ اس سے مسلمین کی قوت کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ہمیں صرف اس زبان سے محبت ہونی چاہیے جس میں اللہ نے اپنا آخری قانون نازل کیا، باقی تمام زبانیں ہمارے لئے برابر ہونی چاہئیں۔

مسلمین میں ملکی یا سیاسی، نسلی یا قومی، لسانی یا اتفاقی حدود قائم کرنا اسلامی اصول کو مسخ کر دینے کے مترادف ہے۔ وطن پرستی سے اسلامی معاشرہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ وحدتِ ملّت کا سبق قصۂ پارینہ بن جاتا ہے۔ جتنے مُلک اُتنی ہی قومیں وجود میں آتی ہیں۔ اُمتِ مسلمہ عصبیت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اتفاق و اتحاد کا زرین اصول ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ قومیں آپس میں لڑ لڑ کر اپنی قوت کو خود ہی پارہ پارہ کر لیتی ہیں مشترک دشمن کے مقابلہ میں بھی متحد نہیں ہوتیں۔ اگر ہوتی ہیں تو خلوص مفقود ہوتا ہے، ایک مسلم مُلک پر مصیبت آتی ہے تو دوسرا مسلم ملک تماشہ دیکھتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ وہ رہتا ہے نہ یہ کسی مُلک کی حفاظت محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اسلام کی بقاء کی خاطر صرف اسی ملک کے مسلمین پر ہی فرض نہیں بلکہ دنیا کے تمام مسلمین پر فرض ہے۔ لیکن کتنے مسلم ہیں جن کو اس بات کا احساس ہے۔ دینی فرقوں نے ہی کچھ کم نقصان نہیں پہنچایا تھا، جو کسر رہ گئی تھی وہ ان وطنی اور ملکی فرقوں نے پُوری کر دی۔ اللہ کا رشتہ کالعدم ہو گیا، اللہ کی محبت کی جگہ وطن کی محبت نے لے لی، وطن کا بُت دل و دماغ پر چھا گیا، مسلم عنقا ہو گئے، اسلام ختم ہوتا جا رہا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؁

رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا (صحیح مسلم)	بیشک اللہ اس کتاب کے ذریعہ قوموں کو رفعت و سربلندی عطا فرمائے گا۔

مسلمین کو تو اس کتاب مبین کے ملنے پر فخر کرنا چاہیے جس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سربلندی کی ضمانت ہے۔

رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:۔

مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ اَوْ يَدْعُوْا اِلٰى عَصَبَةٍ اَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ مِنْ اُمَّتِيْ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعۃ)	جو شخص اندھے جھنڈے کے نیچے لڑے (یعنی بے سوچے سمجھے اپنی قوم کی حمایت کرے) یعنی قوم کیلئے غضب میں آئے یا عصبیت کی دعوت دے یا عصبیت میں اپنی قوم کی مدد کرے پھر وہ قتل ہو جائے تو اُس کا قتل جاہلیت کا قتل ہوگا، ایسا شخص میری اُمت میں سے نہیں۔

رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ بابرکت میں ایک مہاجر اور ایک انصاری (لڑکوں) میں کچھ جھگڑا ہوگیا، انصاری نے انصار کو آواز دی۔ مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی۔ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو آپؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا:۔
مَا بَالُ دَعْوَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ۔ یہ اہلِ جاہلیت کی پُکار کیسی ہے؟
لوگوں نے آپؐ کو سارا واقعہ سُنایا، آپؐ نے فرمایا:۔
دَعُوهَا فَإِنَّهَا خَبِيثَةٌ (صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء و صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ) اس (قسم کی پُکار) کو چھوڑ دو، یہ خبیث پکار ہے۔
مہاجر اور انصار کتنے اچھے لقب ہیں لیکن جب اِن لقبوں کو مسلمین میں تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو ان لقبوں کا ترک کرنا ضروری ہے۔ ایسے موقع پر ان لقبوں سے پُکارنا خبیث کام ہے، یہ ایّامِ جاہلیّت یعنی کافروں کا شعار ہے۔ اِس سے بچنا چاہیے۔ افسوس کہ لوگوں نے بہت سے گھٹیا لقبوں اور فرقہ وارانہ ناموں سے اپنے کو منسوب کرکے آپس میں تفریق پیدا کرلی، آئے دن کے جھگڑے انھی ناموں کے شاخسانے ہیں۔ کاش یہ لوگ غور کریں اور اپنا صرف ایک نام رکھ لیں یعنی مسلم، یہی اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے۔
رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنِ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ فَقَالَ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ فَادْعُوا بِدَعْوَى اللهِ الَّذِي سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللهِ ۞ {رواہ الترمذی فی ابواب الامثال و صححہ}	"جس نے جاہلیت کی پکار پکاری وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے"۔ ایک شخص نے پُوچھا "اے اللہ کے رسُولؐ، اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے؟" رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے۔ لہٰذا (مسلمین کو) اُن ہی القاب سے پُکارو جن القاب سے اللہ نے، جس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے، پُکارا ہے یعنی مؤمنین، اللہ کے بندے"۔

رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۲، ذوالحجہ ۱۰ھ کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے

وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی اَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰی عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔ (رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح بلوغ الامانی جزء۱۲ صفحہ۲۲۶ وسندہ صحیح)

تمہارا باپ ایک ہے، خبردار ہو جاؤ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے، فضیلت صرف تقوے کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ ایمان ہی ہے جس پر فخر کیا جائے۔ ایمان ہی عزت دیتا ہے، ایمان ہی باعثِ نجات ہے، ایمان ہی سے اللہ کی محبت اور نصرت حاصل ہوتی ہے، ایمان کا نتیجہ غلبہ ہے، احساسِ برتری ہے، ایمان ہی سے سربلندی اور سرفرازی ملتی ہے۔ ملک، وطن یا زبان سے عزت حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اے مسلمو! اپنے ملک، وطن اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیجئے۔ دوسرے کے وطن کو برا نہ کہئے۔ اگر آپ کے سامنے کوئی آپ کے وطن کو برا کہے تو آپ کو ملال نہ ہو، آپ کے دل کے کسی کونے میں یہ خیال باقی نہ رہے کہ آپ کا وطن زمین کے دوسرے قطعات یا طبقات سے بہتر ہے اور نہ آپ کے دل میں وطن کی کوئی محبت ہو۔ یہ تصورات ذہن سے نکال کر پھینک دیجئے۔ آپ کے نزدیک پوری دنیا یکساں ہو جائے۔ اسی طرح نسب اور مادری زبان کے متعلق بھی اپنی اصلاح کر لیجئے۔ آپ سوچئے اگر آپ کسی دوسرے ملک میں پیدا ہوتے تو کیا وہ آپ کو موجودہ وطن سے زیادہ عزیز نہ ہوتا کیا آپ کو اس وقت اس ملک کی زبان عزیز نہ ہوتی۔ اگر آپ کو اپنا وطن یا زبان زیادہ عزیز ہے تو کیا دوسرے کو اپنا ملک اور زبان زیادہ عزیز نہیں اگر ہے اور یقیناً ہے تو کیا یہ ترقی کرنے کی باتیں ہیں۔ کیا ایسے جذبات سے آپس میں تصادم نہیں ہوگا، کیا یہی اسلام ہے؟ ہر شخص اپنے وطن اور زبان کو اچھا سمجھتا ہے تو آخر وہ کیا معیار ہے جس کی بنیاد پر کسی کے وطن اور زبان کو دوسرے کے وطن اور زبان پر ترجیح دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

اگر آپ واقعی مؤمن بننا چاہتے ہیں تو اپنے مسلم بھائی کی خیر خواہی کیجئے
خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو، ایک دوسرے پر کسی قسم کے فخر کا اظہار نہ کیجئے۔
رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَّ لَا يَبْغِىْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ (صحیح مسلم)

اللہ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ انکساری کو شیوہ بناؤ یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

اے مسلمو! جب سے تم میں قوم پرستی اور وطن پرستی آئی جب ہی سے تم ذلیل ہوئے۔ اور اگر اب بھی تمہیں ہوش نہیں آیا تو معلوم نہیں اور کتنا ذلیل و خوار ہوگے۔ اُٹھو! وطن پرستی اور قوم پرستی کی جڑیں اُکھاڑ کر پھینکدو مسلم بنو اور "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" کی صدائیں بلند کرو۔
جماعت المسلمین کی دعوت یہی ہے کہ آئیے اور سب مل کر ایک ہو جائیے۔ وطن اور زبان کی تفریق مٹا دیجئے، اپنے ایمان پر فخر کیجئے اور کسی چیز پر نہیں اور اس ایمان کو بھی اپنا ذاتی شرف نہ سمجھئے بلکہ اللہ تعالےٰ کا احسان سمجھئے اور اس کا شکر ادا کیجئے کہ اُس نے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ ہر مسلم کو خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو اپنا بھائی سمجھئے، اُس کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھئے، اُس کے لئے وہی چیز پسند کیجئے جو آپ اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ اگر آپ جماعت کی دعوت سے متفق ہیں تو جماعت کے ساتھ تعاون فرمائیے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اِس کا ہے وہ مِلّت کا کفن ہے

نوٹ (۱) جماعت المسلمین کا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیماڑی والے سے کوئی تعلق نہیں۔ جماعت المسلمین ان کے بعض عقائد سے سخت بیزار ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کو منسوب کرکے سخت گستاخی کی ہے۔ جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

نوٹ (۲) کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔ کراچی میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ کسی بھی علاقہ یا محلہ میں نہیں ہے۔

مسعود احمد
امیر جماعت المسلمین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

دعوتِ حق

(سلسلہ اشاعت ۱، ۲، ۹، ۱۲، ۱۳)

امّت میں اس وقت متعدد فرقے پائے جاتے ہیں۔ ہر فرقہ " كُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ " کے بمصداق اپنے عقائد اور اعمال کو حق سمجھتا ہے اور ان پر پوری طرح سے مطمئن اور مگن ہے۔ عقائد اور اعمال کے لحاظ سے ہر فرقہ دوسرے فرقے سے کافی حد تک مختلف ہے لیکن عقائد اور اعمال کے اس عظیم الشان اختلاف کے باوجود ان تمام فرقوں میں کچھ قدریں مشترک ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے اور یہی وہ قدریں ہیں جن پر تمام فرقوں کو جمع ہونے کی دعوت بآسانی دی جا سکتی ہے۔

سلسلہ اشاعت ۱

اللہ تبارک وتعالےٰ نے قدر مشترک رکھنے والوں کو اسی اصول پر مجتمع و متّحد ہونے کی دعوت دی۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا:-

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۝ (آل عمران - ۶۴)

(اے رسول، ان سے) کہیے: اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کریں اور اللہ کے علاوہ (آپس میں) ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں، پھر اگر یہ (اس دعوت سے) منہ

موڑیں تو (اے مسلمین ان سے) کہہ دو کہ اے
اہل کتاب) تم گواہ رہنا کہ ہم تو مسلم ہیں (ہم
ان اصولوں کو مانتے بھی ہیں اور ان پر کاربند
بھی ہیں)۔

مذکورہ بالا دعوت کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ اللہ پرستی اختیار کرو، شخصیت پرستی چھوڑ دو اور یہ حقیقت ہے کہ فرقہ بندی کی ابتدا اللہ پرستی چھوڑنے نبی کی تعلیمات سے منہ موڑنے اور شخصیت پرستی اختیار کرنے سے ہوتی ہے۔ کسی شخص سے عقیدت جب غُلو کی حد تک پہنچ جائے یعنی جب اس کے قول اور فعل کو حق بلکہ معیارِ حق سمجھ لیا جائے تو پھر یہ عقیدت شخصیت پرستی کے مترادف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی ممانعت اللہ تعالےٰ نے مذکورہ بالا آیت میں فرمائی ہے۔ آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے یعنی جب کسی شخص کو عقیدت و احترام کا اتنا بلند مقام دیا جائے کہ اس کی بات کو حتمی و قطعی سمجھا جائے تو یہ گویا اس کو رب بنانا ہے اور یہ فعل ایک قسم کا شرک ہے۔ دینی معاملات میں فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالےٰ کو ہے اور یہ چیز توحید کے مسلمہ اصولوں میں سے ایک اصول ہے اور اس کا ماننا شرطِ ایمان ہے۔

ہم امت کے تمام فرقوں کو اس اصولِ توحید کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے تمام احکامِ شرعیہ قرآن اور حدیث کے اندر محفوظ و مکمل ہیں اور قرآن اور حدیث تقریباً تمام فرقوں میں مشترک ہیں لہٰذا تمام فرقوں کو ہماری دعوت یہ ہے کہ وہ ان مشترک قدروں پر جمع ہو جائیں۔ تمام فرقہ بندیوں کو ختم کر کے ایک مرکز پر آجائیں۔ صرف اللہ تعالےٰ کی حاکمیت کو تسلیم کریں۔

صرف قرآن اور حدیث پر عمل کریں۔ تمام فرقہ وارانہ امتیازی ناموں کو ختم کرکے اپنے کو صرف مسلم کہیں۔ تمام فرقہ وارانہ مذاہب کو یکسر مٹا دیں اور صرف دینِ اسلام کو اپنا دین مانیں ۔ فرقہ وارانہ مذاہب کو باقی رکھنا گویا کئی اسلام بنانا ہے حالانکہ اسلام صرف ایک ہے۔ آیئے صرف ایک اسلام کو مانیں جو قرآن و حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ (رواه الحاکم فی کتاب العلم۔ المستدرک جزء اول ص۹۳ وسندہ حسن۔ التعلیقات للالبانی علی المشکوٰۃ جزء اول ص۶۶)۔

اے لوگو، میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے : اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت۔

جب کتاب اللہ اور سنت رسول ہی کو مضبوطی سے پکڑنے سے گمراہی سے بچا جا سکتا ہے تو آیئے کتاب اللہ اور سنت نبوی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور سب ایک ہو جائیں۔ صرف قرآن مجید اور حدیث نبوی کو حجت مانیں، قرآن مجید اور حدیث نبوی پر عمل کریں، قرآن مجید اور حدیث نبوی پر عمل کرنے کی دعوت دیں، قرآن مجید اور حدیثِ نبوی کی اشاعت کریں، قرآن مجید اور حدیث نبوی کی عملی اور علمی طور پر حفاظت کریں، قرآن مجید اور حدیث نبوی کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں۔

اوپر ہم یہ بتا چکے ہیں کہ کسی شخص کو عقیدت اور احترام کا اتنا بلند مقام

دینا کہ اس کی بات کو قطعی اور واجب التعمیل سمجھا جائے اس کو رب بنانا ہے۔
اب ہم اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں :۔

اہل کتاب اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنانا چاہیئے، رب صرف اللہ تعالےٰ ہے، اُس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔ ان کے اسی اقرار کو بنیاد بنا کر اللہ تعالےٰ نے ان سے فرمایا کہ ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو مسلمین میں اور تم میں مشترک ہے یعنی جس کو مسلمین بھی تسلیم کرتے ہیں اور تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ اہل کتاب کا اس اصول کو تسلیم کرنا صرف ان کی زبانوں پر تھا، عملاً وہ اس پر کاربند نہیں تھے بلکہ انہوں نے ایک دوسرے کو اپنا رب بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ	اہل کتاب نے اپنے علماء اور اپنے پیروں
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ	کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنا رکھا ہے
ابْنَ مَرْيَمَ (التوبہ ـ ۳۱)	اور مسیح ابن مریم کو بھی (رب بنا رکھا ہے)۔

بالکل یہی حال اس امت کے فرقوں کا ہے، وہ بھی زبان سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے علاوہ کسی کو اپنا رب نہیں بنانا چاہیئے یعنی کسی شخص کی رائے اور قیاس کو شریعت کا درجہ نہیں دینا چاہیئے، واجب التعمیل اور شرعی قانون صرف اللہ تعالےٰ کا حکم اور اس کا مقرر کردہ ضابطہ ہے جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے، لیکن اس زبانی اقرار کے باوجود اہل کتاب کی طرح وہ بھی عملاً اس اصول پر کاربند نہیں ہیں اور اس کا زندہ ثبوت موجودہ فرقوں کا وجود ہے۔ اگر وہ عملاً بھی اس اصول کو تسلیم کرتے اور صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر عمل پیرا ہوتے اور کسی شخص

کی رائے اور اجتہاد کو دین میں داخل نہ کرتے تو آج یہ تمام فرقہ بندیاں نہ پائی جاتیں۔ کسی اصول کو محض زبان سے تسلیم کرنا اور عملاً اس سے روگردانی کرنا حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں سے یہ اصول تسلیم نہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ اصولاً جس ذات یا شخصیت کو وہ آخری سند قرار نہیں دیتے، کس طرح عمل کی دنیا میں اُسی کو آخری سند قرار دیدیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جب قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ عقیدت کے جذبہ سے سرشار ہو کر دل میں ایک قسم کا انقباض محسوس کرتے ہیں گویا عقیدت کا یہ جذبہ انہیں اس شخصیت سے جس سے ان کو عقیدت ہوتی ہے بالاتر ہو کر سوچنے اور سمجھنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ وہ عقیدت میں اتنا کھو جاتے ہیں کہ بالاترین ہستی کے فرمان کو عملاً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ اہلِ کتاب کی طرح اصول تسلیم کرنے کے باوجود عملاً اس اصول سے انحراف کرتے ہیں اور جس شخصیت پرستی کا وہ اصولاً انکار کرتے ہیں اُسی شخصیت پرستی کو عملاً اختیار کرتے ہیں۔ قول اور فعل کا یہ تضاد اور عقیدت میں اتنا غلو کیا ایمان کے منافی نہیں ہے؟

قارئین کرام، سوچیئے کیا یہ صورت مستحسن ہے۔ آپ فرمائیں گے ہرگز نہیں تو پھر آیئے ہم سب مل کر اپنے قول و فعل میں اتحاد پیدا کریں اور جس اصول کو ہم رسماً محض زبان سے تسلیم کرتے ہیں اس کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کریں اور اپنے عمل کو اس اصول کا تابع بنائیں۔ کسی شخص کی رائے، قیاس، فتوے اور اجتہاد کو آخری سند قرار نہ دیں بلکہ ہمیشہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کو آخری سند قرار دیں، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ

پر براہِ راست عمل کریں ۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی حجت شرعیہ ہیں ، قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی اللہ تعالےٰ کا نازل کردہ قانون ہے ، قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی اللہ مالک الملک کا نازل کردہ ضابطۂ حیات ہے، قرآن مجید اور حدیث نبوی پر ہی عمل کرنے میں نجات ہے اور بس ۔

اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ اللہ ذوالجلال والاکرام نے اہل کتاب کو ایسی قدروں کی طرف دعوت دی جو مسلمین اور اہل کتاب میں مشترک تھیں، یعنی (۱) اللہ تعالےٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں (۲) اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی قسم کا ذرا سا بھی شرک نہ کریں اور (۳) ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں ۔

اوپر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اہل کتاب کے زبانی اقرار کے اعتبار سے تو یہ قدریں مشترک تھیں لیکن عملی اعتبار سے یہ قدریں مشترک نہیں تھیں۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب بنا رکھا تھا اور عملاً وہ شخصیت پرستی کا شکار ہو گئے تھے ۔ ان کا زبان سے اقرار کرنا کافی نہیں سمجھا گیا ۔ ان کو دعوت دی گئی کہ وہ عملاً بھی اس اصول کو تسلیم کریں اور مسلمین کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں ۔

اب ہم اس شخصیت پرستی کی قباحت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ سورۂ توبہ کی جو آیت صے۷۹ پر درج کی گئی ہے اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (التوبۃ ۔ ۳۱)	(اہل کتاب نے علماء اور مشائخ کو رب بنالیا تھا) حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک الٰہ کی عبادت کریں، اُس (ایک)

اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب علماء اور مشائخ کی عبادت کرتے تھے حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ کا عبادت کا حکم تھا۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی عالم یا درویش کو رب بنانا گویا اسکی عبادت کرنا ہے۔ اہل کتاب کو صرف ایک اِلٰہ کی عبادت کا حکم تھا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ علماء اور پیروں کو رب بنا کر عملاً کئی الٰہ بنا لیے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل شرک تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا :۔

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اللہ ان کے شرک سے جو یہ کر رہے ہیں
(التوبہ۔ ۳۱) پاک و منزہ ہے۔

پوری آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ اہل کتاب نے علماء اور مشائخ کو رب بنایا یعنی ان کی عبادت کی، ان کو الٰہ بنا لیا اور اس طرح عملی طور پر شرک کیا، اللہ تعالیٰ ان کے اس شرک سے پاک و منزہ ہے۔

قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ اہل کتاب عقیدۃً مشرک نہیں تھے۔ زبان سے بھی عقیدۂ توحید کا اقرار کرتے تھے اور کسی شخص کو رب بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مشرک تھے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان کا عمل اس عقیدۂ توحید کے منافی تھا، وہ کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ تھے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ توحید کے منافی عقیدہ رکھنا یا زبان سے اقرار کرنا ہی شرک نہیں بلکہ توحید کے منافی عمل کرنا بھی شرک

ہے۔ الغرض شخصیت پرستی شرک ہے اور ایسا ہی شرک ہے جیسا کہ (نعوذ باللہ) عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کا بیٹا بنانا، کیونکہ اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ نے دونوں کو یکجا ذکر فرمایا ہے۔

شخصیت پرستی اختلاف و افتراق کی اصل ہے۔ اسی سے فرقہ بندی کی ابتدا ہوتی ہے اور اسی سے فرقہ بندی کی حفاظت ہوتی ہے۔ یہی ضد اور ہٹ دھرمی کا باعث ہے اور اسی کی وجہ سے حق کا انکار کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔ (البقرۃ - ۲۵۳)

اگر اللہ چاہتا تو ان (نبیوں کے انتقال) کے بعد لوگ کھلے دلائل آجانے کے بعد کبھی نہ لڑتے لیکن انہوں نے (کھلے دلائل کی موجودگی میں) اختلاف کیا پھر ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے (حق کا) انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت ہی یہی ہے کہ جو لوگ شخصیت پرستی اور ضد کی وجہ سے حق کا انکار کر دیں ان کا ایمان لانا ناممکن ہے۔ ان کا ایمان نہ لانا شخصیت پرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ غور کیجئے کیا یہی حال آجکل موجودہ فرقوں کا نہیں ہے۔ کیا یہ لوگ قرآن مجید اور حدیث نبوی کے کھلے دلائل آنے کے بعد محض بزرگوں کی شخصیت کو بہانہ بنا کر غلط عقیدہ اور غلط عمل پر قائم نہیں رہتے۔ کیا یہ لوگ قرآن مجید اور صحیح حدیث کے کھلے دلائل کو توڑ مروڑ کر اپنے مورد ثی

مذہب کے مطابق نہیں بنلتے۔ کیا یہ مؤمن کی شان ہے کہ اپنے آبائی طریقہ پر قرآن مجید اور حدیث نبوی کو قربان کر دے۔ کھلے دلائل کی عدم موجودگی میں بھی اختلاف بری چیز ہے لیکن کھلے دلائل کی موجودگی میں اختلاف پر قائم رہنا اس سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔ یہ تو حق کا انکار ہے اور یہ صریح کفر ہے۔ شخصیت پرستی اور اللہ تعالےٰ کے دین میں مختلف بزرگوں کے اقوال و آراء کو شامل کرنا کیا شرک فی الدین نہیں ہے؟ یقیناً ہے تو پھر سوچیئے کہ ان اقوال و آراء کو قرآن مجید اور حدیث نبوی پر ترجیح دینا کتنا بڑا شرک اور کفر ہوگا۔ العیاذ باللہ!

اگر آبائی مذہب حق ہے تو پھر ہمیں سوچنا چاہیئے کہ کس فرقہ یا فرد کا آبائی مذہب حق ہے۔ ظاہر ہے کہ سب فرقہ وارانہ یا آبائی مذاہب تو حق نہیں ہو سکتے۔ حق تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ان مذاہب میں عقائد اور اعمال کا زبردست اختلاف ہو، حلال اور حرام کا فرق ہو پھر بھی وہ سب حق ہوں۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی بے شک حق ہے اور یہی معیارِ حق ہے۔ اس معیار پر تمام فرقہ وارانہ مذاہب اور علماء اور مشائخ کے فتووں اور ان کے کردار کو پرکھنا چاہیئے۔ اگر وہ اس معیار کے مطابق ہیں تو حق ہیں ورنہ باطل۔ کتنا بڑا ظلم ہے کہ لوگوں نے علماء اور بزرگوں کے اقوال و افعال کو معیار بنا لیا اور قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ کو ان پر پرکھنے لگے۔ اگر قرآن مجید کی آیت یا کسی حدیثِ صحیح کا مفہوم ان کے کسی بزرگ کے قول و فعل کے خلاف ہو تو آیت یا حدیث کو مسترد کر دیا۔ کیا یہ الٹی گنگا بہانے کے مترادف نہیں ہے؟ کیا اس طرح اللہ تعالیٰ کا دین اپنی اصل حالت پر قائم رہ سکتا ہے؟ کیا اس طرح اختلاف و افتراق مٹ سکتا ہے؟ کیا اس

طرح فرقہ بندی کو ختم کیا جا سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرا سا بھی اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور جو ذرا سی بھی عقل سلیم رکھتا ہے، وہ اس طرزِ عمل کے بُطلان پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا سکتا ہے۔ بزرگوں کے قول و فعل کو معیار بنانے سے اختلاف ختم نہیں ہو گا بلکہ اور بڑھتا چلا جائے گا۔ جتنے بزرگ، اُتنے ہی معیار اور جتنے معیار، اتنے ہی مذاہب لوگوں کو کیا ہو گیا کہ جو چیز باعثِ اختلاف و افتراق ہے اسی کو معیار بنا بیٹھے، تو ایسی صورت میں اختلاف و افتراق کیسے ختم ہو گا اور امت کس طرح متحد و متفق ہو گی ؟

اللہ تعالیٰ نے تو اس اختلاف و افتراق کی جڑ کو ختم کرنے کے لئے فرمایا تھا :—

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ، قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (الاعراف ـ ۳)	(اے لوگو) جو (شریعت) تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے (بس) اُسی کی پیروی کرو، اس کے علاوہ دلیوں کی پیروی نہ کرو، (مگر) تم نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔

اس آیت نے معاملہ کو بالکل صاف کر دیا۔ آیت کی رُو سے پیروی صرف اس چیز کی کرنی ہے جو منزل من اللہ ہو۔ منزل من اللہ قرآن مجید اور حدیث نبوی ہے اور بس، لہٰذا صرف قرآن مجید اور حدیث نبوی کی پیروی کرنی چاہیئے۔ علماء اور ائمہ کے اقوال و افعال، موروثی اور آبائی مذہب اور تمام فرقہ وارانہ مسالک و مذاہب یقیناً منزل من اللہ نہیں ہیں لہٰذا آیت مذکورہ کی رو سے ان کی پیروی منع ہے۔ سوچیئے کیا ایمان کی یہی شان

ہے کہ جس چیز کی پیروی کو اللہ تعالےٰ نے فرض کیا تھا اس کی پیروی تو کرتے نہیں اور جس چیز کی پیروی کو اللہ تعالےٰ نے ممنوع قرار دیا تھا اس کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں، اس کو سینے سے لگا رکھا ہے اور نتیجۃً فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کیا یہ فرقہ بندی آپ کو پسند ہے؟ یقیناً آپ کو پسند نہیں ہوگی کیونکہ یہ تو اللہ تعالےٰ کا عذاب ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ، اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○

(الانعام ـ ۶۵)

(اے رسول) کہدیجئے کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجدے، یا تمہارے پیروں کے نیچے سے عذاب بھیجدے یا تمہیں فرقہ فرقہ بنا کر ایک دوسرے سے الجھا دے اور آپس کی لڑائی کا مزا چکھا دے، (اے رسول) دیکھیے ہم کس کس طرح الفاظ بدل بدل کر اپنی آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔

دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے فرقہ بندی کو اپنا عذاب فرمایا تو کیا آپ کو اس عذاب میں رہنا پسند ہے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا آپ پر غضب ہو اور وہ اپنا عذاب آپ پر بھیجتا رہے یا اپنے عذاب میں آپ کو مبتلا رکھے۔ یقیناً یہ چیز آپ پسند نہیں کریں گے۔ اگر واقعی آپ اس چیز کو پسند نہیں کرتے تو فرقہ بندی ختم کیجئے۔

فرقہ بندی بغیر اختلاف کے وجود میں نہیں آتی لہذا ثابت ہوا کہ اختلاف

ہی عذاب کی اصل وجہ ہے، اختلاف ہی عذاب کا باعث ہے۔ اس سلسلہ میں کسی نے ایک جملہ "اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ عوام نے غیر شعوری طور پر اسے حدیث سمجھ لیا اور اس طرح افسوس ہے کہ جو چیز موجب عذاب تھی اس کو رحمت سمجھ لیا اور اس طرح فرقہ بندی کے لئے جواز پیدا کرلیا۔ اب فرقہ بندی ختم ہو تو کیسے؟ کیا اب بھی آپ کو ہوش نہیں آئے گا کہ اس عذابِ الٰہی سے نجات حاصل کرنے کی فکر کریں؟ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

(ھود - ۱۱۸ و ۱۱۹)

اور (اے رسول) اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک جماعت بنا دیتا لیکن آپ کے رب نے ایسا نہیں چاہا تو اب یہ ہوگا کہ) لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو جائے (بس وہی اختلاف سے بچ جائے گا) اور اس نے تو اسی لیے ان کو پیدا کیا ہے (کہ ان پر رحم وکرم کرے لیکن لوگ اختلاف کرکے اپنے آپ کو رحم وکرم کے بجائے دوزخ کا مستحق بنا لیتے ہیں تو اے رسول، اس طرح) آپ کے ربّ کی وہ بات پوری ہو کر رہے گی (جو وہ پہلے ہی کہہ چکا ہے) کہ وہ ضرور دوزخ کو جنّات اور انسانوں سے بھر دیگا۔

مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہوا کہ :۔

(۱) اللہ تعالےٰ سب کو ایک جماعت دیکھنا پسند کرتا ہے لیکن اس کی مشیت یہی ہے کہ وہ زبردستی ایسا نہیں کرتا کہ سب کو ایک کردے،

(۲) لوگ ہمیشہ اختلاف میں مبتلا رہیں گے،

(۳) اختلاف سے صرف وہ لوگ بچ جائیں گے جن پر اللہ تعالےٰ کی رحمت ہوگی،

(۴) اللہ تعالےٰ نے سب کو اپنی رحمت سے نوازنے کے لئے پیدا کیا ہے لیکن وہ خود اپنے کو اس کا مستحق نہ بناکر دوزخ میں جلنے کا سامان کرتے ہیں،

(۵) اختلاف کرنے والوں سے اللہ تعالےٰ دوزخ کو بھر دے گا۔

الغرض اختلاف موجب رحمت نہیں، موجب عذاب ہے اور نہ صرف دنیا میں موجب عذاب ہے بلکہ آخرت میں بھی موجب عذاب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق وروی مسلم نحوہٗ فی کتاب العلم)

اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے اختلاف کیا تو وہ ہلاک ہوگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کو یمن روانہ کیا تو ان سے فرمایا تھا:۔

تَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب مایکرہ من التنازع وصحیح مسلم کتاب الجہاد باب فی الامر بالتیسیر)

اتفاق رکھنا، اختلاف نہ کرنا۔

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ اختلاف کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ اگر اختلاف رحمت ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف سے کیوں منع کرتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق جو اس کی ضد ہے وہ کیا ہوگا۔ کیا اتفاق اللہ تعالےٰ کا عذاب ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ بالبداہت باطل ہے۔ الغرض اختلاف کی وجہ سے فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے اور جب تک فرقہ بندی ختم نہ ہو فلاح و کامرانی کی امید لایعنی ہے۔

اٹھیئے اور فرقہ بندی ختم کرنے کے لئے جدوجہد کیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ۔

جو لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں تم ضرور ان کے قدم بقدم چلو گے حتّٰی کہ اگر وہ کسی ضب کے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے (یعنی تم بھی ضب کے بل میں داخل ہو جاؤ گے)۔

صحابہ نے پوچھا :۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْیَھُوْدُ وَ النَّصَارٰی؟

اے اللہ کے رسول، (کیا اگلے لوگوں سے مراد) یہود و نصارٰی ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

فَمَنْ؟

تو (اور) کون (ہوسکتا ہے)؟

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب

سلسلۂ اشاعت نمبر ۲

والسنۃ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لتتبعن سنن من کان قبلکم ۹/۱۲۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ امّت یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چلے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اَلَا اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً وَاِنَّ ھٰذِہٖ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی ثَلٰثٍ وَسَبْعِیْنَ ، ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَوَاحِدُ فِی الْجَنَّةِ وَھِیَ الْجَمَاعَةُ۔

خبردار ہو جاؤ اہل کتاب میں سے جو لوگ تم سے پہلے ہوئے ہیں وہ ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور یہ ملت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ۷۲ فرقے دوزخ میں (جائینگے) اور ایک جنّت میں (جائیگا) اور وہ جماعت ہوگی۔

(ابوداؤد کتاب السنۃ باب شرح السنۃ ۲/۲۸۳ وسندہ صحیح۔ التعلیقات للالبانی علی المشکوٰۃ ۱/۶۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کے بھی فرقے ہو جائیں گے جس طرح اہلِ کتاب کے فرقے ہوئے تھے یعنی افتراق کے معاملہ میں بھی یہ امت یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلے گی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اہلِ کتاب کس طرح اور کن حالات میں فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ (لم یکن الذین کفروا - ۴)

اہلِ کتاب فرقوں میں منقسم نہیں ہوئے مگر اس وقت جبکہ ان کے پاس کھلی دلیل آ چکی تھی۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (آل عمران - ۱۹)

اہلِ کتاب نے اختلاف نہیں کیا مگر اس حالت میں کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا (پھر محض) آپس کی ضد کی وجہ سے (وہ اس اختلاف پر جمے رہے)۔

آیات بالا سے معلوم ہوا کہ اہلِ کتاب کھلی دلیل کی موجودگی میں محض ضد کی وجہ سے اختلاف پر اڑے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ اگر وہ کھلی دلیل مل جانے کے بعد اختلاف کو ختم کر دیتے تو فرقے وجود میں نہ آتے۔ یہی حال اس امّت کا بھی ہوا۔ انہوں نے بھی اہلِ کتاب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے محض ضد و ہٹ دھرمی کی بناء پر حق کو قبول نہیں کیا۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کی کھلی دلیل مل جانے کے بعد بھی اپنے اختلاف پر جمے رہے۔ نتیجہ وہی ہوا جو اہلِ کتاب کا ہوا تھا یعنی یہ بھی انہی کی طرح فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ مختلف فرقوں کا وجود اس پر کھلی شہادت ہے۔ ان فرقوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان میں سے کسی فرقے یا فرقے کے کسی فرد کے پاس قرآن مجید یا حدیث نبوی کی کھلی دلیل پہنچتی ہے تو وہ محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اُسے قبول نہیں کرتا اور اپنے فرقہ وارانہ مذہب پر قائم رہتا ہے۔ ایسی صورت میں کیسے ممکن ہے کہ سب فرقے ایک ہو جائیں۔ اس کی اگر کوئی صورت ہے تو بس ایک اور وہ یہ کہ فرقوں کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں اور اس جنتی طائفہ کے ساتھ شامل ہو جائیں جس

کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جماعت" کہا تھا۔ یہ جماعت کن لوگوں کی ہوگی اس کی بھی وضاحت حدیث میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اِمَامَهُمْ — جماعت المسلمین اور ان کے امام سے چمٹے رہنا۔

اسی حدیث میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضؓ نے پوچھا:۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ جَمَاعَةٌ وَّلَا اِمَامٌ ؟ — اگر نہ مسلمین کی جماعت ہو اور نہ امام (تو کیا کروں)؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا — ایسی صورت میں (بھی) تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن $\frac{۹}{۶۵}$ و صحیح مسلم کتاب الامارۃ $\frac{۲}{۱۳۵}$)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنتی طائفہ جماعت المسلمین ہوگی باقی سب فرقے ہوں گے، ان پر جماعت المسلمین کا اطلاق نہیں ہوگا اور نہ وہ جماعت المسلمین کہلاتے ہوں گے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جماعت المسلمین سے وابستہ رہنا اور تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر جماعت المسلمین نہ ہو تو بھی فرقوں میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو فرقہ بندی کو لعنت سمجھتے ہوئے بھی ان فرقوں سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ یہ درحقیقت قول و فعل کا تضاد ہے۔ زبان سے تو انہیں اقرار ہے کہ فرقہ بندی ضلالت ہے اور

اس اصول میں وہ ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ کیونکہ یہ اصول ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہے لہٰذا اسی مشترک اصول پر ہم ان کو عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس اصول پر عملاً بھی کاربند ہو جائیں اور تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر جماعت المسلمین اور ان کے امام سے وابستہ ہو جائیں۔ فرقوں میں رہتے ہوئے نہ اصلاح ہو سکتی ہے، نہ اتفاق ہو سکتا ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں کھلی دلیل کو مان بھی لیا تو آخر تمام کھلی دلیلوں کو مان لینے کے لئے عمرے باید۔ مزید برآں کسی مسئلہ میں کسی کھلی دلیل کو مان لینے سے فرقہ بندی ختم نہیں ہوگی۔ فرقہ بندی کو ختم کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ ان فرقوں کے وجود کو ختم کر دیا جائے، از سر نو اسلام کی طرف رجوع کیا جائے، براہ راست قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا اتباع کیا جائے، اس طرح نہ اختلاف رہے گا اور نہ فرقے رہیں گے۔

فرقہ بندی کی حیثیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا، كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ (الروم۔ ۳۱ و ۳۲)	مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ (یعنی) ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فرقے فرقے ہو گئے۔ تمام فرقے جو کچھ ان کے پاس ہے اسی میں مگن ہیں۔

آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ بندی کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ جب کسی شخص کے پاس جو کسی خاص فرقے سے تعلق رکھتا ہو قرآن مجید یا حدیث نبوی کی کھلی دلیل پہنچتی ہے تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اپنے مذہب کو مانتا ہے، اپنے امام،

پیر یا بزرگ کے قول وفعل کو تو حجت سمجھتا ہے اور قرآن مجید یا حدیث نبوی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ کیا یہ کفر کی علامت نہیں؟ اپنے مذہب کی باتوں یا اپنے امام یا اپنے پیر کی باتوں کو دین میں داخل کرنا کیا یہ شرک فی الدین نہیں؟ شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر ہر فرقہ کے افراد اس شرک میں ملوث نظر آتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○ (الانعام۔ ۱۵۹)

(اے رسول) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فرقے فرقے بن گئے ان سے آپ کو کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر وہی (قیامت کے دن) انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اہلِ کتاب کی طرح فرقے بنانے سے منع کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ (آل عمران۔ ۱۰۵)

(اے ایمان والو) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقے فرقے بن گئے اور کھلے دلائل آجانے کے بعد بھی اختلاف پر (قائم) رہے۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران۔ ۱۰۳)

اور (اے ایمان والو) تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے بار بار تاکید کی تھی کہ فرقے نہ بنانا لیکن اہلِ کتاب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس امت میں بھی وہی ہوا جو اہلِ کتاب میں ہوا تھا۔

مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقہ اپنے کو حق پر سمجھتا ہے۔

اہل قرآن، اہلحدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، خارجی، شیعہ، نقشبندی سہروردی وغیرہ نام کا کوئی فرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بس ایک جماعت تھی اور وہ جماعت المسلمین تھی۔ اس زمانہ میں بس صرف ایک جماعت المسلمین کا وجود تھا اور اس کے علاوہ کسی فرقے کا وجود نہیں تھا۔ ایک موقعہ پر عیدگاہ میں حاضری کے سلسلہ میں آپؐ نے ان خواتین کے متعلق جو اذیت ماہانہ میں ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہو سکیں فرمایا تھا:۔

فَاَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ۔ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب اعتزال الحیض المصلی جزو ۲ صـ۲۸)۔

جو عورتیں اذیت ماہانہ میں ہوں وہ بھی جماعت المسلمین اور ان کی دعاؤں میں شریک رہیں البتہ نماز پڑھنے کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایمان والوں کی جماعت کا نام جماعت المسلمین تھا اور اسی نام کی جماعت سے چمٹے رہنے کی ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ جیسا کہ صـ۹۲ پر گذر چکا ہے۔

آخر میں ہم پھر قارئین سے گذارش کرتے ہیں کہ آئیے، ایک مرکز پر جمع ہو جائیے تمام فرقوں کو ختم کر دیجیے، آپ کا کوئی نام نہ ہو سوائے مسلم کے، آپ کی کوئی جماعت نہ ہو سوائے جماعت المسلین کے، آپ کا کوئی امام نہ ہو سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کو اللہ تعالیٰ نے امام بنا کر بھیجا ہے، جن کی اطاعت

اور اتباع کو فرض کیا ہے، جن کی اطاعت و اتباع کو ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے امام کی موجودگی میں اپنے بنائے ہوئے اماموں کو مرکزِ دین سمجھنا کونسی عقلمندی ہے، کیا ایمان کی یہی شان ہے؟

اٹھیئے، تمام فرقہ وارانہ مذاہب و مسالک کو ختم کیجئے۔ آپ کا کوئی دین نہ ہو سوائے اسلام کے، کوئی چیز ماخذ قانون نہ ہو سوائے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے، کوئی چیز سند نہ ہو سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے۔

اٹھیئے، مذہب پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی، زبان پرستی، شخصیت پرستی، فرقہ پرستی، صوبہ پرستی، عصبیت پرستی کے بتوں کو توڑ کر پھینک دیجئے۔ اللہ پرستی کا جذبہ پیدا کیجئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے محبت کیجئے۔

جماعت المسلمین کا کسی فرقہ سے تعلق نہیں جماعت المسلمین کی دعوت اسلام کی دعوت ہے، اس دین کی دعوت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ آیئے اور جماعت المسلمین میں شامل ہو کر دینِ اسلام کی خدمت کیجئے۔

مسعود احمد، امیر جماعت المسلمین

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (حج ۷۸) اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے

اپنے فرقہ وارانہ ناموں کا ثبوت دیجیے

(ورنہ مسلم نام رکھ کر ایک ہو جائیے)

(قسطِ اوّل)

سلسلۂ اشاعت ۸۸ — ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (یونس ۱۹) — (پہلے) سب لوگ ایک ہی اُمت تھے پھر وہ ایکدوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (بقرہ ۲۱۳) (پہلے) سب لوگ ایک ہی اُمت تھے۔

آیاتِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ایک اُمت بنایا تھا اور وہ ایک عرصہ تک ایک ہی اُمت رہے لیکن بعد میں وہ آپس میں اختلاف کر کے فرقوں میں بٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے پھر اُن لوگوں کو ایک کرنے کا اہتمام کیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ (بقرہ ۲۱۳) — لہٰذا انبیاء علیہم السلام کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور اُن پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ وہ اُن کے آپس کے اختلاف میں فیصلہ کر دے۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مختلف فرقوں میں دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا، اور اگر وہ مختلف فرقوں میں بٹ جاتے تھے تو انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرما کر پھر انہیں ایک جماعت بن جانے کی ہدایت کرتا تھا۔

جب گذشتہ قرنوں اور زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا مختلف فرقوں میں بٹ جانا پسند نہیں کیا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آخری نبیؐ کی اُمت کا مختلف فرقوں میں بٹ جانا پسند کرے، اللہ تعالیٰ نے یقیناً اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ آخری اُمتِ مسلمہ فرقوں میں تقسیم ہو، لہٰذا حکم دیا:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا {آل عمران} (اے ایمان والو!) سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ ہو

اللہ تعالیٰ نے تو فرقے فرقے بننے سے منع فرمایا تھا لیکن وائے افسوس یہ اُمت بھی مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی، علیحدہ علیحدہ مذہب بنا لئے اور علیحدہ علیحدہ نام رکھ لئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ {حج} اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے

افسوس کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دئیے ہوئے نام کو چھوڑ کر فرقہ وارانہ ناموں سے اپنے کو موسوم کیا اور پھر انہی ناموں پر فخر کرنے لگے، یہ نام انہوں نے خود رکھ لئے قرآن و حدیث سے ان ناموں کی کوئی دلیل نہیں ملتی، اگر ان ناموں میں سے کوئی نام اچھا ہو سکتا تھا تو وہ "اہلِ حدیث" نام تھا، کیونکہ یہ ایک اصولی نام ہے، اشخاص کی طرف منسوب نہیں ہے جس طرح کہ دوسرے فرقوں کے نام اشخاص کی طرف منسوب ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے "اہلِ حدیث" نام کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے "حدیث" کہا ہے اور یہ "اہلِ حدیث" نام کا ثبوت ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو "حدیث" کہا ہے تو آپ کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے، آپ کو تو "اہلِ حدیث" نہیں کہا۔ اگر کہا ہو تو بتائیے۔ قرآن مجید کو تو اللہ تعالیٰ نے "ذکر" بھی کہا ہے، تو کیا اگر کوئی فرقہ اپنا نام "اہلِ ذکر" رکھ لے تو آپ اسے گوارا کر لیں گے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے "کتاب" بھی کہا ہے، تو کیا اگر کوئی فرقہ اپنا نام "اہلِ کتاب" رکھ لے تو آپ اس نام کو صحیح سمجھ لیں گے یا یہ اصرار کریں گے کہ "اہلِ حدیث" نام ہی رکھو، یہی صحیح ہے۔ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ جب

"مسلمین" نام کو برداشت نہیں کیا جا رہا جو خاص اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے تو دوسرے ناموں کو کس طرح برداشت کیا جائیگا۔

الغرض نہ "اہلِ حدیث" نام قرآن وحدیث میں ملتا ہے نہ دوسرے فرقوں کے نام قرآن وحدیث میں ملتے ہیں۔ ہم اہلِ حدیث اور دوسرے تمام فرقوں سے گذارش کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے اپنے ناموں کا ثبوت دیکر ہماری راہ نمائی فرمائیں اور اگر آپ ثبوت نہ دے سکیں اور ہرگز نہ دے سکیں گے، تو پھر ہم خیر خواہانہ آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ ان ناموں کی قربانی دیکر اپنا صرف وہی نام رکھ لیں جو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسی نام سے خوش ہوگا جو اُس نے رکھا تھا، اُس نام سے خوش نہیں ہوگا جو اُس نے نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کیجئے اور دُنیا و آخرت کی فوز و فلاح حاصل کیجئے۔

قسط ۲

سلسلۂ اشاعت ۸۹ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ماہ محرم ۱۳۹۷ھ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ وہ ایک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کی توحید کی گواہی دے رہا ہے۔ بڑی سے بڑی مخلوق ہو یا چھوٹی سے چھوٹی مخلوق، ہر چیز کی بنیادی ساخت میں یگانگت اور مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ہر چیز میں ایٹم اور ہر ایٹم میں برقی ذرات زبانِ حال سے پکار رہے ہیں کہ ہمارا خالق ایک ہے۔ بظاہر ہر چیز کی شکل علیٰحدہ علیٰحدہ ہے۔ جسامت میں بھی فرق ہے لیکن ایک چیز قدرِ مشترک کے طور پر سب میں پائی جاتی ہے اور وہ ہے یکساں بنیادی ساخت۔ انسان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن انسانوں کو صرف زبانِ حال سے توحید کی شہادت ادا کرنی نہیں ہے بلکہ زبانِ قال اور اعضاء وجوارح سے بھی ادا کرنی ہے۔ وہ کہیں کے بھی رہنے والے ہوں، شکلیں اور صورتیں کتنی ہی مختلف ہوں۔ قدوقامت، رنگ ونسل میں کیسا ہی فرق کیوں نہ ہو لیکن ایک چیز قدرِ مشترک کے طور پر سب میں پائی جانی چاہیئے اور وہ یہ کہ دینی لحاظ سے وہ ایک اللہ کی عبودیت میں سرشار ہو کر ایک جماعت ہوں۔ اپنے وجود سے وہ اس بات کی گواہی دیں کہ وہ ایک اللہ کے پرستار ہیں۔ اللہ واحد الٰہ ہے تو وہ بھی واحد جماعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا بھی اسی میں ہے کہ اس کے بندے ایک جماعت بن کر رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ {مومنون ۵۲}

یہ تمہاری جماعت یقیناً ایک ہی جماعت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں لہٰذا مجھ سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کی رضا، تو اسی میں ہے کہ ہم ایک جماعت بن کر رہیں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ہمارا نام ایک ہو اور ہمارا راستہ بھی ایک ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ {حج ۷۸}

اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔

ایک نام رکھ کر اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کو ایک کر دیا۔ اب ان کا دینی نام کوئی نہیں رہا سوائے مسلمین کے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کا راستہ اور طریقہ بھی ایک مقرر کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ {انعام-۱۵۳}

بے شک یہ ہے میرا سیدھا راستہ بس اسی کی پیروی کرو۔

اللہ تعالیٰ نے راستہ بھی مقرر کر دیا، نام بھی مقرر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا، یہ تھی کہ جس طرح بنیادی ساخت کے لحاظ سے وہ ایک ہیں، دینی لحاظ سے بھی وہ ایک ہی رہیں لیکن افسوس انسانوں نے اپنا دینی نام بھی بدل ڈالا اور دینی راستہ بھی بدل ڈالا حتیٰ کہ وہ اُمتِ مسلمہ بھی جس کو بہترین اُمت بنایا گیا تھا فرقوں میں بٹ گئی۔ ہر ایک فرقہ نے اپنا علیحدہ راستہ بنالیا اور اپنا نام بھی علیحدہ رکھ لیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا نام ہی باقی رہا، نہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا راستہ ہی باقی رہا۔ یقیناً یہ چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوئی پھر بھی ہر فرقہ یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ ہر فرقہ اپنے خود ساختہ نام پر فخر کر رہا ہے۔

ہم نے پہلے بھی عرض کیا تھا اور اب پھر عرض کرتے ہیں کہ یہ تمام خود ساختہ فرقہ وارانہ نام مختلف شخصیتوں کی طرف منسوب ہیں سوائے اہلِ حدیث نام کے۔ لیکن کسی نام کے اچھا ہونے کیلئے یہی کافی نہیں کہ اُس کے معنی بہت اچھے ہوں بلکہ اچھا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی تائید میں آیت یا حدیث ہو جس طرح نیکیوں کا حال ہے کہ کوئی نیکی اُس وقت تک نیکی نہیں کہلاتی جب تک اُس کا ثبوت سُنّت سے نہ ملے۔ اسی طرح کوئی نام اُس وقت تک اچھا نہیں ہو سکتا جب تک اُس کا ثبوت سُنّت سے نہ ملے ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اہلِ حدیث نام کا ثبوت بھی قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ملتا۔ اگرچہ اہلِ حدیث حضرات اس نام کا ثبوت مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

فرماتاہے :۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا {نساء - ۸۷} اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔

"حدیث" کے لغوی معنیٰ ہیں "بات"۔ اور اس آیت میں "حدیث" کا لفظ کلیۃً لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے، اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ مزید براں "حدیث" کے اصطلاحی معنیٰ ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات"۔ لیکن اہلِ حدیث حضرات اس آیت میں نہ لغوی معنیٰ تسلیم کرتے ہیں نہ اصطلاحی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں "حدیث" قرآن مجید کو کہا گیا ہے لہٰذا "اہلِ حدیث" نام ثابت ہوگیا۔ ہم حیران ہیں کہ کس لحاظ سے "حدیث" کو قرآن مجید کا نام سمجھیں جبکہ نہ یہ اس کے لغوی معنیٰ ہیں نہ اصطلاحی۔ اور اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ "حدیث" قرآن مجید کا نام ہے تو پھر اس آیت سے قرآن مجید کے نام کا ثبوت ملا نہ کہ اہلِ حدیث نام کا۔ "حدیث" مفرد ہے اور "اہلِ حدیث" مرکب۔ مفرد کے ثبوت سے مرکب کا ثبوت کیسے ہوگیا؟ اہلِ حدیث حضرات سے ہماری گذارش ہے کہ وہ قرآن مجید کے نام کا ثبوت مہیا کرنے کے بجائے اپنے نام کا ثبوت مہیا کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا {نساء ۱۲۲} اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔

اہلِ حدیث کی پیش کردہ آیت اور اس آیت کا مقابلہ کیجئے۔ دونوں میں صرف ایک لفظ کا فرق ہے۔ پہلی آیت میں "حدیث" ہے، دوسری آیت میں اس کی جگہ "قیل" ہے۔ اگر پہلی آیت کی رُو سے "حدیث" قرآن مجید کا نام ہے تو دوسری آیت کی رُو سے "قیل" بھی قرآن مجید کا نام ہوا۔ اگر پہلی آیت سے "اہلِ حدیث" نام کو اخذ کیا جاسکتا ہے تو اس دوسری آیت سے "اہلِ قیل" نام کو بھی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ہم اہلِ حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ کیا "اہلِ قیل" نام رکھا جاسکتا ہے، اگر نہیں رکھا جاسکتا ہے تو بتایئے کہ وجہ تفریق کیا ہے؟

بات درحقیقت یہ ہے کہ نہ پہلی آیت میں "حدیث" سے مراد قرآن مجید ہے اور نہ دوسری آیت میں "قیل" سے مراد قرآن مجید ہے۔ دونوں لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی ہر دو لفظوں کے معنیٰ ہیں "بات"۔

بات کیا تھی، بنا کیا دی گئی!

الغرض قرآن و حدیث میں نہ اہلِ حدیث نام کا ثبوت ملتا ہے نہ دوسرے فرقوں کے فرقہ وارانہ ناموں کا۔ لہٰذا ان تمام فرقوں سے ہماری گذارش ہے کہ ان تمام خود ساختہ فرقہ وارانہ ناموں کو چھوڑ کر صرف وہی نام رکھ لیں جو اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے۔ آیئے ہم سب مل کر کہیں :-

"ہم مسلم ہیں"

قسط ۳

سلسلۂ اشاعت ۹۱ ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ماہ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

ہر نبی کے زمانہ میں ایمان والوں کی ایک ہی جماعت ہوتی تھی، وہ آپس میں متفرق نہیں ہوتے تھے، اُس جماعت کا نام بھی ایک ہی ہوتا تھا لیکن جب نبی کا انتقال ہو جاتا تھا تو کچھ عرصے کے بعد اُن میں اختلاف رُونما ہو جاتا تھا اور پھر وہ متفرق فرقوں میں بٹ جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے :-

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ {مؤمنون - ۵۳}	پھر اُنھوں نے آپس میں اپنے دین کو متفرق کر کے علیحدہ علیحدہ کر لیا۔ ہر فرقہ اپنے مذہب میں مگن ہے۔

کیا یہی صورت اس اُمت میں نہیں ہوئی۔ ضرور ہوئی۔ موجودہ فرقوں کے وجود سے کیا کوئی انکار کر سکتا ہے؟ ہر فرقہ کا مذہب علیحدہ علیحدہ ہے پھر بھی ہر فرقہ اس زعم میں ہے کہ وہی اصل اسلام پر قائم ہے۔ کیا اسلام بھی کئی ہو سکتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس کو اسلام سمجھیں اور کس کو اسلام نہ سمجھیں۔

فرقے بنے تو نام بھی علیحدہ علیحدہ تجویز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام کو چھوڑ کر ہر فرقہ نے اپنے آپ کو شخصیتوں کی طرف منسوب کر لیا اور وہ اس نام کی حقانیت پر دلائل دینے سے بھی عاجز ہیں سوائے اہلِ حدیث کے کہ وہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے نام کا ثبوت دیں لیکن کامیابی سے ہمکنار وہ بھی نہیں ہوتے۔ اہلِ حدیث حضرات کے بعض دلائل کا جائزہ ہم پہلے لے چکے ہیں۔ ان کے مزید دلائل سُنیئے اور پھر ہماری گذارشات ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○ {مرسلٰت - ۵۰}	اب اس (قرآن) کے بعد یہ کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔

اہلِ حدیث حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں قرآن مجید کو "حدیث" کہا گیا ہے لہٰذا

ہم اہلِ حدیث ہوئے۔

گذارش اس آیت میں "حدیث" اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے نہ کہ قرآن مجید کے نام کی حیثیت سے۔ مزید برآں آیت مذکورہ میں "حدیث" کا لفظ غیر قرآن کے لئے استعمال ہوا ہے نہ کہ قرآن مجید کے لئے۔ لہٰذا اس آیت کی رُو سے اہلِ حدیث کے معنی ہوئے "اہلِ غیر قرآن"۔

(۲) اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا (زمر۔ ۲۳) — اللہ نے بہترین بات ایک کتاب کی شکل میں نازل کر دی ہے۔

اِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتٰبُ اللّٰہِ (صحیح مسلم) — بے شک بہترین بات اللہ کی کتاب ہے۔

اہلِ حدیث حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت و حدیث میں "حدیث" قرآن مجید کو کہا گیا ہے لہٰذا اہلِ حدیث نام ثابت ہوگیا۔

گذارش اس آیت اور حدیث میں بھی "حدیث" اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے نہ کہ قرآن مجید کے نام کی حیثیت سے۔ اگر صرف "حدیث" قرآن مجید کا نام ہوتا تو اس کے ساتھ لفظ "احسن" کی یا "خیر" کی کیا ضرورت تھی۔ اس سلسلے میں ایک آیت اور ملاحظہ فرمائیے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ (لقمٰن ۶۰) — اور لوگوں میں بعض شخص ایسا بھی ہے جو بیہودہ باتوں کی خریداری کرتا ہے تاکہ (ان بیہودہ باتوں کو سنا سنا کر لوگوں کو) بغیر علم کے اللہ کے راستہ سے گمراہ کردے۔

دیکھئے اس آیت میں "حدیث" کے ساتھ "لھو" کا لفظ ملا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "حدیث" کا لفظ اپنے لغوی معنوں کے لحاظ سے بُری بات کیلئے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحیِ الٰہی نے قرآن مجید کی بات کو "احسن الحدیث" یا "خیر الحدیث" کہہ کر اس کی خوبی کی طرف اشارہ فرمایا ورنہ محض حدیث کا لفظ دونوں قسم کی باتوں کا متحمل ہو سکتا تھا۔

آیت زیرِ بحث میں اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ "احسن الحدیث" قرآن مجید کے نام کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے تو اہلِ حدیث نام کے بجائے "اہلِ احسن الحدیث" نام ہونا چاہیئے تھا۔

الغرض اس قسم کی تمام آیات و احادیث میں "حدیث" اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے

قرآن مجید کا نام "حدیث" نہیں ہے۔ اور اگر ہم اسے فرض بھی کر لیں تو پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہلِ حدیث حضرات نے قرآن مجید کے نام کا ثبوت تو دیدیا لیکن اپنے نام کا ثبوت دینے سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ {ج ۸} اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے

ہم اہلِ حدیث حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ بھی کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش کر دیں جس کا یہ مضمون ہو

هُوَ سَمّٰكُمُ اَهْلَ الْحَدِيْث اللہ نے تمہارا نام اہلِ حدیث رکھا ہے

لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ "اہلِ حدیث" نام نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔

اب اگر وہ نیچے اتر کر کچھ دلائل مہیا کریں گے تو مسلک اہلِ حدیث کی پوری عمارت منہدم ہو جائے گی۔ "تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ" کی حدیث سے ان کو دستبردار ہونا پڑے گا مندرجہ ذیل شعر کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہے گی جس کو وہ بار بار پیش کیا کرتے ہیں۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفٰے برجاں مسلم داشتن

اگرچہ قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی اور چیز حجت تو نہیں ہوتی تاہم قارئین کرام کو رُوشناس کرانے کیلئے آئندہ قسط میں ہم انشاءاللہ اہلِ حدیث حضرات کے ان دلائل کا بھی جائزہ لیں گے جو وہ قرآن وحدیث کے علاوہ پیش کیا کرتے ہیں اور "حدیث" کے اصطلاحی معنوں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

سلسلۂ اشاعت ۹۲ (آخری قسط) ماہ جمادی الاوّل ۱۳۹۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ تین اشاعتوں میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن و حدیث کی رُو سے ایمان والوں کا بس صرف ایک ہی نام ہے یعنی مسلم۔ اور یہ کہ دوسرے تمام نام فرقہ وارانہ نام ہیں۔ یہ نام ان فرقوں نے خود رکھ لئے ہیں، قرآن وحدیث سے ان ناموں کا کوئی ثبوت نہیں۔

گذشتہ اشاعتوں میں ہم نے بتایا تھا کہ صرف اہلِ حدیث حضرات ہی اپنے نام کا ثبوت مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں بھی اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ جو دلائل وہ اپنے نام کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اُن کا تجزیہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ہمارے تجزیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے اہلِ حدیث نام کا کوئی ثبوت نہیں۔ اب ہم اہلِ حدیث حضرات

کے اُن دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو وہ قرآن و حدیث کے علاوہ پیش کرتے ہیں

(۱) عن ابی سعید الخدری انہ کان اذا رأی الشباب قال مرحبا بوصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نوسع لکم فی المجلس ان نفھمکم الحدیث فانکم خلوفنا و اھل الحدیث بعدنا۔ {شرف اصحاب الحدیث للخطیب البغدادی ص۱۲}	حضرت ابو سعید خدریؓ جب نوجوانوں کو دیکھتے تو فرماتے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے خوشی حاصل کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ تمہارے لئے مجلس میں فراخی کریں اور تم کو حدیث سمجھائیں کیونکہ تم ہمارے جانشین ہو اور ہمارے بعد تم ہی اہلِ حدیث ہو۔"

اس روایت سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:۔

(۱) حضرت ابو سعیدؓ طلبائے حدیث سے فرماتے تھے کہ تم ہمارے بعد اہلِ حدیث ہو حضرت ابو سعیدؓ کے اس فرمان کے مخاطب عام لوگ نہیں تھے۔

(۲) حضرت ابو سعیدؓ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ وہ طلبا ابھی اُس وقت تک اہلِ حدیث نہیں ہوئے تھے بلکہ بعد میں ہونے والے تھے۔ ظاہر ہے کہ پھر اہلِ حدیث سے مراد علماء حدیث ہوئے نہ کہ عام لوگ کیونکہ وہ نوجوان اُس وقت تک عالم نہیں تھے لہٰذا اہلِ حدیث بھی نہیں تھے۔

مزید غور طلب چیز یہ ہے کہ کیا کوئی اُستاد اپنے شاگردوں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تم ہمارے بعد مسلم ہو۔ ہرگز نہیں۔ مسلم تو بچہ بھی ہے بڑا بھی ہے۔ عام آدمی بھی ہے اور محدث بھی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مسلم اور اہلِ حدیث مترادف نہیں۔

اب ہم اس حدیث کی سند کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو ہارون العبدی ہے۔ اس کے متعلق امام احمدؒ فرماتے ہیں "ابو ھارون العبدی متروک الحدیث"۔ یعنی ابو ہارون العبدی متروک الحدیث ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں "ابو ھارون العبدی کذاب" یعنی ابو ہارون العبدی کذاب ہے۔ {کتاب القراءۃ للامام البیہقی مطبوعہ پرنٹنگ ورکس دہلی ص۱۳۸}

لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔ اہلِ حدیث پر تعجب ہے کہ ایسی گھڑی ہوئی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں

(۲) حدیث کی کتابوں میں جگہ جگہ لفظ اہلِ حدیث آتا ہے۔ اہلِ حدیث حضرات اس کو بھی اپنے نام کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

ابن لھیعۃ ضعیف عند اھل	ابن لہیعہ اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف

الحدیث ضعفه یحیی بن سعید القطان وغیرہ (ترمذی ابواب الطہارۃ)	ہے۔ اس کو امام یحیٰ بن سعید القطان وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔
رفع هذا الحدیث عبد الکریم بن مخارق وهو ضعیف عند اهل الحدیث ضعفه ایوب السختیانی (ترمذی ابواب الطہارۃ)	عبد الکریم بن مخارق نے اسے مرفوع کیا ہے اور وہ اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام ایوب سختیانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوا کہ اہلِ حدیث سے علماء حدیث، محدثین، ائمہ جرح و تعدیل مُراد ہیں نہ کہ کوئی فرقہ یا فرقہ کا کوئی عام آدمی۔

خلاصہ | الغرض اس قسم کی جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں اوّل تو وہ سنداً صحیح نہیں ہوتیں اور اگر صحیح بھی ہوں تو ان میں اہلِ حدیث سے فرقہ اہلِ حدیث مُراد نہیں ہوتا بلکہ محدثین مُراد ہوتے ہیں۔

حدیث کے لُغوی اور اصطلاحی معنیٰ | حدیث کے لغوی معنیٰ ہیں "بات" قرآن مجید میں یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

حدیث کے اصطلاحی معنیٰ ہیں "رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات"۔

لہٰذا نہ لغوی لحاظ سے حدیث قرآن مجید کا نام ہے اور نہ اصطلاحی لحاظ سے۔

اور اگر حدیث کو قرآن مجید کا نام بھی فرض کر لیا جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا نام اہلِ حدیث ہے۔

گذارش | آخر میں ہم تمام فرقوں سے گذارش کرتے ہیں کہ اپنے فرقہ وارانہ ناموں کو چھوڑ کر صرف مسلم نام رکھ لیجئے اور متحد اور متفق ہو جایئے۔

نوٹ (۱) جماعت المسلمین کا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیماڑی والے سے کوئی تعلق نہیں۔ جماعت المسلمین ان کے بعض عقائد سے سخت بیزار ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کر کے سخت گستاخی کی ہے۔ جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

نوٹ (۲) کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔ کراچی میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ کسی بھی علاقہ یا محلہ میں نہیں ہے۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۰۶

۱۴۰۶ھ

مذاہب خمسہ

(اہلِ حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی)

اور

دینِ اسلام

کتابیات

(۱) صحیح بخاری مطبوعہ مطبع مصطفےٰ البابی الحلبی بمصر ۱۳۷۷ھ۔

(۲) صحیح مسلم مطبوعہ مطبع عیسی البابی الحلبی وشرکاءہ بمصر۔

(۳) صحیح ابن خزیمۃ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ۔

(۴) ابوداؤد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔

(۵) نسائی مطبوعہ مطبع رحیمیہ دہلی۔

(۶) فتح ربانی (مسند احمد) مع شرح بلوغ الامانی مؤلفہ احمد عبد الرحمٰن البنا الساعاتی مطبوعہ مطبعۃ الاخوان المسلمین الطبعۃ الاولیٰ۔

(۷) التعلیقات للالبانی علی المشکوٰۃ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۹۹ھ۔

(۸) فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مطبع مصطفےٰ البابی الحلبی واولادہٗ بمصر ۱۳۷۸ھ

(۹) عون المعبود شرح ابی داؤد مؤلفہ شمس الحق عظیم آبادی مطبوعہ نشر السنۃ۔ ملتان بمطبع المطبعۃ العربیہ۔ لاہور۔ یہ اہلحدیث مذہب کی کتاب ہے۔

(۱۰) نیل الاوطار مؤلفہ امام شوکانی مطبوعہ مصطفے البابی الحلبی بمصر ۱۳۴۷ھ

(۱۱) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح مؤلفہ عبید اللہ مبارکپوری مطبوعہ المطبعۃ العربیہ لاہور۔

(۱۲) ہدایہ مطبوعہ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔ ہدایہ حنفی مذہب کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔ یہ درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کے متعلق یہاں تک کہا گیا ہے :-

ان الھدایۃ کالقرآن قد نسخت

ما صنفوا قبلھا فی الشرع من کتب

ترجمہ | بے شک ہدایہ مانند قرآن کے ہے۔ اس نے اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو جو شرع (کے سلسلہ) میں تصنیف کی گئیں منسوخ کر دیا۔

(مقدمہ ہدایہ لمحمد عبد الحی اللکنوی جلد ۳ صفحہ ۳)

(۱۳) شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ مطبوعہ مطبع انوار محمدی۔ شرح وقایہ بھی حنفی مذہب کی معتبر کتاب ہے۔

(۱۴) البلاغ المبین فی اتباع خاتم النبیین مؤلفہ شیخ محی الدین مطبوعہ شیخ عبد الرحمٰن و حبیب الرحمٰن امرتسر بمطبع نذیر پرنٹنگ پریس امرتسر۔ یہ اہلحدیث مذہب کی کتاب ہے۔

(۱۵) صلوٰۃ الرسول مؤلفہ حکیم محمد صادق سیالکوٹی شائع کردہ سکول بک ڈپو گوجرانوالہ مطبوعہ اشرف پریس لاہور۔
یہ اہلحدیث مذہب کی کتاب ہے۔

(۱۶) دستور المتقی فی احکام النبی شائع کردہ جمعیت اہلحدیث کراچی رجسٹرڈ مطبوعہ ۱۹۶۷ء (بار سویم)

(۱۷) منہاج الطالبین مؤلفہ یحیٰی بن شرف النووی مطبوعہ دار المعرفۃ ـ بیروت : یہ شافعی مذہب کی معتبر کتاب ہے۔

(۱۸) منہج الطلاب للشیخ زکریا الانصاری۔ مطبوعہ دار المعرفۃ۔ بیروت۔
یہ شافعی مذہب کی کتاب ہے۔

(۱۹) مختصر العلامہ خلیل مؤلفہ خلیل بن اسحٰق المالکی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔
یہ مالکی مذہب کی کتاب ہے۔

(۲۰) المقنع مؤلفہ عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ۔ بیروت ۱۳۹۹ھ۔
یہ حنبلی مذہب کی کتاب ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چند اصطلاحات کی تشریح

فرض | فرض وہ کام ہے جس کے کرنے کا حکم اللہ تعالےٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہو۔ اس کام کا کرنا لازمی ہوتا ہے اور اس کا ترک گناہ ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین اللہ تعالےٰ کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء۔ ۸۰) — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی۔

لہٰذا اللہ تعالےٰ کے حکم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں یکساں طور پر فرض ہیں۔

سنت | سنت وہ کام ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی نہ چھوڑا ہو۔ اس کام کا کرنا بھی فرض یعنی لازمی ہوتا ہے اگرچہ عام اصطلاح میں اس کو فرض کہا نہیں جاتا۔ حکم کی بنا پر جو کام لازمی ہوتا ہے اُسے عام اصطلاح

میں فرض کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی بنا پر جو کام لازمی ہوتا ہے اُسے عام اصطلاح میں سنّت کہتے ہیں۔ ناموں کی اس تفریق سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سنّت لازمی نہیں ہوتی بلکہ اختیاری یعنی نفل ہوتی ہے اور یہ بالکل غلط نتیجہ ہے۔ اس نتیجہ نے سنّت کی اہمیت کو ختم کر دیا اور لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

سنّت پر عمل کرنا فرض یعنی لازمی ہوتا ہے۔ اس کو ہم نے اسی کتابچہ کے صفحہ ۱۸ تا ۲۰ پر ثابت کیا ہے۔

سنّت کا ترک گناہ ہوتا ہے۔ اس کو ہم نے اپنے کتابچہ "ترک سنّت گناہ ہے" میں ثابت کیا ہے۔

نفل | نفل وہ کام ہے جو نہ فرض ہو نہ سنّت۔ اس کام کا کرنا لازمی نہیں ہوتا بلکہ اختیاری ہوتا ہے۔ نفل پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے، نفل کو ترک کرنے سے گناہ نہیں ہوتا۔

اگر کسی نفل کام کی قرآن مجید یا حدیث شریف میں کوئی خاص فضیلت وارد ہو یا کسی نفل کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی کیا ہو یا کبھی کر کے بعد میں کسی مصلحت سے چھوڑ دیا ہو تو اس کام کو عموماً "مستحب" کہتے ہیں۔

نوٹ :۔ نفل کام صرف اسی حالت میں کارِ ثواب ہے جبکہ اس کا ثبوت قرآن مجید یا حدیثِ نبوی میں ملتا ہو۔ اگر کسی نفل کام کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہو نہ حدیث نبوی میں تو وہ کام بدعت ہوگا اور اس کا کرنا گمراہی ہوگا۔ اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے ہمارا کتابچہ "بدعت" ملاحظہ فرمائیں۔

واجب | واجب اور فرض میں کوئی فرق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ	جب مرد عورت کی چاروں شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر اس کے ساتھ کوشش کرے

تو غسل واجب ہو گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الغسل باب اذا التقی الختانان جزء اوّل صفحہ ۸)

اس حدیث میں لفظ "واجب" استعمال ہوا ہے اور یہ یقیناً "فرض" کے قائم مقام ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

نوٹ :۔ احناف نے فرض اور واجب میں فرق کیا ہے۔ یہ ان کی اپنی ایجاد کردہ اصطلاح ہے جس کا قرآن مجید یا حدیث نبوی سے کوئی ثبوت نہیں۔

قرینۂ صارفہ | "قرینہ" اُس بات کو کہتے ہیں جو کسی کلام کی اصل منشاء کی طرف رہنمائی کرے۔

"صارفہ" پھیرنے والی کو کہتے ہیں۔

"قرینۂ صارفہ کے معنیٰ ہیں : "پھیرنے والی بات"

قرینۂ صارفہ سے اصطلاحاً وہ بات مراد ہوتی ہے جو کسی حکم کی فرضیت کو استحباب کی طرف پھیر دے یعنی "قرینۂ صارفہ" وہ بات ہے جس سے حکم دینے والے کی منشاء ظاہر ہو جائے کہ وہ اس حکم کو فرض قرار نہیں دے رہا ہے بلکہ صرف اس کی فضیلت بیان کر رہا ہے یا اس کی اجازت دے رہا ہے۔ مثلاً

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدۃ ۔ ۹۶)

اور (اے ایمان والو) تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جب تک تم احرام کی حالت میں رہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ (المائدۃ ۔ ۱)

(اے ایمان والو) جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ سمجھنا۔

اسی آیت میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدۃ ۔ ۱)

اور (اے ایمان والو) جب تم احرام اتارو تو شکار کیا کرو۔

اس آیت میں حکم ہے کہ احرام اتارنے کے بعد شکار کرو۔ اس حکم سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احرام اتارنے کے بعد شکار کرنا فرض ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ حالتِ احرام میں شکار کی جو بندش تھی اس حکم سے اس بندش کو ختم کیا جارہا ہے یعنی یہ حکم اس بات کی اجازت ہے کہ اب شکار کرسکتے ہو۔ پہلے جو بندش تھی وہی اس حکم کو فرضیت سے اجازت کی طرف پھیر رہی ہے یعنی حالتِ احرام میں شکار کی بندش "قرینۂ صارفہ" ہے جو احرام اتارنے کے بعد شکار کرنے کے حکم کی فرضیت کو اجازت کی طرف پھیر رہا ہے یعنی احرام اتارنے کے بعد شکار کرنے کے حکم سے شکار کرنے کی اجازت مراد ہے نہ کہ شکار کی فرضیت۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

صَلُّوْا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَآءَ كَرَاهِيَةَ اَنْ يَّتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً	نماز مغرب سے پہلے نماز پڑھو (تین مرتبہ آپ نے اس کلمہ کو دہرایا پھر) اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ کہیں لوگ اس کو سنت نہ بنالیں تیسری مرتبہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا: جو (پڑھنا) چاہے۔
(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ قبل المغرب جزء ۲ صفحہ ۲)	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کا تین مرتبہ حکم دیا۔ کیونکہ حکم کی تعمیل فرض ہوتی ہے لہذا آپ نے اپنے حکم کی فرضیت کو استحباب کی طرف پھیرنے کے لئے فرمایا : "جو چاہے"۔ یہ الفاظ "جو چاہے" اس بات پر قرینہ ہیں کہ حکم سے مراد آپ کی استحباب بتانا تھا نہ کہ فرض کرنا گویا یہ الفاظ "جو چاہے" قرینۂ صارفہ ہیں جو اس نماز کے وجوب کو ساقط کرکے اس کے استحباب کو ثابت کررہے ہیں۔

واضح ہو کہ اس حدیث میں سنّت کا لفظ فرض کے قائم مقام واقع ہوا ہے جس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو سنّت یعنی لازمی نہیں بنانا چاہتے تھے لہذا آپ نے "لِمَنْ شَآءَ" فرماکر اس کی فرضیت کو استحباب کی طرف پھیر دیا۔

فرض کن الفاظ سے ہوتا ہے

فرض کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں :۔

(۱) کتاب یا کتابت یا ان کے ماضی، مضارع وغیرہ : مثلاً كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرۃ ـ ۱۸۳) تم پر روزے فرض کر دیئے گئے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (البقرۃ ـ ۱۷۸) تم پر قصاص فرض کر دیا گیا۔

(۲) فرض یا فریضہ یا ان کے ماضی، مضارع وغیرہ : مثلاً فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ (النساء ـ ۱۱) (ورثہ میں تمام وارثوں کے حصے) اللہ کی طرف سے فرض ہیں۔ فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب فرض صدقۃ الفطر جزء ۲، ص۱۶۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر کو فرض کر دیا۔

(۳) امر یا اس کے ماضی، مضارع وغیرہ : مثلاً أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (یوسف ـ ۴۰) اللہ نے حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو سوائے اُس کے۔ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ أَنْ نُلْقِيَ الْحُمُرَ الْأَهْلِيَّةَ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر جزء ۵ ص۱۷۴) خیبر کی لڑائی میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ شہری گدھوں (کے گوشت) کو الٹ دیں۔ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب السجود علی الانف جزء اوّل ص۲۰۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔

(۴) کسی بھی فعل کا صیغہ امر : مثلاً وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ (النور ـ ۵۶) نماز قائم کرو، وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (الاحزاب ـ ۷۰) سچی بات کہو، قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ ـ ۸۳) لوگوں سے اچھی بات کہو (یعنی نرمی سے بات

کرو)، قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا (البقرۃ - ۱۳۶) (اے ایمان والو کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے، فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ (البقرۃ - ۱۴۴) مسجد الحرام کی طرف منہ کرو، وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ (آل عمران - ۱۰۴) اور (اے ایمان والو) تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو خیر کی دعوت دے، اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب فضل اللھم ربنا ولک الحمد جزء اول ص۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم کہو اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ۔

مذاہب خمسہ (یعنی مذاہب اہلحدیث، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) اور دینِ اسلام کا تقابل

اللہ تبارک وتعالٰے، بادشاہِ دوجہاں ہم سب کا خالق اور مالک ہے۔ وہی ہمارا حاکمِ حقیقی ہے، اسی کے احکام پر چلنے میں ہماری نجات ہے۔

اللہ تبارک وتعالٰے کے احکام ہر بندے کے پاس براہ راست نہیں پہنچتے۔ اس کام کے لئے اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں میں سے چند بندے منتخب فرمائے۔ ان بندوں کو انبیاء کہتے ہیں۔ ان بندوں کے ذریعہ اللہ تعالٰے نے اپنے احکام بندوں تک پہنچائے۔

انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور جاتے رہے یہانتک کہ آخری

زمانہ میں اللہ ذوالجلال والاکرام نے محمد المصطفیٰ المرتضیٰ المجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور پھر قیامت تک کے لئے سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا۔

اللہ عزّ وجلّ کے احکام کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں۔ دین اللہ تعالےٰ کا مرتب کردہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کا ارشادِ گرامی ہے :۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (الشورٰی - ۱۳) — اللہ نے تمہارے لئے دین کا ایک واضح اور سیدھا راستہ بنایا۔

اللہ تبارک وتعالےٰ اپنے احکام میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ أَحَدًا ۝ (الکہف - ۲۶) — اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اگر کوئی شخص اللہ تبارک وتعالےٰ کے دین میں خود ساختہ احکام و قوانین کا اضافہ کرتا ہے تو گویا وہ دین سازی میں اللہ تبارک وتعالےٰ کا شریک بنتا ہے۔ اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے :۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشورٰی - ۲۱) — کیا انہوں نے (اللہ کے) شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے دین میں شریعت سازی کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی۔

الغرض اللہ تعالےٰ کے دین خالص میں کسی قسم کی ملاوٹ یا اضافہ ایک قسم کا شرک ہے۔ اسے شرک فی الدین یا شرک فی التشریع کہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے دین کا نام "اسلام" اور اسلام کے ماننے والوں کا نام "مسلمین" رکھا ہے۔ اللہ ذوالجلال والاکرام ارشاد فرماتا ہے :۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران - ۱۹) بے شک اللہ کے نزدیک دین (بس) اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج - ۷۸) اللہ نے تمہارا نام "مسلمین" رکھا ہے۔

جو شخص دینِ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین، مذہب یا مسلک اختیار کرتا ہے تو وہ دین، مذہب یا مسلک اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آلِ عمران - ۸۵) جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا متلاشی ہو تو وہ دین اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسلام دینِ کامل ہے۔ نہ اس میں کوئی نقص ہے نہ کوئی عیب ہے۔ کامل اور بے عیب چیز میں کسی قسم کا اضافہ یا ترمیم نہیں ہو سکتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المآئدۃ - ۳) آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے (بہ لحاظ) دین (بس) اسلام کو پسند فرمایا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کے علاوہ کوئی اور دین پسند نہیں اور نہ وہ اپنے احکام کے ساتھ کسی دوسرے کے احکام کو پسند کرتا ہے لہٰذا اس نے صاف صاف اعلان فرما دیا:۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (الاعراف - ۳) جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے (بس) اس کی پیروی کرو اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے منزل من اللہ کی اتباع کو فرض کر دیا اور جو منزل من اللہ نہ ہو اس کی اتباع کو حرام کر دیا۔

اس آیت کی رُو سے بھی اور اس لحاظ سے بھی کہ اللہ تعالےٰ کا دین کامل ہے کسی شخص کی رائے حجتِ شرعیہ نہیں ہو سکتی۔ اب اگر کوئی شخص اپنی یا کسی دوسرے کی رائے کو حجتِ شرعیہ سمجھتا ہے تو پھر اس کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ اُس کے نزدیک وہ رائے منزل من اللہ ہے اور وہ شخص درپردہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی یا کسی دوسرے کی نبوّت کا دعویٰ کر رہا ہے اور یہ قطعاً باطل ہے۔ الغرض کسی شخص کی رائے نہ حجتِ شرعیہ ہو سکتی ہے اور نہ اُسے دین میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دین کامل ہو گیا تھا۔ آپ کی زندگی میں دین کا سرچشمہ صرف دو چیزیں تھیں یعنی قرآن مجید اور حدیثِ نبوی، لہٰذا انہی دو چیزوں میں دینِ اسلام مکمل ہوا تھا۔ کسی تیسری چیز میں اسلام یا اسلام کے کسی جزء کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ مندرجہ بالا مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ :-

۱ - دینِ اسلام اللہ تبارک وتعالےٰ کا مرتب کردہ ہے،

۲ - دینِ اسلام قرآن مجید اور احادیث کے اندر مکمل ہے،

۳ - مکمل چیز میں اضافہ ناممکن ہے، اور

۴ - رائے کے ذریعہ دین میں اضافہ یا آمیزش شرک ہے۔

دینِ اسلام میں اضافہ اور آمیزش اس مختصر تمہید کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند صدیوں بعد اسلام کو کس طرح مسخ کیا گیا، کس طرح اس میں رائے اور فتووں کو شامل کیا گیا، کس کس طرح سے رائے اور فتوے کو ترجیح دی گئی اور احکامِ اسلام کو ردّ کر دیا گیا۔

ہم اس کتابچہ میں نہ وہ اصول بیان کر رہے ہیں جن کے ذریعہ احکامِ اسلام کو خیر باد کہا گیا اور نہ اسلام کو مسخ کرنے کی تدریجی تاریخ بیان کر رہے ہیں بلکہ ان وضع کردہ اصولوں کی وساطت سے جو نتائج برآمد ہوئے ہم صرف اُن کو آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اسلام کے متعلقہ احکام بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ اس تقابل کے ذریعہ آپ یہ سمجھ لیں کہ وہ نتائج یا مسائل اسلام نہیں بلکہ اسلام کے متوازی دوسرے مذاہب یا اسلام کی مسخ شدہ شکلیں ہیں۔

اسلام کو چند ہی صدیاں گذری تھیں کہ امت کئی فرقوں میں بٹ گئی۔ ہر فرقہ نے اپنا مذہب الگ بنالیا اور دین اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ ہم اس کتابچہ میں ان فرقوں کو نظر انداز کرتے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں سمجھا جاتا، ہم تو اس وقت ان فرقوں کا ذکر کر رہے ہیں جو اسلام کے قریب مانے جاتے ہیں حالانکہ وہ بھی قریب نہیں ہیں۔ ان فرقوں سے ہماری مراد اہل سنت کے پانچ فرقے ہیں یعنی اہلحدیث، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ ہمیں دکھانا یہ ہے کہ یہ پانچوں کہاں تک اسلام کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اس کتابچہ میں صفحات ص۱۲۲ تا ص۱۴۱ پر ہم فی الحال چند مسائل پیش کر رہے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ اسلام کچھ کہتا ہے اور مذاہبِ خمسہ کچھ کہتے ہیں۔

یہاں یہ بات اور ذہن نشین کر لیجئے کہ اس کتابچہ میں ہم صرف ان مسائل کا نمونہ پیش کر رہے ہیں جن میں یہ پانچوں مذاہب اسلام کے خلاف ہیں، آئندہ کسی کتابچہ میں ہم انشاء اللہ انفرادی طور پر ہر مذہب کا مقابلہ اسلام سے کرینگے اور یہ ثابت کریں گے کہ اسلام کچھ کہتا ہے اور یہ مذاہب کچھ کہتے ہیں۔

یہ پانچوں مذاہب، مذاہب ہیں، دین نہیں ہیں۔ انہیں مسالک بھی کہا جاتا ہے اور مکاتب فکر بھی۔ ہر مکتبۂ فکر میں فکر کا طرز علیحدہ ہے اور ہر مکتبۂ فکر اپنے طرز کے مطابق اسلام کو اپنے مخصوص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب فکر کا طرز ہی بدل جائے تو پھر پانچوں مذاہب میں اسلام کی مسخ شدہ شکلیں بھی مختلف ہوں گی۔

چند اصول

اصول ۱ـ اللہ تعالےٰ کی اطاعت فرض ہے اور اللہ تعالےٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے لہٰذا جب اللہ تعالےٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیں تو اس کام کا کرنا فرض ہوگا سوائے اس صورت کے کہ کوئی قرینۂ صارفہ موجود ہو۔

اصول ۲ـ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے لہٰذا جب اللہ تعالےٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے منع فرمائیں تو اس کام کا کرنا حرام ہوگا سوائے اس صورت کے کہ کوئی قرینۂ صارفہ موجود ہو۔

نوٹ:۔ قرینۂ صارفہ کی تشریح کے لئے ص۱۱۱ ملاحظہ فرمائیں۔

اصول ۳ـ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ٥ (الاعراف ـ ۱۵۸)

رسول کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ (آل عمران ـ ۳۱)

(اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت کرنے کا دعوٰی ہے تو میری پیروی کرو (اگر تم ایسا کرو گے تو) اللہ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیگا اور اللہ بڑا

بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ٥ (الزخرف - ٦١)

(کہدیجئے) میری پیروی کرو، یہی صراط مستقیم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ سے روایت ہے کہ :-

اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْمَلَ بِهٖ خَشْيَةَ اَنْ يَّعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلوٰۃ اللیل جز ۲ صفحہ ۶۲ وصحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب صلاۃ الضحیٰ جزء اول صفحہ ۲۸۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمل کو باوجود اس کے کہ اس کا کرنا آپ کو محبوب ہوتا تھا محض اس اندیشہ سے چھوڑ دیا کرتے تھے کہ لوگ بھی اس پر عمل کریں گے پھر یہ ان پر فرض ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کو اپنی امت پر فرض کرنا چاہتے تھے اُسے ہمیشہ کرتے رہتے تھے اور جس کام کو فرض کرنا نہیں چاہتے تھے اُسے کبھی کبھی چھوڑ دیا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا آیات وحدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا اور کبھی نہیں چھوڑا اس کام کا کرنا فرض ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ اصطلاحاً اسے سنت یا سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے۔

نوٹ : سنت کی اہمیت کے سلسلہ میں ہمارا کتابچہ "ترک سنت گناہ ہے" ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض مندرجہ بالا حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ نے اپنے گمان کا اظہار کیا ہے لہذا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔

جواب وَهُوَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْمَلَ بِهٖ (آپ اس کام کو کرنا پسند فرماتے تھے) یہ خبر

ہے، گمان نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کا حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بغیر آپ کے بتائے کیسے علم ہو سکتا تھا، محض گمان سے ایسی بات نہیں کہی جا سکتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی اس حدیث کی تائید مندرجہ ذیل مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات قیام رمضان باجماعت ادا فرما کر چوتھی رات کو قیام رمضان باجماعت ادا نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا :۔

وَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَيْكُمْ اِلَّاۤ اَنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلوٰۃ اللیل جزء ۲ صفحہ ۶۳)

مجھے تمہاری طرف نکلنے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس چیز کے کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو ہمیشہ کرنا اس کام کو فرض بنا دیتا ہے۔ آپ نے رمضان میں قیام اللیل اور جماعت کے اہتمام کو ترک کر دیا حالانکہ آپ اسے پسند فرماتے تھے محض اس لئے کہ کہیں قیام رمضان اور اس کی باجماعت ادائیگی امت پر فرض نہ ہو جائے۔ تین رات کے بعد آپ نے قیام اللیل کو اسی طرح ادا کیا جس طرح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ادا فرماتے تھے۔ اس طرح قیام رمضان کی فرضیت ختم ہو گئی۔

مسعود احمد
امیر جماعت المسلمین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

۱- عید کی نماز

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
نماز عیدین کی سنت ہے (البلاغ المبین ص۳۹۶) اہلحدیث کے نزدیک سنت اور نفل ایک چیز ہے۔ صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: "واضح ہو کہ سنت، نفل، مندوب، مستحب ...... یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مترادف ہیں"۔	وجب صلوٰۃ العید۔ یعنی نماز عید واجب ہے (ہدایہ ۱/۱۴۲)	ھی سنۃ یعنی نماز عید سنت ہے (منہاج الطالبین ص۲۳) صلوٰۃ العید سنۃ (منہج الطلاب ص۲۱) یعنی عیدین کی نماز سنت ہے۔	سن لعید رکعتان یعنی عید کی دو رکعت سنت ہیں۔ (مختصر العلامۃ خلیل ص۴۹)	ھی فرض علی الکفایۃ یعنی نماز عیدین فرض کفایہ ہے (المقنع لابن قدامۃ ص۱۳۶) نوٹ: فرض کفایہ سے مراد یہ ہے کہ اگر چند لوگ نماز عید پڑھ لیں تو کافی ہے۔ پوری آبادی کو پڑھنا لازم نہیں۔	نماز عید اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز جمعہ فرض ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں:- ① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمۡ (البقرۃ-۱۸۵) تاکہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرو اور اللہ نے جو ہدایت تمہیں دی ہے اس (نعمت) پر اس کی بڑائی بیان کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح روزوں کی گنتی پوری کرنا فرض ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا بھی فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی سے مراد یہاں نماز عید الفطر ہے (صفحہ ۱۱۳ پر ص۲ ملاحظہ فرمائیں) ② حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:- "صلوٰۃ الاضحٰی رکعتان وصلوٰۃ الجمعۃ رکعتان وصلوٰۃ الفطر رکعتان وصلوٰۃ المسافر رکعتان تمام غیر قصر علی لسان نبیکم وقد خاب من افتریٰ" یعنی تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان	اسلام میں نماز عید فرض ہے لیکن مذاہب خمسہ میں سے کسی نے بھی اس کو فرض قرار نہیں دیا۔

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
(صلوٰۃ الرسول ۳۴۹) شمس الحق صاحب لکھتے ہیں :- (فان خیر صلوٰۃ المرء فی بیتہ) عمومًا فی جمیع النوافل المرتبۃ مع الفرائض والمطلقۃ الا فی النوافل التی ہی من شعائر الاسلام وہی العید والکسوف) (عون المعبود ۱/۵۴۲) الغرض اہلحدیث کے نزدیک نماز عید نفل ہے۔					(اقدس) سے یہ کلمات ادا ہوئے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی نماز دو رکعت ہے، جمعہ کی نماز دو رکعت ہے، عید الفطر کی نماز دو رکعت ہے اور مسافر کی نماز دو رکعت ہے۔ یہ پوری ہیں، ان میں قصر نہیں ہوا ہے اور جو شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر) افترٰی کرے وہ نامراد ہوگیا (رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ و سندہ صحیح۔ ابن خزیمۃ جزء ۲ صفحہ ۳۴۰) نوٹ :- نماز جمعہ اور نماز مسافر کے ساتھ عیدین کا ذکر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نماز جمعہ اور نماز مسافر کی طرح نماز عیدین فرض ہے۔ مزید برآں قصر فرض نماز میں ہوتا ہے نہ کہ نفل نماز میں۔ قصر کا ذکر بھی نماز عیدین کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔ (۳) ایک مرتبہ عہدِ رسالت میں ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آیا۔ اگلے دن سب نے روزہ رکھا۔ دن کے آخری حصہ میں ایک قافلہ آیا۔ قافلہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ انہوں نے گذشتہ شام کو چاند دیکھا تھا، فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یفطروا من یومہم وان یخرجوا العیدہم من الغد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس دن روزہ کھولنے کا حکم دیا اور اگلی صبح کو عید کے لئے نکلنے کا حکم دیا) (رواہ ابوداؤد والنسائی واحمد۔ بلوغ الامانی	

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
					۹/۲۶۶ - سندہ صحیح - التعلیقات للالبانی علی المشکوٰۃ جز اول ص۴۵۵} نوٹ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے لئے نکلنے کا حکم دیا لہٰذا اصول ۱ کی رُو سے عید کی نماز فرض ہوئی۔ (۲) اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز ہمیشہ پڑھی، کبھی نہیں چھوڑی لہٰذا اصول ۳ کی رُو سے نماز عید فرض ہوئی۔	

۱۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲- تحیۃ المسجد

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
تحیۃ المسجد نفل ہے (البلاغ المبین صـ۳۶)	مستحب ہے (فتح الباری جز۲ صـ۸۳)	تحیۃ المسجد نفل ہے (منہاج الطالبین صـ۱۶) (منہج الطلاب صـ۱۵)	ندب نفل .... تحیۃ المسجد (مختصر العلامۃ خلیل صـ۳۸) یعنی تحیۃ المسجد نفل ہے۔	مستحب ہے (فتح الباری جز۲ صـ۸۳)	① حضرت ابو قتادہؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے پایا، وہ بھی ان کے پاس بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں دو رکعت نماز پڑھنے سے کیا چیز مانع ہوئی؟ حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا: میں نے آپ کو اور لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا (میں بھی بیٹھ گیا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یرکع رکعتین" جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھے نہیں جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین جزء اول صـ۲۴۸) ② "دخل رجل یوم الجمعۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال اصلیت قال لا، قال فصل رکعتین" یعنی ایک شخص جمعہ کے روز (مسجد میں) داخل ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا تم نے نماز پڑھ لی؟" اس شخص نے عرض کیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تو پھر دو رکعتیں پڑھو (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب من جاء والامام یخطب صلی	جو نماز اتنی ضروری ہے کہ خطبہ کے دوران بھی اُسے ادا کرنے کا حکم ہے وہ نماز ان مذاہب خمسہ میں غیر ضروری ہے۔ کیا یہ اسلام کی ترجمانی ہے؟

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
					رکعتین خفیفتین جزء ۲ صفحہ ۱۵ و صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب التحیۃ والامام یخطب جزء اول صفحہ ۳۴۶) ③ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اُسے چاہیے کہ دو رکعت پڑھے لیکن ہلکی پڑھے۔" (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب التحیۃ والامام یخطب جزء اول صفحہ ۳۴۷) نوٹ:- تینوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران بھی پڑھنے کا حکم دیا لہٰذا اصول ۱ کی رُو سے تحیۃ المسجد کا پڑھنا فرض ہے (صفحہ ۱۱۳ پر ملاحظہ فرمائیں)	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳- عیدگاہ میں خواتین کی حاضری

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
عیدگاہ میں عورتوں کو بھی نماز عید کے لئے جانا سنت ہے (البلاغ المبین ص۲۰۲) اہلحدیث کے نزدیک سنت اور نفل ایک چیز ہے لہذا اہلحدیث کے نزدیک خواتین کے لئے عیدگاہ کی حاضری نفل ہے۔	ویکرہ لھن حضور الجماعات یعنی الشواب منھن (ہدایہ جزء اول ص۱۳۶) جوان عورتوں کا جماعات میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ والفتوی الیوم علی کراھۃ حضورھن فی الصلوٰت کلھا (الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	سنت ہے (منہاج الطالبین ص۲۳) مستحب ہے (نیل الاوطار جزء۳ ص۳۴۳ ملخصاً)	سن لعید رکعتان لمامور الجمعۃ (مختصر العلامۃ خلیل ص۴۹) یعنی جن پر نماز جمعہ فرض ہے ان کے لئے عید کی دو رکعت سنت ہیں۔ نتیجہ:- کیونکہ عورتوں پر نماز جمعہ فرض نہیں لہذا ان کے لئے نماز عید	وھی فرض علی الکفایۃ (المقنع لابن قدامۃ ص۲۳) یعنی عید کی نماز فرض کفایہ ہے۔ نتیجہ: جب عید کی نماز سب مردوں پر ہی فرض نہیں تو عورتیں کس گنتی میں ہیں۔ انہ جائز غیر مستحب لھن مطلقاً یعنی عورتوں کیلئے	(۱) حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں: کنا نؤمر ان نخرج یوم العید حتی نخرج البکر من خدرھا حتی نخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرھم ویدعون بدعائھم یرجون برکۃ ذلک الیوم وطھرتہ۔ یعنی ہمیں عید کے دن عیدگاہ جانے کا حکم دیا جاتا تھا حتی کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم کنواری لڑکی کو بھی اس کے خدر سے نکال کر عیدگاہ لے جائیں بلکہ ہمیں یہاں تک حکم دیا جاتا تھا کہ ہم ان عورتوں کو بھی عیدگاہ لے جائیں جو اذیت ماہانہ میں ہوں، ایسی عورتیں لوگوں کے پیچھے بیٹھ جائیں (نماز نہ پڑھیں) لیکن لوگوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتی رہیں اور ان کی دعا کے ساتھ دعا مانگیں اور اس دن کی (خیر و) برکت اور پاکیزگی (یعنی مغفرت) کی امید وار رہیں (صحیح بخاری کتاب العیدین باب التکبیر ایام منی جزء ۲ ص۲۵) نوٹ:- خدر اس پردے کو کہتے ہیں جو گھر کے کسی کونہ میں کنواری لڑکیوں کے لئے ڈالا جاتا ہے۔ (۲) حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں: امرنا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بان نخرج العواتق وذوات الخدور یعنی ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم جوان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم دیا لہذا اصولاً کے لحاظ سے عورتوں پر عیدگاہ جانا فرض ہوا لیکن مذاہب خمسہ میں سے کسی میں بھی عورتوں پر عیدگاہ جانا فرض نہیں۔ اہلحدیث اور شوافع کے نزدیک صرف مستحب ہے یعنی

۱۲۷

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دینِ اسلام	تبصرہ
	جوء اوّل صـ۱۲۵) یعنی آجکل فتویٰ اسی پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔		سنت ہی نہیں۔ از مکروہ (نیل الاوطار جزء ۳ صـ۲۴۳) یعنی عورتوں کا عیدگاہ آنا مکروہ ہے۔	نمازِ عید مطلق مستحب نہیں، بس جائز ہے۔ (نیل الاوطار جزء ۳ صـ۲۴۳)	اور پردہ والی (یعنی کنواری) لڑکیوں کو بھی عیدگاہ لے جائیں (صحیح بخاری کتاب العیدین باب خروج النساء والحیّض الی المصلی جزء ۲ صـ۲۰ و صحیح مسلم کتاب العیدین باب ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین جزء اول صـ۲۹۱) (صفحہ ۱۱۲ پر صـ۳ ملاحظہ فرمائیں) (۳) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:- ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلہا ولا بعدہا (وفی روایۃ البخاری ثم خطب ثم اتی النساء ومعہ بلال (وفی روایۃ البخاری فوعظہن وذکرہن) فامرہن بالصدقۃ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کی دو رکعت نماز پڑھی، نہ اس سے پہلے نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد۔ پھر آپ نے خطبہ دیا، پھر آپ عورتوں کے پاس تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ بلالؓ تھے۔ آپ نے عورتوں کو نصیحت کی اور انہیں صدقہ دینے کا حکم دیا (صحیح بخاری کتاب العیدین باب الخطبۃ بعد العید جزء ۲ صـ۱۱ و باب خروج الصبیان الی المصلی جزء ۲ صـ۱۱ و صحیح مسلم کتاب العیدین باب ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین جزء اول صـ۲۹۱) (۴) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:- قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفطر فصلی فبدأ بالصلوٰۃ ثم خطب فلما فرغ نزل فاتی النساء وذکرہن۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن پہلے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا، پھر جب آپ خطبہ	چلی جائیں تو اچھا ہے احنابلہ کے نزدیک مستحب بھی نہیں جائز ہے، احناف اور موالک کے نزدیک مکروہ ہے۔ افسوس جس کام کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں وہ کام مکروہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۱۲۸

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
					سے فارغ ہوئے تو عورتوں کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی (صحیح بخاری کتاب العیدین باب موعظۃ الامام النساء یوم العید جزء ۲ صـ۲۷ و صحیح مسلم کتاب العیدین جزء اول صـ۲۹۰) ⑤ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں: - ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج یوم الاضحی ویوم الفطر فیبدأ بالصلوٰۃ فاذا صلی صلوٰتہ وسلم قام فاقبل علی الناس ..... وکان یقول تصدقوا تصدقوا تصدقوا وکان اکثر من یتصدق النساء ثم ینصرف۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن پہلے نماز پڑھتے پھر خطبہ دیتے آپ فرماتے تھے صدقہ دو، صدقہ دو، صدقہ دو تو صدقہ دینے والوں میں عورتیں زیادہ ہوتی تھیں (صحیح مسلم کتاب العیدین جزء اول صـ۲۹۰)	

۱۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۴- اذان کا جواب

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
مستحب ہے	(۱) مستحب ہے (ہدایہ کتاب الصلوٰۃ) (۲) باب ما یستحب للرجل ان یقول اذا سمع الاذان (شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول ص۹۹) مندرجہ بالا باب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے، ضروری نہیں۔	(۱) ویسن لسامعہ مثل قولہ (منہاج الطالبین ص۹) یعنی سننے والے کو مؤذن کے قول کے مثل کہنا سنت ہے۔ (۲) ضروری نہیں (بلوغ الامانی جزء۳ ص۳۳)	جواب دینا ضروری نہیں (بلوغ الامانی جزء۳ ص۳۳)	ویستحب لمن سمع المؤذن ان یقول کما یقول (المقنع ص۲۳) یعنی جو شخص اذان سنے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہی کہے جو مؤذن کہہ رہا ہو۔	① حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں:- ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہو اسی کے مثل کہو (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما یقول اذا سمع المنادی جزء اول ص۸۶ و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ جزء اول ص۱۶۶) ② حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:- انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول یعنی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ، جب تم مؤذن (کی اذان) سنو تو جو کچھ وہ کہہ رہا ہو اسی کے مثل تم بھی کہو (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ جزء اول ص۱۶۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا جواب دینے کا حکم دیا لہٰذا اصول ۱ کی رو سے اذان کا جواب دینا فرض ہے (صفحہ۱۱ پر ۱ ملاحظہ فرمائیں)	مذاہب خمسہ میں سے کسی ایک نے بھی فرض نہیں کہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۵- جمعہ کے دن غسل کرنا

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
جمعہ کے روز غسل کرنا نہایت ہی اچھا ہے۔ بطریق شرع مستحب تاکیدی اور پسندیدہ ہے نہ ایسا لازمی کہ تارک اس کا گنہگار ہو۔ (صلوٰۃ الرسول ص۱۱۶)	وسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغسل للجمعۃ... .... صاحب الکتاب نص علی السنیۃ (ہدایۃ جزء اول ص۳۲) یعنی غسل جمعہ سنت ہے۔	یسن الغسل لحاضرھا (منہاج الطالبین ص۲۲) سن غسل (منہج الطلاب ص۲۰) یعنی غسل جمعہ سنت ہے۔	وسن غسل متصل بالرواح (مختصر العلامۃ خلیل ص۴۷) یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔	والاغتسال المستحبۃ ثلاثۃ عشر غسلا الجمعۃ والعیدین (المقنع ص۱۱) یعنی غسل جمعہ مستحب ہے۔	① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الغسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم" یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر فرض ہے (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب فضل الغسل یوم الجمعۃ جزء ۲ ص۲ وصحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب وجوب غسل الجمعۃ جزء اول ص۲۸۰) (صفحہ ۱۰۹ پر "واجب" عنوان ملاحظہ فرمائیں) ② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اذا جاء احدکم الجمعۃ فلیغتسل" یعنی جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ (کی نماز) کے لئے آئے تو غسل کرے (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب فضل الغسل یوم الجمعۃ جزء ۲ ص۲ وصحیح مسلم کتاب الجمعۃ جزء اول ص۲۷۹ واللفظ للبخاری) ③ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بالغسل" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل (جمعہ) کا حکم دیا کرتے تھے (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب فضل الغسل یوم الجمعۃ جزء ۲ ص۳ و	احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ غسل جمعہ فرض ہے لیکن مذاہب خمسہ میں سے کسی بھی مذہب نے اسے فرض نہیں مانا۔

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
					صحیح مسلم کتاب الجمعۃ جزء اول ص۲۳۵ (صفحہ ۱۰ پر ۲ ملاحظہ فرمائیں) ④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اغتسلوا یوم الجمعۃ" یعنی جمعہ کے دن غسل کیا کرو (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب الدھن للجمعۃ جزء ۲ ص۳) (صفحہ ۱۱۳ پر ۲ ملاحظہ فرمائیں) ⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام یوما یغسل فیہ رأسہ وجسدہ" یعنی ہر سات دن میں سے ایک دن ہر مسلم پر نہانا حق ہے، اُسے چاہیئے کہ اس دن سر اور جسم کو دھوئے (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب ھل علی من لم یشھد الجمعۃ غسل جزء ۲ ص۴ وصحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب الطیب جزء اول ص۲۸۰ واللفظ للبخاری) ⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "علی کل رجل مسلم فی کل سبعۃ ایام غسل یوم وھو یوم الجمعۃ" یعنی ہر مسلم پر ہر سات دن میں ایک دن غسل کرنا ضروری ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے (نسائی کتاب الجمعۃ باب ایجاب الغسل یوم الجمعۃ جزء اول ص۱۵۹ وسندہ صحیح۔ فتح الباری جزء ۳ ص۳۳)	

۱۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

٦- نماز میں "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ... الخ" کا پڑھنا

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
دونوں دعاؤں میں سے آپ جونسی چاہیں پڑھ لیا کریں۔ (صلوٰۃ الرسول ص۲۷۵) حملہ الجمہور علی الندب (مرعاۃ ص۵۴۳/۲) یعنی جمہور نے حکم کو استحباب	ودعا بما یشبہ الفاظ القرآن والادعیۃ المأثورۃ (ہدایہ جلد اوّل ص۱۱۳) یعنی ایسے الفاظ سے دعا کرے جو قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے الفاظ کے	واقل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ: اللھم صل علی محمد وآلہ والزیادۃ الی حمید مجید سنۃ فی الآخر وکذا الدعاء بعدہٗ وماثورہ افضل ومنہ اللھم اغفرلی ما	ودعا بما احب (مختصر العلامۃ الخلیل ص۳۰) یعنی جو دعاء چاہے پڑھے۔ **نتیجہ** دعائے مذکورہ کا پڑھنا فرض نہیں۔	ویستحب ان یتعوذ فیقول اعوذ باللہ من عذاب جہنم...... الخ وان دعا بما ورد فی الاخبار فلا بأس (المقنع ص۳۰) یعنی اس دعاء کا پڑھنا مستحب ہے اور اگر کوئی اور	① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا فرغ احدکم من التشہد الآخر فلیتعوذ باللہ من اربع یقول اللھم انی اعوذبک من عذاب جہنم ومن عذاب القبر ومن فتنۃ المحیا والممات ومن شر فتنۃ المسیح الدجال وفی روایۃ: عوذوا باللہ من عذاب اللہ، عوذوا باللہ من عذاب القبر، عوذوا باللہ من فتنۃ المسیح الدجال، عوذوا باللہ من فتنۃ المحیا والممات (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما یستعاذ منہ فی الصلوٰۃ، ص۲۱۷/۱) (ترجمہ) جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو تو اسے چاہیے کہ ان چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے (یعنی اس طرح کہے) اے اللہ میں عذاب جہنم سے، عذاب قبر سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے، مسیح دجال کے فتنہ کی برائی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب	دعائے مذکورہ کا پڑھنا فرض ہے لیکن مذاہب خمسہ میں سے کسی نے بھی اسے فرض قرار نہیں دیا۔

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
پر محمول کیا ہے۔ نتیجہ دعائے مذکورہ کا پڑھنا ضروری نہیں۔	مشابہ ہوں۔ نتیجہ دعائے مذکورہ کا پڑھنا فرض نہیں۔	قدمت وما اخرت ... الخ (منہاج الطالبین ص۱۲) یعنی درود کے بعد دعار پڑھنا درود کی طرح سنت ہے اور جو دعار ماثور ہو وہ افضل ہے مثلاً اللھم اغفرلی ..... الخ ..... نتیجہ دعائے مذکورہ ضروری نہیں۔		دعار جو احادیث میں وارد ہے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ نتیجہ دعائے مذکورہ کا پڑھنا لازمی نہیں۔	کرو۔ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، مسیح دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو، زندگی اور موت کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ (صفحہ ۱۱۳ پر ۲ ملاحظہ فرمائیں) نوٹ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعار کو پڑھنے کا حکم دیا لہٰذا اصول ۱ کی رُو سے اس دعار کا پڑھنا فرض ہے۔ (۲) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلمھم ھذا الدعار کما یعلمھم السورة من القرآن یقول قولوا اللھم انا نعوذ بك من عذاب جھنم واعوذ بك من عذاب القبر واعوذ بك من فتنة المسیح الدجال واعوذ بك من فتنة المحیا و الممات (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما یستعاذ منہ فی الصلوٰۃ جزء اول ص۲۱۷) (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو اس دعار کی تعلیم اس اہتمام سے دیتے تھے جس اہتمام سے آپ ان کو قرآن کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے (اس طرح) کہو : اے اللہ ہم عذاب جہنم سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں، میں عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ نوٹ :- اس دعار کی تعلیم کا اہتمام اور پھر اس دعار کے پڑھنے کا حکم اس دعار کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔	

۱۳۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷ - سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
انما سنة غیر واجبة یعنی گرہن کی نماز سنت ہے۔ فرض نہیں ہے۔ (نیل الاوطار جزء ۳ ص ۲۴۸)	سنت غیر مؤکدہ ہے (مرعاۃ شرح مشکوٰۃ جزء ۳ ص ۳۷)	ھی سنة (منہاج الطالبین ص ۲۵) صلوٰۃ الکسوفین سنة یعنی چاند گرہن اور سورج گرہن کی نماز سنت ہے۔ (منہج الطلاب ص ۳۲)	سُنَّ وانْ لعمودیٍ و مسافر لم یجدّ سیرہ کسوف الشمس رکعتان سرا (مختصر العلامة الخلیل ص ۵۰) یعنی سورج گرہن کی نماز سنت ہے۔	صلوٰۃ کسوف الشمس سنة مؤکدة (مرعاۃ جزء ۳ ص ۳۷) یعنی سورج گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔	(۱) حضرت ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاذا رأیتموھا فقوموا فصلوا" یعنی جب تم سورج گرہن اور چاند گرہن دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو (صحیح بخاری کتاب الکسوف جزء ۲ ص ۴۲ و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف جزء اول ص ۲۹۳) (۲) حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاذا رأیتموھا فصلوا" یعنی جب تم سورج گرہن اور چاند گرہن دیکھو تو نماز پڑھو (صحیح بخاری کتاب الکسوف جزء ۲ ص ۴۲ و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف جزء اول ص ۲۹۵) (۳) حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاذا رأیتم فصلوا وادعوا اللہ" یعنی جب تم گرہن کو دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعا کرو (صحیح بخاری کتاب الکسوف جزء ۲ ص ۴۲ و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف جزء اول ص ۲۹۵)	گرہن کی نماز فرض ہے لیکن مذاہب خمسہ میں سے کسی نے اس کو فرض نہیں مانا۔

۱۳۵

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
					(۴) حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاذا رأیتم ذٰلک فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا" یعنی جب تم گرہن دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، تکبیر پڑھو، نماز پڑھو اور صدقہ دو (صحیح بخاری کتاب الکسوف جزء ۲ صفحہ ۴۳ و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف جزء اول صفحہ ۲۵۸) (۵) حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذا کان ذٰلک فصلوا وادعوا" یعنی جب گرہن ہو تو نماز پڑھو اور دعا مانگو (صحیح بخاری کتاب الکسوف باب الصلوٰۃ فی کسوف القمر جزء ۲ صفحہ ۴۹) (۶) حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاذا رأیتم شیئاً من ذٰلک فصلوا" یعنی جب تم ذرا سا بھی گہن دیکھو تو نماز پڑھو (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما عرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الکسوف جزء اول صفحہ ۲۶۱) {صفحہ ۱۱۳ پر ۲ ملاحظہ فرمائیں} مندرجہ بالا تمام روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرہن کی نماز کا حکم دیا لہٰذا اصول ۱ کی رو سے گرہن کی نماز فرض ہے۔	

١٣٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸ - پانی کی طہارت

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
اگر کوئی پلید چیز کسی کنویں یا قلتین کی مقدار یا اس سے زائد مقدار پانی میں گر پڑے اور پانی کا رنگ، بُو، مزا نہ بدلے تو وہ پانی پلید نہیں ہے۔ (دستور المتقی ص۲۶)	إذا كان عشرة اذرع في عشرة اذرع ولا يتحرك بالغرف فحكمه الماء الجاري (شرح وقایہ جلد اول ص۸۶ باب ما لا يجوز به الوضوء ويجوز به) ترجمہ دس ہاتھ	ولا تنجس قلتا الماء بملاقاة نجس فان غيرته فنجس (منہاج الطالبین ص۳) ولا تنجس قلتا ماء وهما خمسمائة رطل بغدادي تقريبا بملاقاة نجس	او كثيرا خلط بنجس لم يغيره (مختصر العلامۃ خلیل ص۹) یعنی پانی اگر کثیر ہو تو نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا جب تک متغیر نہ ہو۔ نوٹ:۔ مختصر میں کثیر پانی کی	ماء نجس وهو ما تغير بمخالطة النجاسة فان لم يتغير وهو يسير فعل نجس؟ على روايتين وان كان كثيرا فهو طاهر (المقنع ص۱۱)	① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (یا ایہا المدثر-۵) یعنی نجاست سے علیحدہ رہو (صفحہ ۱۱۳ پر بھی ملاحظہ فرمائیں) ② اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (البقرہ - ۲۲۲) یعنی اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ③ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (التوبہ - ۱۰۸) یعنی اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب فضل الوضوء جزء اول ص۱۱۸) یعنی پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ نوٹ:۔ "قلتین" کا لفظ تو صحیح حدیث میں ہے لیکن "قلتین"	اسلام کی پاکیزگی اور مذاہب غیر کی پاکیزگی میں کتنا فرق ہے، بھلا دو مٹکے پانی یا پانچ گز مربع حوض میں اگر نجاست گر جائے اور اس کا رنگ یا مزا یا بُو نہ بدلے تو وہ پانی کیسے

۱۳۷

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
قُلّہ اُس بڑے مٹکے کو کہتے ہیں جو یمن کے موضع ہجر میں بنایا جاتا ہے۔ (دستور المتقی) قلتین = دو مٹکے (اگر نجاست کے گرنے سے) پانی سے بدبو آنے لگے یا اس کا مزا بگڑ جائے یا رنگ تبدیل ہو جائے (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں)	لمبے، دس ہاتھ چوڑے حوض میں اگر پانی بھرا ہوا ہو اور پانی کی مقدار اتنی ہو کر چلو لینے سے پیندا ننگا نہ ہو تو اس کا حکم جاری پانی کا حکم ہے یعنی پانی پاک رہے گا۔ نتیجہ: اگر کوئی حوض پانچ گز لمبا، پانچ گز چوڑا اور اتنا گہرا ہو کر چلو	فان غیرہ فنجس (منہج الطلاب ص۲) نتیجہ: دو قلے پانی (یعنی دو مٹکے پانی) نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا جب تک متغیر نہ ہو۔	کم سے کم مقدار مذکور نہیں ہے البتہ نیل الاوطار سے معلوم ہوتا ہے کہ قلیل پانی بھی ناپاک نہیں ہوتا جب تک متغیر نہ ہو۔ الفاظ یہ ہیں:- فلا ینجس الماء بما لاقاہ ولو کان قلیلا الا اذا تغیر (نیل الاوطار جزء اول ص۳۰)	والکثیر ما بلغ قلتین والیسیر ما دونھما (المقنع ص۱۲) ترجمہ: وہ پانی ناپاک ہے جو نجاست گرنے سے متغیر ہو جائے اگر متغیر نہ ہو تو دو روایتیں ہیں (ایک میں پاک رہنے کا ذکر ہے، ایک میں ناپاک ہونے کا) اور اگر کثیر ہو تو وہ پاک	کے معنی "دو مٹکے" کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ لغت میں اگرچہ "قُلّہ" کے معنی "مٹکا" دیے ہوئے ہیں لیکن لغت میں "قُلّہ" کے معنی "پہاڑ کی چوٹی" بھی دیے ہوئے ہیں۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو پانی یقیناً بہت کثیر ہوگا اور نجاست کو نہیں اٹھائے گا اور یہ معنی اسلام کے مزاج کے بھی مطابق ہوں گے۔ "قلتین" سے پانی کی وہ مقدار مراد ہو سکتی ہے کہ جس پانی کو اگر درمیاں سے پھاڑ دیا جائے تو دونوں طرف پانی کے پہاڑوں کی چوٹیاں محسوس ہوں۔ قرآن مجید میں اس کی ایک مثال ملتی ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:- فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۝ (الشعراء - ٦٣) (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لاٹھی مارنے سے) سمندر پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کے مانند ہو گیا۔	پاک رہ سکتا ہے! اتنی مقدار پانی میں اگر آدھا یا پاؤ گلاس پیشاب ڈال دیا جائے تو رنگ بو اور مزا یقیناً نہیں بدلے گا اور یہ پانی ان مذاہب کے نزدیک پاک رہے گا۔

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دینِ اسلام	تبصرہ
تو وہ پانی ناپاک (ہو جاتا) ہے۔ (صلوٰۃ الرسول ﷺ) نوٹ: قوسین کے درمیان کی عبارت بھی "صلوٰۃ الرسول" کی عبارت ہے۔ نتیجہ: دو مٹکے پانی میں اگر نجاست گر جائے تو وہ پانی پاک رہے گا جب تک اس پانی کا رنگ، بُو، مزا سب نہ بدل جائیں۔	لینے سے پیندا نہ ظاہر ہو تو اس حوض کا پانی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا بلکہ جاری پانی کی طرح ہمیشہ پاک رہے گا۔			رہے گا۔ کثیر پانی وہ ہے جو دو مشکوں کی مقدار کو پہنچ جائے۔ اس سے کم ہو تو وہ قلیل ہے۔ نتیجہ: دو مٹکے پانی نجاست گرنے کے بعد بھی پاک رہے گا جب تک متغیر نہ ہو۔		

۱۳۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۹- سیدھی طرف سے ابتداء

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
والتیامن سنۃ فی جمیع الاشیاء (نیل جزء اول ص۱۳۵) تمام کاموں میں سیدھی طرف سے ابتداء سنت ہے (اہلحدیث کے نزدیک سنت اور نفل ایک چیز ہے لہذا سیدھی طرف سے ابتداء کرنا نفل ہے)	والبدایۃ بالیامن فضیلۃ (ہدایہ کتاب الطہارت جلد اول ص۲۳) سیدھی طرف سے ابتداء کرنا افضل ہے۔	(وسنتہ) السواک .... وتقدیم الیمنی (منہاج الطالبین باب الوضوء ص۴) یعنی سیدھی طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے قال النووی قاعدۃ الشرع المستمرۃ استحباب البداءۃ بالیمین (فتح الباری	وسنۃ غسل یدیہ ...... وتیمن اعضاء (مختصر العلامۃ خلیل ص۱۵) یعنی اعضاء (کے دھونے میں) سیدھی طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے۔	وسنن الوضوء عشرۃ السواک .... والتیامن (المقنع باب السواک وسنۃ الوضوء ص۲۱) یعنی سیدھی طرف سے ابتداء سنت ہے۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- اذا لبستم واذا توضأتم فابدؤا بایامنکم (جب تم پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنی سیدھی طرف سے شروع کرو) (صحیح ابن خزیمۃ باب الامر بالتیامن فی الوضوء جلد اول ص۹۱ ومسند احمد۔ بلوغ الامانی جزء ۲ ص۵ وسندہ صحیح۔ ابن خزیمۃ جزء اول ص۹۱)	نووی لکھتے ہیں اجمع العلماء علی ان تقدیم الیمین فی الوضوء سنۃ من خالفہا فاتہ الفضل وتم وضوءہ قال الحافظ ومراد بالعلماء اہل السنۃ والا فمذہب الشیعۃ الوجوب (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول ص۲۸۱) یعنی علمائے اہل سنت کے نزدیک

اہلحدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	حنبلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
		جزء اول ص۲۸۱) یعنی سیدھی طرف سے ابتدار کرنا مستحب ہے۔				سیدھی طرف سے ابتدار سنت ہے۔ جو اسکے خلاف کرتا ہے تو وہ فضیلت کھو دیتا ہے۔ وضو تو پورا ہوجاتا ہے۔ دین اسلام میں سیدھی طرف سے ابتدار فرض ہے لیکن اہلسنت کے پانچوں فرقوں کے نزدیک نفل ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نووی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت کی ادائیگی میں صرف فضیلت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرقوں سے علیحدگی ضروری ہے

سلسلۂ اشاعت ۹۳ ماہ رمضان ۱۳۹۷ھ

اختلاف اور فرقہ بندی کی شرعی حیثیت کے بارے میں ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں کئی مرتبہ اپنی گذارشات پیش کر چکے ہیں۔ ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ تمام فرقوں کے فرقہ وارانہ نام اُن کے خود تجویز کردہ ہیں، قرآن و حدیث میں ان ناموں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ہماری دعوت کو بہت سے لوگوں نے پسند کیا، بہت سے لوگوں نے تعاون کا بھی یقین دلایا، لیکن بات یہاں پہنچکر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہاں سے تو ابتداء ہوتی ہے۔ فرقہ بندی سے قولاً اظہارِ نفرت لیکن عملاً فرقوں سے خلط ملط نا قابل فہم ہے! کسی چیز سے نفرت کرنا پھر اُس سے وابستگی قائم رکھنا حیرت انگیز ہے اسے ایمان کی کمزوری بھی کہا جا سکتا ہے اور قول و فعل کا تضاد بھی۔

لغوی اعتبار سے فرقہ آپ جسے چاہے کہہ لیں، لیکن اصطلاحی لحاظ سے فرقہ وہ ہے جس نے اصل راستہ سے افتراق کیا، اپنے مذہب کے لئے علیحدہ اُصول و فروع بنالئے۔ اپنی کتابیں علیحدہ بنالیں، اپنا فرقہ وارانہ نام بھی علیحدہ رکھ لیا۔ کسی شخص مخصوص کو خود اپنا امام بنا کر اُس کو منتہائے نظر سمجھ لیا۔ قرونِ اولیٰ میں جس چیز کو سرچشمۂ ہدایت سمجھا گیا تھا اُس سے قطع نظر کر کے اپنے امام یا کسی عالم کے اقوال و افعال کو سرچشمۂ ہدایت سمجھ لیا۔ یہ تو جو کچھ ہوا، ہوا، سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے فرقوں کے وجود کو بُرا سمجھا، افتراق و اختلاف کو لعنت سمجھا انہوں نے کونسا کارنامہ انجام دیا۔ کسی چیز کو بُرا سمجھنا اور عملاً اُسی چیز کو اختیار کرنا یہ کونسی خوبی ہے جس پر ناز کیا جائے! بلکہ یہ تو فریبِ نفس ہے۔ اگر یہ لوگ واقعی فرقوں کو بُرا سمجھتے ہیں تو پھر اُن کے ساتھ دینی روابط کیوں قائم ہیں۔ ان کے پیچھے نماز کیوں ادا کی جارہی ہے، ان کی نمازِ جنازہ کیوں پڑھی جارہی ہے۔ کیا ان کا یہ طرزِ عمل اِس بات کو ظاہر نہیں کرتا کہ ان فرقوں سے اُن کی نفرت صرف زبان کی حد تک ہے۔ کیونکہ اعمال قلب کی عکاسی کرتے ہیں، لہٰذا یہ کیوں نہ سمجھ لیا جائے کہ دل

میں فرقہ بندی سے حقیقی نفرت نہیں، بلکہ گمراہ فرقوں سے دینی روابط اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ان کو گمراہ نہیں سمجھا جا رہا، اُن کے پیچھے نماز ادا کیجا رہی ہے تو کیا یہ سمجھ کر ادا نہیں کی جا رہی کہ نماز ہو جائے گی۔ کیا اس طرزِ عمل نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ فرقہ بندی کو بُرا سمجھنے والوں کے نزدیک بھی یہ تمام فرقے حق پر ہیں؟ اگر فرقہ بندی سے نفرت کرنے والوں کا عمل ان کے فرقوں کے حق پر ہونے کی شہادت دے رہا ہے تو محض زبان سے ان کو گمراہ کہنے سے کیا فائدہ ہوگا! یہ لوگ خود بھی دھوکے میں رہیں گے اور دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ {انعام - ۱۵۹}	بے شک جن لوگوں نے دین میں افتراق کیا اور فرقے فرقے بن گئے (اے رسولؐ) آپ کو اُن سے کوئی سرو کار نہیں۔

سوچیئے، کیا جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جا رہا ہے یہ لوگ اس کے مکلف نہیں؟ کیا ان فرقوں سے دینی روابط رکھ کر اس آیت کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کیجا رہی؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکمِ الٰہی کی خود بھی تعمیل کی اور اُمت کو بھی اس حکم کی تعمیل کا حکم دیا۔ آپؐ نے تو تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ {تم کو جماعت المسلمین سے وابستہ رہنا ہوگا (صحیح بخاری وصحیح مسلم)} کا حکم دے کر اہلِ حق کو تمام فرقوں سے علیحدہ کر دیا تھا، بلکہ یہی نہیں اضطرار کی کیفیت میں بھی جبکہ حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے آپؐ نے ان فرقوں میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ آپؐ نے صاف صاف فرما دیا (اگر جماعت المسلمین نہ ہو تب بھی)

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا {صحیح بخاری وصحیح مسلم}	ان تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا

ان احکام کی موجودگی میں اگر حق پرست لوگوں نے ان فرقوں سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو کیا اُنہوں نے اللہ اور رسولؐ کے حکم کو مانا؟ ہرگز نہیں۔
مندرجہ بالا وضاحت کے بعد ہم اپنے متفقین حضرات سے عرض کرتے ہیں کہ کسی گمراہ شخص کے پیچھے صلوٰۃ ادا کر کے آپ اُس کو ایک بلند دینی مقام دے رہے ہیں۔ کیا اس کا نام علیحدگی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر آپ سے گذارش ہے کہ حقیقی علیحدگی اختیار کر کے اپنے ایمان اور نماز کی حفاظت کیجئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

سلسلۂ اشاعت ۱۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

دعوت فکر

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہر دور میں انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور اُن کے اختلاف کو مٹانے اور اُن کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے کتب نازل فرمائیں۔ ہمارے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کتاب عطاء کی گئی، پھر حدیث کی صورت میں اس کی تشریح بھی سمجھادی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ کی زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی تکمیل کی بشارت بھی دے دی گئی لہٰذا یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک دین کامل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو مقررہ اصول کا پابند، مہذب و متمدن، متین و باوقار بناتا ہے اور ایک مخصوص منہاج (یعنی سنت) پر چلنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ صحیح ایمانی تصور کے دائرہ میں متحد و متفق رہتے ہوئے مسلمین دین کی تبلیغ کا فریضہ ادا کریں اور دنیا کے ہر گوشہ میں صراطِ مستقیم کا تعارف کرائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس پر گامزن ہوکر دنیوی و اخروی کامیابی سے ہمکنار ہو۔

دین اصل میں اللہ پرستی اور آخرت طلبی کا نام ہے۔ ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ جن حالات میں ہو اور جن ذمہ داریوں میں اپنے آپ کو پائے وہ اللہ پرستی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھے اور دنیا میں جو بھی معاملہ کرے یہ سوچ کر کرے کہ بالآخر اس کو اللہ عزّ وجلّ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ کسی بھی قسم کی خوش فہمی اللہ تعالیٰ کی ذات

جبار و قہار کی پکڑ سے نہیں بچا سکتی - آخرت میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت یعنی قرآن مجید اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق کیے گئے اعمال کا وزن ہوگا اور باقی سب اعمال اکارت ہوں گے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ (محمد-۳۳)

اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کے احکام میں کمی، زیادتی یا تبدیلی کفر ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ○ (الانعام - ۱۱۶)

تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہوگئی، کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں۔

جس نے اللہ تعالیٰ کے فرامین سے منہ موڑا وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (الاحزاب - ۳۶)

جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔

جو گمراہ ہوا وہ تفرقہ کا شکار رہا - دین اسلام میں فرقہ بندی حرام ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران - ۱۰۳)

اور (اے ایمان والو) تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو۔

اللہ تعالیٰ نے بار بار تاکید کی تھی کہ فرقے نہ بنانا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق بالآخر اس امت کے بھی اہل کتاب کی مانند متعدد فرقے ہوگئے اور آپس میں الجھ بھی گئے - ہر فرقے نے اپنا خود ساختہ نام اختیار کر لیا اور باوجود شدید اختلاف عقائد کے ہر فرقہ اپنے

کو حق پر سمجھتا ہے۔ حالانکہ حق (صراطِ مستقیم) تو ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (الزخرف۔۴۳)

(اے رسول) آپ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہیئے جو وحی کے ذریعے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے یقیناً آپ صراط مستقیم پر ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان $\frac{1}{35}$)

ایمان کا مزا اُس شخص نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہوگیا۔

اس حقیقت کے پیش نظر ہم آپ کو اصل دین کی طرف واپس لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم:

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔

کے تحت اپنے فرقہ وارانہ مذاہب کو چھوڑ کر ایسی جماعت میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں جس میں شمولیت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے خود دیا تھا۔

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) جماعت المسلمین اور ان کے امام سے چمٹے رہنا۔

یہ ایک ایسی جماعت ہے جس میں فرقہ وارانہ مذاہب کے ماننے والے نہیں پائے جاتے یعنی جماعت المسلمین فرقوں کا معجون مرکب نہیں ہے۔ جو شخص بھی جماعت المسلمین میں شامل ہوتا ہے وہ صرف مسلم ہوتا ہے۔ نہ اس کا کوئی مسلک ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی

مذہب، نہ اس کا کوئی مکتبۂ فکر ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی فرقہ وارانہ فقہ۔ اس کا تو بس دین ہوتا ہے اور وہ دین اسلام ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند ہوتا ہے اور توحید اور سنت پر گامزن ہوتا ہے۔

جماعت المسلمین توحید اور اتباعِ سنت پر سختی سے کاربند ہے اور وہ صرف اُس اسلام پر قائم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر گئے تھے۔ جماعت المسلمین اس میں کمی، زیادتی یا تبدیلی نہیں کرتی کیوں کہ ایسا کرنے ہی سے تفریق کا آغاز ہوتا ہے۔ جماعت المسلمین نہ فرقہ ہے اور نہ فرقہ وارانہ مذاہب کو اسلام سمجھتی ہے۔

فرقہ بندی کو ہر شخص لعنت سمجھتا ہے لیکن فرقوں کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا، یہ قول و فعل کا تضاد ہے۔ اس طرح فرقہ بندی کبھی ختم نہیں ہوسکتی اور لوگوں کا یہ خواب کہ سب ایک ہو جائیں کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝	اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے ہو گئے۔ تمام فرقے جو کچھ ان کے پاس ہے اسی میں مگن ہیں۔
(الروم – ۳۱ و ۳۲)	

قارئین کرام! اس آیت پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ نے مشرکین کی کیا تشریح فرمائی ہے۔ آیئے جماعت المسلمین میں شامل ہو کر فرقہ بندی کی لعنت کو ختم کریں۔

صدّیق حسن

امیر جماعت المسلمین صوبہ پنجاب

مین بازار نئی منڈی پتوکی (ضلع قصور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا ہمارا کوئی خالق ہے؟

سلسلہ اشاعت ۵۲

"کیا ہمارا کوئی خالق ہے؟" مذہبی دُنیا میں یہ سوال حیرت سے سُنا جائے گا لیکن کون نہیں جانتا کہ ایک عرصہ سے وجودِ باری تعالیٰ کا انکار کیا جارہا ہے لیکن کسی اصول اور بُرہان کی بنیاد پر نہیں بلکہ طاقت کے بَل بوتے پر، فتنہ برپا کر کے اور نئی نسل کو ورغلا کر۔

آج ہمیں اپنی نئی نسل ہی کو خطاب کرنا ہے۔ اے نوجوانانِ قوم! آپ کو معلوم ہے ہمارے کتنے نونہال اس فتنہ سے متاثر ہو چکے ہیں اور چمنِ اسلام کو رونق بخشنے کے بجائے وہ اب اس کی ویرانی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ انکو صحیح قسم کی تعلیم و تربیت سے بیگانہ رکھا گیا۔ دین کی برکات سے انہیں روشناس نہیں کرایا گیا۔ اسلام کی برتری دلوں میں راسخ نہیں کی گئی۔ ہم ان نوجوانانِ گم گشتہ کو بھی خطاب کر رہے ہیں کاش وہ ہماری معروضات پر غور کریں۔

خالق کے انکار پر کوئی عقلی شہادت نہیں پیش کی جاسکتی۔ اگر صرف اس لئے خالق کا انکار کیا جائے کہ خالق کی حقیقت عقل میں نہیں آتی تو کائنات کا خود بخود پیدا ہو جانا کیسے عقل میں آسکتا ہے۔ یہ تو اس سے بھی زیادہ مشکل مسئلہ ہے۔ یہ کائنات مختلف اجزاء پر مشتمل ہے۔ کہیں آسمان ہے، کہیں زمین ہے۔ کہیں تارے ہیں اور کہیں سیارے۔ پھر اس زمین کو دیکھئے۔ کہیں جمادات ہیں تو کہیں نباتات۔ کہیں حیوانات ہیں اور کہیں انسان۔ ان تمام اجزاء کا کتنا مربوط نظام ہے۔ ایک پودے کو دیکھئے کس طرح نشوونما پاتا ہے۔ کس طرح سانس لیتا ہے اور کس طرح سانس چھوڑتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک سائیکل (CYCLE) میں ہو رہا ہے جس کا تسلسل کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

انسان اور حیوان کو دیکھئے، ان کے اجسام میں کیسی کیسی مشینیں کام کر رہی ہیں۔ ان مشینوں کی کارگزاری قدرت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ قرنوں و صدیوں سے ایسا ہی ہوتا آرہا ہے۔ کتنا مشکل ہے یہ تصور کہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادے کے ہو رہا ہے۔ کائنات کے خود بخود پیدا ہو جانے کے بعد یہ کس طرح عقل میں آتا ہے کہ اس میں اس قدر باضابطہ رُوحِ عمل پیدا ہو گئی کہ کہیں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ ضابطہ کے خلاف کچھ نہیں ہوتا۔ ہر کام ایک مقررہ فطری قانون کے ماتحت ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں جتنا

آپ سوچیں گے آپ کی حیرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ یہ چیز کبھی عقل میں نہیں آئے گی کہ کائنات خود بخود پیدا ہونے کے بعد کس طرح قوانین فطرت کے تابع ہو گئی۔
بڑے سے بڑے تارے کو لیجئے جس میں سے ہماری زمین کے برابر سنکھوں زمینیں بن سکتی ہیں یا چھوٹے سے چھوٹے ذرے کو لیجئے دونوں کی بنیادی ترکیب میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ دونوں کا بنیادی نقطہ ایٹم ہے۔ اور ہر چیز کا ایٹم کارکردگی اور ساخت میں ہم آہنگ نظر آئے گا۔ ایٹم اتنا چھوٹا ذرہ ہے کہ اُسے طاقتور سے طاقتور خوردبین سے بھی نہیں دیکھ سکتے۔ ایک قطرۂ آب میں ساٹھ ہزار سنکھ ایٹم ہوتے ہیں۔ اس چھوٹے سے ذرے میں توانائیوں کی ایک دنیا آباد ہے۔ وہ توانائیاں کس طرح اور کس قدر ہم آہنگی سے قانون فطرت کے مُطابق کام کر رہی ہیں کہ عقل حیران ہے۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے۔ عقل میں کیسے اتنی بعید از عقل بات آسکتی ہے۔ اس سے تو یہی بات زیادہ آسان ہے کہ خالق کا وجود تسلیم کر لیا جائے پھر اگر یہ تصور ذہن میں آئے کہ خالق کیسے پیدا ہو گیا تو اس سوال کا جواب وہی ہوگا جو خالق کے انکار کے بعد اس سوال کا جواب ہے کہ "کائنات کیسے پیدا ہو گئی؟"
اے نوجوانانِ قوم! اور اے اسلام سے روٹھ جانے والے انسانو! سائنسداں تو یہ کہتے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے۔ چالیس بڑے بڑے سائنسدانوں نے خالقِ کائنات کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ ان کے اقوال ایک کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔
سائنسداں سائنس کی بنیاد پر خالق کے وجود کو تسلیم کر رہے ہیں۔ اور منکرینِ خالق بغیر سائنس اور بُرہان کے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو بات سائنس کی بنیاد پر ہو وہی قابلِ قبول ہو گی نہ کہ وہ جس کی پشت پر نہ کوئی سائنس ہو نہ کوئی دلیل۔
سائنس جتنی ترقی کرے گی خالق کے وجود کے دلائل اُتنے ہی بڑھتے چلے جائینگے۔ سائنس نہ خالق کا انکار کرتی ہے نہ اسلام کے خلاف کوئی بات بتاتی ہے۔ کچھ دن ہوئے سائنس کا ایک جدید نظریہ بھی منظر عام پر آچکا ہے جسے موڈرن تھیوری آف کوینٹم (MODERN THEORY OF QUANTUM) کہتے ہیں اس نظریہ نے ثابت کر دیا کہ نظام کائنات کو ہر لمحہ کسی نگراں اور چلانیوالے کی ضرورت ہے اگر وہ اس کی طرف سے ذرا بھی غافل ہو جائے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ اس نظریہ نے خالق کے وجود کو اس طرح تسلیم کر لیا ہے کہ اب مجالِ انکار باقی

نہیں رہی۔

اے نوجوانو! خالق کو تسلیم کرو، اگر تمہیں پہلے سے تسلیم ہے تو پھر دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرو۔ خالقِ کائنات کا اسمِ گرامی اللہ ہے، آؤ اللہ کے سامنے جھک جاؤ۔ اپنے خالق کے ہی ہو جاؤ، اسی کے حکم کو بجالاؤ، اُسی کی حاکمیت تسلیم کرو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روزِ حساب

سلسلہ اشاعت ۱۱۲

گذشتہ اشاعت میں ہم عقلی و سائنسی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جس کا اسمِ گرامی "اللہ" ہے۔ وہی اس کائنات کو اس کی موجودہ حالت پر برقرار رکھے ہوئے ہے، اگر وہ ایک لمحہ کیلئے بھی غافل ہو جائے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ وہی آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت کرتا ہے۔

لَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُهُمَا {بقرۃ ۲۵۵} اور یہ حفاظت اُس کیلئے کوئی دشوار کام نہیں، اس حفاظت سے اُسے کوئی تکان نہیں ہوتی۔

جب ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ ہمارا کوئی خالق ہے تو ہم یہ کیسے تصور کر سکتے ہیں کہ خالق کا کوئی کام بے مقصد ہو سکتا ہے۔ یقیناً ہماری پیدائش کا کوئی خاص مقصد ہے۔ اس نے

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ۝ {قیامہ} ہمیں یوں ہی پیدا نہیں کیا ہے کہ ہم جو چاہیں کرتے پھریں۔

بلکہ اُس نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ {ذاریات ۵۶} ہم اس کے حکم کے مُطابق چلتے رہیں اسی کی بندگی کرتے رہیں۔

اگر ہم اس مقصدِ تخلیق کو پورا نہ کریں گے تو وہ

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ ۝ {غاشیہ ۲۶} ضرور ہم سے باز پُرس کرے گا۔

اس باز پُرس کیلئے اُس نے ایک دن مقرر کیا ہے۔

لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ {نساء} اس دن وہ ضرور سب کو جمع کرے گا۔

قیامت اور اُس دن کے حساب کتاب کا عقیدہ بنیادی عقیدوں میں سے ہے۔ خالق کو تسلیم کرنے کا عقیدہ اس لئے ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ کوئی ہے جو ہم پر حاکم ہے۔ لیکن خالق کو محض حاکم مان لینے سے زندگی میں باضابطگی پیدا

نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم یہ عقیدہ نہ رکھیں کہ اللہ جس کو ہم خالق اور حاکم مانتے ہیں ہمارے اعمال کا حساب بھی لیگا۔ یہ حساب کتاب کا خوف ہی ہماری زندگی کو نظم وضبط کا پابند بنائے گا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے گا۔

دینی شواہد کے علاوہ سائنسی شواہد بھی ایسے پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کائنات مائل بہ فنا ہے ایک دن آئے گا کہ:۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (قرآن مجید) تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائیگا کوئی چیز باقی نہیں رہے گی سوائے خالق کائنات کے۔

پھر سب زندہ کئے جائیں گے اور

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (تطفیف) رب العالمین کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

یہی وہ دن ہوگا جس دن جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

اے لوگو! کیا آپ نے کبھی اُس دن کے متعلق سوچا۔ اگر ابھی تک نہیں سوچا تو اب سوچیئے۔

يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج (آل عمران ۱۹۱) عقل والے وہی ہیں جو زمین و آسمان کی پیدائش کے متعلق سوچتے ہیں۔

پھر سوچتے سوچتے آخر کہہ اُٹھتے ہیں:۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ (آل عمران ۱۹۱) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں پیدا کیا، بے مقصد پیدا کرنے سے تیری ذات پاک ہے؛ بلکہ یہ سب کچھ ہماری آزمائش کیلئے ہے، آزمائش میں کامیابی جنت کی ضامن ہے۔ اور ناکامی دوزخ کی ضامن ہے۔ دوزخ کا خیال دل میں آتے ہی عقل والے فوراً پکار اٹھتے ہیں:۔

فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آل عمران ۱۹۱) اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے بچا۔

اے لوگو! یہ زندگی چند روزہ ہے۔ ایام صحت و جوانی اور بھی کم ہیں، تو کیا اس مختصر مدت کی خاطر آخرت کی دائمی زندگی خراب کر لینا عقلمندی کی نشانی ہے، اٹھئے اور اُس دن کے لئے تیاری کیجئے جس دن۔

لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا (بقرہ) کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آسکے گا۔

اور نہ اُس دن

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ {بقرہ} کسی شخص سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔

اُس دن ہر شخص

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○ {مریم} اللہ تعالیٰ کے سامنے فرداً فرداً پیش ہوگا۔

پھر اُس دن

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ○ {نازعات} انسان کو اپنے اعمال یاد آئیں گے۔

اگر دنیا میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے تو پھر اُس دن سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کیا ہو سکے گا۔

اے لوگو! اُٹھئے اور اس خوفناک دن اپنے خالق کے غضب سے بچنے کیلئے کام کیجئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۰۴ ماہ رجب ۱۴۰۴ھ

اجتماعیت اور اسلام

اجتماعیت اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ انفرادیت کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں سوائے اس صورت کے کہ کوئی دوسرا مسلم ہی موجود نہ ہو۔

اجتماعیت فرض ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (التوبہ ۱۱۹) اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

جماعت سے منسلک رہنا فرض ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ إِمَامَهُمْ (صحیح بخاری کتاب الفتن وصحیح مسلم کتاب الامارۃ)

جماعت المسلمین اور ان کے امام سے چمٹے رہو۔

جماعت سے علیحدہ ہونا گناہ عظیم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح بخاری کتاب الفتن وصحیح مسلم کتاب الامارۃ)

جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اور اسی حالت میں) مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔

جماعت کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ۔ (رواہ الترمذی وصححہ فی ابواب الامثال ۲/۲۹۹)

جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسّی کو اپنی گردن سے علیحدہ کر دیا۔

سفر میں بھی جماعت اور امیر ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا أَحَدَهُمْ (ابوداؤد کتاب الجہاد۔ سندہ صحیح وحسنہ الالبانی۔ التعلیقات علی المشکوٰۃ ۲/۱۱۲۵)

جب تین آدمی سفر کے لئے نکلیں تو انہیں چاہیئے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔

بستی ہو یا جنگل ہر جگہ اجتماعیت ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا

تین آدمی اگر کسی بستی یا کسی جنگل میں ہوں

بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلٰوةُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ ۱/۸۸ و سندہ صحیح۔ نیل الاوطار ۲/۲۷)

پھر ان میں نماز نہ قائم کی جائے تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے لہٰذا جماعت کو لازم پکڑو اس لئے کہ بھیڑیا اُسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے دور ہو گئی ہو۔

جنگل میں بھی جماعت اور امیر کا ہونا ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لَا يَحِلُّ لِثَلَاثِ نَفَرٍ يَكُونُونَ بِاَرْضِ فَلَاةٍ اِلَّا اَمَّرُوا عَلَيْهِمْ اَحَدَهُمْ (رواہ احمد وسندہ حسن ۔ بلوغ الامانی جزء ۱۹ صـ ۲۸۸)

تین آدمیوں کے لئے حلال نہیں کہ کسی جنگل میں رہیں مگر یہ کہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر بنا لیں (یعنی جنگل میں بھی بغیر امیر کے رہنا حرام ہے)۔

الغرض تین مسلم خواہ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں، بستی میں ہوں یا جنگل میں انہیں اپنا ایک امیر مقرر کرنا چاہیئے اور اجتماعی زندگی گذارنی چاہیئے۔

دینِ اسلام ایک اجتماعی نظام ہے۔ ہر اجتماعی کام کے لئے نظم وضبط کی ضرورت ہے اور نظم وضبط کے لئے امیر کا ہونا اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ بغیر امیر کی اطاعت کے نہ تنظیم ہوگی، نہ نظم وضبط برقرار رہے گا اور نہ جماعت ہی باقی رہے گی۔ جماعت ضروری ہے اور جماعت کی بقاء کے لئے امیر کی اطاعت ضروری ہے۔

جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقت کی قربانی

سلسلۂ اشاعت نمبر [illegible]

آپ کا دعویٰ ہے "اِنَّا لِلّٰہِ" (ہم اللہ کے ہیں) لیکن غور کیجئے آپ کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟ کبھی آپ نے یہ سوچا کہ آپ اللہ کیلئے کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے خود کو اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور دین کی خدمت کیلئے وقف کر دیا ہے۔ مزید برآں آپ یہ بھی پڑھتے ہیں "مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (میری زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے) کیا آپ نے اس پر توجہ بھی دی کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اُس پر عمل بھی کرتے ہیں؟ کیا آپ کے قول و فعل میں تضاد تو نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ آپ ہر کام کیلئے وقت نکال سکتے ہیں لیکن اگر آپ کے پاس وقت نہیں ہے تو دین کی خدمت کیلئے۔ کلبوں، سنیماؤں، تفریح گاہوں اور ناولوں رسائل پڑھنے کیلئے آپ کبھی وقت کی کمی کی شکایت نہیں کرتے۔ خاندانی تقریبات میں آپ بڑی پابندی سے شرکت کرتے ہیں۔ ٹیلیوژن کیلئے بھی وقت کی کمی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ملازمت اور کاروبار کیلئے تو گویا آپ وقف ہی ہو چکے ہیں۔ گویا زندگی کا مقصد صرف کمانا ہے اور بس۔

کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ آپ کے لیل و نہار کُلی طور پر دنیوی مشاغل میں صَرف ہو رہے ہیں۔ ہفتہ کے ۱۶۸ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ بھی دین کی خدمت کیلئے نکالنا آپ کیلئے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ سالہا سال تک کسی دینی محفل میں شرکت کا موقع آپ کو نہیں ملتا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دین کے حق کو نظر انداز کر کے آپ بروزِ محشر سُرخرو ہو سکیں گے؟ یہ کیفیت جو اس وقت آپ کی ہے اُن ہی لوگوں کی ہو سکتی ہے جو خوفِ الٰہ نہ رکھتے ہوں۔ جن کو حساب و کتاب پر ایمان نہ ہو، اور جو دُنیا ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہوں۔

یاد رکھئے جس الٰہ نے یہ زندگی دی ہے وہ اسے چھین بھی سکتا ہے۔ جس نے آپ کو

اوقات دئے ہیں وہ آپ کے اوقات کو بے مصرف بھی بنا سکتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جن لوگوں کو اپنے کاروبار اور دیگر مشاغل سے لحہ بھر کی فرصت نہیں ملتی وہ جب بیمار پڑتے ہیں تو کئی کئی مہینے بستر پر کاٹتے ہیں۔ کیا اُس وقت اُن کے کاروبار ختم ہو جاتے ہیں؟ کیا اُن کو نقصان برداشت کرنا نہیں پڑتا؟ سب کچھ ہوتا ہے لیکن وہ مجبور ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو دُنیا تو مل جائے گی جیسا کہ ارشادِ باری ہے "وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ" لیکن اُن کا حشر "لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ" (سورۂ ہود) کا مصداق ہوگا۔

اگر آپ آخرت کی رُسوائی سے بچنا چاہتے ہیں تو غفلت اور سستی چھوڑیئے قرآن و حدیث پر عمل کیجئے۔ قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی دعوت دیجئے۔ قرآن و حدیث کا دفاع کیجئے۔ قرآن و حدیث کے خلاف جو فتنے اُٹھ رہے ہیں اُن کا مقابلہ کیجئے۔ ان فتنوں سے اپنی اولاد کو بچائیے۔ ایسا ماحول اور ایسے مدارس قائم کیجئے جو ان فتنوں سے آپ کی اولاد کو محفوظ رکھیں۔ ان تمام باتوں کے حصول کیلئے وقت کی قربانی دیجئے۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ورنہ نئی نسل کی گمراہی کے ذمہ دار آپ ہوں گے ❖

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رسالت

گذشتہ اشاعتوں میں ہم نے ثابت کیا تھا کہ ہم خود بخود پیدا نہیں ہوئے بلکہ ہمارا کوئی خالق ہے۔ اور یہ کہ ہماری پیدائش بے مقصد نہیں بلکہ اس کا کوئی خاص مقصد ہے۔ ہم نے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ اگر اس مقصد کو ہم نے پورا نہ کیا تو ضرور ہم سے باز پُرس ہوگی۔ اور ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

خالق کے وجود اور قیامت کے وقوع کو مان لینے کے بعد بھی انسان اپنی بے راہ روی کیلئے حجت قائم کرسکتا ہے۔ ان دونوں چیزوں پر ایمان لانا کسی انسان کو بُرے کام سے نہیں روک سکتا۔ انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے کیا معلوم تھا کہ اللہ کس کام سے خوش ہوتا ہے اور کس کام سے ناراض۔ انسان کی اس حجت کو توڑنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ رسالت قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴿نساء ۱۶۵﴾ رسول اس لئے بھیجے گئے تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کیلئے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔

اگر اللہ تعالیٰ رسولوں کا سلسلہ قائم نہ کرتا تو پھر۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿اسراء ۱۵﴾ یقیناً وہ لوگوں کو عذاب بھی نہ دیتا۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا سلسلہ قائم کردیا تو اب بندوں کے پاس کوئی حجت نہیں رہی۔ اب اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بے راہ روی کی سزا دے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انسان کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کیلئے تین چیزوں کو تسلیم کرنا بہت ضروری ہے۔

① خالق ② آخرت ③ رسالت

اے لوگو! پہلی دو چیزیں عقلی و نقلی شواہد سے ثابت ہیں۔ تیسری چیز ان دونوں کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ حجت ہے کہ اس کے آگے انسان کو دم مارنے کی گنجائش نہیں۔

رسولؐ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہے اُس پر ایمان لانا اور اُسے

تسلیم کرنا ہوگا۔ اب آپ کی عقل و مصلحت کو ہتھیار ڈالنے ہوں گے۔ اگر وہ کہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، تو اس کی بات حجت ہوگی۔ اگر وہ یہ کہے کہ حروفِ مقطعات الٓمٓ، کٓھٰیٰعٓصٓ اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں تو آپ کو ماننا ہوگا خواہ ان کے معنٰے اور مقصد کو آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اگر وہ کہے کہ فلاں آیت کے یہ معنٰی ہیں تو وہی معنٰی تسلیم کرنے ہوں گے اگر وہ کہے کہ فلاں حکم فلاں وقت واجب التعمیل ہے ورنہ نہیں، تو اس کی بات ماننی ہوگی اگر آپ رسولؐ کی بات اُس وقت مانیں جب آپ کی عقل میں آئے تو یہ ایمان بالعقل ہے۔ ایمان بالرسول نہیں۔

اے لوگو! ایمان بالرسول کے بعد اب آپ کی حجت ختم ہوگئی۔ لہٰذا اب آپ سوچیئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں اور آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔ کیا اب بھی آپ کے پاس کوئی حجت ہے جس کو پیش کر کے آپ عذاب الٰہی سے بچ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسولؐ بھیجے اور ہر رسولؐ نے یہی کہا:۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ {شعراء} اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر مزید مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ فرمایا:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ {نساء} رسول بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔

بلکہ یہاں تک فرمادیا:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ {نساء} جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا {نور} رسولؐ کی اطاعت ہی سے تم ہدایت یاب ہو سکتے ہو۔

اور نہ صرف اطاعت بلکہ رسولؐ کے افعال کی پیروی بھی کرنی ہوگی۔ فرمایا:

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ {اعراف} رسولؐ کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت سے ہمکنار ہو جاؤ۔

گویا ہدایت کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو لازم کر دیا۔

① رسولؐ کے احکام کی فرماں برداری۔

② رسولؐ کی سنّت کی پیروی۔

اگر کسی انسان کی زندگی میں یہ دو چیزیں نہیں تو وہ ہدایت سے محروم رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر قائم ہوگی اور وہ گرفتارِ عذاب ہوگا۔

اے لوگو! یہ ہے اللہ کا اٹل قانون، کہاں بہکے چلے جارہے ہو، کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہو، کیوں اتباعِ سنت سے منہ موڑتے ہو، کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے، آخر کیا سوچا ہے؟ کب تک یہ بے راہ روی رہے گی، کب تک اللہ اور رسول سے بغاوت جاری رہے گی۔ آیئے ہم سب توبہ کریں اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۰۸

ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ

ختمِ نبوّت کا انکار کفر ہے

اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے دین کو کامل کردیا ہے۔ ارشادِ باری ہے :۔

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ (المآئدۃ ۔ ۳) (اے ایمان والو) آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا۔

اللہ تعالےٰ نے دین کو صرف کامل ہی نہیں کیا بلکہ اُسے محفوظ بھی کردیا۔ اللہ ذوالجلال والاکرام فرماتا ہے :۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ (الحجر ۹) ہم نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ کی نبوت عالمگیر ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً اور (اے رسول) ہم نے آپ کو تمام

لِلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔
(سبا - ۲۸)

الغرض دین کامل بھی ہے اور محفوظ بھی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ نبوت کامل، محفوظ اور اتنا وسیع ہے کہ اب قیامت تک کے لئے کسی نبی کے مبعوث کئے جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (اے ایمان والو) محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، البتہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں۔
(الاحزاب - ۴۰)

خاتم النّبیین کے کیا معنیٰ ہیں اس کے لئے نہ لغت دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ سرگردانی کی حاجت۔ جس طرح بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل کیا اسی طرح بذریعہ وحی اس کی تفسیر بھی نازل کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○ پھر اس (قرآن) کی تفسیر بھی ہمارے ذمہ ہے۔
(لآاقسم بیوم القیمة - ۱۹)

یہ منزّل من اللہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی پھر

اس کو امت تک پہنچانا آپ کے فرائض منصبی میں شامل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل - ۴۴)

اور (اے رسول) ہم نے (یہ) ذکر آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ اس کی تفسیر کر دیں۔

کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے ہے لہذا اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کے کیا معنیٰ بتائے ۔ جو معنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے وہی درحقیقت اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے معنیٰ ہیں اور جو معنیٰ اللہ تعالےٰ نے بتائے وہی صحیح ہیں باقی سب غلط۔ اللہ عزّ وجلّ کے بتلائے ہوئے معنیٰ کی موجودگی اپنی طرف سے خودساختہ معنیٰ کرنا کھلا کفر ہے۔

<u>رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم النبیین کے معنیٰ</u> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

وَاِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِىْ اُمَّتِىْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِىٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ لَا نَبِىَّ بَعْدِىْ (رواہ الترمذی فی ابواب الفتن فی باب ما جاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون جزء ۲ صـ۱۱۲ ۔ قال الترمذی ھذا حدیث صحیح ورواہ ابوداؤد فی کتاب الفتن

میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں ، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

جزء ۲ صـ۲۳۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں "وہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہیں"۔

(نوٹ:۔ ایسی حدیثیں جن میں "لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" کے الفاظ آئے ہیں متعدد ہیں، ہم بخوفِ طوالت ان سب کو نقل نہیں کر رہے)۔

نہ رسالت باقی رہی اور نہ نبوت | حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ، فَشَقَّ ذٰلِکَ عَلَی النَّاسِ، فَقَالَ لٰکِنِ الْمُبَشِّرَاتُ، فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ رُؤْیَا الْمُسْلِمِ وَھِیَ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّۃِ۔ (رواہ الترمذی وصححہ فی ابواب الرؤیا باب ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات جزء۲ صـ۱۲۹)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رسالت اور نبوت (دونوں) منقطع ہوگئیں لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی"۔ یہ چیز لوگوں پر شاق گذری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیکن مبشرات (باقی ہیں)"۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول، مبشرات کیا ہوتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلم کا خواب اور وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے"۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے مبشرات کے"۔ صحابہ نے پوچھا: مبشرات کیا ہوتے ہیں؟

قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ (صحیح بخاری کتاب التعبیر باب المبشرات جزء ۹ صفحہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیک خواب"۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں :-

كَشَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّتَارَةَ وَالنَّاسُ صُفُوْفٌ خَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ اِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهٗ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب النھی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود جزء اول صفحہ ۱۹۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی وفات کے دن) پردہ کھولا، (اُس وقت) لوگ ابوبکرؓ کے پیچھے صفیں (بنائے ہوئے کھڑے) تھے۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو، نبوّت کی بشارتوں میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے نیک خواب کے جس کو مسلم (خود) دیکھے یا اس کے لئے (کسی دوسرے کو) دکھایا جائے۔

(نوٹ :- اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث ہیں، ہم بخوفِ طوالت ان سب کو نقل نہیں کر رہے)۔

اوپر ترمذی کے حوالہ سے یہ گذر چکا ہے کہ نیک خواب نبوّت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوّت کے ۴۶ اجزاء ہیں، ان ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزء نیک خواب ہے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ (صحیح بخاری کتاب التعبیر باب الرؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ

نیک خواب نبوّت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

واربعین جزأً من النبوۃ جزء ۹ ص ۳۹
وصحیح مسلم کتاب الرؤیا جزء ۲ ص ۳۰۶)

(نوٹ :۔ اس مضمون کی بھی کئی احادیث ہیں ہم بخوف طوالت ان کو نقل نہیں کر رہے)۔

مندرجہ بالا احادیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں :۔

(۱) رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہوگئیں لہٰذا اب نہ کوئی رسول بنایا جائے گا اور نہ نبی۔ رسالت اور نبوت جن کو ملنی تھی مل گئی اب نہ کسی کو رسالت مل سکتی ہے اور نہ نبوت۔

(۲) نبوت کے ۴۶ اجزاء ہیں۔

(۳) نبوت کے اجزاء میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے نیک خواب کے۔

(۴) نیک خواب نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

(۵) نبی وہ ہوتا ہے جس کو نبوت کے پورے ۴۶ اجزاء دیئے جائیں۔

(۶) نیک خواب ہر مسلم دیکھ سکتا ہے یا اس کے لئے کسی دوسرے کو دکھایا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے ظاہر ہوا کہ اب نبوت میں سے کسی مسلم کو کچھ مل سکتا ہے تو وہ نیک خواب ہے! اور کیونکہ نیک خواب نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزء ہے لہٰذا محض ایک جزء کے مل جانے سے کوئی شخص نبی نہیں بن سکتا۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جزء کو کل نہیں کہہ سکتے لہٰذا اگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی کو نیک خواب دکھائے جائیں تو اُسے نبی نہیں کہہ سکتے۔

قادیانی علماء ”خاتم النبیین“ اور ”لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ“ کی تومن مانی

تاویل کر جاتے ہیں لیکن وہ آج تک اِس سوال کا جواب نہیں دے سکے کہ :-

کیا جزء کو کل کہہ سکتے ہیں ؟

ختم نبوت کے مزید دلائل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

① خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ ۔ مجھ پر نبی ختم کر دیے گئے ۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ جزء اول صـ۲۱۳)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

② مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْأَنْبِیَآءِ کَرَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَکْمَلَھَا وَاَحْسَنَھَا (وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ فَاَتَمَّھَا) اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَدْخُلُوْنَھَا یَتَعَجَّبُوْنَ وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَۃِ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ فَاَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَۃِ جِئْتُ فَخُتِمَتِ الْأَنْبِیَآءُ)

میری اور انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا، پھر اس کو کامل کیا اور خوبصورت بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ (چھوڑ دی) ۔ لوگ اس گھر میں داخل ہوتے اور (اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر) تعجب کرتے اور کہتے اس اینٹ کی جگہ کیوں نہ (پُر کی گئی) تو (سنو) اس اینٹ کی جگہ (کو میں نے پُر کیا)، میں آیا اور (تمام) انبیاء ختم کر دیے گئے ۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب خاتم النبیین جزء ۴ صـ۲۲۶ و صحیح مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین جزء ۲ صـ۲۱۶)

③ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْأَنْبِیَآءِ ۔ میری اور مجھ سے پہلے ہونے والے انبیاء

مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَہٗ وَیَقُوْلُوْنَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِیّٖنَ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ فَیَقُوْلُوْنَ اَلَّا وَضَعْتَ ھٰھُنَا لَبِنَۃً فَیَتِمَّ بُنْیَانُکَ فَقَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکُنْتُ اَنَا اللَّبِنَۃُ) (صحیح بخاری کتاب بدءِ الخلق باب خاتم النبیین ۴/۲۲۶ وصحیح مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین جزء ۲ صفحہ ۳۱۵)۔

کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا، پھر اُسے بہت اچھا اور بہت خوبصورت بنایا مگر ایک کونہ میں ایک اینٹ کی جگہ (چھوڑ دی)۔ لوگ اس (گھر) کا چکر لگاتے اور اُسے بہت پسند کرتے اور کہتے یہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی (پھر انہوں نے بنانے والے سے پوچھا) تم نے یہاں اینٹ کیوں نہ رکھی تاکہ تمہاری عمارت پوری ہو جاتی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں ہی نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصر نبوّت کی آخری اینٹ ہیں۔ آخری اینٹ کے بعد عمارت کی تکمیل ہو گئی اب کوئی اور اینٹ اس عمارت میں نہیں لگائی جا سکتی۔ جتنے نبی اللہ تعالیٰ کو بنانے تھے وہ سب بن چکے۔ اب کوئی نیا نبی نہیں بنایا جائے گا۔

(نوٹ:۔ قصر نبوّت کی تکمیل کے سلسلہ میں اور بھی حدیثیں ہیں جن کو بخوفِ طوالت نقل نہیں کیا گیا)۔

ختمِ نبوّت اور مولوی قاسم صاحب نانوتوی | **مولوی محمد قاسم صاحب** نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے ختمِ نبوّت کی عجیب وغریب تشریح کی ہے جس نے ختمِ نبوّت کی حیثیت ہی کو ختم کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"بالفرض آپؐ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

(تحذیرالناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب ص۱۸ سطور ۳ و ۴)

دارالعلوم دیوبند کے بانی ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیّت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

(تحذیرالناس ص۳۴ سطور ۴ و ۵)

اگرچہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی اور دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ اب کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے گا لیکن مولوی محمد قاسم صاحب کی مندرجہ بالا تحریرات نے ختمِ نبوّت کی رکاوٹ کو تو ختم کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص نبوّت کا دعویٰ کرے تو مولوی قاسم صاحب کے نزدیک ختمِ نبوّت اس کے لئے رکاوٹ کا باعث نہیں ہوگی گویا مولوی قاسم صاحب نے دجّالوں اور کذّابوں کے لئے نبوّت کا دروازہ کھول دیا اور غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کے ہاتھ میں ایک دفاعی ہتھیار دے دیا۔

نتیجہ | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص رسول یا نبی نہیں بن سکتا یعنی اب اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی کو رسول یا نبی نہیں بنایا جائے گا۔ رسالت اور نبوّت دونوں منقطع ہوگئیں، اب اللہ تعالےٰ کی طرف سے نہ کسی کو رسالت مل سکتی ہے اور نہ نبوّت۔

جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کافر ہے۔ غلام قادیانی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے بعد نبوّت کا دعویٰ کیا وہ یقیناً جھوٹا اور کافر تھا، اب اس کے متبعین مختلف رُوپ میں آکر ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ قارئین کرام ان کے فتنہ سے ہوشیار رہیں۔

انتباہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے تھے قیامت کے قریب بحکمِ الٰہی دوبارہ تشریف لائیں گے لیکن ان کو ازسرِ نو رسالت یا نبوّت نہیں ملے گی۔ ان کو رسالت اور نبوّت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ملی تھی وہ اُسی رسالت اور نبوّت کے ساتھ تشریف لائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترکِ سنّت گناہ ہے

(سلسلۂ اشاعت ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۷ و ۵۸)

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ترکِ سنّت گناہ نہیں، یہ عقیدہ اتنا گمراہ کن ہے کہ اسلام کے تمام ضابطے اور آداب کالعدم ہو کر رہ گئے ہیں، اس عقیدہ کی بنیاد پر سنّتیں چھوڑی جاتی ہیں اور علی الاعلان یہ کہہ کر اُن کا استخفاف کیا جارہا ہے کہ "سنّت ہی تو ہے، فرض تو نہیں" لہٰذا ضروری ہے کہ اس باطل عقیدہ کے خلاف جدّ وجہد کی جائے۔

جماعت المسلمین کا نام بھی وہی ہے جو اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا، جس کا دین بھی وہی دینِ اسلام ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے مسلمین کے لئے پسند فرمایا تھا لہٰذا جماعت المسلمین کب اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ یہ غلط اور باطل عقیدہ قائم رہے، جماعت المسلمین نے اپنے اجتماعات میں بھی اس باطل عقیدہ کے خلاف بہت کچھ کہا اور اب اس کتابچہ کے ذریعہ اس کا بُطلان کر رہی ہے۔ ذیل میں اس عقیدہ کے بُطلان کے دلائل دیئے جا رہے ہیں۔ قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ ان دلائل کی روشنی میں غور فرمائیں کہ یہ عقیدہ کہ "ترکِ سنّت گناہ نہیں" کتنا گمراہ کن ہے۔

(۱) پہلی دلیل

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (احزاب)

(اے ایمان والو) تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے (یعنی تم میں سے ہر) اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو (سیرتِ رسولؐ میں بہترین نمونہ ہے)۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ

۱۔ سنّتِ رسولؐ بہترین نمونہ زندگی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل کیا جائے، جو لوگ سنّت پر عمل نہیں کرتے ان کا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان صحیح نہیں۔ وہ تقاضا ہی کیا ہوا جس کا پورا کرنا ضروری نہ ہو۔

۳۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت میں بہترین نمونہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کو چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گذارنا ضروری نہیں تو پھر اس اسوۂ حسنہ کا مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہوتا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو نمونہ بنانے کا مقصد یہی ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے، اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

۲ دوسری دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ

میری رحمت میں ہر چیز کے لئے وسعت ہے، مگر میں اس کو اُن لوگوں کے لئے لکھوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں یعنی اُن لوگوں کے لئے جو رسول کی پیروی کرتے ہیں۔

(اعراف ۱۵۶ – ۱۵۷)

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ کی وسیع رحمت بھی رسولؐ کی پیروی پر موقوف ہے۔ اگر اتباعِ رسول نہیں تو رحمت کی اُمید خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ آیت عام ہے اور ہر سنّت کو شامل ہے۔ کسی آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ صرف فرائض میں اتباعِ رسول لازمی ہے۔ کیونکہ جو چیز ویسے ہی فرض ہو اُس میں اتباعِ رسول کی شرط کیسے لگائی جا سکتی ہے۔

۳ تیسری دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (اعراف) رسول کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت نصیب ہو۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسول کو ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اب جو شخص بھی ہدایت کا طالب ہو اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہیئے۔

اتباع، قدم بہ قدم چلنے کو کہتے ہیں لہذا تمام افعالِ رسولؐ کی پیروی لازمی ہے۔ جب بغیر سنّت پر عمل کئے ہدایت مل نہیں سکتی تو پھر ترکِ سنّت کے گناہ ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم فرض ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی پیروی فرض ہو گئی اور جو چیز فرض ہو اس کا ترک گناہ نہیں تو اور کیا ہوگا۔

لازمی چیزوں کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے براہ راست لازمی ہو۔

۲۔ دوسری وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے واسطے سے لازمی ہو۔

پہلی قسم کو اصطلاحاً فرض کہتے ہیں، دوسری کو اصطلاحاً سنّت کہتے ہیں۔ لازمی دونوں ہیں۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ پہلی قسم تو لازمی ہے اور دوسری قسم اختیاری۔ جب دونوں کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو دونوں ہی لازمی ہوئیں۔ ایک کو لازمی کہنا اور دوسری کو اختیاری کہنا صحیح نہیں۔ اگر دوسری قسم لازمی نہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل لازمی نہیں اور یہ عقیدہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سنّت کی پیروی کا حکم دیا ہے لہذا سنّت کی پیروی لازمی اور شرطِ ہدایت ہے۔

(۴) چوتھی دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (سورۂ نور)

جو لوگ رسُول کے امر کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیئے کہ کہیں وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا کسی دردناک عذاب میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

امر ایک جامع لفظ ہے جس کے معنی حکم کے بھی ہیں اور کام (یعنی فعل) کے بھی۔ لہذا آیتِ بالا کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل کی خلاف ورزی کرنا دردناک عذاب کو دعوت دینا ہے۔ یعنی نہ صرف حکمِ رسول بلکہ سنتِ رسول کی خلاف ورزی باعثِ عذاب ہے۔

۵ پانچویں دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران) اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (اگر میری پیروی کرو گے) تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا تقاضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا شرطِ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (بقرہ) ایمان والے اللہ سے بڑی شدت کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

اب اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرے اور اللہ سے شدید محبت نہ کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اس کا دعویٰ ایمان فریبِ نفس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ایمان اور حبِ الٰہی لازم و ملزوم ہیں۔ حُبِ الٰہی کے لئے جو چیز لازمی ہے وہ ہے اتباعِ رسولؐ گویا ایمان کی شرط حبِ الٰہی ہے اور حبِ الٰہی کی شرط اتباعِ رسول ہے۔ گویا بغیر اتباعِ رسول حُبِ الٰہی کا وجود موہوم ہے اور بغیر حبِ الٰہی کے ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اتباعِ رسول شرطِ ایمان ہے۔ اللہ کسی بندے سے اُس وقت تک محبّت نہیں کرتا جب تک وہ اتباعِ رسول نہ کرے اور جب تک اللہ محبّت نہ کرے نجات ناممکن ہے۔ لہذا نجات کا دار و مدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر ہے یعنی سنت پر عمل کرنے ہی سے نجات مل سکتی ہے ورنہ نہیں اور جس چیز پر نجات کا انحصار ہو وہ چیز لازمی نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگی اور جو چیز لازمی ہوگی اس کا ترک گناہ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

(٦) چھٹی دلیل

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (الزخرف ۔ ٦١)

(اے رسول کہہ دیجئے) میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اتباعِ سنّت ہی سیدھا راستہ ہے۔ سنّت چھوڑ کر کوئی شخص کس طرح سیدھے راستے پر رہ سکتا ہے اور سیدھے راستہ کو چھوڑنا یقیناً گناہ ہے لہذا ترک سنّت یقیناً گناہ ہے۔

(٧) ساتویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جو شخص میری سنّت سے منہ موڑے اور اسے چھوڑ دے وہ مجھ سے نہیں۔

{نوٹ :۔ رَغِبَ عَنْہُ = اعرض عنہ وترکہ (المنجد) اعرض عنہ ولم یردہ وزھد فیہ وترکہ (محیط المحیط)}

آپؐ نے یہ بات اُس وقت فرمائی تھی جب تین آدمیوں میں سے ۲ دو نے سنّت سے کچھ زیادہ کام کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ایک آدمی نے نکاح کی سنّت کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اُن کو سنّت سے نفرت نہیں تھی بلکہ صرف اِس لئے انہوں نے سنّت کو ترک کرنا چاہا تھا کہ کچھ زیادہ عمل کرکے نجات کے لئے راہ ہموار کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نیک نیتی کے باوجود انہیں ترکِ سنّت کی اجازت نہیں دی اور مذکورہ بالا سخت الفاظ میں انہیں تنبیہ کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نہ سنّت سے زائد کوئی کام کرنا چاہیئے نہ سنت سے کم اور جو شخص ایسا کرے اُس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکِ سنّت جائز ہے۔

(٨) آٹھویں دلیل

اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض کام چھوڑ دیا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ (صحیح بخاری)

کرتے تھے حالانکہ اس پر عمل کرنا آپ کو محبوب ہوتا تھا، صرف اس ڈر سے کہ لوگ بھی عمل کریں گے پھر وہ اُن پر فرض ہو جائے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عمل کو چھوڑنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ عمل اُمت پر لازمی نہ ہو جائے اور یہ چیز بھی اس حدیث سے ثابت ہوئی کہ کسی عمل کو آپؐ کا ہمیشہ کرنا اس کے لازمی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر آپؐ اس کو لازمی کرنا نہ چاہتے تو اس کو کبھی کبھی چھوڑ دیتے تھے، لہٰذا جس سنّت کو آپؐ نے کبھی نہیں چھوڑا وہ لازمی ہے، اس کا ترک جائز نہیں۔

⑨ نویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نمازِ تراویح باجماعت ادا کی۔ چوتھی رات کو بھی صحابہ کرامؓ مسجد میں جمع ہو گئے لیکن آپؐ باہر تشریف نہیں لائے۔ صبح کو آپؐ نے فرمایا :-

إِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا (صحیح بخاری)

مجھ پر تمہارا یہاں جمع ہونا پوشیدہ نہیں تھا لیکن (میں نے اس لئے نماز نہ پڑھائی کہ) مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز و درماندہ ہو جاؤ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر نمازِ تراویح باجماعت آپ مسلسل ادا کرتے رہتے تو تراویح باجماعت فرض ہو جاتی۔ تین رات پڑھانے کے بعد چھوڑ دینے کی وجہ یہی ہے جو آٹھویں دلیل کے ضمن میں اوپر بیان ہوئی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ سنّت جو آپ نے کبھی نہیں چھوڑی لازمی ہے اور اس کا ترک جائز نہیں۔

⑩ دسویں دلیل

عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں :-

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهِمَا وَلَا يُصَلِّيهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ يُثْقِلَ عَلَى أُمَّتِهِ وَكَانَ

یہ دو رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے لیکن ان کو مسجد میں کبھی نہیں پڑھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں اُمّت پر بوجھ نہ ہو جائے اور

يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ (صحیح بخاری)   آپ اپنی امت پر تخفیف کو پسند کرتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ طور پر کریں، امت پر اس کو ظاہر نہ کریں تو وہ عمل لازمی نہیں ہوتا اور بوجھ نہیں بنتا لیکن جس عمل کو ظاہر کریں تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ آپؐ نے امت پر اس کو لازم کرنا چاہا۔

اس حدیث اور اس سے پہلے کی حدیث سے ثابت ہوا کہ فرض نماز کے پہلے اور بعد میں جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر بھی کیا اور ترک بھی کبھی نہیں کیا لازمی ہیں۔ ان کا درجہ نفل جیسا نہیں کہ چاہے پڑھو چاہے چھوڑ دو۔

مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس عمل کو آپؐ ظاہر کریں اور ہمیشہ کریں وہ لازمی ہے۔ اُس کا ترک جائز نہیں۔ ترک کرنے والے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

(۱۱) گیارہویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ، صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ المغربِ، صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ۔

نمازِ مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔ نمازِ مغرب سے پہلے نماز پڑھو، نمازِ مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔

تین دفعہ یہ جملہ فرمانے کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا :۔

لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ اَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً (صحیح بخاری)

جو شخص پڑھنا چاہے، اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس کو سنت بنا لیں۔

حدیثِ بالا سے دو نتیجے برآمد ہوئے :۔

۱۔ آپؐ نے نمازِ مغرب سے پہلے نماز کا حکم دیا۔ کیونکہ حکم رسول فرض ہوتا ہے لہٰذا آپ نے اس کی فرضیت کو ختم کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ "جو چاہے پڑھ لے" اگر آپؐ یہ الفاظ نہ فرماتے تو اس کا پڑھنا فرض ہوتا۔ اس جملہ نے اس کے وجوب کو ساقط کر دیا اور اب مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت پڑھنا محض مستحب رہ گیا لازمی نہیں رہا۔

۲۔ حدیثِ مذکورہ کے آخری جملہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر آپؐ "جو چاہے پڑھ لے" نہ فرماتے تو لوگ اس کو سنت سمجھ لیتے۔

ان دونوں نتیجوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز کو نتیجۂ اول میں لازمی کہا گیا ہے

اسی کو نتیجہ ۲ میں سنّت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی سنّت لازمی چیز ہے اور ہر لازمی چیز کا ترک کرنا گناہ ہوتا ہے۔

قارئینِ کرام غور فرمائیں کہ اگر سنّت کے معنیٰ یہی ہوتے جو آجکل لئے جاتے ہیں یعنی وہ فعل جس کا کرنا اچھا اور ترک گناہ نہیں تو پھر سنّت کے مقام سے ہٹانے کے لئے "جو چاہے پڑھ لے" کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ سنّت کا مفہوم عہدِ رسالت میں کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے۔

(١٢) بارھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ، لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ مُجَابٌ، اَلْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ ...... وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ۔

(رواہ الحاکم وسندہ صحیح المستدرک جزء اول ص۳۶)

چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی ہے اور اللہ نے بھی لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ (وہ چھ آدمی یہ ہیں)
(۱) اللہ کی تقدیر کا جھٹلانے والا.........
(۶) اور میری سنّت کا چھوڑنے والا۔

حدیثِ مذکور سے ثابت ہوا کہ تارکِ سنّت ملعون ہے۔ لہٰذا ترکِ سنّت گناہ ہے۔

(١٣) تیرھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن خطبہ میں فرمایا کہ: آج سب سے پہلا کام جس سے ہم ابتدا کریں یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں۔ پھر واپس (گھر) جائیں پھر قربانی کریں۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا

(صحیح بخاری)

جس نے ایسا کیا اُس نے ہماری سنّت کو پالیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کرلی تو وہ صرف ایک گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل وعیال کے لئے جلدی (حاصل) کرلیا ہے۔ قربانی میں بالکل شمار نہیں ہوگا۔ اُسے اس کے بدلہ اب دوسری قربانی کرنی چاہیئے۔

حدیثِ بالا سے ثابت ہوا کہ پہلے نمازِ عید ادا کرنی چاہیئے پھر قربانی کرنی چاہیئے۔ اِن دونوں کاموں کی یہ ترتیب سنّت ہے۔ اگر اس ترتیب کا لحاظ نہیں کیا گیا تو وہ قربانی کالعدم ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی ترتیب کی سنّت چھوڑ دینے سے پورا فعل بیکار ہوگیا۔ اگر سنّت کی پیروی لازمی نہ ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ فعل بیکار نہ ہوتا۔ کیونکہ اُس فعل کی قبولیت کا دارومدار ہی سنّت کی پیروی پر ہے لہٰذا سنّت کے لازمی ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اگر کوئی کام فرض ہے تو اس کی ادائیگی کا طریقہ (یعنی سنّت) بھی فرض ہے۔ اگر اس فرض کو اُس طریقہ سے (یعنی سنّت کے مطابق) ادا نہیں کیا تو وہ فرض ادا نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر نماز فرض ہے تو اس کا طریق بھی فرض ہے۔ اس کو اُسی طرح ادا کرنا ہوگا جس طرح سنّت ہے۔ یہ نہیں کہ نماز تو فرض ہے لیکن اس کا طریقہ فرض نہیں جو چاہے جس طریقہ سے پڑھ لے۔

(۱۴) چودھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو (اس سے پہلے) آپ نے کبھی نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

عَمَدًا صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ (صحیح مسلم) اے عمر میں نے قصدًا ایسا کیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس کام کو آپ اُمت پر لازم کرنا نہیں چاہتے تھے اُسے ہمیشہ نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے اور جس کام کو لازم کرنا چاہتے تھے اسے کبھی ترک نہیں کرتے تھے، یعنی وہ فعل جس کو آپ نے ہمیشہ کیا لازمی ہے۔

(۱۵) پندرھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ میں فتح مکّہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ روزہ سے تھے۔ لیکن (سفر میں) روزہ رکھنے سے کافی تکلیف ہورہی تھی۔ آپؐ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے عصر کے بعد پانی

کا ایک پیالہ منگایا، پھر اس کو بلند کیا تاکہ تمام لوگ دیکھ لیں، پھر اس کو پی لیا! اس کے بعد آپؐ سے کہا گیا کہ بعض لوگوں نے اب بھی افطار نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔
اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ ۔ یہ لوگ گنہگار ہیں۔ یہ لوگ گنہگار ہیں۔
(صحیح مسلم)

سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جتنے روزے سفر میں رہ جائیں سفر ختم ہونیکے بعد انہیں رکھنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روزہ افطار کر دیا۔ بعض صحابہؓ نے آپؐ کے اس فعل کی پیروی نہیں کی بلکہ روزہ کو جاری رکھا۔ آپؐ نے فرمایا وہ گنہگار ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص آپؐ کے کسی بھی فعل کی پیروی نہیں کرتا وہ گنہگار ہے۔ یعنی سُنّت لازمی چیز ہے اور ترک سنّت گناہ ہے۔

(۱۶) سولھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔
مَنْ اَكَلَ طَيِّبًا وَّعَمِلَ فِیْ سُنَّةٍ وَّاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ (رواہ الحاکم وسندہ صحیح۔ المستدرک جزء ۴ صفحہ ۱۰۴)
جس نے پاک چیزیں کھائیں، سنّت پر عمل کیا اور جس کی ایذا رسانیوں سے لوگ محفوظ رہے وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

اس حدیث میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے :۔
۱۔ حلال کھانا۔
۲۔ سنّت پر عمل کرنا۔
۳۔ لوگوں کو ایذا نہ پہنچانا۔

مندرجہ بالا تینوں باتوں کا حکم یکساں ہونا ضروری ہے ورنہ لازم آئیگا کہ دو لازمی کاموں کے درمیان ایک نفل کام کو شامل کر دیا اور یہ بعید از عقل ہے۔

(۱۷) سترھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا۔ پھر آپ کے پاس وضو کے لئے پانی لایا گیا۔ آپؐ نے وضو نہیں کیا اور فرمایا۔

لَوْ فَعَلْتُهُ، فَعَلَ ذٰلِكَ النَّاسُ بَعْدِی — اگر میں وضو کر دوں تو پھر میرے بعد لوگوں کو بھی ایسا کرنا ہوگا (یعنی پھر وہ وضو ترک نہیں کر سکیں گے)

(رواہ احمد عن مغیرۃ رضی اللہ عنہ رواتہ ثقات۔ بلوغ ۲/۱۰۵ وسندہ صحیح)

اب تک ہم نے قرآن و حدیث سے سترہ دلائل دے کر یہ ثابت کیا کہ سنّت کی پیروی لازمی ہے۔ ترکِ سنّت جائز نہیں۔ افسوس ہے کہ ان دلائل اور ان جیسے اور دلائل کی موجودگی میں بعض علماء نے یہ فتوٰی کیسے دے دیا کہ ترکِ سنّت جائز ہے، گناہ نہیں۔ اس فتوے کا اثر یہ ہوا کہ سنّت کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی۔ سنّتوں پر عمل ترک ہوتا چلا گیا۔ اسلامی ضابطۂ حیات عملاً مٹتا چلا گیا۔ مسلم دوسروں کے طرزِ معاشرت کو اختیار کرتے چلے گئے۔ نقالی کے جراثیم لوگوں کے رگ و ریشہ میں پیوست ہوتے چلے گئے اور وہ احساسِ کمتری کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ایمان میں کمزوری پیدا ہوئی۔ اسلامی ضابطوں پر غیر اسلامی ضابطوں اور رسوم کو ترجیح دی جانے لگی۔ کافرانہ تہذیب سے سازباز ہونے لگی اور وہ بالکل اس حدیث کا مصداق بن گئے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ — جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔

(ابوداؤد، سندہ صحیح)

کسی دوسری قوم کی نقالی آدمی اس وقت کرتا ہے جب اُس کو اپنی چیز گھٹیا نظر آتی ہے۔ اُس پر عمل کرتے ہوئے اُسے شرم محسوس ہوتی ہے۔ ایک مسلم جب کسی دوسری قوم کی نقالی کرتا ہے تو گویا اس کو اسلامی چیز گھٹیا نظر آتی ہے۔ وہ کافرانہ رسم کو اسلامی رسم پر ترجیح دیتا ہے تو گویا عقیدۃً اور عملاً غیر اسلامی چیز کو بہتر سمجھتا ہے اور یہ علامت کفر کی ہے۔ ایمان کی نہیں۔ مؤمن کی نشانی یہ ہے کہ وہ حدیثِ پاک

خیر الھدی ھدی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) — سب سے بہتر طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے (صحیح مسلم)

پر ایمان رکھے اور آیۂ کریمہ لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ {بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے} پر سختی سے عمل کرے۔

الغرض قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ سنّت لازمی ہے اور ترکِ سنّت گناہ ہے۔

سنّت اور صحابۂ کرامؓ

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابۂ کرام کا سنّت کے متعلق کیا عقیدہ تھا، کیا وہ سنّت کو معمولی درجہ دے کر ترک کر دیا کرتے تھے یا وہ سنّت کو لازمی اور ترکِ سنّت کو گناہ سمجھتے تھے۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:-

قَدْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الطَّوَافَ بَیْنَھُمَا فَلَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّتْرُکَ الطَّوَافَ بَیْنَھُمَا (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

صفا و مروہ کے مابین دوڑنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے لہذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان دوڑنے کو ترک کر دے۔

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک ترکِ سنّت جائز نہیں۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

لَسْتُ تَارِکًا شَیْئًا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْمَلُ بِہٖ اِلَّا عَمِلْتُ بِہٖ فَاِنِّیْ اَخْشٰی اِنْ تَرَکْتُ شَیْئًا مِّنْ اَمْرِہٖ اَنْ اَزِیْغَ (صحیح بخاری)

میں کسی ایسے فعل کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں جو فعل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے بلکہ میں تو اُسی فعل پر عمل کروں گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں آپ کے کسی فعل کو چھوڑ دوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔

ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک ترکِ سنّت گمراہی ہے۔

(۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

اَعْمَلُ فِیْھَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ..... فَوَاللّٰہِ الَّذِیْ بِاِذْنِہٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ لَآ اَقْضِیْ فِیْھَا قَضَاءً غَیْرَ ذٰلِکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

میں اس معاملہ میں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے....... اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں میں قیامت تک اس کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ بھی ترکِ سنّت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۴) ابن سمط کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا (یعنی قصر کرتے ہوئے دیکھا) میں نے اُن سے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:-

اِنَّمَآ اَفْعَلُ کَمَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی

اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ میں تو ویسا ہی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُ (نسائی۔ سندہ صحیح) کرتا ہوں جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۵) حجر اسود کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :۔

لَوْلَآ اَنِّیْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَلَمَکَ مَا اسْتَلَمْتُکَ (صحیح بخاری) اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تیرا بوسہ نہ لیتا۔

گویا حضرت عمرؓ نے سنّت کے مطابق بوسہ لیا۔ اگر بوسہ نہ لینا سنّت ہوتا تو وہ اس سنّت پر عمل کرتے۔

(۶) طوافِ کعبہ کرتے وقت تین چکروں میں دوڑا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اب اس دوڑنے سے کیا فائدہ ہے یہ تو ہم نے اس لئے کیا تھا کہ مشرکین پر اپنی قوت کا اظہار کریں اور اب مشرکین کو اللہ نے ہلاک کر دیا (اب اپنی قوت کا مظاہرہ کیا معنی رکھتا ہے) یہ کہہ کر فرمایا :۔

شَیْءٌ صَنَعَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَا نُحِبُّ اَنْ نَتْرُکَہُ (صحیح بخاری) (بہر حال) یہ ایک کام ہے جو رسول اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ لہٰذا ہم اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔

ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ اس سُنّت کو بھی نہیں چھوڑتے تھے جس کا مقصد باقی نہ رہا ہو۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

وَلٰکِنْ سُنَّۃٌ فَلَا تَدَعُوْہُ (مسند احمد) در سنّت ہے لہٰذا اسے نہ چھوڑو۔

(۸) ایک یمنی شخص نے حجر اسود کو بوسہ دینے کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہاتھ لگاتے تھے اور بوسہ دیتے تھے۔ اس نے کہا اگر ہجوم زیادہ ہو جائے اور میں مغلوب ہو جاؤں (تو کیا کروں) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا :۔

اِجْعَلْ اَرَاَیْتَ بِالْیَمَنِ (صحیح بخاری) یہ اپنی اگر مگر یمن میں رکھو۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کسی عذر کی بنا پر بھی ترکِ سنّت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۹) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔

لَوْ تَرَکْتُمْ سُنَّۃَ نَبِیِّکُمْ لَضَلَلْتُمْ (صحیح مسلم) اگر تم اپنے نبی کی سنّت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

(۱۰) حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ کعبہ کے خزانہ میں جتنا سونا چاندی ہے سب کو تقسیم کر دیں۔ ایک شخص نے کہا آپ کے دونوں ساتھیوں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ) نے تو ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

هُمَا الْمَرْآنِ اَقْتَدِيْ بِهِمَا (صحیح بخاری) ان ہی دونوں کی میں بھی پیروی کروں گا۔

(۱۱) حضرت علیؓ، امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے حکم کے مقابلہ میں فرماتے ہیں :-

مَا كُنْتُ لِاَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ اَحَدٍ (صحیح بخاری) میں کسی کے کہنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عثمانؓ نے اجتہادی غلطی کی بنا پر ایک خلاف سنت کام کا حکم دے دیا۔ موجودہ لوگوں کے عقیدہ کے مطابق چاہیئے تو یہ تھا کہ حضرت علیؓ اس حکم کے مقابلہ میں سنت کو چھوڑ دیتے کیونکہ امیر کی اطاعت فرض ہے لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ گویا حضرت علیؓ کے نزدیک سنت کی پیروی امیر کی اطاعت پر فوقیت رکھتی ہے۔

حضرت علیؓ کے اس قول پر اُن لوگوں کو غور کرنا چاہیئے جو شوہر یا ماں باپ یا حاکم کے کہنے سے سنت چھوڑ دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ شوہر یا ماں باپ یا حاکم کی اطاعت فرض ہے لہذا فرض کے مقابلہ میں سنت ترک کر دینی چاہیئے۔ کاش وہ غور کرتے کہ سنت دین ہے۔ دین میں اطاعت صرف اللہ اور رسول کی ہوتی ہے۔ شوہر ماں باپ یا حاکم کی اطاعت کے حدود و دوائر دوسرے ہیں۔ دین کے معاملات میں ان کی اطاعت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر وہ دین کے مطابق حکم دیں یا دنیوی معاملات کے متعلق کوئی حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت فرض ہے ورنہ ان کی اطاعت فرض تو کجا شرک فی الدین کے دائرہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ ترک سنت گناہ ہے اور گناہ میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اطاعت تو صرف معروف کاموں میں ہے۔" (بخاری) خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (حلال) نہیں۔ (شرح السنۃ، سندہ صحیح۔ التعلیقات للالبانی علی المشکوۃ، کتاب الامارۃ ۲/۱۰۹۲)

(۱۲) حضرت کعب بن عجرہؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے۔ فرمایا :-

اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ اس خبیث کو دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے

قَاعِدًا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی .... (صحیح مسلم) (حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے) جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے...

حضرت کعب بن عجرہؓ ترکِ سنت دیکھ کر بیتاب ہوگئے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ ترکِ سنت جائز نہیں۔ اگر سنت کا ترک جائز ہوتا تو خفگی کا کیا موقع تھا۔ جائز کام پر خفگی نہیں ہوا کرتی۔

(۱۳) حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے دیکھ کر فرمایا :-

قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا .... (صحیح مسلم)

اللہ ان دونوں ہاتھوں کا برا کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ صرف ایک ہاتھ اٹھا کر انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا ہے تو فرمایا :-

اِبْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (صحیح بخاری)

اس کا ایک پیر باندھ کر کھڑا کر (پھر نحر کر) یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

(۱۵) حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا ہے۔ فرمایا۔

مَا صَلَّيْتَ، لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (صحیح بخاری)

تو نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تو اسی حالت میں مر جاتا تو تیری موت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نہیں ہوتی۔

غرض یہ کہ صحابہ کرامؓ سنت کو لازمی سمجھتے تھے۔ اس کے چھوڑنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ترکِ سنت پر سختی سے پیش آتے تھے۔ ہمارے لئے بھی سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ہم ان کی روش پر چلیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق عقیدہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ)

جن لوگوں نے ان (مہاجرین و انصار) کی (جو ایمان لانے میں سبقت کرنے والے تھے) اچھی طرح سے پیروی کی تو اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ کیا ہمارا بھی وہی عمل ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ ہرگز نہیں۔ ہمارے اور اُن کے عقیدہ و عمل میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو گیا۔

آیئے ہم سب مل کر سنّت پر عمل کریں اور اس کے ترک کو گناہ سمجھیں۔ جو شخص سنّت چھوڑے اسے اس فعل شنیع سے باز رکھیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عصمتِ رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم)

(پہلی تقریر)

عصرِ حاضر میں کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہیں تھے بلکہ گناہگار تھے (نعوذ باللہ من ذٰلک)

بدقسمتی سے اس قسم کے توہین آمیز و گستاخانہ کلمات ان لوگوں کی زبانوں سے نکلتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نسیان ہو گیا تھا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے۔

اس قسم کے اقوال کفر کے کلمات ہیں بلکہ کفر سے بھی بدتر ہیں۔

سیاسی اسلام جہاں بھی ہوتا ہے وہاں اس قسم کے نظریات اور کفریہ کلمات لوگوں کی زبانوں سے نکلتے رہتے ہیں اور حقیقی اسلام سے لاعلمی کی وجہ سے جو شخص جو کچھ چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔ کوئی اس کی زبان پکڑنے والا نہیں ہوتا۔

بدقسمتی سے یہ سب کچھ فہمِ قرآنِ مجید کے زعم میں ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا ہاتھ ان مترجمین و مفسرین کا ہے جنہوں نے قرآن مجید کے غلط ترجمے کئے اور یہ تک نہیں سوچا کہ لوگ خصوصاً غیر مسلمین ان ترجموں اور تفاسیر کو پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟

غلطیاں بہرحال غلطیاں ہوتی ہیں خواہ وہ کسی سے بھی سرزد کیوں نہ ہوں اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حیرت ان مصنفین و مؤلفین پر ہوتی ہے جو محض مکھی پر مکھی مارنے پر اکتفا کرتے ہیں اور غلط ترجموں کو ہی نقل کرتے رہتے ہیں جو ان کے پیش رو کرتے چلے آئے۔

الغرض قرآن مجید کی بعض آیات کے غلط ترجموں کے سہارے بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع

کردیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہیں تھے بلکہ گناہگار تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ذیل میں ہم وہ آیات پیش کر رہے ہیں جن کے ترجمے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ و مقام اور آپ کی ذاتِ مقدس کے شایانِ شان نہیں کئے گئے۔

قبل اس کے کہ ہم صحیح ترجمے پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان آیات کے وہ ترجمے پیش کریں جن کی بنیاد پر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہگار کہتے ہیں۔

آیاتِ ربّانی	غلط ترجمہ
إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ○ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ○ (الفتح ۔ ۱ تا ۳)	(اے رسول) ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے، آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے، آپ کو سیدھے راستہ پر چلا کر منزلِ مقصود پر پہنچائے اور آپ کی بڑی زور دار مدد فرمائے۔

آیت مذکورہ بالا میں خط کشیدہ عبارت کا ترجمہ قابلِ غور ہے۔

عام طور پر لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کا ترجمہ یہی کیا جا رہا ہے کہ

"تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے تمام گناہوں کو معاف کر دے جو پہلے ہو چکے اور جو بعد میں ہوں گے"۔

اب ترجمے خواہ اردو زبان کے ہوں یا کسی اور زبان کے بہرحال ان ترجموں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ فتح اس لئے دی ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے۔ ظاہر ہے کہ جب ذَنْبٌ کے معنی گناہ کر دئے جائیں تو اس کا مفہوم بھی صاف واضح ہو جاتا ہے کہ استغفر اللہ من ذٰلک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آیت مذکورہ کے نزول سے پہلے بھی گناہ گار تھے اور بعد میں بھی گناہ کرتے رہے۔

کیا اس قسم کے ترجمے غیر شعوری طور پر نبوت پر چوٹ نہیں ہیں؟

لیکن افسوس کہ ذَنْبٌ کا ترجمہ کرتے وقت کسی کو بھی خیال نہیں آیا کہ ذَنْبٌ کے معنی صرف گناہ ہی کے نہیں کچھ اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

ذَنْبٌ کے معنی کسی کے پیچھے لگ جانا پھر اس کا پیچھا نہ چھوڑنا، دُم پکڑنا، الزام لگانا یا ہر وہ کام جس کا انجام برا ہو وغیرہ۔

جب ذَنْبٌ کے معنی گناہ کے علاوہ اور بھی ہیں تو دوسرے معنوں سے کسی ایک معنی کو چن

کر بھی ترجمے کئے جا سکتے تھے تا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور مرتبہ پر چوٹ نہ پڑتی۔
بہر حال ان مترجمین اور مفسرین کو ایک مرحلے پر سخت مشکل یہ پیش آئی کہ وہ ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کے بعد یہ نہ بتا سکے کہ فتح سے گناہ کیسے معاف ہوتے ہیں؟

علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں (جو تفسیر قمی کہلاتی ہے) اور فضل بن حسن طبرسی نے اپنی تفسیر (جو تفسیر طبرسی کے نام سے مشہور ہے) میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا ایک اچھا قول نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا:-

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی گناہ کیا اور نہ کبھی گناہ کا خیال دل میں آیا یہ تو آپ کے شیعوں کے گناہ ہیں جن کو بخشا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے گناہ معاف کئے گئے ہیں:

یہ دونوں مفسرین شیعہ عالم ہیں انہوں نے احترام کو ملحوظ رکھ کر امام جعفر صادقؒ کا قول نقل کیا ہے۔

اسی طرح احمد رضا خان صاحب بریلوی نے بھی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام جعفر صادقؒ کی روش کو اختیار کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے لیکن تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ انہوں نے آیت مذکورہ کا جو ترجمہ کیا ہے وہ اس طرح ہے:-

"بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"

امام جعفر صادقؒ اور احمد رضا خان صاحب کے ترجموں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے احتراماً ایسا کیا ہے بہر حال دونوں ترجموں میں کچھ تحریف معنوی ضرور ہے لیکن ایک اچھے جذبے کے ساتھ۔

ان کے برعکس دوسرے مترجمین مثلاً مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی، ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی اور اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہ نے احترام ملحوظ نہیں رکھا اور صاف صاف یہ ترجمہ کیا ہے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے۔

ان لوگوں کے ترجموں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گناہ گار تھے معصوم نہیں تھے العیاذ باللہ۔

الغرض فتح یا صلح سے گناہ کس لئے معاف ہو رہے ہیں اس کا جواب تو وہ بھی نہ دے سکے جنہوں نے احترام کو ملحوظ رکھ کر ترجمے کئے ہیں اور یہ ایک ایسا معمہ تھا جسے کوئی حل نہ کر سکا۔

با ادب مترجمین کے ترجموں کو تسلیم کر لیا جائے کہ اگلی اور پچھلی امت کے گناہ معاف ہو گئے تو حیرت انگیز بات یہ سامنے آتی ہے کہ امت کے لئے گناہ کا تو کوئی وجود ہی باقی نہیں رہا۔ ظاہر ہے جب

ساری امت بخش دی گئی تو گناہ تو ایک بے حقیقت چیز بن کر رہ گیا نہ اگلا کوئی گناہ باقی رہا نہ پچھلا کوئی گناہ باقی رہا سب بخش دیئے گئے تو گویا ساری امت گناہوں سے پاک وصاف ہو گئی۔

الغرض نسخ سے گناہ کا معاف ہونا اور گناہ کا وجود بے معنی ہو جانا یہ دونوں معنے کوئی حل نہیں کر سکا۔

اس حقیقت کو ذہن میں رکھیئے کہ قرآن مجید میں بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کسی لفظ کے ایک ہی معنی نہیں ہوتے بلکہ کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔

مثلاً۔ مثال ① رَجْوٌ۔ یہ مصدر ہے اس کے معنی امید کرنے کے بھی ہیں اور ڈرنے کے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (احزاب ـ ۲۱)

تم لوگوں کے لئے جو اللہ سے اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

آیت مذکورہ میں "يَرْجُوا"۔ رَجْوٌ سے مضارع کا صیغہ ہے اس آیت میں اس کے معنی ہیں" وہ ڈرتا ہے "۔

اگر اس کے معنی امید رکھنے کے کئے جائیں تو آیت کا ترجمہ غلط ہی نہیں بلکہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب دوسری آیت ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ (البقرۃ ـ ۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے رہے یہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہاں" يَرْجُوْنَ "کے معنی ڈرنے کے نہیں کئے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت امید کی متقاضی ہے نہ کہ ڈرنے کی۔

آپ نے دیکھا کہ ایک ہی لفظ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک جگہ " ڈرنا " اور دوسری جگہ " امید رکھنا "۔ حالانکہ ڈر اور امید ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں معنوں میں گو تضاد موجود ہے لیکن دونوں معنی متکلم کے منشا اور محل کے اعتبار سے بالکل صحیح ہیں۔

مثال ②

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (الکافرون ـ ۱)

کہہ دیجئے اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو۔

یہاں کافروں سے مراد کون سے کافر ہیں؟

مذکورہ خطاب میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ یعنی اس آیت میں "کافرون" کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اسلام نہیں لائے اب دوسری آیت ملاحظہ فرمایئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ (البقرۃ ۔ ۶)

جو لوگ کافر ہیں اے رسول آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اگر دوسری آیت میں کافروں سے مراد ہر قسم کے کافر ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ خبر صحیح نہیں نکلی کیونکہ قرآن مجید کی آیت ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے کافر ایمان لے آئے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ (سورۃ النصر ۔ ۲)

فوجوں کی فوجیں اللہ کے دین میں داخل ہو رہی ہیں۔

آپ نے غور فرمایا یہ کیسا تضاد ہے اور کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ ہی خبر دے رہا ہے کہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی خبر دے رہا ہے کہ کافر اسلام میں جوق درجوق داخل ہو رہے ہیں۔

مذکورہ آیات ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ کفر کے معنی دونوں جگہ ایک نہیں ہو سکتے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کفر کے معنی انکار کے بھی ہیں اور چھپانے کے بھی ہیں۔

پہلی آیت میں "کافِرُوْنَ" سے مراد عام کافر ہیں جنہوں نے سرے سے اسلام قبول نہیں کیا، دوسری آیت میں کافروں سے مراد حق پوش انسان ہیں۔

الغرض "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کو چھپاتے ہیں، حق پوشی کرتے ہیں؟ ہٹ دھرمی کرتے ہیں لہٰذا سورہ بقرۃ کی آیت ۶ کا ترجمہ یہ ہوا "جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں اے رسول آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے"

غور فرمایئے جب ایک ہی لفظ کے معنی کافر بھی ہوتے ہیں اور حق چھپانے والے کے بھی ہوتے ہیں تو پھر ان مترجمین اور مفسرین نے کیوں نہ سوچا کہ آخر "ذنب" کے کچھ اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

انہوں نے دوسرے معنی و مفہوم کو اختیار کیوں نہیں کیا اور "ذَنْبٌ" کے معنی صرف گناہ ہی کے کیوں کئے؟ پھر خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے احترام اور آپ کی معصومیت کا ہو، آخر احترام اور معصومیت دونوں کو کیوں

نظر انداز کیا گیا؟

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھول سے ایک ذرا سی لغزش ہو گئی۔ اللہ تعالے فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِیَ (طٰہٰ ۔ ۱۱۵)

ہم نے پہلے آدم سے ایک عہد لیا تھا لیکن وہ بھول گئے۔

یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالےٰ نے جو عہد لیا تھا وہ یہ تھا کہ اس درخت کے پاس نہ جائیں لیکن وہ بھول گئے اور بھولے سے اس درخت میں سے کھالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بھول چوک کو بھی معاف نہیں کیا بلکہ خفگی کا اظہار کیا۔

ذرا غور کیجئے کہ آدم علیہ السلام کی بھول پر خفگی کا اظہار کیا گیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے اور آئندہ ہونے والے گناہ بھی معاف کئے جارہے ہیں اور خفگی کا نام ونشان تک نہیں کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے ؟

اس سلسلہ میں ایک اور مثال بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسنِ ظن کی بنیاد پر ایک لغزش ہوئی لیکن معاف نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالے فرماتا ہے :۔

فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَیْهِ (الانبیآء ۔ ۸۷)

انہیں (ہمارے متعلق) یہ (حُسن) ظن تھا کہ ہم (ان کے اس طرح حکم الٰہی کے بغیر چلے جانے پر) ان کی گرفت نہیں کریں گے۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال تھا کہ میرے اس طرح چلے جانے سے اللہ تعالیٰ میری پکڑ نہیں کریگا۔

ہوتا یہی ہے اور یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آنے والا ہوتا ہے تو اس قوم کا نبی اس بستی کو چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دستور کے مطابق عمل کیا لیکن ان سے لغزش صرف یہ ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر ہی اپنا مستقر چھوڑ بیٹھے نتیجہ جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

بتائیے ایک نبی تو محض حسن ظن کی بناء پر خفگی کا مستحق ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر گناہ پر گناہ کرتے رہے اور کوئی گرفت نہیں کی گئی۔

ان مثالوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ غلط ترجمے اور غلط تشریحات آیت کے معانی ومفہوم کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔

اب ذُنُبْ کے اصلی اور حقیقی معنی ملاحظہ فرمائیے۔

ذنب کے معنی | ذنب کے معنی ہر وہ کام جس کا انجام برا ہو (مفردات امام راغب)

گناہ کو ذَنب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

ذنب کے دوسرے معنی : الزام لگانا ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ الزام کا انجام بھی برا ہوتا ہے کیونکہ جس پر الزام لگایا جاتا ہے لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہو کر اس کی حق بات کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

اسی طرح غَفَرْ کے معنی بھی غلط کئے گئے۔

غَفَرْ | غفر کے معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے بھی ہیں۔ غُفْرَۃٌ اس سرپوش کو کہتے ہیں جو برتن کو چھپائے یا ڈھانک دے۔

غَفَر کے معنی بچانے کے بھی ہیں اور غفر کے معنی درست کرنا، اصلاح کرنا اور ازالہ کرنے کے بھی ہیں۔

مِغْفَارہ : اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دوپٹہ کو تیل وغیرہ سے بچانے کے لئے خواتین اپنے سر پر باندھ لیتی ہیں۔

مِغْفَر : خود کو کہتے ہیں جو سر کو تلوار کے وار سے بچاتا ہے۔

اس تفصیلی وضاحت کے بعد اب آیت کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝

(اے رسول) ہم نے آپ کو فتح مبین دی تاکہ اللہ آپ پر لگائے گئے اگلے پچھلے تمام الزامات کی اصلاح فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو سیدھے راستہ پر چلاتا رہے۔ (بے شک) اللہ آپ کی (ہر موقع پر) زبردست مدد کرے گا۔

مذکورہ بالا ترجمہ کے صحیح ہونے کا ایک خاص تاریخی پس منظر بھی ہے۔

کفارِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر استہزائیہ انداز میں اور فخر کے زعم میں طرح طرح کے الزامات لگائے تھے مثلاً

کسی نے آپ کو مجنون کہا، کسی نے شاعر کہا، کسی نے جادوگر، کسی نے مسحور (یعنی کسی نے آپ پر جادو کر دیا ہے) کسی نے کاہن کہا۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی قبیل کے بہت سے الزامات لگائے گئے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صلح سے الزامات کے ازالے کا کیا تعلق ہے؟
آپ اس حقیقت کو ذہن میں رکھیں کہ کسی پر الزامات یا اس کی برائیاں اس کی غیر حاضری میں بیان کی جاتی ہیں اور غیر حاضری ہی میں لوگ ان الزامات کو ایک دوسرے تک سینہ بہ سینہ پہنچاتے رہتے ہیں۔

کفار مکہ نے مذکورہ الزامات کو خوب شہرت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

صلح ہوجانے کے بعد لوگ ایک دوسرے سے ملاقات کرنے لگے۔ ملاقات کے ذریعہ الزامات کا ازالہ ہوتا چلا گیا۔ اگلے پچھلے تمام الزامات کی صفائی ہوگئی۔ اس فتح مبین سے نہ صرف ان الزامات کا ازالہ ہوا بلکہ تبلیغ دین کے لئے جو رکاوٹیں تھیں وہ بھی دور ہوگئیں اور تبلیغ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس صلح میں جو حکمت اور مصلحت پوشیدہ تھی وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے بے شمار خوشیوں اور جنت کی نوید کا باعث بنی۔

صلح حدیبیہ پر تبصرہ

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ بظاہر دب کر صلح کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بڑی مصلحت تھی۔ مثلاً یہ صلح ہی دراصل فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ تبلیغ کے لئے میدان صاف ہوگیا۔ مکہ مکرمہ کے مظلوم مسلمین لاعلمی میں قتل ہونے سے بچ گئے۔ اس اثنا میں بہت سے کافر مسلم ہوگئے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہی میں مشورہ لیتے وقت فرمایا تھا "کیا تمہاری رائے ہے کہ میں ان کافروں کو جاکر غارت کردوں"۔ پھر آپ نے صحابہ کرامؓ سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لے کر جنگ کا ارادہ فرمالیا تھا آپ نے بدیل اور عروہ سے بھی جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور آپ کسی طرح بھی ان سے خوفزدہ نہیں تھے، اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، مثلاً:-

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ (فتح ـ ۲۲)
اگر کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے۔

اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ (فتح ـ ۲۵)
تم ان کو پامال کردیتے۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دب کر صلح کسی کمزوری یا بزدلی کی وجہ سے نہیں کی گئی تھی۔

(۳) یہ صلح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے نہیں کی بلکہ اللہ کے حکم سے کی جیسا کہ آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ "میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتا"۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے

سورۂ فتح میں اس کی تائید کردی۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اس فتح مبین کے سلسلہ میں صحابۂ کرامؓ کے لئے بھی بہت سی خوشخبریوں کے ساتھ ان کے دلوں پر جو سکینہ نازل فرمایا تھا وہ تحمل اور قوت برداشت ہی تو تھی جس نے ان کے جوشِ انتقام کو ٹھنڈا کر دیا اور اُن کو تقوے کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اہل بھی تھے اور اللہ (نہ صرف ان کے تقوے سے باخبر ہے بلکہ وہ) ہر چیز سے واقف ہے۔

اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ ہی کو فتح کہا مزید برآں اس صلح سے جو آئندہ کامرانیاں ظہور میں آئیں وہ یہ کہ

(۵) صرف تین ماہ بعد خیبر فتح ہوا۔

(۶) دو سال بعد آٹھ ہزار مسلمین نے مکہ پر حملہ کیا اور مکہ فتح ہوا۔

(۷) پھر جو فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو حنین، طائف اور اوطاس فتح ہوئے اسکے بعد

(۸) غزوۂ موتہ میں قیصر سے جنگ ہوئی اور فتح ہوئی۔

(۹) پھر جب خلفائے راشدین کا دور آیا تو انہوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے پرچے اڑا کر رکھ دیئے۔

یہ سب کیا تھا؟ یہ اسی صلح حدیبیہ کے نتائج و ثمرات تھے جو بظاہر دب کر کی گئی تھی۔

الغرض صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں یہ مختصر سی وضاحت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لئے "تاریخ الاسلام والمسلمین" ملاحظہ فرمایئے۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ کیا یہ فتح مبین محض اس لئے دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے اور آئندہ ہونے والے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔

کاش کہ مترجمین و مفسرین قرآن مجید کی آیات و احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ محسوس کرتے کہ ان کے غلط ترجمے کس قدر غلط نتائج پیدا کر رہے ہیں۔

ایک طرف تو قرآن مجید کی بے شمار آیات و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقِ اقدس کو دو بالا کرتے ہوئے انہیں معصوم عن الخطاء باور کرا رہی ہیں اور دوسری طرف انہیں گناہ گار باور کرایا جا رہا ہے کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱) وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (ن — ۴) — (اے رسول) بے شک آپ عظیم الشان اخلاق پر فائز ہیں۔

۲) قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران ـ ۳۱) — (اے رسول آپ کہہ دیجئے) اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔

۳) وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ — رسول کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت مل جائے۔
(الاعراف - ۱۵۸)

۴) اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ — (اے رسول) آپ سیدھے راستے پر ہیں۔
(الزخرف - ۴۳)

۵) وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (النور - ۵۶) — اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

۶) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے (دراصل) اللہ ہی کی اطاعت کی۔
(النساء - ۸۰)

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ فرماتی ہیں :-

۷) اِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْاٰنَ۔ — اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا (یعنی وہ تمام اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے)۔
(صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

۸) وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح) — اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا ہوں۔

یہ چند آیات و احادیث آپ کے سامنے ہیں غور فرمائیے کہ اس قدر جامع اوصاف و کمال ہستی جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے والی اور صراط مستقیم پر قائم ہو جس کی پیروی سے ہدایت و کامرانی ملتی ہو جس کی زندگی ہمارے لئے کامل نمونہ ہو بھلا ایسی معصوم ہستی گناہ گار بھی ہوسکتی ہے۔ گناہ گار نمونہ نہیں بن سکتا۔

غلط معنی و مفہوم اخذ کرنے کے سلسلہ میں گذشتہ اوراق میں جو کچھ بتایا گیا اسی پر اکتفا نہیں بلکہ غلط تراجم کے سلسلہ میں مزید کئی اور مثالیں موجود ہیں۔ سورۂ نجم کی ابتدائی آیات میں بھی یہی روش اختیار کی گئی ہے مثلاً :-

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○ (نجم - ۱) — قسم ہے تارے کی جب وہ بلند ہو جائے۔

مذکورہ بالا ترجمہ جو کہ صحیح ترجمہ ہے اس کے برعکس بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے :-

"قسم ہے تارے کی جب وہ گرے"۔ کیا ہی عجیب و غریب ترجمہ ہے۔
سورہ نجم کی ابتدائی آیات معراج کے متعلق ہیں۔ ان آیات میں ہی ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝ (نجم - ۱۸) — انھوں نے اپنے رب (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

غور فرمایئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو عروج و بلندی پر جا رہے ہیں اور ترجمہ کیا گیا گرنے کا۔ کیا یہ مضحکہ خیز ترجمہ نہیں ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو کتنی بلندیوں پر آپ تشریف لے گئے یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہم اس معراجی بلندیوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اب اس سے اگلی آیت کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ۝ (نجم - ۱۹) — تمہارے صاحب (ساتھی) نہ راستہ بھولے اور نہ بھٹکے۔

بتایئے جو شخص نہ بھولا ہو اور نہ بھٹکا ہو وہ گناہگار ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

عموماً انسان شیطان کے بہکانے میں آکر بہک جاتا ہے اور غلطی کر بیٹھتا ہے حتیٰ کہ گناہ بھی کر بیٹھتا ہے لیکن صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے مکر و فریب سے مستثنیٰ ہیں یعنی شیطان انھیں نہیں بہکا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

تم میں سے ہر شخص کے ساتھ جنات میں سے ایک ساتھی متعین ہوتا ہے۔

صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی (شیطان) ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ وہ مسلم ہو گیا ہے لہٰذا وہ مجھ سے کوئی بات نہیں کہتا سوائے نیکی کے۔ (صحیح مسلم کتاب صفۃ القیامۃ باب تحریش الشیطان)

اس سلسلہ کی دوسری حدیث بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ فرماتی ہیں:۔

(ایک دن) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس شیطان آیا تھا؟

میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا میرے ساتھ بھی شیطان ہے؟ فرمایا: ہاں۔

میں نے پوچھا: کیا تمام انسانوں کے ساتھ شیطان ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔

میں نے پھر پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے ؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی شیطان ہے لیکن میرے رب نے میری مدد فرمائی وہ مسلم ہوگیا ہے (صحیح مسلم کتاب صفۃ القیامۃ باب تحریش الشیطان)
بتائیے روئے زمین پر کوئی ایسی ہستی ہے جو شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ و سلامت ہو۔
غور فرمایئے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ان کے معصوم عن الخطاء ہونے کی کیسی سند نازل فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (نجم ۳-۴)	(یہ رسول) اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے وہ تو وہی بات کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

الغرض شیطان بھی مسلم، زبان بھی صحیح و محتاط بلکہ خواہشاتِ نفسانی سے قطعی ماوراء کوئی کلمہ زبان سے غلط نکلنے کا امکان ہی نہیں تو پھر خطاء و نسیان یا بھول چوک یا گناہ کا معاف کیا جانا قرآن مجید کی بڑی عجیب و غریب ترجمانی ہے۔
جب ہر بات ہر فعل منشائے الٰہی کے عین مطابق ہو تو وہ ہستی معصوم عن الخطاء ہوتی ہے نہ کہ گناہگار ؟
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات نہ لکھا کریں کیونکہ کبھی آپ خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناراض ہوتے ہیں (لہٰذا) انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا اور آپ سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ۔ (رواہ ابوداؤد کتاب العلم بحوالہ الحاکم والذہبی۔ حاکم ۱/۱۰۵)	تم لکھا کرو قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

بتایئے ایسے باکمال، ہمہ صفات موصوف اور بے مثال نبی امی رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے بیان میں قطعی معصوم ہوں اور گناہ تو بڑی چیز ہے جن کے دل میں شیطان کے مسلم ہو جانے کی وجہ سے گناہ کا تصور تک نہ آئے ایسی ہستی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ گناہ گار تھے یقیناً کفر ہے بلکہ کفر سے بھی بدتر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عصمتِ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

(دوسری تقریر)

تراجم کے سلسلہ میں بعض سنگین غلطیوں کی نشاندہی گذشتہ تقریر میں کی گئی تھی آج مزید غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ (عبس - ۱ تا ۳)

تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا اس لئے کہ اس کے پاس ایک نابینا آگیا اور (اے رسول) آپ کو علم نہیں شاید وہ پاکی حاصل کرتا۔

مندرجہ بالا ترجمہ وہ ترجمہ ہے جو عام طور پر مترجمین و مفسرین کرتے چلے آئے ہیں۔ مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور ایسا ترجمہ کیا گیا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہیں تھے بلکہ گناہ گار اور بداخلاق تھے۔ آپ نے ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتومؓ کی آمد پر تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔

اصل حقیقت کیا ہے اور اس قسم کا ترجمہ کیوں کیا گیا ہے؟ اس کا ایک پس منظر ہے وہ پس منظر مذکورہ بالا آیات کے شانِ نزول میں بیان کیا گیا ہے۔ اس شانِ نزول کو بیان کرنے والے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس شانِ نزول میں "عَبَسَ وَتَوَلّٰى" کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔

حیرت ہے سب مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔ کسی نے یہ تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ والی روایت کی سند کیسی ہے؟

اس روایت کو حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بحوالہ تفسیر ابن ابی حاتم اور بحوالہ تفسیر طبری نقل کیا ہے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی عطیۃ العوفی ہے جو امام یحییٰ کے نزدیک ابو ہارون اور بشر بن حرب کے مثل ہے (تہذیب)

ابو ہارون کذاب ہے، امام بخاری فرماتے ہیں ابو ہارون کذاب ہے (جزء القراءۃ بیہقی ص۱۳۵)۔ امام نسائی فرماتے ہیں:- متروک الحدیث ہے۔ حماد بن زید، جوزجانی، ابن معین، ابن عُلیہ اور عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کذاب ہے۔ حضرت عثمانؓ کو کافر سمجھتا تھا (تہذیب جلد ۷ ص۴۱۳)

بشر بن حرب کے متعلق ابن خراش کہتے ہیں متروک ہے اور متروک وہ راوی ہوتا ہے جس پر جھوٹ کی تہمت ہو۔ یحییٰ القطان نے اسے ترک کر دیا تھا۔

کیونکہ عطیہ العوفی ابو ہارون اور بشر بن حرب کے مثل ہے لہٰذا وہ بھی انتہائی ضعیف ہوا بلکہ کذاب ہوا۔ امام احمد، امام نسائی، امام ہشیم اور امام ابو حاتم نے اسے ضعیف کہا۔ امام ابو داؤد نے کہا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حضرت علیؓ کو کل لوگوں پر فضیلت دیتا تھا (تہذیب جلد ۷ ص۲۲۵)

طبری کی سند اس طرح ہے : حدثنی محمد بن سعد قال ثنی ابی قال ثنی عمی قال ثنی ابی عن ابیه۔

بھلا یہ بھی کوئی سند ہے : مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، ان سے ان کے چچا نے بیان کیا، ان سے ان کے باپ نے بیان کیا اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔

یہ سند کیا ہے ایک لا لنگر ہے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ راوی کون تھے؟ حافظ ابن کثیر حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"اس میں غرابت ہے، نکارت ہے اور اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے"۔ (تفسیر ابن کثیر جزء ۴ ص۴۷۲)

الغرض یہ روایت سنداً باطل ہے اسی باطل روایت کی بنیاد پر گاڑی آگے چلتی رہی۔

شانِ نزول کے متعلق دو روایتیں اور ہیں۔ ایک حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ سے مروی ہے اور دوسری حضرت انسؓ سے۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی روایت میں عَبَسَ وَتَوَلّٰی کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا گیا اور نہ حضرت انسؓ کی روایت میں عَبَسَ کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ کی روایت میں " أَعْرَضَ " کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ امام حاکم لکھتے ہیں : ارسله جماعة عن هشام بن عروة یعنی محدثین کی ایک جماعت نے اسے ہشام بن عروہؓ سے مرسل بیان کیا ہے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں " وهو الصواب " اور یہی صحیح ہے (حاکم ۵۱۴/۲) یعنی اس کا مرسل ہونا ہی صحیح ہے۔

الغرض اس روایت کا متن ہشام کا قول ہے، حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ تک اس کی سند نہیں پہنچتی لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی یہ روایت کالعدم ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت کا متن یہ ہے :۔

جاء ابن ام مكتوم الى النبی صلی الله عليه وسلم وهو يكلم ابی بن خلف فاعرض عنه فانزل الله " عَبَسَ وَتَوَلّٰى " (مسند ابی یعلیٰ جزء ۵ ص ۴۳۲)۔ سندہ صحیح۔

ابن ام مکتومؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ اس وقت ابی بن خلف سے بات کر رہے تھے۔ اس نے ان سے اعراض کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "عَبَسَ وَتَوَلّٰى"۔

اَعْرَضَ کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوسکتے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت شریفہ نہیں تھی کہ کسی غریب آدمی کا آپ کے پاس کھڑا ہونا یا بیٹھنا آپ کو ناگوار گزرے۔ یہ تو رؤسائے مشرکین کی عادت تھی، انہوں نے ہی کہا تھا " اُطْرُدْ هٰؤُلَاءِ " ان غریب آدمیوں کو اپنی مجلس سے نکال دیجئے۔ ان کے اس مطالبہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی فضل سعد بن ابی وقاصؓ۔ جزء ۲ ص ۲۸۱)

اور (اے رسول) ان لوگوں کو جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے رہتے ہیں (اپنی مجلس سے) نہ نکالئے۔

خلاصہ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی روایت مرسل ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے۔ مزید یہاں اس میں " عَبَسَ " کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا گیا اور نہ اس میں عتاب کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت سندا باطل ہے۔ اس روایت میں بھی عتاب کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ عتاب کا شاخسانہ فرضی ہے۔ حقیقت کچھ نہیں۔ اب آیئے اصل حقیقت کی طرف۔

حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک رئیس کو تبلیغ کر رہے تھے۔ اسی دوران عبداللہ ابن ام مکتومؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کوئی سوال کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب نہیں دیا اور رئیس مکہ ہی کو تبلیغ کرتے رہے۔ اس رئیس نے ایک غریب آدمی کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر تیوری چڑھائی اور منہ موڑ کر چلا گیا۔ ایسے موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

عَبَسَ وَتَوَلّٰىۤ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىۤ ۝ (عبس - ۱ تا ۳)

(اس کافر نے) تیوری چڑھائی اور پیٹھ موڑ کر چلا گیا جبکہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ (اے رسول) آپ کو نہیں معلوم کہ (وہ کافر راہ راست پر آنے والا نہیں البتہ) شاید یہ نابینا پاکی حاصل کرتا۔

یہ ہے اصل حقیقت۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تیوری چڑھانے کا ذکر

ہے اور نہ عتاب کا۔ مزید برآں اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم توجہی کو بھی حکایتاً بیان کیا ہے۔ صراحتاً کوئی حکم نہیں دیا۔

تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں شامل تھی اور آپ تبلیغ ہی کر رہے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۔
(مآئدہ ۔ ۶۷)

اے رسول آپ کے رب کی طرف سے جو احکام آپ پر نازل کئے گئے ہیں انہیں آپ پہنچا دیں اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت کو نہیں پہنچایا۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ
(شوریٰ ۔ ۱۵)

(اے رسول) آپ اسی (دین) کی طرف ان کو بلاتے رہیئے، جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اسی پر قائم رہیئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ حق کی تبلیغ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا کہ اس دین کو جو آپ پر نازل کیا جا رہا ہے بے کم و کاست پہنچا دیں اور اسی حق کی طرف آپ لوگوں کو دعوت دیتے رہیں اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔

بتایئے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق اپنے فرض منصبی کو انجام دے رہے تھے تو حکم کی تعمیل گناہ کس طرح ہو گئی؟ گناہ تو نافرمانی سے ہوتا ہے۔

دعوتِ حق اور تبلیغ تو کوئی گناہ کا کام نہیں تھا اور جب گناہ نہیں تھا تو پھر عتاب کا نزول کیا معنی رکھتا ہے؟

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا دین دنیا کے چپہ چپہ پر غالب اور نافذ ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
(توبہ ۔ ۳۳)

اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔

اب اس فریضۂ منصبی کو درجۂ کمال تک پہنچانے کی سعی و جد و جہد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رئیس مکہ کو تبلیغ کر رہے تھے اور رئیس مکہ کے ایمان لانے سے یہ امید تھی کہ بہت

سے غریب لوگ بھی اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور اس طرح اسلام کو ایک قوت حاصل ہو جائے گی۔

الغرض یہی وہ حکمت تھی جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ام مکتوم کے سوال کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور آپ کی توجہ کفار مکہ کے رئیس کی طرف مرتکز رہی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل، دعوت و تبلیغ اور رئیس مکہ کی طرف توجہ کرنا گناہ تھا؟

اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر عتاب کیسا؟

عتاب کے نزول کی وجہ علماء نے یہ بتائی ہے کہ کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غریب مسلم کی طرف توجہ نہیں کی اور مکہ کے رئیس کو ترجیح دی جس کی وجہ سے اس غریب نابینا کو رنج پہنچا۔ اس کا رنجیدہ ہونا ہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن گیا اور یہی وجہ عتاب کے نزول کی تھی۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس سے پہلے اس قسم کا کوئی حکم نازل ہو چکا تھا کہ "جب کبھی کوئی مسلم سوال کرنے آئے تو آپ کافروں کو چھوڑ دیں اور مسلم کی طرف توجہ کریں"؟

اگر ایسا کوئی حکم نازل ہو چکا ہوتا تو پھر آپ کا یہ فعل جرم ہوتا اور عتاب بھی نازل ہوتا لیکن حکم تو بعد میں نازل ہوا اور وہ بھی صراحتاً نہیں حکایتاً۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے عدم توجہی کے فعل کو حکایتاً بیان کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ آپ کو علم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى — آپ کو علم نہیں کہ شاید وہ پاکی حاصل کرتا۔

بتلائیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ نابینا صحابی آپ سے پاکی حاصل کرتا اور فائدہ اٹھاتا اور کافر کا بھروسہ نہیں کہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے تو جو فعل لاعلمی میں ہو وہ گناہ کس طرح ہوگا؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے فعل کو تو بیان کیا لیکن تنبیہ کچھ نہیں کی۔

آئندہ نافذ ہونے والے کسی حکم کی خلاف ورزی نافرمانی نہیں ہوتی اور جب نافرمانی ہی نہیں ہوتی تو عتاب کیسے نازل ہوتا؟

شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب پیتے تھے کیا وہ گناہگار ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔

ان آیات کے نزول کے بعد اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ جب کبھی غیر مسلموں کو دعوت دی جائے اور اس دوران کوئی مسلم آ جائے تو اس مسلم کو ترجیح دینی ہوگی اور ان غیر مسلم کفار کی خواہ وہ کتنے ہی ذی مرتبہ کیوں نہ ہوں پرواہ نہیں کی جائے گی۔

بداخلاقی کا جو فعل نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف منسوب کیا گیا ہے

اس بہتان عظیم پر کسی نے نہ ترجمہ کی اور نہ تحقیق کی زحمت گوارا کی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت درایتاً بھی غلط ہے اور سنداً بھی غلط ہے بلکہ سنداً جھوٹی ہے۔ ایسی روایت کی بنیاد پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہتان لگانا کہ آپ سے بداخلاقی بھی ہو جایا کرتی تھی اور اسی کی بنیاد پر سورہ عَبَسَ کا غلط ترجمہ کرنا یقیناً قابل مذمت بھی ہے اور قابل افسوس بھی۔

مذکورہ ترجمہ اس اعتبار سے بھی باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق کی سند نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (نٓ۔۴)

(اے رسول) بے شک آپ عظیم (الشان) اخلاق پر فائز ہیں۔

ایسی معرکۃ الآرا سند کی موجودگی میں کسی ایک نے بھی اس گمراہ کن ترجمے کی تردید نہیں کی سب ہی مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے حتیٰ کہ احمد رضا خان صاحب بریلوی جو احترام و عقیدت کے معاملے میں بڑے محتاط تھے انہوں نے بھی اس بات کی پرواہ نہ کی اور نہ تردید کی اور وہی ترجمہ کیا جو دوسرے کرتے چلے آئے تھے۔

بعض لوگ ہم پر یہ طعن کرتے ہیں کہ لو جی ! یہ بریلویوں سے بھی آگے نکل گئے۔

جی ہاں ! ہم یقیناً ادب و احترام کے معاملے میں آگے نکل گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ادب و احترام بڑی ضروری چیز ہے۔ ہم موحد ضرور ہیں لیکن باادب۔ اگر احترام و عقیدت میں غلو نہ ہو تو یہ خصوصیت ہر موحد کے لئے ضروری ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے :۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (الحج ۔ ۳۰)

اور جو شخص اللہ کی محترم قرار دی ہوئی چیزوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے ہاں اس کے لئے بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ شعائر اللہ کی تعظیم تو ایک خیر ہے اور اس خیر کے حصول کے لئے تعظیم بڑی ضروری چیز ہے لیکن احترام و عقیدت کے لئے جو شرط ہے اسے ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ آگے ارشاد فرماتا ہے :۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (الحج ۔ ۳۱)

اور جو شخص اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر یا تو اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اس کو دور دراز مقام پر لے جا کر ڈال دے۔

معلوم ہوا کہ ہر حالت میں شرک کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور مشرک کی ہر لحاظ سے کامل بربادی

ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ تعظیم و تکریم اور ادب و احترام بھی شرک ہے یہی وجہ ہے کہ اس مثال کے بعد اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں فرماتا ہے :-

ذٰلِكَ ، وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ (الحج - ۳۲)

یہ (سن چکے تو اب مزید سنو) جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔

ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردہ چیزوں کی تعظیم و تکریم کرتا ہے وہی متقی ہے یعنی شعائر اللہ کی تعظیم وہی کرے گا جس کے دل میں تقویٰ ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف منسوب ہیں لہٰذا آپ کی تعظیم و تکریم ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی تعظیم و تکریم کی ہمیں تعلیم دی ہے اور قرآن مجید میں اس قسم کی متعدد آیات موجود ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (الحجرات - ۱)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الحجرات - ۲)

اے ایمان والو نبی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور ان سے بات کرتے وقت اتنے زور سے بات نہ کرو جتنے زور سے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

غور فرمائیے تعظیم و تکریم کی کیسی تاکید ہے کہ بلند آواز سے بات کرنے کی اجازت بھی نہیں۔ یہ احترام نہیں تو اور کیا ہے ؟

اس احترام کو اس قدر ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے کہ اگر اس کی خلاف ورزی کی گئی تو سارے اعمال حبط، گویا عدم تعظیم کو شرک سے جا ملایا کیونکہ شرک کی صورت میں بھی حبط اعمال کی سخت وعید سنائی گئی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ

جو لوگ رسول پر ایمان لائے، ان کا احترام کیا، ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو

مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ان پر نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے

(اعراف - ۱۵۷) والے ہیں۔

(عَزَّرُوْا) عَزَّرَ۔ یُعَزِّرُ۔ تَعْزِیْرٌ (باب تفعیل) کے معنی ہیں ادب واحترام کرنا۔

جو سزا ادب واحترام سکھانے کے لئے دی جائے اس سزا کو بھی لوگ تعزیر کہنے لگے ہیں حالانکہ تعزیر کے معنی تو احترام کے ہی ہیں۔

صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے۔ حضرت اسامہؓ بن شریک فرماتے ہیں:۔

اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُہٗ کَاَنَّمَا عَلٰی رُءُوْسِھِمُ الطَّیْرُ (ابوداؤد جزء ۲ صفحہ ۱۸۳ سندہٗ صحیح)

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ کے اصحاب اس طرح (بیٹھے ہوئے) تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کس قدر ادب واحترام کرتے تھے اب اگر ہم احترام کرتے ہیں تو یہ طنز کیا جاتا ہے کہ یہ تو بریلیوں سے بھی دو قدم آگے نکل گئے ہیں۔

الغرض ادب واحترام کے سلسلہ میں متعدد آیات و احادیث ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں تعزیر کا اصل موضوع عَبَسَ کے معنی اور اس کا شانِ نزول ہے۔ قرآن مجید کی مذکورہ سورۃ سب ہی پڑھتے رہے لیکن اس کے جو معنی کئے گئے اس پر کسی نے نہ غور کیا اور نہ تحقیق کی زحمت گوارا کی۔

سوال یہ ہے کہ "عَبَسَ" کا فاعل کون ہے؟ فاعل کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بعض لوگ شاید یہ کہیں کہ اس کا فاعل ضمیر مرفوع متصلہ موجود ہے۔ لیکن ضمیر میں تو اسم پوشیدہ ہوتا ہے۔ ظاہر نہیں ہوتا لہٰذا ضمیر سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کون شخص ہے جس کے لئے عَبَسَ وارد ہوا ہے۔

اگر بالفرض محال عَبَسَ کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر "عَبَسْتَ وَتَوَلَّیْتَ" کیوں نہیں کہا گیا؟ (یعنی) اے رسول آپ نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیر کر چلدیئے۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر عَبَسَ کہہ کر کس فاعل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا فاعل کوئی اور ہے اور بلاوجہ ضمیر غائب کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا گیا۔

جب کہا گیا کہ اگر عَبَسَ وَتَوَلّٰی کے فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو عَبَسَ وَتَوَلّٰی کے بجائے "عَبَسْتَ وَتَوَلَّیْتَ" ہونا چاہیئے تھا۔ تو اس کا جواب بھی گھڑ لیا گیا۔ کہنے لگے کہ اللہ تعالےٰ نے احتراماً غائب کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا اور دوسری طرف کہتے ہو کہ اللہ تعالےٰ نے احتراماً کہا ہے۔

کیا یہ عجیب وغریب تضاد نہیں کہ عتاب بھی ہو رہا ہے اور احترام بھی ہو رہا ہے؟

الغرض علماء مفسرین نے ایسی سنگین اور متضاد صورتحال کی کوئی تردید نہیں کی البتہ شیعہ مفسرین نے اس کی سخت تردید کی ہے۔
شیخ طوسی تبیان میں لکھتے ہیں :۔

وَهٰذا فاسد لان النبی صلی الله علیه وسلم قد اجل الله قدرهٗ عن هٰذه الصفات وکیف یصفه بالعبوس والتقطیب وقد وصفه بانه علیٰ خلق عظیم وقال ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك وکیف یعرض عمن وصفه مع قوله تعالیٰ " ولا تطرد الذین یدعون ربهم بالغدوٰة والعشی یریدون وجهه " ومن عرف النبی صلی الله علیه وسلم وحسن اخلاقه وما خصه الله تعالیٰ به من مکارم اخلاقه وحسن الصحبة حتی انه لم یصافح احدًا قط فینزع یده من یده حتی یکون ذٰلك الذی ینزع یدهٗ من یدهٖ فمن هٰذه الصفة کیف یقطب فی وجهه الاعمیٰ جاء بطلب الاسلام وعلیٰ ان الانبیاء منزهون عن مثل هذه الاخلاق لما فی ذٰلك من التنفیر عن قبول قولهم وقال قوم ان هذه الایات فی الرجل من بنی امیه کان واقفا مع النبی صلی الله علیه وسلم فلما اقبل ابن ام مکتوم تنفر منه وجمع نفسهٗ وعَبَسَ فی وجهه فحکی الله تعالیٰ ذٰلك وانکره معاتبة علیٰ ذٰلك (تعلیقات

یہ فاسد ہے اس لئے کہ اللہ نے آپ کی قدر ومنزلت کو ان صفات سے بلند وبالا کر دیا ہے اور وہ کیسے آپ کو عبوس اور ترش روئی سے منسوب کرسکتا ہے جبکہ اس نے آپ کا وصف یہ بیان کیا ہے کہ آپ خلق عظیم پر ہیں اور اس نے فرمایا ہے اور اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے اردگرد سے بھاگ جاتے اور وہ ایسے شخص سے کس طرح روگردانی کرسکتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو" اور اے رسول آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالئے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں" اور جو شخص آپ کو، آپ کے مکارم اخلاق کو جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر آپ کو دیئے تھے اور آپ کے حسنِ صحبت کو پہچانتا ہے (وہ کبھی ترش روئی کے فعل کو آپ کی طرف منسوب نہیں کرسکتا) یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ جب کبھی مصافحہ کرتے تھے تو اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے جب تک دوسرا آدمی اپنا ہاتھ نہیں کھینچتا تھا تو جس کی یہ صفات ہوں وہ کیسے ایک نابینا کے آنے پر جو اسلام طلب کرنے آیا ہو بداخلاقی کرسکتا ہے اور (یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ) انبیاء اس قسم کے اخلاق سے پاک ہوتے ہیں اس لئے کہ اس سے ان کے قول کو قبول کرنے سے ایک قسم کی نفرت ہوتی ہے۔ ایک قوم نے کہا یہ بنی امیہ کا ایک شخص تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

السید طیب الموسوی الجزائری علی تفسیر القمی جلد ۲ ص ۴۰۴)

ٹکڑا تھا۔ جب ابن ام مکتوم آئے تو اس نے ان سے نفرت کی، اپنے نفس کو جمع کیا اور ان کو دیکھ کر تیوری چڑھائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کیا۔ اس پر عتاب کرتے ہوئے (اللہ تعالیٰ نے) اس کی برائی ظاہر کی۔

دوسرے شیعہ مفسر الفضل بن الحسن الطبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

قال المرتضیٰ علم الهدیٰ قدس الله روحه. لیس فی ظاهر الآیة دلالة علی توجهها الی النبی صلی الله علیه وسلم هو خبر محض لم یصرح بالمخبر عنه وفیها یدل علی ان المعنی بها غیره لان العبوس لیس من صفات النبی صلی الله علیه وسلم مع الاعداء المباینین فضلا عن المؤمنین المسترشدین فانظاهر ان قوله (عَبَسَ وَتَوَلّٰی) المراد به غیره وقد روی من الصادق (ع) انها نزلت فی رجل من بنی امیه کان عند النبی صلی الله علیه وسلم فجاء ابن ام مکتوم فلما رآه تقذر منه وجمع نفسه وعَبَسَ واعرض بوجهه عنه فحکی الله سبحانه ذلك (مجمع البیان فی تفسیر القران جزء ۱۰ ص ۲۶۶)

المرتضیٰ علم الہدیٰ قدس اللہ روحہ نے کہا آیت کے ظاہر میں اس بات کی دلالت نہیں ہے کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بلکہ یہ محض ایک خبر ہے اور جس کے متعلق خبر دی گئی ہے اس (کے نام) کی صراحت نہیں ہے بلکہ اس میں اس بات کی دلالت ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے متعلق ہے اس لئے کہ تیوری چڑھانا کھلے دشمنوں کے ساتھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے نہیں چہ جائیکہ مؤمنین وہدایت یاب لوگوں کے ساتھ ہو۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول (عَبَسَ وَتَوَلّٰی) سے کوئی اور مراد ہے۔ (امام جعفر) صادق سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ آیت بنی امیہ میں سے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ اسی اثناء میں ابن ام مکتوم آگئے۔ جب اس نے ان کو دیکھا تو ان سے نفرت کی۔ اپنے نفس کو جمع کیا، تیوری چڑھائی اور ان سے منہ پھیر لیا۔ اللہ سبحانہ نے اس (واقعہ) کو حکایتاً بیان کیا۔

اس کے علاوہ شیعہ مفسر استاد محسن الملقب بہ "الفیض الکاشانی" نے بھی اپنی تفسیر الصافی میں امام جعفر صادق کا وہی قول بیان کیا ہے جو مجمع البیان کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے (تفسیر الصافی جزء ۵ ص ۲۸۳)

دوسرے علماء کی تفسیروں میں یہ چیز نہیں ملتی جو شیعوں کی تفسیروں میں مل رہی ہے گویا فاسد باتوں کی تردید شیعہ مفسرین نے کی لیکن دوسرے علماء مکھی پر مکھی مارتے رہے۔ دوسرے علماء میں سے اگر داؤدی نے یہ کہہ بھی دیا "ھوالکافر" تیوری چڑھانے والا کافر تھا تو حافظ ابن حجر نے یہ کہہ کر اُسے رد کر دیا: اغرب الداؤدی۔ داؤدی نے غریب یعنی اجنبی بات کہی (فتح الباری پ۱۸)

الغرض دوسرے علماء نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ خود اس الزام کی کس انداز میں تردید کر رہا ہے جو علماء مفسرین نے اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی پر لگایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران - ۱۵۹)	(اور اے رسول) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ مؤمنین کے لئے بڑے نرم واقع ہوئے ہیں اور اگر آپ بد اخلاق وسخت دل ہوتے تو یہ آپ کے اردگرد سے بھاگ جاتے۔

بتایئے اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی اور نرم دلی کی تعریف کر رہا ہے اور یہ کہتے ہیں آپ بد اخلاقی سے پیش آئے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتا ہے :-

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم - ۱تا۴)	نٓ۔ قلم کی قسم اور اس چیز کی قسم جو لوگ لکھتے ہیں آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں۔ آپ کے لئے نہ منقطع ہونے والا اجر ہے اور بے شک آپ خلق عظیم پر (فائز) ہیں۔

غور فرمایئے کہ کیسی عظیم چیز (قلم) کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی سند اوپر سے نازل فرما رہا ہے۔ قلم کی قسم بڑی عجیب وعظیم قسم ہے۔

بنی نوع انسان پر قلم کے کتنے احسانات ہیں اور اس کے کتنے عظیم الشان فوائد ہیں جن کا شمار انسان کے بس سے باہر ہے۔

آج ساری دنیا کی تاریخیں، علوم، فنون اسی قلم کی مرہون منت ہیں۔ قلم ہی کی بدولت ہر قسم کے علوم سیکھے اور سکھائے جا رہے ہیں اور یہ قلم ہی کا کارنامہ ہے کہ شریعتِ الٰہیہ کے دو ماخذ (قرآن مجید اور احادیث صحیحہ) تحریری شکل میں موجود ہیں۔

اسی طرح آیت مذکورہ میں لفظ عظیم بھی انتہائی غور طلب ہے۔ لفظ عظیم کی عظمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ	کہہ دیجئے کہ دنیا کا مال ومتاع بہت تھوڑا ہے۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتا ہے :-

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (نحل - ۱۸)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو گن نہیں سکتے۔

یہ قلیل نعمتوں کا عالم ہے جنہیں ہم گننے سے قاصر ہیں تو جس چیز کو عظیم کہا گیا ہے اس کی وسعتوں کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ فرماتی ہیں:-

ان خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔

یعنی وہ تمام مکارم اخلاق اور اوصاف حمیدہ جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا شدید ترین دشمن تھا اور ہمیشہ آپ کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا لیکن جب اس فتنہ پرور کا انتقال ہوا تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کھڑے ہو گئے یہی نہیں بلکہ اس کے جسم پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اپنی قمیص اس کے کفن کے لئے دی یہ آپ کے حلم و بردباری، عفو و درگزر اور رحم و کرم کی ایسی عظیم الشان مثال ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ (مسند احمد جزء ۱۷ صفحہ ۔ تحقیق احمد محمد شاکر)

مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ میں اخلاق کے حقوق اور واجبات کی تکمیل کروں۔

الغرض ان آیات و احادیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ ترین اخلاق کے منصب پر فائز تھے۔

کسی شخص کا انہیں رسول تسلیم کرنا اور ان کو بد اخلاق بھی کہنا در اصل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کیونکہ اجتماع ضدین باطل ہے لہٰذا یہ دونوں باتیں کبھی بھی ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں اور پھر ایسی ہستی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ بلند ترین اخلاق پر فائز ہیں تو پھر اس ہستی کے بارے میں کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ وہ بد اخلاقی کر سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر ان آیات کا اصل مطلب کیا ہے؟

اول تو یہ کہ عَبَسَ کا صیغہ واحد غائب کا صیغہ ہے، مخاطب کا صیغہ نہیں ہے لہٰذا اس کے فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو پہلے بیان کی جا چکی ہے صحیح سند سے مسند ابو یعلیٰ اور دوسری کتب احادیث میں موجود ہے اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیوری چڑھانے کا ذکر نہیں ہے۔ اس حدیث کے الفاظ پھر سن لیجئے۔

جاء ابن ابی مکتوم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یکلم ابی ابن خلف فاعرض عنہ فانزل اللہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی (مسند ابی یعلیٰ جزء ۵ ص۴۳۲) سند صحیح۔

(عبداللہ ابن ام مکتوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ اس وقت ابی ابن خلف سے بات کر رہے تھے۔ ابی ابن خلف نے ان سے اعراض کیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی " اس نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیر کر چلا گیا"۔

مذکورہ حدیث میں نہ عتاب کا ذکر ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیوری چڑھانے اور منہ پھیرنے کا ذکر ہے۔

اس حدیث سے سارا معاملہ صاف ہوجاتا ہے کہ بداخلاقی کا مرتکب اُبی ابن خلف تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس۔ ابی ابن خلف نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑ کر چلا گیا۔

بہر حال اصل حقیقت کیا تھی اور کیا بنا دی گئی۔

مزید برآں ابی ابن خلف والی بات کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں متعدد واقعات قرآن مجید میں موجود ہیں کہ اس قسم کی ذلیل حرکتیں کافر قوم کے سردار و رؤساء اکثر کرتے رہتے تھے اور اس قسم کی حرکتیں کفارِ مکہ کے رؤساء بھی کیا کرتے تھے وہ بھی اسی قسم کے مطالبے کیا کرتے تھے۔ یہی خصلتِ بد ابی ابن خلف میں بھی موجود تھی جب اس نے دیکھا کہ ایک نابینا اور غریب شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیا تو فوراً حقارت سے اس کی تیوری پر بل آگئے اور اس نے منہ پھیر لیا اور پوری بات سنے بغیر ہی اٹھ کر چل دیا۔

اس شانِ نزول کی روشنی میں یہ چیز ثابت ہوگئی کہ عَبَسَ کا فاعل صرف اور صرف ابی ابن خلف تھا۔

اب تولّٰی کے معنی بھی سن لیجیے۔ تَوَلّٰی کے معنی ہیں: اعراض کیا اور چھوڑ دیا (مصباح اللغات)

توجہ نہ کرنا اور قرب کا ترک کرنا (مفردات القرآن امام راغب اصفہانی)

اعراض کیا اور ترک کیا (محیط المحیط)

ان معنوں کی روشنی میں واضح ہوا کہ تَوَلّٰی کا اطلاق اسی پر ہوگا جو اپنی جگہ چھوڑ کر چلا جائے، اس پر نہیں ہوگا جو اپنی جگہ پر موجود ہو کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو وہیں تشریف فرما تھے۔ اعراض کرنے اور مجلس کو ترک کرکے اٹھ کر چلنے والا ابی ابن خلف تھا لہٰذا "عَبَسَ وَتَوَلّٰی" کا فاعل ابی بن خلف ہوا نہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ الغرض "تَوَلّٰی" کے معنی کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ تیوری چڑھا کر جانے والا ابی بن خلف تھا۔ اس سے اگلی آیت ہے جو یہ ارشاد فرمایا گیا کہ "وَمَا

يُذَّكِّرُ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى" تو یہ ایک تسلی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی کہ وہ (یعنی) ابی ابن خلف جاتا ہے تو جانے اس کی پرواہ نہ کریں آپ کو نہیں معلوم کہ وہ جو (نابینا) آپ کے پاس آیا ہے توقع ہے کہ وہ آپ سے پاکی حاصل کرے جبکہ اس متکبر کافر کا بھروسہ نہیں کہ وہ ایمان لائے لہٰذا آپ اس پر توجہ کریں جو آپ سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں بھی ایک تسلی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا" اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ○ آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں جو پرواہ ہی نہیں کرتا۔

یہاں لفظ "تَصَدّٰى" غور طلب ہے۔

تصدّٰی کے معنی ہیں: توجہ کرنا ، صدائے بازگشت کی طرح کسی چیز کے درپے ہونا (مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی)

صدائے بازگشت اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے ٹکرا کر واپس آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آواز پیچھا کر رہی ہے۔ لہٰذا تصدّٰی سے مراد وہ صدائے بازگشت تھی جو ابی ابن خلف کا پیچھا کر رہی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جانے کے بعد بھی اس کو بلا رہے تھے۔ رحمت للعالمین خیرالانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امید تھی کہ وہ کافر ایمان لے آئے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ شخص آپ کی خیرخواہانہ پکار کی طرف توجہ نہیں کرے گا لہٰذا (اما من استغنٰى) فرما کر روک دیا کہ جو شخص متکبرانہ انداز سے منہ پھیر کر چلا گیا ہے آپ اس کی طرف توجہ ہی کیوں کرتے ہیں؟ توجہ تو اس کی طرف کریں جو آپ سے پاکی حاصل کرنے آپ کے پاس چل کر آیا ہے۔

تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے:۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ○ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ○ وَهُوَ يَخْشٰى ○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ○

اگر وہ پاکی حاصل نہیں کرتا تو آپ پر کوئی (الزام) نہیں اور جو شخص آپ کے پاس چل کر آیا ہے اور وہ ڈرتا بھی ہے تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

یعنی آپ کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے جس کے پاکی حاصل کرنے کا امکان ہو۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پھر تسلی دی۔ فرمایا:۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ○ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ○

ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک نصیحت ہے لہٰذا جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

یعنی اگر وہ نصیحت حاصل کرنا نہیں چاہتا تو اس کی فکر نہ کیجیئے۔ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کی طرف توجہ کیجیئے۔

ان آیات سے جو نتیجہ سامنے آیا وہ یہ کہ جب کبھی کسی داعی الی الحق کے سامنے ایسا مرحلہ آجائے تو اسے ایک غریب مسلم کو ترجیح دینی ہوگی خواہ اس کی مجلس میں بڑے بڑے رؤسا و اعلیٰ عہدیدار کفار ہی کیوں نہ ہوں کیوں کہ حقیقی عزت و احترام کے مستحق مؤمنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون - ۸)

عزت اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے ہے۔

اس سلسلہ میں جو بات قابل ذکر ہے اسے بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں جو بطور حکم پہلے نازل ہو چکی ہو اور جس کی خلاف ورزی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو لہٰذا کسی گناہ کا سرزد ہونا ہی بعید ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے :-

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (توبہ - ۴۳)

(اے رسول) اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے ان (منافقین) کو (لڑائی پر نہ جانے کی) اجازت کیوں دی (اگر آپ اس وقت تک اجازت کو مؤخر کر دیتے) جب تک سچے آپ پر ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں سے آپ واقف نہ ہو جاتے۔

منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور مختلف قسم کے حیلے، بہانے پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں جنگ میں شرکت کرنے سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی لیکن اللہ عالم الغیب کو منافقین کے نفاق اور مکر و فریب کا علم تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ کر دیا کہ اگر آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو ان کے نفاق کا بھانڈا سر راہ پھوٹ جاتا کیونکہ یہ جھوٹے کسی حالت میں بھی جنگ کرنے نہ جاتے۔

بتائیے اس میں کیا غلطی ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ پہلے یہ حکم نازل فرما دیتا کہ " ان منافقین کو ہرگز اجازت نہ دینا "، اس حکم کے بعد اگر اجازت دی جاتی تو یقیناً یہ گناہ ہوتا۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے عبداللہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے منافق باپ کی نماز جنازہ پڑھانے اور مغفرت کی درخواست کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست کو منظور فرمایا اور نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ تو منافق ہے اس نے فلاں دن یہ یہ کہا اور اس کی کئی ناشائستہ باتیں گنوانے کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- اللہ تعالیٰ نے مجھے (دعا کرنے یا نہ کرنے کا) اختیار

دیا ہے (منع نہیں کیا) جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (توبہ - ۸۰)

آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اگر میں سمجھتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے یہ بخش دیا جائے گا تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا۔ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھا دی۔

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا:۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (توبہ - ۸۴)

(صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ براء)

(اے رسول) منافقین میں سے جب کوئی مر جائے تو آئندہ آپ کبھی اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مر گئے۔

معلوم ہوا کہ اس حکم سے پہلے استغفار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں تھا لیکن جب ممانعت کا حکم نازل ہوا تو آپ نے اس فعل کو ترک کر دیا۔ اگر بالفرض محال اب بھی ترک نہ کرتے تو گناہ کا صدور ہوتا۔

اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

یہ غلط تاثر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیدیوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: یہ ہمارے چچا کی اولاد ہیں اور ہمارے خاندان کے ہی افراد ہیں میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان کو کچھ مال کے عوض چھوڑ دیجئے تاکہ اس مال سے آئندہ کفار سے مقابلہ کرنے کے لئے سامانِ جنگ خریدا جاسکے اور شاید اللہ تعالیٰ (بعد میں) انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اے خطابؓ کے بیٹے تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اللہ کی قسم میری وہ رائے نہیں جو ابوبکرؓ نے دی ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کریں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ عقیلؓ کو علیؓ کے حوالے کیجئے تاکہ وہ انہیں قتل کر دیں اور مجھے میرے فلاں عزیز کو دیجئے تاکہ میں اس کی گردن اڑا دوں اور یہ بہت ضروری ہے کیونکہ یہ کفر کے سردار ہیں اور اس

کے مہرے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پسند آئی۔ آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند نہیں فرمایا (صحیح مسلم کتاب الجہاد)۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں علم اور عفو و درگذر بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا لہٰذا آپ نے ان کے قتل کو پسند نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کو فدیہ لے کر چھوڑنے والا عمل پسند نہیں آیا۔ فوراً یہ آیت نازل فرمائی:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ
(انفال - ٦٧)

نبی کے یہ شایانِ شان نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جب تک کافروں کو خوب قتل (کر کے ملک میں اپنا رعب) نہ (قائم) کرلے۔

اصل میں بات کیا تھی؟ اس پر کسی نے غور نہیں کیا۔
اللہ تعالےٰ نے جنگِ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ایک خاص حکم کو مخفی رکھا تھا۔ اُسے پہلے ظاہر نہیں کیا یعنی اس حکم کو اس وقت نازل فرمایا جب فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینے کی کارروائی عمل میں آچکی تھی۔
اللہ تعالیٰ نے جس حکم کو بعد میں نازل فرمایا وہ درج ذیل ہے۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا
(انفال - ۶۸)

اگر اللہ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا (کہ تمہیں معاف کر دیا جائے گا) تو جو مال تم نے لیا اس کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا (خیر جو ہوا سو ہوا اب) جو مالِ غنیمت تمہیں ملا ہے تم اسے حلال و طیب سمجھ کر کھا سکتے ہو۔

ظاہر ہے کہ حکم بعد میں نازل ہوا تو اس حکم کی نافرمانی کیسے ہوئی؟
جب نافرمانی ہی نہیں ہوئی تو عتاب یا ناراضگی کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔ اگر نافرمانی ہوتی تو عذاب نازل ہوتا۔
اللہ تعالیٰ کا جو منشا تھا وہ بعد والوں کے لئے حکم بن گیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر نبی کے پاس قیدی ہوں تو یہ ضروری ہے کہ ان کو اچھی طرح قتل کر دیا جائے تاکہ دشمن پر مسلمین کی دھاک بیٹھ جائے اور وہ اتنا کمزور ہو جائے کہ آئندہ مقابلہ کی جرأت نہ کر سکے لیکن یہ حکم بعد میں نازل ہوا تو اس حکم کی خلاف ورزی کیسے ہوئی؟ اور جب خلاف ورزی نہیں ہوئی تو گناہ کیسے ہوا۔
البتہ ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی جن لوگوں نے دنیا طلبی کے لئے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ

تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا

الْآخِرَةَ (انفال - ۶۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم تھا۔ آپ نے مشورہ کیا اور مشورہ ہی کے مطابق عمل کیا اس میں کون سی غلطی تھی؟

الغرض قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے جو پہلے نازل ہو چکا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خلاف ورزی کی ہو۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر معصوم عن الخطاء نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار ثابت کرنا اور قرآن مجید کی آیات کو غلط معنی پہنانا زیادتی ہی نہیں بلکہ بہت بڑا کفر ہے۔

مرتب: محمد یوسف۔ مدیر "المسلم"

برسبیل تذکرہ

لوگ ہم سے اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ تو کہتے ہیں کہ امام بنانا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے تو پھر بتایئے کہ آپ کیسے امام بن گئے؟ آپ کو کس نے امام بنایا؟

یہ عجیب و غریب اعتراض ہے۔ اللہ تعالیٰ تو وہ امام بناتا ہے جو اپنے قول و فعل میں قطعی معصوم ہو، جس کا ہر فقرہ ضابطۂ حیات ہو، جس کی ہر ادا منظور شدہ ہو، جس کے لئے اللہ تعالیٰ خود گواہی دے کہ میرے بنائے ہوئے امام رسول نبی واتی کی پیروی کروگے تو ہدایت ملے گی ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا امام قیامت تک کے لئے ہے، ان پڑھ ہونے کے باوجود جاہل نہیں بلکہ ایسا جامع عالم کہ ان جیسا عالم آج تک نہ پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔

بتایئے کہاں وہ امام اور کہاں انسانوں کے بنائے ہوئے امام۔ اس واضح اور روشن حقیقت کے ساتھ ساتھ معترض حضرات اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھیں کہ دنیا والے جس کو امام بناتے ہیں خواہ وہ کسی جماعت کا امام یا امیر ہو یا کسی مسجد کا امام ہو یا کسی علم و فن میں مہارت تامہ رکھنے کی بنیاد پر امام بنایا گیا ہو وہ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ کا مصداق ہرگز نہیں اور نہ ہی وہ قیامت تک کے لئے واجب الاطاعت ہوتا ہے۔ وہ صرف عارضی اور ایک خاص مدت کے لئے امام ہوتا ہے۔

مزید برآں دنیا والے جس کو امام بناتے ہیں وہ ان پڑھ نہیں ہوتا بلکہ عموماً کسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے کی سند کی بنیاد پر امام بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ اعتراض لغو بھی ہے اور منصب امامت کی اصل روح کو نہ سمجھنے کا شاخسانہ بھی ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ آپ کو کس نے امام بنایا؟ تو یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔ بہرحال مجھے تو ان لوگوں نے امام بنایا جو میری طرح فرقوں سے بیزار تھے اور یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ بغیر امیر یا امام کوئی جماعت چل نہیں سکتی لہٰذا میرا انتخاب بھی دین کی ایک ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔

دنیا والے جب نمازِ باجماعت کے لئے کسی امام کو منتخب کرکے اسے منصب امامت تفویض کرسکتے ہیں تو کیا کسی ایسی جماعت کے لوگ جو خالص دینِ اسلام کا داعیہ لے کر اٹھے ہوں کسی امام کا انتخاب نہیں کرسکتے؟

انتباہ

ڈاکٹر مسعودالدین عثمانی کیماڑی والے سے جماعت المسلمین کا کوئی تعلق نہیں جماعت المسلمین ان کے بعض عقائد سے سخت بیزار ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کرکے سخت گستاخی کی ہے جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ذراسی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۲۱ ماہ ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ

جماعت کی اہمیت اور آزادی کی قربانی

انسان اپنی زندگی کے کسی بھی حصہ میں پوری طرح آزاد نہیں ہوتا۔ بچہ اگر آگ کی طرف جاتا ہے تو ماں باپ یا دوسرے افراد اُسے روک دیتے ہیں۔ اگر وہ کنوئیں کی طرف بھاگ کر جارہا ہے تو اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ اگر وہ زمین سے کوئی گری پڑی چیز اٹھا کر منہ میں رکھ لیتا ہے تو اُسے اُس کے منہ سے زبردستی نکال لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ دوسروں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ صرف وہی کام کرسکتا ہے جس کام کو دوسرے اُسے کرنے دیں۔ وہ زندہ بدست زندہ ہوتا ہے۔

جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو ماں باپ کا محکوم ہوتا ہے۔ اُسے ماں باپ کی

اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ اطاعت نہیں کرتا تو سزا ملتی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے ہر کام نہیں کر سکتا۔ وہ بس وہی کام کر سکتا ہے جس کی اجازت ماں باپ کی طرف سے ہوتی ہے۔

جب وہ جوان ہوتا ہے تو رسم ورواج اور معاشرت کے بندھنوں میں بندھ جاتا ہے۔ حکومت کے قوانین، قواعد وضوابط پر اُسے عمل کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے سڑک پر بھی نہیں چل سکتا۔ نہ معاشرہ، نہ برادری اور نہ حکومت اُسے کھلی چھٹی دیتی ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ برادری کے اصول وضوابط کی خلاف ورزی سے مقاطعہ تک نوبت پہنچتی ہے۔ حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی اُسے جیل تک پہنچا دیتی ہے۔

جب وہ بوڑھا ہوتا ہے تو پھر زندہ بدست زندہ کا مصداق بن جاتا ہے۔ جوان اولاد اس کی خواہش یا احکام پر عمل نہیں کرتی۔ جوان اولاد اس کی صریح طور پر نافرمانی کرتی ہے اور کبھی اس کو سٹھیایا ہوا سمجھ کر اس کے احکام کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

۲۔ انسان اپنی زندگی میں کبھی بھی کلیتہً آزاد نہیں ہوتا۔ اس کی آزادی صرف اسی حد تک ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کرے دوسرے افراد یا رائج الوقت قوانین اس سے اتفاق کریں اور وہ جو کچھ کر رہا ہے اسے کرنے دیں۔ یہ آزادی نہیں بلکہ دوسروں کی رضاء یا قوانین کی مطابقت کی پابندی ہے۔

الغرض انسان پابند ہے، مقیّد ہے لہٰذا یہ کہنا کہ انسان فطرتاً آزاد ہے محض دعویٰ ہے جس کی دلیل کوئی نہیں۔ کتنا خوش قسمت ہے وہ انسان جو یہ سمجھ رہا ہے کہ کامل آزادی تو بہر حال مل نہیں سکتی، پابند رہنا فطری عمل ہے، آزادی تو کھونی ہی پڑتی ہے تو کیوں نہ اپنی آزادی کو اپنے مالک حقیقی کی رضاء پر قربان کر دے۔ جب ماں باپ، رسم ورواج، معاشرہ، اولاد اور حکومت کے لئے آزادی کو دل کی خوشی کے ساتھ یا بادل ناخواستہ قربان کرنا پڑتا ہے تو کیوں نہ خالق ومالک کے ضوابط واحکام کی خاطر اپنی آزادی کو دل کی خوشی کے ساتھ قربان کر کے دونوں

جہانوں میں سرخروئی اور کامیابی حاصل کی جائے۔

۳۔ کتنی عجیب بات ہے کہ دوسروں کے قواعد و ضوابط کے مقابلے میں اپنی آزادی کو قربان کرنا تو ہمیں ناگوار نہیں گذرتا لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے مقابلہ میں اپنی آزادی کو قربان کرنا ناگوار گذرتا ہے اور عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ آزادی انسان کا فطری اور پیدائشی حق ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پابندی انسان کی زندگی کا لازمی فریضہ ہے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا فطرت سے جنگ کرنا ہے۔ پابندی کے بغیر کوئی معاشرہ چل نہیں سکتا۔ پابندی ہی سے تمام معاملات میں توازن پیدا ہوتا ہے اور انسانی زندگی خوشحال رہتی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کے خلاف کچھ کہنے سے ایمان کی نفی ہوتی ہے لہذا اس کو امیر کے احکام کی پابندی کا نام دے کر اس کے خلاف خوب زہر اگلا جاتا ہے۔ آزادی کو انسان کا فطری حق قرار دے کر امیر کی اطاعت سے راہِ فرار اختیار کی جاتی ہے۔ یہ شیطان ہی کا فریب نہیں بلکہ فریبِ نفس بھی ہے۔ پوری زندگی انسان کسی نہ کسی شخص یا ضابطے کا پابند رہتا ہے لہذا یہ کہنا کہ آزادی انسان کا فطری اور پیدائشی حق ہے قطعاً صحیح نہیں۔

۴۔ قربانی کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً وقت کی قربانی، آرام کی قربانی، خواہشات کی قربانی، مال کی قربانی، جان کی قربانی، اولاد کی قربانی، مذاہب کی قربانی، رسم و رواج کی قربانی وغیرہ وغیرہ لیکن قربانی کی ایک قسم ایسی ہے جس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی حالانکہ وہ بہت اہم ہے اور وہ ہے آزادی کی قربانی۔

۵۔ اسلام ایک اجتماعی نظام ہے۔ اس نظام میں بہت سے شعبے ہیں، مثلاً شعبۂ نظامِ صلوٰۃ، شعبۂ نظامِ زکوٰۃ، شعبۂ نظامِ اقامتِ دین، شعبۂ نظامِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، شعبۂ نظام عدل و انصاف، شعبۂ نظامِ جہاد وغیرہ۔

۶۔ مندرجہ بالا شعبوں میں سے ایک بھی شعبہ ایسا نہیں جس میں آزادی کو قربان نہ کرنا پڑتا ہو۔ نظامِ صلوٰۃ کو لیجئے۔ اذان کی آواز آئے یا جماعت ہو رہی ہو تو جماعت سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھتا ہے تو وہ آزاد ہے جب

چاہے قرأت ختم کرے، جب چاہے رکوع کرے، جب چاہے سجدہ کرے لیکن اگر وہ جماعت میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ اُسے اختیار نہیں رہتا کہ وہ جب چاہے رکوع کرے اور جب چاہے سجدہ کرے۔ وہ اپنی آزادی کو قربان کرکے اپنے کو امام کی ہدایت کا پابند بناتا ہے۔ وہ اپنی مرضی اور اپنے ارادے سے اب کچھ نہیں کرسکتا۔ اب اس کی تمام حرکات وسکنات امام کی حرکات وسکنات کے تابع ہوتی ہیں۔ وہ وہی کرتا ہے جو امام کرتا ہے۔ اس سے سرِمُو انحراف نہیں کرتا حتیٰ کہ اگر امام غلطی بھی کرتا ہے تو وہ اس کی غلطی میں بھی اس کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ امام کی ہدایات کا منتظر رہتا ہے اور کچھ نہیں کرتا جب تک امام ہدایت نہ دے۔ گویا وہ اپنے کو کلیتہً بے بس و بے اختیار بنا لیتا ہے۔ سارے اختیارات امام کے حوالے کرکے بس اُسی کا ہو جاتا ہے اور نظامِ صلوٰۃ کے اجتماعی نظام میں گم ہو جاتا ہے۔ اس کی نہ ذاتی آزادی باقی رہتی ہے اور نہ انفرادیت۔

۷۔ کیونکہ اسلام کے تمام نظام امارت یا خلافت کے ماتحت ہی بخیر وخوبی چلتے ہیں لہٰذا نظامِ امارت یا نظامِ خلافت کا منعقد کرنا ضروری ہے اور اسی کے ماتحت پابند زندگی گزارنا بھی ضروری ہے۔ جس طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر نماز باجماعت میں شامل ہو کر اپنی آزادی کو قربان کرتا ہے اسی طرح ہر شخص کو چاہیئے کہ پورے دین کی اقامت ونفاذ کے لئے نظامِ امارت یا نظامِ خلافت میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر اپنی آزادی کو قربان کرے، اپنی انفرادیت اور انانیت کو قربان کرے اور اجتماعی نظام میں گم ہو جائے۔

۸۔ نظامِ امارت یا نظامِ خلافت میں شامل ہونے کے بعد ہر فرد کو

(۱) اپنی پسند اور ناپسند،

(۲) اپنی رائے اور اپنا اجتہاد،

(۳) انفرادیت اور انانیت،

(۴) ترجیح اور تقدیم،

⑤ اپنے حقوق اور اپنی آزادی
کو قربان کرنا ضروری ہے۔ اب وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ مجھے کیا ملا اور کیا نہیں ملا۔
اب وہ ذاتی پسند، اجتہاد، مقاصد اور مفاد سے بالاتر ہو کر تنظیم کی مضبوطی و
استحکام کے لئے کام کرے گا۔ ایسے شخص سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ
کسی بھی وقت تنظیم یا جماعت یا دوسرے الفاظ میں دین کو معمولی سا بھی نقصان پہنچائے
گا۔ ایسا ہی شخص جماعت کا سچا وفادار ہو سکتا ہے۔ جو شخص ایسی قربانی پیش
نہیں کر سکتا بلکہ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے وہ جماعت میں کبھی شامل
نہیں ہوگا اور اگر اتفاق سے شامل ہو گیا تو جماعت کے ساتھ چل نہیں سکے گا۔ وہ
آج نہیں تو کل ضرور جماعت کو چھوڑ دے گا۔

۹۔ جو شخص برضاء ورغبت، بغیر جبر واکراہ نظامِ جماعت میں شامل ہوتا ہے
وہ گویا اللہ تعالیٰ کی رضاء کا طالب ہوتا ہے، اس کی یہ شمولیت اس کے لئے عبادت
شمار ہوگی اور جو شخص بادلِ ناخواستہ، جبر واکراہ سے نظامِ جماعت میں شامل ہو
اس کی نیت اس شمولیت سے کیونکہ رضائے الٰہی نہیں ہوگی لہٰذا اس کو اس
شمولیت کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

۱۰۔ تمام مسلمین کو چاہئیے کہ نظامِ امارت کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنے تمام اختلافات
کو بھلا کر اور ہر قسم کی قربانی دے کر اس نظام کو قوت پہنچائیں تاکہ ہر جگہ اللہ تعالےٰ
کا کلمہ سربلند ہو اور ساری دنیا نغمۂ توحید سے معمور ہو جائے۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا
المسلمین
جماعت المسلمین
اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلمین رکھا ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۰۳

ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

امیر کی اطاعت

(۱) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ (النسآء - ۵۹)

اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو امراء ہوں ان کی اطاعت کرو۔

اس آیۂ مبارکہ سے اولوالامر یعنی امراء کی اطاعت فرض ہوئی۔ اس آیت میں امراء کے ساتھ حکومت کی کوئی شرط اللہ تعالےٰ نے نہیں لگائی لہذا ہر امیر کی اطاعت فرض ہے۔ اپنی طرف سے حکومت کی شرط کتاب اللہ پر زیادتی ہے اور یہ کفر ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنۡ یُّطِعِ الۡاَمِیۡرَ فَقَدۡ اَطَاعَنِیۡ وَ مَنۡ یَّعۡصِ الۡاَمِیۡرَ فَقَدۡ عَصَانِیۡ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء جزء ۲ صفحہ ۱۲۹)

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر امیر کی اطاعت فرض ہے۔ امیر کی

اطاعت کے لئے حدیث میں کوئی شرط نہیں ہے۔ اپنی طرف سے حکومت کی شرط لگانا شریعت سازی ہے اور یہ شرک ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ كَرِهَ مِنْ اَمِيْرِهٖ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ فَاِنَّهٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً ۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سترون بعدی امورا تنکرونها جزء ۹ ص۵۹ و صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعۃ جزء ۲ ص۱۳۴)

جس شخص کو امیر کی کوئی بات ناگوار گذرے تو صبر کرے کیونکہ جو شخص سلطان سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

سلطان کے معنی دلیل، حجت، اختیار اور قوت کے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ ○ (ھود-۹۶)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا (بنی اسرائیل-۳۳)

اور جو شخص ظلم کے ساتھ قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ وہ بدلہ لے لے)۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ

اے جنات اور انسانوں کی جماعت اگر

اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ○	تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ (لیکن) تم نہیں نکل سکتے بغیر قوت کے۔

(الرحمٰن - ۳۳)

حدیث مذکور کے پہلے جزو میں امیر کا لفظ ہے اور دوسرے جزو میں سلطان کا لفظ ہے جو امیر ہی کے لئے استعمال ہوا۔ کیونکہ امیر کو اپنے عہدۂ امارت کی وجہ سے ایک قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے اور کیونکہ اس کا حکم مامورین پر حجت ہوتا ہے اسی لئے اُسے سلطان کہا گیا ہے۔ بادشاہ کو بھی اسی لئے سلطان کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں قوت ہوتی ہے اور اس کا فرمان رعایا پر حجت ہوتا ہے۔

الغرض ہر امیر کی اطاعت فرض ہے اور اس کی اطاعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہونا ناجائز ہے۔ امیر ہی کی وجہ سے جماعت میں تنظیم اور تنظیم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ اگر امیر کی اطاعت نہ کی جائے تو تنظیم کی قوت جاتی رہے گی۔ امیر ہی جماعت کی قوت کا مرکز ہے اور اس مرکزیت ہی کی وجہ سے وہ خود ایک قوت اور سلطان ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ رَاٰى مِنْ اَمِيْرِهٖ شَيْئًا يَكْرَهُهٗ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔	جو شخص اپنے امیر کی کوئی ایسی بات دیکھے جو اُسے ناپسند ہو تو اس پر صبر کرے اس لئے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اور (اسی حالت میں) مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن جزو ۹ ص۵۹ و صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعۃ

جزء ۲ صفحہ ۱۳۶)

نوٹ : جاہلیّت سے مراد اسلام سے پہلے کا زمانہ یعنی کفر کا زمانہ ہے۔
اس حدیث کے پہلے جزء میں امیر کا لفظ ہے اور دوسرے جزء میں جماعت کا لفظ ہے گویا امیر کو چھوڑنا جماعت کو چھوڑنا ہے۔

(۵) حضرت عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں :-

دَعَانَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَایَعْنَاهُ فَقَالَ فِیْمَا اَخَذَ عَلَیْنَا اَنْ بَایَعَنَا عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِیْ مَنْشَطِنَا وَمَکْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَیُسْرِنَا وَاُثْرَةٍ عَلَیْنَا وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِیْهِ بُرْهَانٌ (صحیح بخاری کتاب الفتن جزء ۹ صفحہ ۵۹ وصحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء جزء ۲ صفحہ ۱۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا پھر ہم سے بیعت لی۔ آپ نے ہم سے جن باتوں پر بیعت لی وہ یہ تھیں کہ : (امیر کا حکم) سننا اور اطاعت کرنا، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی، تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی اور ترجیح کی صورت میں بھی اور (اس بات پر بھی بیعت لی) کہ امیر سے (اس کے) امر کے معاملہ میں جھگڑا نہ کرنا سوائے اس صورت کے کہ تم (اس کو) صریح کفر (کرتے) دیکھو جس (کو کفر ثابت کرنے) کے لئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل و برہان ہو۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ کَاَنَّ رَاْسَهٗ زَبِیْبَةٌ (صحیح بخاری

(امیر کا حکم) سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام ہی کو کیوں نہ (امیر) مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش

کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام ما لم تکن معصیۃ جزء ۹ ص۷۸) کے برابر) ہو۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا اَحَبَّ اَوْ كَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ ۔ (صحیح بخاری کتاب الاحکام جزء ۹ ص۷۸ و صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء جزء ۲ ص۱۳۱)

مسلم آدمی پر (امیر کا حکم) سننا اور اطاعت کرنا لازمی ہے خواہ اُسے وہ (حکم) پسند ہو یا ناپسند ہو (اس شرط کے ساتھ کہ) اُسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ امیر کی اطاعت فرض ہے صرف ایک شرط کے ساتھ کہ امیر گناہ کا حکم نہ دے۔ امیر کی اطاعت کے لئے حکومت کی شرط کسی حدیث میں نہیں ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

كُنَّا اِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتَ (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس جزء ۹ ص۹۶ و صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب البیعۃ علی السمع والطاعۃ فیما استطاع جزء ۲ ص۱۴۲)

ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (حکم) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کیا کرتے تھے تو آپ ہم سے فرماتے تھے کہ : "جہانتک تم سے ہوسکے"۔

(۹) حضرت جریرؓ فرماتے ہیں :-

بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فَلَقَّنَنِیْ فِیْمَا اسْتَطَعْتُ (صحیح بخاری کتاب الاحکام جزء ۹ ص۹۶)	میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (حکم) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی تو آپ نے مجھے سکھایا (کہ اس طرح کہو) جہانتک مجھ سے ہو سکے گا (سنوں گا اور اطاعت کروں گا)۔

مندرجہ بالا احادیث سے امیر کی اطاعت کی اہمیت آشکار ہے۔ امیر کی اطاعت کرنے پر بیعت لی جاتی تھی۔

(۱۰) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں :-

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَبَاذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاکَ ضَعِیْفًا وَ اِنِّیْ اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَا تَاُمَّرَنَّ عَلَی اثْنَیْنِ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ جزء ۲ ص۱۲۴)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر، میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور (آدمی) ہو اور جو چیز میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں تم ہرگز دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا۔

دو آدمیوں پر امیر بننے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں :-

(۱) خلیفہ دو آدمیوں پر کسی کو امیر بنا دے مثلاً امیرِ وفد۔

(۲) خلیفہ کی عدم موجودگی میں دو آدمی خود کسی کو امیر بنالیں مثلاً امیرِ جماعت یا امیرِ سفر۔

ان دو صورتوں میں سے کسی ایک کو خاص کر لینا بے دلیل ہے۔ دوسری صورت میں دو آدمیوں کے امیر کے پاس نہ کوئی حکومت ہوگی اور نہ فوج لیکن اس حالت میں بھی اس کی اطاعت فرض ہوگی۔ اگر فرض نہ ہو تو پھر وہ کونسی ذمہداری

ہے جس سے ڈرایا جارہا ہے۔

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيْ عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ وَاَثَرَةٍ عَلَيْكَ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء جزء ۲ صفحہ ۱۳۰)

تم پر (امیر کا حکم) سننا اور (اس کی) اطاعت کرنا لازم ہے: تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، تمہاری خوشی میں بھی اور تمہاری ناخوشی میں بھی اور (غیر مستحق کو) تم پر ترجیح دیئے جانے کی صورت میں بھی۔

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء جزء ۲ صفحہ ۱۳۱)

اگر تم پر نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری رہنمائی کرے تو اس کی (بات کو) سنو اور اطاعت کرو۔

غلام کو امیر بنائے جانے کی دو صورتیں ہیں :۔

(۱) کوئی خلیفہ کسی غلام کو امیر بنا دے مثلاً مقامی امیر یا امیرِ لشکر وغیرہ۔

(۲) مشورہ سے لوگ خود کسی کو اپنا امیر بنا دیں مثلاً خلیفہ یا امیرِ جماعت۔

ہر دو صورتوں میں اُس غلام کی اطاعت ضروری ہوگی۔

(۱۳) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں :۔

اِنَّ خَلِيْلِيْ اَوْصَانِيْ اَنْ اَسْمَعَ وَاُطِيْعَ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْاَطْرَافِ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء جزء ۲ صفحہ ۱۳۰)

میرے خلیل (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے وصیت کی کہ میں (امیر کا حکم) سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ ہاتھ پیر کٹا ہوا غلام ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعۃ عند ظہور الفتن جزء ۲ ص۱۳۵)

جو شخص (امیر کی) اطاعت سے باہر ہوگیا اور جماعت چھوڑ دی پھر (اسی حالت میں) مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا حُجَّةَ لَهٗ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعۃ جزء ۲ ص۱۳۶)

جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں (امیر کی) بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ : إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالطَّاعَةُ لِذَوِي الْأَمْرِ وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رواہ الحاکم عن جبیر بن مطعمؓ وسندہ صحیح۔ المستدرک جزء اول ص۸۷)

تین باتیں ایسی ہیں کہ ان کے معاملہ میں مؤمن کا قلب خیانت نہیں کرتا :۔
(۱) عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنا،
(۲) ذوالامر یعنی امیر کی اطاعت کرنا
(۳) جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا۔

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ حَتّٰى يُرَاجِعَهٗ (رواہ الحاکم عن عبداللہ بن عمرو سندہ صحیح۔ المستدرک جزء اول ص۱۱۷)۔

جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسّی کو اپنی گردن سے اتار دیا یہاں تک کہ وہ (دوبارہ جماعت کی طرف) لوٹے۔

(۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ: اَلسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْجِهَادِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجَمَاعَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يُّرَاجِعَ (رواہ الترمذی فی ابواب الامثال عن الحارث الاشعری وصححہ۔ جزء ۲ ص۱۲۹)

میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن (کی تبلیغ) کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔
(۱) (امیر کا حکم) سننا ،
(۲) اطاعت کرنا ،
(۳) جہاد کرنا ،
(۴) ہجرت کرنا اور
(۵) جماعت (سے چمٹے رہنا) کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسّی کو اپنی گردن سے علیحدہ کر دیا سوائے اس صورت کے کہ وہ (جماعت کی طرف) واپس لوٹے۔

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَاِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ

جماعت کو لازم پکڑو۔ علیحدگی سے بچو کیونکہ شیطان ایک آدمی کے ساتھ

اَلْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ (رواہ الترمذی فی ابواب الفتن وصححہ جزء ۲ ص ۹۶)

رہتاہے، دو سے دور ہو جاتا ہے۔

یہ حدیث ہر زمانہ کے لئے عام ہے۔ کوئی زمانہ اس کے لئے مخصوص نہیں۔ کیا جس زمانہ میں جماعت کے پاس حکومت نہ ہو جماعت سے علیحدگی اختیار کر کے شیطان کو اپنا ساتھی بنانا جائز ہے۔ ہرگز نہیں، لہذا جماعت سے علیحدگی بھی ہرگز جائز نہیں۔ جماعت سے چمٹے رہنا ضروری ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جماعت کے امیر سے بھی چمٹا رہے۔

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ واسْتَذَلَّ الْاِمَارَةَ لَقِیَ اللّٰہَ وَلَا حُجَّةَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ (رواہ الحاکم وسندہ صحیح۔ المستدرک جزء اول ص ۱۱۹)

جو شخص جماعت چھوڑ دے، امارت کی تذلیل کرے وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ کے نزدیک اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی (یعنی اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی جو عند اللہ مقبول ہو)۔

مندرجہ بالا تمام احادیث میں

(۱) امیر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔ کسی حدیث میں بھی امیر کے ساتھ حکومت کی شرط نہیں لگائی گئی،

(۲) جماعت سے چمٹے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جماعت سے چمٹے رہنا بھی اُسی صورت میں ممکن ہے کہ امیر جماعت سے چمٹا رہے اور امیرِ جماعت سے چمٹے رہنا اُسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کی اطاعت کرتا رہے۔

امامِ جماعت اور امیرِ جماعت ہم معنی ہیں

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰۤی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰۤی اَھْلِ بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب قول اللہ تعالیٰ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم جزء ۹ صـــ)

خبردار، تم میں سے ہر شخص حکمراں ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ امام جو لوگوں پر حکمراں ہوتا ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، مرد اپنے اہل بیت پر حکمراں ہے اور اس سے اس کے اہل بیت کے متعلق باز پرس ہوگی، عورت اپنے شوہر کے اہل بیت اور اس کی اولاد پر حکمراں ہے اور اس سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی، اور غلام اپنے آقا کے مال پر حکمراں ہے اور اس سے (اس) مال کے متعلق باز پرس ہوگی۔ (الغرض) خبردار (ہو جاؤ) تم میں سے ہر ایک حکمراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔

اس حدیث میں لفظ راعٍ استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی درج ذیل ہیں :۔

(۱) اسم فاعل وکل من ولی امر قوم، وفی الاصطلاح ھو المتحقق فی معرفۃ الامور السیاسۃ المتعلقۃ بالمدنیۃ التمکن علی تدبیر النظام الموجب لصلاح العالم (محیط

المحیط قاموس مطول للغۃ العربیۃ ص۳۴۱)

ترجمہ (یہ لفظ رعایۃ سے) اسم فاعل (ہے، اس سے مراد) ہر وہ شخص ہے جو کسی قوم کے امر کا والی ہو اور اصطلاح میں (اس سے مراد وہ شخص ہے جو) مدنیت کے متعلق امور سیاست کو واجب اور قائم کرنے والا (ہو یا) جو صلاح عالم کے لئے انتظامی تدابیر پر قدرت رکھنے والا (ہو)۔

(۲) کل من ولی امر قوم کالاسقف والبطریرك وغیرھما (المنجد فی اللغۃ و الادب والعلوم ص۲۶۸)

ترجمہ ہر وہ شخص جو کسی قوم کے امر کا والی ہو جیسے اُسقف (بادشاہ یا عالم) اور بطریرک (سردار یا رئیس)۔

(۳) والی، امیر (منتھی الارب فی لغات العرب)

الغرض مندرجہ بالا تصریحات کے لحاظ سے "راعی" کا صحیح ترجمہ حکمراں ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ثَلَاثَةٌ لَا تَسْأَلْ عَنْهُمْ: رَجُلٌ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَعَصٰى إِمَامَهُ وَمَاتَ عَاصِيًا وَأَمَةٌ أَوْ عَبْدٌ أَبَقَ فَمَاتَ وَامْرَأَةٌ غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا قَدْ كَفَاهَا مُؤْنَةَ الدُّنْيَا فَتَبَرَّجَتْ بَعْدَهُ فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُمْ (مسند امام احمد ومستدرك حاکم وسندہٗ صحیح۔ المستدرك جزو اول ص۱۱۹ وحجاب المرأۃ

تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کے متعلق نہ پوچھو (کہ ان کا کیا حشر ہوگا): ایک تو وہ شخص جو جماعت چھوڑ دے، اپنے امام کی نافرمانی کرے اور نافرمانی کی حالت میں مر جائے، دوسرا وہ غلام یا لونڈی جو بھاگ جائے اور (اسی حالت میں) مر جائے، تیسری وہ عورت جس کا شوہر اس کے پاس موجود نہ ہو اور وہ اس کی دنیا کی ضروریات پوری کر گیا ہو

المسلمۃ للالبانی صـ۵۴۴) پھر وہ اس کے جلنے کے بعد اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرے (الغرض) ان (تینوں) کے متعلق (کچھ) نہ پوچھو (کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا)۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شر کے ایک زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :۔

دُعَاةٌ عَلٰی اَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ اَجَابَهُمْ اِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا۔ (اس زمانہ میں) دوزخ کے دروازوں پر ایسے بلانے والے ہوں گے کہ جو شخص ان کی بات کو مان لے گا وہ اُسے دوزخ میں جھونک دیں گے۔

حضرت حذیفہؓ نے پوچھا :

فَمَا تَاْمُرُنِيْ اِنْ اَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ۔ اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں (میں کیا کروں) ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ (صحیح بخاری کتاب الفتن باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ جزء ۹ صـ۶۵ وصحیح مسلم کتاب الامارۃ باب لزوم الجماعۃ عند ظھور الفتن جزء ۲ صـ۱۳۵) تم جماعت المسلمین اور ان کے امام سے چمٹے رہنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُس شر کے زمانہ میں اسلامی حکومت نہیں ہوگی کیونکہ اسلامی حکومت کی موجودگی میں گمراہ کرنے والے داعی کیسے باقی رہ سکتے ہیں۔

مزید برآں اسلامی حکومت کا زمانہ تو خیر کا زمانہ ہوتا ہے نہ کہ شر کا۔
جماعت المسلمین سے چمٹے رہنے کے معنی یہ ہیں کہ جماعت میں شامل رہے۔
امام جماعت سے چمٹے رہنے کے معنی یہ ہیں کہ امام کی اطاعت کرے، اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔ امام سے چمٹنے کے معنی اطاعت ہی ہو سکتے ہیں اور اس کے سوا دوسرے معنی نہیں ہو سکتے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ اِمَامُ جَمَاعَةٍ فَاِنَّ مَوْتَهٗ مَوْتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ (رواہ الحاکم وسندہ صحیح۔ المستدرک جزء اول ص۱۱۷)	جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس پر امام جماعت نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلم کو اس حالت میں مرنا چاہیئے کہ وہ کسی امام کا ماتحت ہو۔ مندرجہ بالا تمام احادیث میں امام کی اطاعت کے لئے حکومت کی کوئی شرط نہیں ہے۔ لہٰذا امام جیسا بھی ہو اس کی اطاعت کرنی ہوگی۔
"امیر کی اطاعت" اور "امام جماعت...." کی ذیل میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں ان کے مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امیر اور امام میں کوئی فرق نہیں۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے بجائے استعمال ہوتے رہتے ہیں :-

امیر کے معنیٰ

"امیر" صفت مشبہہ ہے۔ اس کا مصدر امارت ہے جس کے معنی ہیں: "امر والا ہونا"۔
صفت مشبہہ میں مصدری معنیٰ کا ثبوت اور لزوم سمجھا جاتا ہے لہٰذا امیر

کے معنی ہیں " امر والا " ہونے کی صفت ثابت ہے اور اپنے موصوف کے ساتھ لازم یعنی چمٹی ہوئی ہے۔ یہ صفت یعنی " امر والا " ہونا امیر سے کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کو امیر کہا جائے اور وہ "حکم والا " نہ ہو۔ امیر ہر حال میں حکم والا ہوگا۔ اس کا حکم ہر حال میں اور ہر وقت مانا جائیگا۔ اگر کسی شخص میں " حکم والا " ہونے کی صفت ہر حال میں نہ پائی جائے تو اُسے آمر تو کہہ سکتے ہیں اور وہ بھی صرف اس وقت تک جب تک وہ حکم دینے کا فعل کر رہا ہو لیکن اسے امیر نہیں کہہ سکتے۔

امام کے معنیٰ

امام کے معنی ہیں: من یؤتم به ای یقتدی به من رئیس اوغیرہ (محیط المحیط ص۱۶) یعنی وہ شخص جس کی پیروی کی جائے خواہ وہ رئیس ہو یا کوئی اور۔ پیروی احکام میں بھی ہوتی ہے اور اقوال میں بھی۔ احکام کی پیروی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (الانعام - ۱۵۵)
یہ (بڑی) بابرکت کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے لہذا اس کی پیروی کرتے رہو۔

افعال کی پیروی تو عموماً کی ہی جاتی ہے اور اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

بے حکومت امیر کی اطاعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ۔
جب تین آدمی سفر کے لئے نکلیں تو انہیں چاہیئے کہ اپنے میں سے ایک کو

(رواہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد ورواتہ   امیر بنالیں۔
ثقات وسندہٗ صحیح وحسنہ الالبانی فی
تعلیقاتہ علے المشکوٰۃ $\frac{۲}{۱۱۴۵}$)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں :۔

(۱) سفر میں بھی بغیر امیر کے نہ رہے ،

(۲) امیرِ سفر کے پاس نہ حکومت ہوتی ہے اور نہ اُسے کوئی خلیفہ مقرر کرتا ہے بلکہ حدیث کی رُو سے مسافر خود کسی کو اپنا امیر مقرر کر لیتے ہیں ،

(۳) امیر بنانے کا مقصد سوائے اطاعت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور

(۴) ایسے امیر کی اطاعت بھی ضروری ہے جس کے پاس کوئی حکومت نہ ہو۔

نتیجہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی قلیل مدت میں بھی مسافروں کا بغیر امیر کے رہنا پسند نہیں فرماتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ شہر میں مسلم آبادی کا دائمی طور پر بغیر امیر کے رہنا پسند فرمائیں گے۔ اگر سفر کی قلیل سی مدّت میں امیر کا ہونا ضروری ہے تو حضر کی طویل مدّت میں امیر کا ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے اور کیونکہ امیرِ سفر کی بغیر حکومت کے اطاعت ضروری ہے تو امیرِ جماعت کی بھی بغیر حکومت کے اطاعت ضروری ہے۔ نہ آیت میں اور نہ کسی حدیث میں امیر کی اطاعت کے لئے حکومت کی شرط لگائی گئی ہے اور نہ لگائی جا سکتی ہے۔ حکومت کی شرط لگانا خود ساختہ ہے لہذا کالعدم ہے۔

شوہر اور ماں باپ کی اطاعت بھی فرض ہے لیکن ان کی اطاعت کے لئے بھی حکومت کی شرط نہیں تو آخر امیر جماعت کے لئے حکومت کی شرط لگانا کس حد تک صحیح ہے۔ یقیناً یہ شرط لغو ہے۔

امیرِ سفر کی اطاعت سے صرف چند مسافروں کا مفاد وابستہ ہوتا ہے ،

شوہر کی اطاعت سے بیوی کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، ماں باپ کی اطاعت سے صرف اولاد کا مفاد وابستہ ہوتا ہے پھر بھی یہ اطاعتیں تو فرض ہوں اور امیرِ جماعت کی اطاعت فرض نہ ہو جس سے پوری جماعت اور اللہ تعالٰے کے دین کا مفاد وابستہ ہو۔ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے۔

الغرض منقول و معقول دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ امیر کی اطاعت فرض ہے۔

اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض ۱ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ کو امیر یا امام کہا گیا ہے لہٰذا جہاں کہیں بھی امیر یا امام کا لفظ آئیگا اس سے خلیفہ ہی مراد ہو گا۔

جواب یہ تو صحیح ہے کہ خلیفہ کو بھی امیر یا امام کہا جاتا ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ جہاں کہیں امیر یا امام کا لفظ آئیگا اس سے مراد خلیفہ ہی ہو گا۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے اس مفروضہ کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہر خلیفہ امیر یا امام ہوتا ہے لیکن ہر امیر یا امام خلیفہ نہیں ہوتا۔

اعتراض ۲ امیرِ جماعت کی اطاعت اگر فرض ہے تو وہ شرعی سزائیں کیوں نہیں نافذ کرتا۔

جواب اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :-

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کسی شخص کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ (البقرۃ - ۲۸۶)

لہٰذا امیرِ جماعت اپنی طاقت کے مطابق کام کرے گا۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ امیرِ جماعت خلافت کے حصول کے لئے

جد وجہد کرتا ہے لہٰذا اس جدّ وجہد کے زمانہ میں اس سے خلیفہ کے فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا بالکل لغو ہے۔ اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھیے۔ تیسری جماعت میں پڑھنے والا بھی طالب علم ہے اور بی، اے میں پڑھنے والا بھی طالب علم ہے۔ تیسری جماعت میں پڑھنے والا کوشش کر رہا ہے کہ وہ بھی بی، اے کا طالب علم بن جائے لیکن ابھی بنا نہیں تو کیا اس تیسری جماعت کے طالب علم سے یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ بی، اے کے امتحان کے پرچے حل کرے۔ ہرگز نہیں دونوں میں محض طالب علم ہونے کی یکسانیت اس بات کی متقاضی نہیں کہ تیسری جماعت کا طالب علم بی، اے کے پرچے حل کرے۔ بالکل اسی طرح امیرِ جماعت بھی امیر ہوتا ہے اور خلیفہ بھی امیر ہوتا ہے تو کیا امیرِ جماعت سے اس حال میں کہ وہ خلیفہ بننے کی کوشش کر رہا ہو یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ خلیفہ کے فرائض انجام دے۔ ہرگز نہیں۔ محض امارت کی یکسانیت اس بات کی متقاضی نہیں ہوسکتی کہ ہر امیر سے خلیفہ کے فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے۔

امیرِ جماعت اسوۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکی زندگی میں غالب نہیں تھے۔ آپ کے ہاتھ میں نہ اقتدار تھا اور نہ حکومت البتہ آپ کی حکومت مسلمین کے قلوب و ابدان پر تھی جو کچھ آپ فرماتے تھے مسلمین اس کی اطاعت کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے مقاصد یہ تھے :۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی تبلیغ اور اس عقیدہ کو قلوب میں راسخ کرنا،

(۲) مسلمین کی اصلاح و تربیت،

(۳) مسلمین کو نظم و ضبط اور صبر و استقامت کی تلقین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے عقیدہ کو عملی جامہ پہنانے یعنی اس عقیدہ کی بنیاد پر حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی منظم تحریک تھی۔

ہر تنظیم میں بعض قواعد وضوابط پر سختی سے عمل کرایا جاتا ہے۔ تنظیم کی قوت اور قواعد وضوابط پر عمل سربراہ تحریک کی اطاعت پر منحصر ہے۔ اگر سربراہ کی اطاعت نہ ہوگی تو تنظیم بھی نہ ہوگی اور اگر تنظیم نہ ہوگی تو تحریک ختم ہو جائے گی۔ مکی زندگی میں بھی مسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کرتے تھے اور حکومت الٰہیہ کی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ زندگی بھی مسلمین کے لئے نمونہ اور مشعلِ راہ ہے۔ اسی زندگی کی اتباع کرکے مسلمین منزلِ مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ حکومت الٰہیہ کے لئے جو تحریک چلائی جائے یا چلائی جا رہی ہے اس کے لئے اسوۂ حسنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ہے، جس طرح مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاتی تھی اسی طرح حکومت الٰہیہ کو قائم کرنے کی ہر تحریک میں امیرِ تحریک کی اطاعت لازمی ہوگی! اگر امیر کی اطاعت نہ کی جائے تو امیر کی حیثیت ایک مٹی کے بت سے زیادہ نہیں ہوگی، مرکزیت ختم ہو جائے گی اور تحریک مردہ ہو جائے گی۔ الغرض امیرِ جماعت کی اطاعت بہت ضروری ہے اس لئے کہ اس کے بغیر حکومتِ الٰہیہ کا قیام ناممکن ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ کے نبی ہونے کی حیثیت سے کی جاتی تھی لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی تا وقتیکہ ہمارا قائد بھی نبی نہ ہو۔

جواب نبوت ختم ہوگئی، نبی اب کوئی نہیں بن سکتا لہٰذا تنظیم کا کام اب کسی غیر نبی ہی سے لیا جا سکتا ہے اور وہ اس تنظیمی کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی کو اپنا نمونہ بنائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے اسی لئے تو آپؐ کی مکی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ اگر آپ نبی نہ ہوتے تو آپؐ کی مکی زندگی ہمارے لئے نمونہ نہ ہوتی۔ ہم نبوت میں بے شک آپؐ کے شریک نہیں ہو سکتے لیکن آپؐ کے اقوال و افعال میں عموماً ہم آپ کے شریک ہیں یعنی ہم وہی کرتے ہیں جو آپؐ نے فرمایا اور جو آپؐ نے کیا۔ خلافت کی تحریک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاتی تھی اسی بنیاد پر خلافت کی ہر تحریک میں امیر جماعت کی اطاعت لازمی طور پر کی جائے گی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بہ حیثیت نبی کے کی جاتی تھی لہٰذا وہ اطاعت اور اس اطاعت کی بنیاد پر آپ کی تنظیم ہمارے لئے نمونہ نہیں تو پھر بتائیے کہ کیا خلافت کی تحریک میں کسی غیر نبی کی زندگی کو نمونہ بنائیں! اگر نہیں تو پھر نمونہ کہاں سے لائیں۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تحریکِ خلافت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمارے لئے کوئی نمونہ نہیں تو کیا آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے کامل نمونہ نہیں! کیا اسلام ناقص ہے کہ اس سلسلہ میں وہ ہماری رہنمائی نہیں کرتا۔

الغرض مندرجہ بالا اعتراض ایک شیطانی وسوسہ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اعلائے کلمۃ الحق فرض ہے

اس امر پر تو سب متفق ہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق فرض ہے اور اس کے لئے خلافت کا قیام ضروری ہے۔ اگر اعلائے کلمۃ الحق فرض ہے تو کیا اس کے لئے حتی الامکان جدوجہد فرض نہیں ہوگی۔ ضرور ہوگی۔ اس کے لئے ضرور ایک منظم تحریک چلانی ہوگی، ایک مضبوط جماعت بنانی ہوگی اور تحریک منظم اور جماعت مضبوط اسی صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ امیرِ جماعت کی اطاعت فرض ہو۔ اگر امیرِ جماعت اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جہاد کا حکم دے اور جماعت حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دے کہ امیرِ جماعت کی اطاعت نفل ہے تو کیا جماعت اعلائے کلمۃ الحق کے فریضہ کو ادا کر سکے گی، ہرگز نہیں۔ اگر جماعت اعلائے کلمۃ الحق کو فرض سمجھتی ہے تو وہ یہ سوچے کہ پھر اس کے حصول کا ذریعہ کیا ہوگا۔ کیا اس کے سوا اور بھی کوئی ذریعہ ہوسکتا ہے کہ جماعت اپنے امیر کے حکم جہاد کو فرض سمجھے اور فوراً جہاد کے لئے تیار ہوجائے۔ امیر کے تمام احکام اعلائے کلمۃ الحق ہی کے گرد گھومتے ہیں لہذا اس کے ہر حکم کی اطاعت کرنی ضروری ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	رہے اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	انہیں زمین میں خلافت عطاء فرمائے گا
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ	جس طرح اُن لوگوں کو خلافت دی تھی جو
قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ	ان سے پہلے گذرے ہیں اور ان کے لئے
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى	ان کے دین کو جس کو اس نے اُن کے لئے

نُھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ۔ (النور ـ ۵۵)	پسند فرمایا ہے مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف و ہراس (کو ختم کرنے) کے بعد (اس کے) بدلہ میں امن عطاء فرمائیگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صالح مؤمنین سے تین وعدے فرمائے ہیں:۔

۱۔ ان کو حکومت و خلافت عطاء فرمائے گا ،

۲۔ دینِ اسلام کو مستحکم کر دے گا ،

۳۔ خوف کی زندگی کے بدلہ میں امن و امان کی زندگی دے گا۔

آیتِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان وعدوں کے پورا ہونے سے پہلے

۱۔ ان کے پاس کوئی حکومت نہ ہوگی ،

۲۔ دینِ اسلام مستحکم نہیں ہوگا ،

۳۔ ان کے دن خوف و ہراس میں گذرتے ہوں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان صالح مؤمنین کو حکومت ، استحکامِ دین اور امن و امان کیسے عطاء ہوگا ؟ کیا اس کے لئے انہیں کچھ کرنا ہوگا یا بغیر کچھ کئے تحفۃً انہیں یہ چیزیں مل جائیں گی ؟ کیا خلافت کے عطاء ہونے سے پہلے مؤمنین کی کوئی جماعت ہوگی یا نہیں ؟ اگر جماعت ہوگی تو کیا اس کا امیر ہوگا یا نہیں ؟ اگر امیر ہوگا تو اس کی اطاعت لازمی ہوگی یا نہیں ؟ ظاہر ہے کہ حصولِ خلافت کے لئے ان صالح مؤمنین کو جماعت بھی منظم کرنی ہوگی ، امیرِ جماعت کی اطاعت بھی کرنی ہوگی اور پھر جدّ و جہد بھی کرنی ہوگی جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

وَجَاھِدُوْا فِی اللہِ حَقَّ جِھَادِہٖ (الحج ـ ۷۸)	اللہ (کے راستہ) میں جہاد کرو جیساکہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض امیر صرف دو ہی قسم کے ہیں یعنی امیرِ سلطنت (خلیفہ) یا امیرِ سفر۔ تیسرے امیر کا کوئی تصور اسلام میں نہیں۔

جواب اگر تیسرے امیر کا کوئی تصور اسلام میں نہیں تو پھر تیسری جماعت کا تصور بھی اسلام میں نہیں۔ ایسی صورت میں اعتراض کرنے والوں کو چاہیئے کہ اپنی جماعت توڑ دیں، امیر کو کالعدم کر دیں۔ اگر وہ اپنی جماعت نہیں توڑتے اور اپنے امیر کو کالعدم نہیں کرتے تو وہ ایک بدعت کے مرتکب ہوں گے۔

ہمارے نزدیک تو تیسری جماعت اور تیسرے امیر کا تصور اسلام میں موجود ہے اور ہم گزشتہ صفحات میں خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے ضمن میں اسے بیان کر چکے ہیں۔

بعض سوالات اور ان کے جوابات

بعض لوگ اس سلسلہ میں کئی سوال کرتے ہیں۔ ان کے یہ سوالات مع جوابات درج ذیل ہیں :۔

سوال ۱ کیا اطاعت کے لحاظ سے امیر کی کئی قسمیں ہیں مثلاً سیاسی امیر، غیر سیاسی امیر یا اجتہادی اولوا الامر وغیرہ۔

جواب اس سوال کو اگر فقہاء کے ہاں بھیجا جاتا تو بہت اچھا ہوتا کیونکہ یہ کام ان کے ہاں بڑے شد و مد سے ہوتا ہے۔ وہ لوگ اقسام بھی بنا لیتے ہیں اور پھر ہر قسم کے احکام بھی علیحدہ علیحدہ وضع کر لیتے ہیں۔ جماعت المسلمین تو جو کچھ قرآن مجید اور احادیث میں ہے اُسے پہنچانے والی ہے۔ جماعت المسلمین

نہ تو اقسام بناتی ہے اور نہ اسے جائز سمجھتی ہے۔ اطاعت کے لحاظ سے نہ قرآن مجید میں اولوا الامر کی اقسام بیان کی گئی ہیں اور نہ حدیث میں لہٰذا اطاعت کے لحاظ سے اولوا الامر یا امیر کی بس ایک قسم ہے یعنی ہر امیر واجب الاطاعت ہے۔

ہر امیر سیاسی ہوتا ہے کیونکہ سیاست اسلام کا جزو اعظم ہے۔ امارت سے اگر سیاست کو نکال دیا جائے تو وہ پیری مریدی یا خانقاہیت ہے، اسلام نہیں۔

سوال کرنے والوں کو چاہیئے کہ سوال میں جن اقسام کا ذکر ہے ان کا ثبوت قرآن مجید اور حدیث سے دیں اور پھر سوال کریں۔ یہ اقسام بالکل لغو اور خود ساختہ ہیں۔

سوال ۲ تلزم جماعۃ المسلمین و امامھم کے تحت جماعت کے سربراہ کو حاکم، امیر، امام یا خلیفۃ المسلمین کہا جا سکتا ہے؟

جواب ہم تو صرف وہی کہتے ہیں جو قرآن مجید اور حدیث میں ہے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ امیرِ سفر، امیرِ لشکر، امیرِ جماعت، امیرِ حج، امیرِ مکہ کے الفاظ تو ہمیں احادیث میں ملتے ہیں لہٰذا ہم بھی ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں۔ خلیفۂ سفر، خلیفۂ لشکر، خلیفۂ جماعت، خلیفۂ حج یا خلیفۂ مکہ کے الفاظ حدیث میں نہیں ملتے لہٰذا ہم بھی انہیں استعمال نہیں کرتے۔ "حاکم" کے ساتھ بھی یہ مرکب اضافی ہمیں حدیث میں نہیں ملتے لہٰذا ہم بھی ان مرکبات کو استعمال نہیں کرتے۔ جماعت کے سربراہ کے لئے امیر یا امام کے الفاظ حدیث میں ملتے ہیں لہٰذا یہی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

سوال ۳ کیا جماعت کے سربراہ کی انتظامی امور میں اطاعت فرض

ہے یا نفل۔

جواب جماعت کے سربراہ کو امیر یا امام کہتے ہیں اور گزشتہ اوراق میں ہم امیر یا امام کی اطاعت کو فرض ثابت کر چکے ہیں لہذا جماعت کے سربراہ کی اطاعت فرض ہے۔

سوال ۴ اگر کوئی شخص جماعت کے سربراہ کی انتظامی امور میں اطاعت نہیں کرتا تو کیا وہ گنہگار ہوگا۔

جواب فرض کا تارک یقیناً گنہگار ہے۔

سوال ۵ جماعت المسلمین کے سربراہ کے اختیارات شریعت نے کس حد تک متعین کئے ہیں؟

جواب کیونکہ جماعت کے سربراہ کے لئے شرعی لفظ امیر یا امام ہے لہذا جماعت کے سربراہ کو وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو شریعت نے امیر یا امام کے لئے متعین کئے ہیں۔

سوال ۶ جماعت کے سربراہ کو اولوا الامر یا غیر اولی الامر یا اجتہادی اولوا الامر کہنا کہاں تک درست ہے؟

جواب جماعت کے سربراہ کو اولوا الامر کہہ سکتے ہیں۔ باقی الفاظ خود ساختہ ہیں۔ قرآن مجید یا حدیث میں یہ الفاظ نہیں ملتے لہذا ان کے متعلق سوال لغو ہے۔ مزید برآں غیر اولی الامر سے مراد امیر ہو ہی نہیں سکتا۔ مامور ہو سکتا ہے۔

معترضین سے چند سوالات

(۱) کیا سیاسی امیر اور غیر سیاسی امیر یا اولوا الامر، غیر اولی الامر، اور اجتہادی اولوا الامر کے الفاظ قرآن مجید یا حدیث

نبوی میں ملتے ہیں؟ اگر ملتے ہیں تو ان کا ثبوت دیجئے۔

(۲) اعلائے کلمۃ الحق یا حصولِ خلافت کے لئے لائحہ عمل کیا ہوگا؟

(۳) کیا اس لائحہ عمل کا ثبوت سنّتِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ملتا ہے؟

(۴) اگر اس لائحہ عمل کا ثبوت سنّتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نہیں ملتا تو کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی کاملیت میں تو فرق نہیں آتا؟

(۵) اگر اس لائحہ عمل کا ثبوت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت میں نہیں ملتا تو کیا یہ لائحہ عمل بدعت نہیں ہوگا؟

(۶) اگر کسی دینی مقصد کے لئے جماعت کا قیام ضروری ہو تو کیا وہ چیز جس کے بغیر جماعت چل نہ سکے ضروری ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں؟

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی۔ نارتھ ناظم آباد، بلاک جی، کراچی ۳۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۲۳ ذیقعد ۱۴۱۵ھ

طاغوت کے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

طاغوت مندرجہ ذیل مصادر سے نکلا ہے:۔
طُغُوٌّ ، طُغُوٌّ اور طُغْوَانٌ

ان مصادر کے معنی ہیں: حد سے بڑھ جانا (مصباح اللغات) جاذ القدر والحدّ (قدر اور حد سے بڑھ گیا) [محیط المحیط]

طاغوت کے معنی ہیں: حد سے تجاوز کرنے والا (مصباح اللغات) ہر وہ شخص جو حد شکن ہو (مفردات القرآن امام راغب اصفہانی)

(۲) اصطلاح شرع میں طاغوت اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو ایمان کی روشنی سے نکال کر گمراہی کی تاریکیوں میں لے جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُھُمۡ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔھُمُ الطَّاغُوۡتُ یُخۡرِجُوۡنَھُمۡ مِنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ (البقرۃ ـ ۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے دوست طاغوت ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے آتے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو لوگ اللہ کے دین سے منحرف کریں اور لوگوں کو نورِ ہدایت سے نکال کر ضلالت کی تاریکیوں میں لے آئیں وہ طاغوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے بچا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے:-

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل - ۳۶)

اور (اے رسول) ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے اپنی امت سے کہا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔

الغرض طاغوت سے بچنا چاہیئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کافر طاغوت ہوتا ہے یا ہر کافر کی حکومت طاغوت کی حکومت ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہے ہاں جو کافر اللہ تعالےٰ کے دین سے برگشتہ کرے وہ طاغوت ہوگا. اسی طرح وہ حکومت طاغوت کی حکومت ہوگی جو لوگوں کو اللہ تعالےٰ کے دین کے خلاف چلائے۔

(۳) یوسف علیہ الصلوٰۃ والسّلام ایک کافر بادشاہ کی ملازمت کرتے ہیں. مندرجہ بالا آیت کی رُو سے انہیں تو یہ حکم تھا کہ اپنی امت کو طاغوت سے بچنے کی تاکید کریں لیکن وہ تو بقول شخصے طاغوت سے چمٹ گئے، اس کے ماتحت بن گئے۔ انہوں نے جو کچھ امت سے کہا تھا اس پر خود عمل نہیں کیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ایک کافر بادشاہ کی ملازمت تو کی لیکن طاغوت کی ملازمت نہیں کی۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں کافر بادشاہ کا قانون نافذ تھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِيْنِ الْمَلِكِ (یوسف - ۷۶)

وہ اپنے بھائی کو (چوری کے الزام میں) بادشاہ کے قانون کے مطابق روک نہیں سکتے تھے۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کافر بادشاہ کے قانون کے ماتحت ملازمت کر رہے تھے۔ اللہ تعالے کا قانون نافذ نہیں تھا البتہ یہ ضرور ہوگا کہ اللہ تعالے نے بادشاہ کے قانون کے خلاف کوئی قانون نافذ نہیں کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام شاہی قانون کی پیروی نہیں کرتے ورنہ طاغوت کی پیروی لازم آتی۔

(۴) اگر یہ کہا جائے کہ کافر حکومت کی ملازمت کرنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں جائز تھا، ہماری شریعت میں کفر ہے تو اس کے لئے دلیل چاہیئے۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ (یوسف۔ ۳۸)

میں اپنے آباء ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کرتا ہوں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کے متبع تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم ملا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (النحل۔ ۱۲۳)

پھر (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کریں اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں ملت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبع تھے لہذا دونوں کی شریعت

ایک ہوئی۔ جو چیز یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں جائز تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی جائز ہوگی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی کافر حکومت کی ملازمت جائز ہوگی۔ اگر جائز نہ ہوتی تو مستثنیٰ کیا جاتا۔

⑤ صلح حدیبیہ اور طاغوت | ۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ لکھوایا۔ آپ نے فرمایا لکھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ کافروں کے نمائندے سہیل نے کہا: نہیں، آپ اسی طرح لکھوایئے جس طرح آپ پہلے لکھتے تھے یعنی "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھوایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" ہی لکھ دو۔

کیا یہ طاغوت کی اطاعت تھی؟

۲) پھر آپ نے فرمایا لکھو: "محمد رسول اللہ"۔ سہیل نے کہا: اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو (عمرہ کرنے سے) نہ روکتے۔ آپ محمد بن عبداللہ لکھوایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم، میں بے شک اللہ کا رسول ہوں، اگرتم میری تکذیب کرتے ہو تو محمد بن عبداللہ ہی لکھ دو۔ الغرض محمد بن عبداللہ ہی لکھا گیا۔

کیا یہ طاغوت کا فیصلہ تھا جسے آپ نے مان لیا۔ کیا آپ نے طاغوت کے کہنے سے ایسی بات مان لی جس سے دعویٰ رسالت کی نفی ہوتی تھی۔

۳) حضرت ابو جندلؓ مسلم ہوکر آئے۔ معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلم ہوکر آپ کے پاس آئے گا آپ اُسے واپس کر دیں گے۔ سہیل نے کہا: ابو جندلؓ کو واپس کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تو (معاہدہ کی) تحریر ہی ختم نہیں ہوئی۔ سہیل نے کہا: نہیں واپس کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ایک آدمی کو (روک لینے کی) اجازت دے

دو۔ سہیل نے کہا: ہرگز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندلؓ کو واپس کر دیا۔

کیا اس معاملہ میں بھی آپ نے طاغوت کے فیصلہ کو مانا۔ باوجود اس کے کہ ابھی معاہدہ کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور باوجود اس بات کے کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجندلؓ کو واپس کرنا چاہتے تھے اور نہ صحابہؓ کرام لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی شرط مان لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آزاد تھے۔ کافر حکومت کے ماتحت نہیں تھے پھر بھی آپ نے کافر کے شرائط کو مان لیا۔ آپ چاہتے تو انکار کر سکتے تھے لیکن نہیں کیا۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ کافر کے شرائط مان لینا جائز ہے۔ کفر یا گناہ نہیں خصوصاً ایسی صورت میں کہ مسلم کافر حکومت کا ماتحت ہو۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر حکومت سے امتحان کا یا گاڑی کا یا نکاح وغیرہ کا رجسٹریشن کرا لینا جائز ہے۔

(۶) منافقین اور طاغوت منافقین کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں لیکن یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔ وہ اللہ کی کتاب کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے بچنا چاہتے تھے اور ایسے فیصلہ کے متلاشی رہتے تھے جو ان کے ذاتی مفاد میں ہوتا اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ	(اے رسول) کیا آپ نے ان لوگوں کو
اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ	نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس
وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ	کتاب پر بھی ایمان لائے جو آپ پر نازل
اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ	کی گئی ہے اور (ان کتابوں پر بھی ایمان

قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ○ (النسآء ۔ ۶۰)

لائے) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں (لیکن) چاہتے یہ ہیں کہ (اپنے مقدمات کو) فیصلہ کے لئے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں لیکن شیطان یہ چاہتا ہے کہ انہیں گمراہی میں بہت دور لے جا کر ڈال دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ چاہتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے خلاف فیصلہ کر کے گمراہی کی تاریکیوں میں ڈال دینا یہ کام وہی کر سکتا ہے جو طاغوت ہو اور طاغوت کے خلافِ شرع فیصلہ کو برضاء و رغبت مان لینا گویا ان پر ایمان لانا ہے حالانکہ حکم یہ دیا گیا ہے کہ ان کا انکار کریں لیکن منافقین نہ ان کا انکار کرتے ہیں اور نہ ان کے خلافِ شرع فیصلہ کا اِنکار کرتے ہیں بلکہ برضاء و رغبت ان کے خلافِ شرع فیصلہ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو مانو تو وہ اُس فیصلہ سے منہ موڑ لیتے ہیں اگرچہ زبانی ان کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں لیکن عملاً وہ ایسا نہیں کرتے۔ ایسے لوگ یقیناً بے ایمان ہیں اگرچہ وہ کتنا ہی ایمان کا دعویٰ کریں! اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ

اور (اے رسول) منافقین کہتے ہیں ہم اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ. وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَ إِذَا دُعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَإِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوْٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ○

(النور - ۴۷ تا ۴۹)

پر ایمان لائے اور ہم اطاعت کرتے ہیں پھر اس (اقرار) کے بعد ان میں سے ایک جماعت (احکامِ الٰہی سے) منہ موڑ لیتی ہے، (حقیقت یہ ہے کہ) یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں سے ایک جماعت رُوگردانی کرتی ہے اور اگر ان کا حق ہوتا ہے تو وہ رسول کی طرف مطیع بن کر چلے آتے ہیں۔

الغرض منافقین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے فیصلہ کو نہیں مانتے تھے جو ان کے ذاتی مفاد کے خلاف ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ کسی ایسے شخص کے پاس فیصلہ کے لئے چلے جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کر کے منافقین کو وہ چیز دلوا دیتا تھا جو ان کا حق نہیں ہوتی تھی مطلب یہ کہ وہ کسی طاغوت سے فیصلہ کراتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے سختی سے گریز کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

اور جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ (فیصلہ کے لئے) اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور (اس کے)

عَنْكَ صُدُوْدًا ○ (النسآء - ۶۱)

رسول کی طرف آؤ تو (اے رسول) آپ ان منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے سختی سے گریز کرتے ہیں۔

الغرض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کرنے والا طاغوت ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ طاغوت نہیں ہے۔

⑦ خلاصہ | کافر حکومت کی ملازمت کی جاسکتی ہے اور اسی متفقہ اصول کے تحت کی جاسکتی ہے جو درج ذیل ہے :-

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (شرح السنۃ ۔ سندہ صحیح ۔ التعلیقا للالبانی علی المشکوٰۃ ۲/۱۰۹۲)

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین ۔ کوثر نیازی کالونی ، بلاک سی نارتھ ناظم آباد ، کراچی ۳۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۱۰ — شعبان ۱۴۱۱ھ

حق کیسے غالب ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۞

(الرعد ۔ ۱۷)

اللہ (تعالیٰ) آسمان سے پانی برساتا ہے پھر (تمام) وادیاں (ندی اور نالے) اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہنے لگتے ہیں پھر سیلاب پھولے ہوئے جھاگ کو اوپر اٹھا لیتا ہے۔ اسی قسم کا جھاگ اس وقت بھی نکلتا ہے جب لوگ زیور یا اور کوئی سامان بنانے کے لئے (کھوٹ ملے ہوئے سونے یا اور کسی دھات کو) آگ پر تپاتے ہیں، اسی طرح اللہ حق اور باطل (کی مثال) بیان فرماتا ہے، جھاگ تو چھٹ جاتا ہے اور (صاف اور شفاف پانی) جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے زمین میں رہ جاتا ہے، اسی طرح اللہ (تعالیٰ) مثالیں بیان فرماتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں :۔

پہلی مثال پہلی مثال میں اللہ تعالٰی نے حق کو صاف اور شفّاف پانی سے تشبیہ دی ہے اور باطل کو جھاگ سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح شفاف پانی جھاگ کو اوپر اٹھا کر بہا دیتا ہے یا اِدھر اُدھر کناروں پر پھینک دیتا ہے اسی طرح حق باطل کو اٹھا کر بہا دیتا ہے یا پھینک دیتا ہے۔ جس طرح صاف و شفاف پانی کے مقابلہ میں جھاگ بہت کمزور ثابت ہوتا ہے اسی طرح حق کے مقابلہ میں باطل بہت کمزور ثابت ہوتا ہے۔ باطل حق کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ حق باطل کو فنا کردیتا ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے :-

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○
(بنی اسراءیل - ۸۱)

اور (اے رسول) کہدیجئے حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل (تو حق کے مقابلہ میں) مٹ ہی جایا کرتا ہے۔

اس تمثیل سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں :-

(۱) صاف اور شفاف پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور کیونکہ حق صاف اور شفاف پانی کے مثل ہے لہذا حق بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ حق کا سرچشمہ آسمان میں ہوتا ہے۔ زمین یا اہلِ زمین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حق اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل ہوتا ہے اس کا انسانوں کے دماغ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے :-

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○
(البقرۃ - ۳۸)

(اے بنی آدم) جب کبھی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جن لوگوں نے میری ہدایت کی پیروی کی انہیں (قیامت کے دن) کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں

گے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ (یونس ۱۰۸)

(اے رسول) کہدیجئے اے لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ (محمد ـ ۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس چیز پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی ہے اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے تو اللہ (تعالےٰ) ان کے گناہوں کو مٹا دے گا اور ان کے حالات کی اصلاح فرمائے گا۔

(۲) جھاگ زمین پر پیدا ہوتا ہے اور کیونکہ باطل جھاگ کے مثل ہے لہذا باطل بھی زمین ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ باطل کا تعلق اللہ تعالےٰ سے نہیں ہوتا بلکہ انسانوں کے ذہن سے ہوتا ہے لہذا انسانوں کے ذہن کی پیداوار باطل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے صرف منزل من اللہ کی پیروی کا حکم دیا اور دوسری ہستیوں کی پیروی کو حرام کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ

اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل

اَوْلِیَآءَ ، قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ٥ (الاعراف - ۳)

کی گئی ہے اور اس کے علاوہ دلیوں کی پیروی نہ کرو، مگر تم نصیحت کم ہی حاصل کرتے ہو۔

مندرجہ بالا مباحث سے ثابت ہوا کہ حق وہ ہے جو آسمان سے نازل ہوا اور باطل وہ ہے جو زمین سے یا اہل زمین کے دماغوں سے نکلا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسانوں کی رائے وقیاس، فتوے اور اجتہاد کو حق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ چیزیں خس وخاشاک اور کوڑا کرکٹ کے جھاگ کی طرح ہیں لہذا باطل ہیں اور باطل کی پیروی مؤمن کا کام نہیں کافر کا شیوہ ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد - ۳)

(کافروں کے اعمال) اس لئے (ضائع کئے گئے) کہ کافر باطل کی پیروی کرتے ہیں اور (مؤمنین کے گناہ) اس لئے (معاف کئے گئے) کہ مؤمنین اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی کرتے ہیں۔

الغرض جو لوگ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ حق کی پیروی کرتے ہیں وہ تو مؤمن ہیں اور جو علماء کی رائے وقیاس کی پیروی کرتے ہیں وہ مؤمن نہیں ہیں۔

③ تیسری چیز جو آیت زیر تفسیر سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ جس طرح جھاگ چھٹ جاتا ہے اسی طرح باطل چھٹ جاتا ہے۔ جس طرح جھاگ سوکھ

کر بیکار ہو جاتا ہے اور کسی کام نہیں آتا اسی طرح باطل مٹ جاتا ہے اور لوگ اس سے سوائے نقصان کے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ جس طرح صاف اور شفاف پانی باقی رہ جاتا ہے اور لوگوں کے کام آتا ہے اسی طرح حق باقی رہ جاتا ہے اور لوگ اس سے دینی اور دنیوی دونوں قسم کے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

④ جس طرح صاف وشفاف پانی کے مقابلہ میں جھاگ ٹھہر نہیں سکتا اسی طرح حق کے مقابلہ میں باطل ٹھہر نہیں سکتا۔

⑤ ظاہر بین لوگ جھاگ کی ٹیپ ٹاپ دیکھ کر دھوکا کھا سکتے ہیں اس لئے کہ جھاگ اوپر ہوتا ہے اور صاف پانی نیچے لیکن سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ صاف پانی کے اوپر جھاگ کی حیثیت محض فریب ہے۔ حقیقت کچھ بھی نہیں۔ وہ تو بہت جلد بہ جائے گا یا خشک ہو کر معدوم ہو جائے گا اور اس کے نیچے چھپا ہوا صاف پانی باقی رہ جائے گا۔ اسی طرح باطل کا غلبہ اور ظاہری چمک دمک دیکھ کر نادان لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں لیکن عقلمند لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ عنقریب حق غالب آجائے گا۔ حق نے باطل کو اٹھا لیا ہے اور مستقبل قریب میں حق باطل کو اٹھا کر پھینک دیگا۔ باطل کا چھا جانا وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ باطل حق کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا اور دم توڑ دیتا ہے۔ اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ فنا ہو جاتی ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ

حق بہتے ہوئے پانی کی طرح متحرک ہو، ہر لمحہ آگے بڑھ رہا ہو تو جس طرح بہتا ہوا پانی جھاگ کو بہا دیتا ہے یا دونوں کناروں پر پھینک دیتا ہے اسی طرح متحرک حق باطل کو مٹا دیتا ہے۔ اگر اہل حق پر جمود طاری ہو جائے تو حق متحرک نہیں ہوگا اور باطل نہیں مٹے گا۔ حق کو جامد کر دینا گویا باطل کو پھلنے پھولنے

کا موقع دینا ہے۔ اہل حق کو چاہیئے کہ حق کو چلاتے رہیں، سیلاب کی طرح اس کو بہاتے رہیں، حق کو متحرک رکھیں اور اس کو باطل پر مارتے رہیں۔ باطل یقیناً فنا ہو جائے گا۔

قینچی چلتی ہے تو کترتی ہے، قلم چلتی ہے تو لکھتی ہے، دل دھڑکتا ہے تو انسان زندہ رہتا ہے، گاڑی چلتی ہے تو فاصلہ طے ہوتا ہے، زمین حرکت کرتی ہے تو دن رات اور موسم بنتے ہیں۔ اسی طرح حق متحرک ہوگا تو باطل مٹے گا۔

تلوار کا کام کاٹنا ہے اسی طرح حق کا کام باطل کا قلع قمع کرنا ہے لیکن تلوار اگر میان میں ہو تو سر نہیں کاٹ سکتی، بالکل اسی طرح اگر اہل حق، حق کو چھپا کر رکھیں تو حق باطل کا قلع قمع نہیں کر سکتا۔ اگر تلوار میان سے نکال کر ہاتھ میں لی جائے اور ہاتھ اس تلوار کو دشمن کے سر پر مارے تو تلوار اپنے جوہر دکھائے گی، اسی طرح اگر اہل حق، حق کو لے کر میدان میں نکلیں، حق کو ظاہر کریں اور اس کی چوٹ باطل پر لگائیں تو پھر حق اپنی کرامت دکھائیگا اور باطل کو نیست و نابود کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیآء ـ ۱۸)	ہم حق کو باطل (کے سر) پر مارتے ہیں تو وہ باطل کا سر پھاڑ دیتا ہے اور (اس طرح) باطل نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ـ (سبا ـ ۴۸)	(اے رسول) کہدیجئے کہ میرا رب (باطل پر) حق کی ضرب لگاتا رہتا ہے۔

غرض یہ کہ حرکت ہی سے سارے کام انجام پاتے ہیں۔ حرکت نہیں تو کچھ

بھی نہیں۔ اگر حق حرکت میں ہو تو باطل مٹے گا ورنہ نہیں۔ اہل حق نے حق کو جزدان میں چھپا کر رکھ دیا ہو تو باطل کیسے مٹے گا۔ اگر اہل حق نے حق کو طاق میں رکھ کر طاقِ نسیاں کر دیا ہو تو باطل کا مقابلہ کون کرے گا، باطل کس طرح نیست ونابود ہوگا؟

صاف پانی کا سیلاب جھاگ کو پھینک دیتا ہے۔ جھاگ کے چھٹ جانے کے بعد کچھ پانی سطح زمین پر رہ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ بہتا رہتا ہے اور کچھ پانی کو زمین پی جاتی ہے۔ الغرض زمین پانی کو جھاگ سے صاف کرنے کیلئے دو کام کرتی ہے :-

(۱) کچھ پانی کو تیزی کے ساتھ نشیب کی طرف بہا دیتی ہے۔ اس طرح جھاگ چھٹ جاتا ہے اور صاف وشفاف پانی باقی رہ جاتا ہے۔

(۲) کچھ پانی کو زمین پی جاتی ہے۔ پانی زمین کے اندر حرکت کرتا ہوا درختوں کی جڑوں میں پہنچتا ہے اور سوتوں میں سے ہوتا ہوا کنووں میں پہنچ جاتا ہے۔ کنویں کا پانی صاف ہوتا ہے اور محض اس لئے صاف ہوتا ہے کہ وہ حرکت کرتا ہوا آتا ہے۔

زمین کو اگر پانی کے بہانے کی استطاعت نہیں ہوتی تو پانی کھڑا رہ جاتا ہے۔ مثلاً کسی گڑھے میں یا کسی کنڈ میں، لیکن اس صورت میں بھی زمین اپنا کام کرتی ہے، پانی کو جذب کرتی ہے اور پانی کو حرکت میں رکھ کر پانی کو صاف کر دیتی ہے۔ گڑھے کا تمام پانی جذب ہو جاتا ہے اور جھاگ وخس وخاشاک زمین کی سطح پر پڑا رہ جاتا ہے اور سوکھ کر ضائع ہو جاتا ہے۔

ندی، نالوں کا جو پانی باقی رہ جاتا ہے وہ بھی انسانوں کے کام آتا ہے اور جو پانی زمین کے اندر جذب ہو جاتا ہے وہ بھی انسانوں کے

کام آتا ہے۔ لیکن جھاگ بہر صورت ضائع ہو جاتا ہے اور کسی کام نہیں آتا۔

اہل حق کا کام جس طرح زمین پانی کو تیزی کے ساتھ بہاتی ہے اہل حق کو چاہیئے کہ اسی طرح حق کو تیزی کے ساتھ بہائیں۔ حق بہے گا تو باطل چھٹ جائے گا۔ حق باطل کو اٹھا کر پھینک دے گا۔

جس طرح زمین پانی کو جذب کر کے اسے متحرک رکھتی ہے اسی طرح اہل حق کا کام ہے کہ حق کو جذب کریں، حق کو حرکت دے کر دل کی گہرائیوں تک پہنچائیں۔ حق کو دل میں جاگزیں کریں۔ دل حق سے منور ہو جائے، پھر دل سے حق کی نورانی لہریں اٹھیں اور اعضائے جسمانی سے ظاہر ہوں۔ اہل حق کا جسم مجسم حق بن جائے۔ یہ مجسم حق حرکت کرے، جہاں جائے آئے تبلیغ کا ایک چلتا پھرتا ذریعہ بن جائے۔ لوگ اس کے عمل اور جذبۂ صادق کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں۔

غرض یہ کہ حق کو غالب کرنے کے لئے اہل حق کو چاہیئے کہ حق کو متحرک رکھیں، تبلیغ کے سیلاب سے بھی اور اپنے عملی پیکر سے بھی۔ اگر تبلیغ کے ذریعہ حق کو سیلاب کے مانند بہانے کی قدرت نہ ہو تو اپنے عملی پیکر کے ذریعہ تو ضرور حق کو متحرک رکھیں اور سیلاب کی طرح حق کو بہانے کی قدرت حاصل کرنے کے لئے مسلسل جد و جہد کرتے رہیں کیونکہ حق کو معاشرے میں غالب کرنے کا اصل ذریعہ یہی ہے۔

دوسری مثال اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی دوسری مثال دھات کو تپا کر اس کی کھوٹ نکالنے سے دی ہے۔ جب کسی دھات میں سے کھوٹ نکالنی ہوتی ہے تو اسے آگ میں تپایا جاتا ہے۔ دھات پگھلتی ہے، اس میں جوش آتا ہے،

حرکت پیدا ہوتی ہے اور کھوٹ جھاگ کی صورت میں صاف دھات کے اوپر آجاتی ہے اور نکال کر پھینک دی جاتی ہے۔ دھات نے کھوٹ کو اس وقت نکالا جب اس میں حرکت پیدا ہوئی۔

حق کو دھات سے تشبیہ دی گئی ہے اور باطل کو کھوٹ سے۔ دھات میں حرکت ہوئی تو اس نے کھوٹ کو نکال کر اچھال دیا۔ اسی طرح اگر حق میں حرکت ہوگی تو وہ باطل کو اٹھا کر پھینک دے گا۔

دھات میں حرکت خود بخود پیدا نہیں ہوتی۔ آگ اس میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ آگ کی گرمی دھات کے اندر گھس کر دھات کے ہر ذرّے کو گرم کرتی ہے۔ اس کے جمود کو توڑ کر اس میں ہیجان پیدا کرتی ہے۔ جب دھات میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے تو خالص دھات کھوٹ کو نکال پھینکتی ہے۔ اہل حق کو چاہیئے کہ وہ بھی آگ کی طرح اپنی گرمجوشی سے دین حق کے ہر جزء کو گرما دیں۔ ہر مسئلہ کو اجاگر کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور ہر قانون کو متحرک کریں، اس کی تبلیغ کریں، اس کو پھیلائیں تاکہ دنیا پھر ایک بار

وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ

کا منظر دیکھ لے اور یہ چمن پھر از سر نو نغمۂ توحید سے معمور ہو جائے۔

الغرض اس مثال سے بھی ثابت ہوا کہ باطل کو نیست و نابود کرنے کے لئے حق کو حرکت میں لانا ہوگا۔ اہل حق کو چاہیئے کہ حق کو متحرک رکھیں تاکہ حق باطل کو نیست و نابود کر دے۔

خلاصہ | ان دونوں مثالوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) حق کو پانی کے سیلاب کی طرح یا جوش مارتی ہوئی دھات کی طرح متحرک رکھے۔

(۲) حق کو دل میں جذب کرے اور اس پر عمل کرکے تبلیغ حق کا متحرک اور چلتا پھرتا مجسمہ بن جائے۔

کیا حق کو غالب کرنا ضروری ہے | حق کو غالب کرنا ضروری ہے اور حق غالب رہنے ہی کے لئے آیا ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے :۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (توبة - ۳۳ فتح - ۲۸، صف - ۹)	وہ (اللہ ہی ہے) جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ دینِ حق کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔

حق کو کس طرح متحرک رکھا جائے | حق کو جہاد کے ذریعہ متحرک رکھا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ (رواہ الترمذی وصححہ فی ابواب الایمان باب ماجاء فی حرمۃ الصلوٰۃ، جزء ۲ ص۲۳)	(ہر) کام کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے :۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (الحج - ۷۸)	(اے ایمان والو) اللہ (کے راستہ) میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

جہاد کی قسمیں

جہاد کی دو قسمیں ہیں :۔

(۱) اپنے نفس سے جہاد۔

(۲) دوسروں سے جہاد۔

نفس سے جہاد نفس سے جہاد یہ ہے کہ نفس کو اللہ تعالےٰ کے احکام کا تابع بنائے ۔ نفس کو بُرے کام کرنے سے روکے ، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نفس کا کہنا نہ ماننے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ (رواہ احمد و الحاکم عن فضالۃ ۔ سندہ صحیح ۔ مرعاۃ جلد اوّل ص۱۰۴)

مجاہد وہ ہے جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس سے جہاد کرے ۔

جب مسلم اپنے نفس سے جہاد کرے گا تو گویا وہ مجسم حق بن جائے گا ۔ اس کا جسم ، اس کے اعضاء سب حق کا مظاہرہ کریں گے ۔ وہ ایک چلتا پھرتا حق کا مبلغ ہوگا اور اس طرح حق کو پھلنے پھولنے کا موقع مل جائے گا ۔ وہ حرکت کریگا گویا حق حرکت کرے گا ۔

الغرض حق کو حرکت میں لانے کا یہ ایک ذریعہ ہوگا اور حق کی یہ حرکت بھی بڑی حد تک حق کو غالب کرنے میں ممد و معاون ہوگی ۔

حق کی تبلیغ اور حق کو حرکت میں لانے کے لئے مبلّغ کو یقیناً پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے ۔ اسی چیز پر زور دیتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ ۔ ۳۳)

بات کے لحاظ سے اس سے بہتر کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے اور خود نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں ۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حق کو حرکت میں لانے والے کو پہلے اس

حق پر خود عمل کرنا چاہیئے۔ اگر وہ خود عمل نہیں کریگا تو اس کی تبلیغ مؤثر نہیں ہوگی۔

دوسروں سے جہاد دوسروں سے جہاد کی تین قسمیں ہیں :۔

۱۔ مال سے جہاد ۔

۲۔ زبان سے جہاد ۔

۳۔ ہاتھ سے جہاد ۔

مال سے جہاد مال سے جہاد یہ ہے کہ تبلیغ کے لئے مال خرچ کرے۔ مجاہدین اور مجاہدین کے اہل وعیال کی مالی خدمت کرے اور جنگ کے لئے مال خرچ کرے۔

زبان سے جہاد زبان سے جہاد یہ ہے کہ تبلیغ کرے، نیک کام کا حکم دے، بُرے کام سے روکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔ سندہٗ صحیح۔ نیل الاوطار جزو۷ صفحہ ۱۲۶) مشرکین سے اپنے مالوں سے، اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔

اس سلسلہ میں سورۂ حٰم السجدۃ کے حوالہ سے ایک آیت اوپر گذر چکی ہے۔

ہاتھ سے جہاد ہاتھوں سے جہاد کی دو قسمیں ہیں :۔

۱۔ قلم کے ذریعہ

۲۔ طاقت اور جنگ کے ذریعہ ۔

قلم سے جہاد قلم سے جہاد یہ ہے کہ تبلیغی خطوط وغیرہ لکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے تھے۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں :-

اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی وَاِلٰی قَیْصَرَ وَ اِلَی النَّجَاشِیِّ وَاِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَدْعُوْھُمْ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ملوک الکفار یدعوھم الی اللہ جزء ۲ صفحہ ۹۲)

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کو، قیصر کو، نجاشی کو اور ہر جابر (بادشاہ) کو (خط) لکھے۔ آپ انہیں اللہ تعالیٰ (کے دین) کی طرف دعوت دیتے تھے۔

طاقت اور جنگ کے ذریعہ جہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون النھی عن المنکر من الایمان جزء اول صفحہ ۳۹)

تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اُسے چاہیئے کہ ہاتھ سے اُسے بدل دے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے (روکے) اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (یعنی دل میں اُسے بُرا سمجھے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَا مِنْ نَّبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِیْ اُمَّۃٍ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ

کوئی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جسکو اللہ نے کسی امت میں مجھ سے پہلے بھیجا ہو مگر یہ کہ اس کی امت میں اس کے کچھ حواری ہوتے تھے

وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَ يَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان جزء اول ص۳۹)۔	اور کچھ اصحاب جو اس نبی کی سنت پر کاربند ہوتے تھے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہو جاتے تھے جو کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے اور جو کرتے تھے اس کا حکم نہیں دیئے گئے تھے تو جو شخص ایسے آدمیوں سے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد تو رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اگر طاقت ہو تو ہاتھ سے جہاد کر کے حق کو متحرک رکھے۔

نوٹ:۔ ہم نے اس مضمون میں قلبی جہاد پر زور نہیں دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قلبی جہاد سے حق متحرک نہیں ہوتا اور ہم اس مضمون میں حق کو متحرک رکھنے کے ذرائع پر بحث کر رہے ہیں۔

جنگوں سے بھی حق کو متحرک اور غالب رکھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بار بار جنگ کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ	اور (اے ایمان والو) کافروں سے

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال - ۳۹)

لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے (یعنی اللہ تعالیٰ کا قانون پوری طرح نافذ ہو جائے اور اس کے علاوہ کوئی قانون باقی نہ رہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبة - ۲۹)

(اے ایمان والو) ان اہل کتاب سے لڑو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر، جو ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور جو دین حق کو تسلیم نہیں کرتے جب تک وہ ماتحت بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ ادا کریں۔

سورۂ انفال کی مندرجہ بالا آیت عام ہے۔ سب سے لڑنا ہے جب تک فتنہ یعنی شرک، فساد و بدامنی باقی رہے اور پوری دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ ملک الاملاک کا قانون نہ نافذ ہو جائے۔

دوسری آیت اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے۔ اہل کتاب سے بھی جنگ جاری رہے گی جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں یا ماتحت بن کر اسلامی حکومت کو جزیہ نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ اس کا دین مغلوب ہو، اس کے قوانین نافذ نہ ہوں، معاشرہ میں، ملک میں یا دنیا میں کسی اور کا قانون نافذ ہو۔ اگر کافر ایمان قبول کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے نفاذ میں وہ رکاوٹ نہیں

بنیں گے۔ اگر وہ ایمان نہ لائیں لیکن ماتحت بن کر اسلامی حکومت میں رہنا چاہیں اس صورت میں بھی وہ قانون الٰہی کے نفاذ میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ ہاں اگر وہ ایمان بھی نہ لائیں اور ماتحت بھی نہ بنیں تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے ملک میں قانونِ الٰہی کے نفاذ میں رکاوٹ بنیں گے۔ ایسی صورت میں مسلمین پر فرض ہے کہ وہ اس رکاوٹ کو دور کریں اور جنگ کر کے کافروں کو مغلوب کریں اور اسلامی قانون نافذ کریں۔ اللہ تعالےٰ کو یہ تو گوارا ہے کہ کوئی گھر میں بیٹھ کر بت کی پوجا کرے یا آگ کی یا کسی اور چیز کی لیکن یہ گوارا نہیں کہ ملک اور معاشرے میں اس کا قانون نافذ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ ملک اور معاشرے میں دوسرے قوانین کا نفاذ ہو، دوسرے قوانین غالب ہوں اور اللہ تعالےٰ کا قانون مغلوب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر مخالف اسلامی قانون کے نفاذ میں مانع ہو تو اس کو طاقت کے ذریعہ راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ اللہ تعالےٰ کسی کو زبردستی مسلم بنانے کی اجازت تو نہیں دیتا لیکن قوانین الٰہیہ کے نفاذ میں جو چیز یا قوت مانع ہو اُسے دور کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلامی جنگوں کا مقصد یہی تھا نہ کہ زبردستی کسی کو مسلم بنانا۔ اسلام غیر مسلم رہنے کی اجازت تو دیتا ہے لیکن غالب یا آزاد رہ کر نہیں مغلوب بن کر۔ اگر غیر مسلم مغلوب بننا نہیں چاہتا تو پھر اسلامی حکومت اس کو مغلوب بنا کر رہیگی اور جان و مال کی بازی لگا دے گی۔

مندرجہ بالا دو آیتوں کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعدد لڑائیاں لڑیں یا ایمان والوں کے فوجی دستے وقتاً فوقتاً عرب میں روانہ کئے۔ سوائے چند مدافعانہ جنگوں کے تمام جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حملے کئے یا کرائے اور پورے عرب میں تمام مخالف قبائل کو مغلوب کر کے اللہ

تعالیٰ کا قانون نافذ کیا۔

مندرجہ ذیل حدیث میں اسلام کے جنگی ضابطہ کا واضح بیان ہے۔ حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں :-

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اُغْزُوا بِاسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ اُغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ (أَوْ خِلَالٍ) فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا کسی فوجی دستے پر کسی کو امیر مقرر کرتے تو اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرنے اور جو مسلمین اس کے ساتھ (جہاد میں جاتے) ان کے متعلق خیر خواہی کی نصیحت کرتے، پھر آپ فرماتے اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے راستہ میں لڑو، ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں، لڑو لیکن خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا، اعضاء نہ کاٹنا، بچے کو قتل نہ کرنا اور جب تم مشرکین میں سے اپنے دشمن سے مقابلہ کرو تو دشمن کے لشکر کو تین باتوں کی طرف دعوت دینا۔ ان میں سے وہ جس بات کو بھی قبول کریں تم اُسے منظور کر لینا اور لڑائی سے ہاتھ روک لینا۔ (پہلی بات یہ ہے کہ) تم انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول

دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ
اَنَّهُمْ اِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَلَهُمْ
مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ فَاِنْ اَبَوْا اَنْ
يَّتَحَوَّلُوْا مِنْهَا فَاَخْبِرْهُمْ
اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ
الْمُسْلِمِيْنَ يَجْرِيْ عَلَيْهِمْ
حُكْمُ اللهِ الَّذِيْ يَجْرِيْ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ
فِي الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ اِلَّا
اَنْ يُّجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ
فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ
فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ
مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَاِنْ هُمْ
اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ
(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب تأمیر
الامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاہم
باداب الغزو وغیرہا جزء ۲ ص ۶۹)

کرلیں تو تم ان کے دعویٰ اسلام کو قبول
کرلینا اور ان سے ہاتھ روک لینا۔
پھر انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ
وہ اپنے شہر کو چھوڑ کر مہاجرین کے
شہر میں آکر بودوباش اختیار کریں اور
(انہیں یہ بتانا کہ) ان کے وہی حقوق
ہوں گے جو حقوق مہاجرین کے ہیں اور
ان کے وہی فرائض ہوں گے جو مہاجرین
کے فرائض ہیں۔ اگر وہ نقل مکانی سے
انکار کریں تو انہیں بتانا کہ ان کی حیثیت
دیہاتی مسلمین جیسی ہوگی۔ ان پر اللہ
تعالیٰ کے وہی احکام نافذ ہوں گے
جو (عام) مومنین پر نافذ ہوتے ہیں۔
ایسی صورت میں مالِ غنیمت اور مالِ
فئے میں سے انہیں کچھ نہیں ملے گا
سوائے اس صورت کے کہ وہ خود مسلمین
کے ساتھ جہاد کریں۔ پھر اگر وہ (اسلام
قبول کرنے سے) انکار کریں تو ان سے
جزیہ طلب کرنا۔ اگر وہ جزیہ دینا قبول
کرلیں تو تم اُسے منظور کرلینا اور لڑائی
سے ہاتھ روک لینا۔ اگر (وہ جزیہ دینے

سے بھی) انکار کریں تو اللہ سے مدد طلب
کرنا اور ان سے لڑنا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کے جو احکام جاری فرمائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کیا اور متعدد لشکر اور فوجی دستے روانہ کئے جن کا کام یہ تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں، اگر کوئی قوم اسلام قبول نہیں کرتی تو ماتحت ومغلوب بن کر جزیہ ادا کرے۔ اگر جزیہ بھی ادا کرنے کے لئے وہ تیار نہیں تو پھر اس سے اعلان جنگ ہے۔

حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں:۔

فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ ذٰلِكَ يُغِيرُونَ عَلٰى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَلَا يُصِيبُونَ الصِّرْمَ الَّذِي هِيَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا مَا أُرٰى أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ يَدَعُونَكُمْ عَمْدًا فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ فَأَطَاعُوهَا فَدَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ (صحیح بخاری کتاب التیمم باب الصعید الطیب وضوء المسلم جزء ۱ صـ ۹۵)

اس واقعہ کے بعد مسلمین اس بڑھیا کے (گاؤں کے) ارد گرد (جس بڑھیا کی پکھالوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی لیا تھا اور پکھالوں میں پانی کم نہیں ہوا تھا بلکہ اور بڑھ گیا تھا) مشرکین پر حملہ کرتے تھے لیکن اس بڑھیا کے گاؤں پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ ایک دن اس عیانے اپنی قوم سے کہا: میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ قصداً تمہیں چھوڑ دیتے ہیں تو کیا تمہیں اسلام کی طرف کچھ رغبت ہے؟ قوم کے لوگوں نے اس بڑھیا کی بات مان لی اور سب اسلام میں داخل ہوگئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں :-

فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً فَمَرُّوْا بِقَوْمِہٖ فَقَالَ صَاحِبُ السَّرِیَّۃِ لِلْجَیْشِ ھَلْ اَصَبْتُمْ مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ شَیْئًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَصَبْتُ مِنْھُمْ مِطْھَرَۃً فَقَالَ رُدُّوْھَا فَاِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ قَوْمُ ضِمَادٍ (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ جزء اول صـ ۲۸۵)

(ضمادؓ کے اسلام قبول کرنے اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کا گزر ضماد کی قوم پر سے ہوا۔ لشکر کے سپہ سالار نے مسلمین سے کہا: کیا تم نے ان لوگوں کی کوئی چیز لی ہے! ایک شخص نے کہا مجھے ایک لوٹا ملا ہے۔ سپہ سالار نے کہا: لوٹے کو واپس کر دو، یہ ضمادؓ کی قوم ہے۔

مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلائے کلمۃ الحق اور نفاذِ قوانین الٰہیہ کے مقصد کی خاطر جنگوں کے ایک تابناک سلسلہ کی بنیاد ڈالی اور بڑی قوت کے ساتھ حق کو سیلاب کی طرح متحرک کرنے کا اہتمام فرمایا۔

ملک عرب فتح ہونے کے بعد بھی جنگ کے سلسلہ کو منقطع نہیں کیا گیا! اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً ، وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ٥ (توبۃ - ۱۲۳)

اے ایمان والو، اپنے قریب کے کفار سے جنگ کرو، وہ تم میں سختی (اور بہادری) پائیں اور (اس بات کو اچھی طرح) جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

حکومت الٰہیۃ کے سب سے زیادہ قریب دو عظیم الشان اور طاقتور سلطنتیں تھیں۔ ایک قیصر کی سلطنت اور دوسری کسریٰ کی سلطنت کیونکہ قیصر کی سلطنت کی سرحد حکومت الٰہیۃ کی سلطنت کی سرحد سے ملحق تھی لہذا حکم الٰہی ملتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے ملک پر حملہ کر دیا۔ مُوتہ کے مقام پر جنگ ہوئی اور اسلامی لشکر فتحیاب ہو کر واپس آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

اَمَّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃِ مُوْتَۃَ زَیْدَ بْنَ حَارِثَۃَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ قُتِلَ زَیْدٌ فَجَعْفَرٌ وَاِنْ قُتِلَ جَعْفَرٌ فَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ رَوَاحَۃَ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ موتۃ من ارض الشام جزء ۵ صفحہ ۱۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ موتہ میں زید بن حارثہ کو سپہ سالار بنایا۔ آپ نے فرمایا اگر زید قتل ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں، اگر جعفر قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الرَّایَۃَ زَیْدٌ فَاُصِیْبَ ثُمَّ اَخَذَ جَعْفَرٌ فَاُصِیْبَ ثُمَّ اَخَذَ ابْنُ رَوَاحَۃَ فَاُصِیْبَ وَعَیْنَاہُ تَذْرِفَانِ حَتّٰی اَخَذَ الرَّایَۃَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ (صحیح بخاری کتا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیدؓ نے جھنڈا لیا، وہ شہید ہو گئے، پھر جعفرؓ نے جھنڈا لیا، وہ بھی شہید ہو گئے پھر ابن رواحہؓ نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید ہو گئے (اس وقت) آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا (پھر) اللہ کی تلواروں میں سے ایک

المغازی باب غزوۃ موتہ جزء ۵ صـ۱۸۲)

تلوار نے جھنڈا لیا (وہ لڑے) یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن پر فتح دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر پر دوسرا حملہ تبوک کے مقام پر کیا۔

حضرت کعبؓ بن مالک فرماتے ہیں :۔

غَزَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَرٍّ شَدِيْدٍ وَّاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيْدًا وَّمَفَازًا وَّعَدُوًّا كَثِيْرًا (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ تبوک جزء ۶ صـ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی لڑائی لڑی تو گرمی سخت تھی، سفر طویل تھا اور منزل بہت دور تھی اور دشمن کی تعداد کثیر تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر پر تیسری بار حملہ کرنے کے لئے پھر ایک لشکر تیار کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا وَّاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما جزء ۶ صـ۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس پر اسامہ بن زید کو سپہ سالار بنایا۔

غرض یہ کہ تھوڑی سی مدت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے ملک پر تین حملے کئے اور بڑی خوبی اور مستعدی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین نے اس سلسلہ کو جاری رکھا اور ایک قلیل عرصہ میں پورے ایران پر اور قیصر کے بیشتر علاقوں

پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔

خوشخبریاں | اللہ تعالیٰ نے جنگ کا حکم دیا تو ساتھ ساتھ فتح کی بشارت بھی بار ہا دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران۔ ۱۳۹)

ہمت نہ ہارو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ○ (النساء ۱۴۱)

اللہ کافروں کو مؤمنین پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ (الانبیاء۔ ۱۰۵)

(ضروری پندو نصیحت کے بعد ہم زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (المائدۃ۔ ۵۶)

جو شخص اللہ کو، اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو دوست بنائے (تو یہ اللہ کا لشکر ہے) اور اللہ کا لشکر ہی غالب رہے گا۔

جبیر بن حیہؓ کہتے ہیں :۔

نَدَبَنَا عُمَرُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْنَا النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ حَتّٰى اِذَا

(حضرت) عمرؓ نے ہمیں جنگ کے لئے برانگیختہ کیا اور ہم پر نعمان بن مقرن

كُنَّا بِأَرْضِ الْعَدُوِّ وَخَرَجَ عَلَيْنَا
عَامِلُ كِسْرٰى فِيْ أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا
فَقَامَ تَرْجُمَانٌ فَقَالَ لِيُكَلِّمْنِيْ
رَجُلٌ مِّنْكُمْ فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ
سَلْ عَمَّا شِئْتَ قَالَ مَا أَنْتُمْ
قَالَ نَحْنُ أُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ
كُنَّا فِيْ شَقَاءٍ شَدِيْدٍ وَ
بَلَاءٍ شَدِيْدٍ نَمَصُّ الْجِلْدَ
وَالنَّوٰى مِنَ الْجُوْعِ وَنَلْبَسُ
الْوَبَرَ وَالشَّعَرَ وَنَعْبُدُ الشَّجَرَ
وَالْحَجَرَ فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ
إِذْ بَعَثَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ
رَبُّ الْأَرَضِيْنَ، تَعَالٰى ذِكْرُهٗ
وَجَلَّتْ عَظَمَتُهٗ إِلَيْنَا نَبِيًّا
مِنْ أَنْفُسِنَا نَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهٗ
فَأَمَرَنَا نَبِيُّنَا رَسُوْلُ رَبِّنَا صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُّقَاتِلَكُمْ
حَتّٰى تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ
أَوْ تُؤَدُّوا الْجِزْيَةَ وَأَخْبَرَنَا
نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا أَنَّهٗ مَنْ

کو سپہ سالار بنا دیا۔ جب ہم دشمن کے
ملک میں پہنچے تو کسریٰ کا عامل چالیس
ہزار سپاہیوں کے ساتھ ہمارے مقابلہ
کے لئے آیا۔ ایک ترجمان (درمیان
میں) کھڑا ہو گیا۔ عامل نے کہا: تم
میں سے ایک آدمی مجھ سے بات
کرے۔ حضرت مغیرہؓ نے کہا: پوچھ
جو تو پوچھنا چاہے۔ عامل نے کہا تم
کون ہو؟ حضرت مغیرہ نے کہا: ہم
عرب کے لوگ ہیں، ہم سخت بدبختی
اور شدید بلاء میں مبتلا تھے، بھوک
میں کھالوں کو اور گٹھلیوں کو چوسا
کرتے تھے، بالوں کا لباس پہنتے
تھے، درختوں اور پتھروں کو پوجتے
تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ آسمانوں
کے اور زمینوں کے رب نے جس کا ذکر بلند
ہے اور جس کی عظمت روشن ہے ہم میں
ایک نبی مبعوث فرمایا جو ہم ہی میں
سے تھا۔ اس کے ماں باپ کو ہم
(اچھی طرح) پہچانتے تھے۔ ہمارے
نبی، ہمارے ربّ کے رسول صلی

قُتِلَ مِنَّا صَارَ اِلَى الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمٍ لَمْ يَرَ مِثْلَهَا قَطُّ وَمَنْ بَقِيَ مِنَّا مَلَكَ رِقَابَكُمْ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الکتاب جزء ۴ صفحہ ۱۱۸)

اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تم سے لڑیں یہانتک کہ تم اللہ اکیلے کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے رب کا یہ پیغام بھی ہمیں پہنچایا ہے کہ ہم میں سے جو قتل ہوگیا وہ جنّت کی نعمت میں داخل ہوگا، اس جیسی (نعمت) اس نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی اور جو ہم میں سے زندہ رہا وہ تمہاری گردنوں کا مالک ہوگا۔

کتنی واضح، کتنی روشن اور کتنی ہمّت افزا یہ بشارتیں ہیں۔ ان بشارتوں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں فتوحات کا ایک تابناک سلسلہ ظہور پذیر ہو چکا ہے۔ بشارت کی یہ پیش گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوئیں اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حق کے مقابلہ میں باطل پسپا ہوتا چلا گیا بلکہ فنا ہوتا چلا گیا۔ مسلمین جہاں نکل جاتے تھے فتح ان کا قدم چومتی تھی۔ کیا یہ بشارتیں اور ان کے مطابق فتوحات کا ظہور پذیر ہونا ہمارے جمود کو توڑنے کے لئے کافی نہیں؟ کیا یہ چیزیں ہماری ہمت افزائی کا باعث نہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ہمیں پوری قوت سے حق کو لے کر میدان میں نکل آنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ایمان والوں کی مدد کرے گا، اس کی معیت اور نصرت تقوے والوں کے ساتھ ہوگی۔ اٹھیئے، دلوں میں صحیح ایمان اور تقویٰ پیدا کیجئے اور اللہ

تعالیٰ پر بھروسہ کرکے ہر قسم کے جہاد کی طرف قدم بڑھایئے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے، اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے زبان سے، ہاتھ سے، جان سے اور مال سے جہاد کیجئے۔ کیونکہ جنگ کے ذریعہ جہاد کرنا حکومت کا کام ہے لہٰذا اہل حق کو چاہیئے کہ حکومت کو تابعِ حق بنائیں تاکہ وہ اس جہاد سے محروم نہ رہنے پائیں۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی۔ نارتھ ناظم آباد بلاک جی، کراچی ۳۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدعت

سلسلۂ اشاعت نمبر ۔ ۔ ۔ ۔ سنہ ۱۳۹۵ھ

بدعت کے لُغوی معنیٰ بدعت کا مادّہ "بَدْعٌ" ہے۔ "بَدْعٌ" کے معنیٰ ہیں: نو پیدا کرنا۔ ایجاد کرنا۔ "بِدْعٌ" کے معنیٰ ہیں: نو ایجاد جو کسی کی مثال پر نہ ہو۔ "بدیعٌ" اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، اس کے معنیٰ ہیں: بے نمونہ نیا پیدا کرنے والا (منتھی الارب فی لغات العرب) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں "اَلْاِبْدَاعُ کے معنیٰ بغیر کسی کی تقلید کے کسی چیز کے ایجاد کرنے کے ہیں۔۔۔ جب اِبْدَاعٌ کا لفظ اللہ عزوجل کے متعلق استعمال ہو تو اُس کے معنیٰ بغیر آلہ، بغیر مادّہ، بغیر زمان و مکان کے کسی شئے کو ایجاد کرنے کے ہوتے ہیں" (مفردات القرآن) الغرض بدعت کے لُغوی معنیٰ یہ ہوئے "ایسی نئی چیز جس کا نمونہ پہلے سے موجود نہ ہو"۔ قرآن مجید سے بھی اس معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔ {احقاف [illegible]} (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں بِدْعٌ نہیں ہوں (یعنی ایسا نیا اور نرالا رسول نہیں ہوں کہ اس کا نمونہ گذشتہ رسولوں میں نہ ہو، پہلے بھی ایسے رسول آتے رہے ہیں)

بدعت کے شرعی و اصطلاحی معنیٰ قرآنی اور لُغوی معنیٰ کی بنیاد پر بدعت کے شرعی معنیٰ یہ ہوئے:۔

"ایسا نیا کام جس کی مثال یا جس کا نمونہ پہلے سے شریعت یا سُنّت میں موجود نہ ہو"۔

اس اصطلاحی و شرعی معنیٰ کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ {[illegible]} (نصاریٰ نے) رہبانیّت کی بدعت نکالی حالانکہ ہم نے اس رہبانیّت کو ان پر فرض نہیں کیا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رہبانیّت پہلے سے دین میں شامل نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے اسکے متعلق کوئی حکم نہیں دیا تھا، بعد میں نصاریٰ نے اسے ایجاد کیا، اللہ تعالیٰ نے اس ایجاد کو بدعت کہا۔ لہٰذا آیت سے ثابت ہوا کہ بدعت "وہ نیا کام ہے جو پہلے سے دین میں موجود نہ ہو"

بدعت کے یہ شرعی و اصطلاحی معنیٰ اتنے مشہور ہوگئے کہ اہلِ لغت نے بھی اپنی کتابوں میں اسے درج کر دیا۔ منتھی الارب میں بدعت کے یہ معنیٰ لکھے ہیں:۔ "دین کے کمال کے بعد اس

میں نئی رسم نکالنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی بات نکالنا۔"

کیا بدعت کی دو قسمیں ہیں عام طور پر مشہور ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) بدعتِ حسنہ (یعنی اچھی بدعت) (۲) بدعتِ سیئہ (یعنی بُری بدعت)۔ بدعت کو دو قسموں میں تقسیم کرنا عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ عقل کے خلاف اس لحاظ سے ہے کہ بدعتِ سیئہ کا اضافہ دین میں نہیں ہو سکتا، ایسی نئی بات کوئی نہیں نکال سکتا کہ جو بُری بھی ہو اور پھر اُسے ثواب بھی سمجھا جائے۔ اور اگر کوئی نکالے بھی تو اُسے کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں تاریخ کو جُوا کھیلنا یا شراب پینا باعثِ ثواب ہے تو بتایئے اُسے کون تسلیم کرے گا۔ لہٰذا بدعتِ سیئہ کا کوئی وجود نہیں۔

بُرا کام ہر حال میں بُرا ہے خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔ اس لحاظ سے بُرے کام کے لئے نئے، پرانے کی تقسیم لایعنی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کا کلام لایعنی باتوں سے پاک ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بدعت سے بُرے کام مُراد لینا قطعاً صحیح نہیں اور یہ کہ بدعت کی دو قسمیں کرنا عقلاً باطل ہے۔

بدعتِ حسنہ ہی درحقیقت شرعی بدعت ہے۔ لیکن یہ مرکّبِ توصیفی صحیح نہیں اس لئے کہ بدعت بُرا کام ہے (جیسا کہ آگے آ رہا ہے) لہٰذا کسی بُرے کام کے ساتھ حسنہ کا لفظ لگانا باطل ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کام بُرا بھی ہو اور اچھا بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ {صحیح مسلم کتاب الجمعۃ} "ہر بدعت گمراہی ہے۔"

إِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ {احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح} "ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

سُنن کی مندرجہ بالا احادیث میں لفظ "مُحْدَثَةٌ" آیا ہے۔ یہ لفظ 'اِحداث' سے مشتق ہے جس کے معنٰی ہیں "نیا پیدا کرنا" (منتہی الارب)، ایجاد کرنا۔ مُحْدَث، چیز جو عدم سے وجود میں آئی ہو۔ حُدُوث کے معنٰی ہیں ایسی چیز کا وجود میں آنا جو پہلے نہ ہو' (مفردات القرآن) گویا "مُحْدَثَةٌ" اور "بِدْعَةٌ" ہم معنٰی الفاظ ہیں۔

احادیثِ بالا سے ثابت ہوا کہ ہر نئی بات کو بدعت کہتے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ جب ہر بدعت گمراہی ہے تو پھر وہ کونسی بدعت رہ جاتی ہے جو گمراہی نہیں ہے۔ لہٰذا نقلاً بھی بدعت کو دو قسموں میں تقسیم کرنا باطل ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ تراویح کو بدعتِ حسنہ کہا تھا لہٰذا ثابت

ہوا کہ بعض بدعتیں حسنہ بھی ہوتی ہیں۔ اس شبہ کا جواب درج ذیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مسجدِ نبوی میں تراویح کی مختلف جماعتیں ہوا کرتی تھیں (مسند احمد عن عائشہؓ) پھر ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نماز تراویح پڑھائی، ان راتوں میں نماز تراویح کی ایک ہی جماعت ہوئی۔ چوتھی رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح نہیں پڑھائی اور یہ فرمایا "میں نے اس اندیشہ سے نماز نہیں پڑھائی کہ کہیں تم پر لازم نہ ہو جائے۔" اس کے بعد وہی کیفیت جاری رہی، پھر مختلف جماعتیں ہونے لگیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں یہ صورت دیکھی تو فرمایا اگر میں ان سب کو ایک قاری پر جمع کر دوں "لکان امثل" تو بے شک یہ (سنت کے) زیادہ مثل ہوگا۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک جماعت جاری کر دی، اور فرمایا۔

نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ [صحیح بخاری کتاب صلاۃ التراویح] "اچھی بدعت یہ ہوتی ہے۔"

ایک امام کے پیچھے تمام لوگوں کا نماز پڑھنا سنت سے ثابت تھا، حضرت عمرؓ نے "لکان امثل" کہہ کر اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ لہٰذا شرعی اصطلاح میں یہ بدعت نہیں ہوئی، کیونکہ اصطلاحِ شرع میں بدعت وہ کام ہے جس کا نمونہ سنت میں موجود نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے بدعت کو لغوی معنی میں استعمال کیا۔ ایک مسجد میں ایک ہی جماعت کا قیام متروکہ سنت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے پھر جاری کر دیا کیونکہ متروکہ سنت کو جاری کرنے کا فعل اس سے پہلے واقع نہیں ہوا تھا لہٰذا انہوں نے اس جاری کرنے کے فعل کو لغوی اعتبار سے بدعت سے تعبیر کیا۔ جن لوگوں نے "جاری کرنے" اور "ایجاد کرنے" میں فرق نہیں کیا وہ حضرت عمرؓ کے قول سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ بدعت اچھی بھی ہو سکتی ہے، حالانکہ بات یہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے جس بدعت کو اچھا کہا وہ متروکہ سنت کا جاری کرنا ہے اور یہ چیز خارج از بحث ہے۔ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے نیک کام کے ایجاد کرنے کو جس کا نمونہ پہلے سے سنت میں موجود نہ ہو اچھا نہیں کہا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کے قول سے اصطلاحی بدعت کی دو قسمیں ثابت نہیں ہوئیں۔ فللہ الحمد۔

نیک کام ہی بدعت ہوتا ہے اگرچہ دلائل بالا ہی سے ثابت ہو چکا ہے کہ بدعت اس نیک کام کو کہتے ہیں جو دین میں نیا نکالا جائے اور جس کا نمونہ سنت میں موجود نہ ہو، تاہم ذیل میں ہم اس کے مزید دلائل دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ [صحیح بخاری کتاب الصلح وصحیح مسلم کتاب الاقضیۃ] "جس نے ہمارے اس امر میں کوئی نیا کام نکالا تو وہ نیا کام نامقبول اور مسترد کر دیا جائے گا۔"

اللہ اور اس کے رسولؐ کا "امر" (یعنی حکم) دینِ اسلام ہے، لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ

"دین میں جو نیا کام نکالا جائے وہ مقبول نہیں ہوگا"

دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:۔

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ (صحیح مسلم کتاب الاقضیہ) "جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ عمل مسترد کر دیا جائے گا"

'امر' کے معنی حکم کے بھی ہیں اور فعل کے بھی۔ جب امر کے معنی حکم ہوتے ہیں تو اس کی جمع اوامر ہوتی ہے۔ اور جب امر کے معنی کام ہوتے ہیں تو اس کی جمع امور ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جس نے ایسا کوئی عمل کیا جس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا فعل نہ ہو تو وہ عمل مردود ہے، نامقبول ہے۔

بُرے کام کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بُرا کام نیا ہو یا پُرانا ہر حال میں نامقبول ہے، لہٰذا اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "وہ نامقبول ہے" کوئی معنی نہیں رکھتا، اللہ اور اُس کے رسول کا کلام مہمل نہیں ہوتا لہٰذا حدیث میں بدعت سے مراد بُرا کام نہیں لیا جا سکتا قبول ہونے نہ ہونے کا سوال تو صرف نیک کام کے متعلق ہی ہو سکتا ہے لہٰذا اس حدیث کی رُو سے اگر کوئی بدعت قبول نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ وہ بدعت نیک کام ہوگی، خلاصہ یہ ہوا کہ وہ نیک کام جو دین میں نیا نکالا گیا ہو بدعت ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی تفصیل بتائی گئی تو انہوں نے اس عبادت کو اپنے حق میں کم سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عبادت کرنے کا ارادہ کیا۔

ایک نے کہا:۔

اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا۔ "میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کروں گا"

دوسرے نے کہا:۔

اَنَا اَصُوْمُ الدَّھْرَ وَلَا اُفْطِرُ۔ "میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا (دن کو) کبھی افطار نہیں کروں گا"

تیسرے نے کہا:۔

اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا۔ "میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا، کبھی نکاح نہیں کروں گا" (تاکہ ہر وقت عبادت میں لگا رہوں)

ان لوگوں کی یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئیں، آپؐ اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:۔

اَنۡتُمُ الَّذِیۡنَ قُلۡتُمۡ کَذَا وَکَذَا وَاللّٰہِ اِنِّیۡ لَاَخۡشَاکُمۡ لِلّٰہِ وَاَتۡقٰکُمۡ لَہٗ لٰکِنِّیۡ اَصُوۡمُ وَاُفۡطِرُ وَاُصَلِّیۡ وَاَرۡقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنۡ رَغِبَ عَنۡ سُنَّتِیۡ فَلَیۡسَ مِنِّیۡ (صحیح بخاری کتاب النکاح ورواہ مسلم نحوہٗ فی کتاب النکاح)

"تم ہی لوگ ہو جنہوں نے اِس اِس طرح کہا ہے، اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں لہٰذا جو شخص میری سُنّت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں" (یعنی اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)

ان تین آدمیوں نے جن کاموں کا ارادہ کیا وہ کام یقیناً نیک تھے اور خلوصِ نیت پر مبنی تھے اس کے باوجود رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرمایا اور سُنّت سے زائد کام کرنے سے روک دیا بلکہ سُنّت سے زیادہ کام کرنے والے سے اپنی بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار فرمایا اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ کتنا ہی نیک کام کیوں نہ ہو اگر وہ سُنّت سے زائد ہو تو مردود ہے، اس کے کرنے سے ثواب حاصل نہ ہوگا بلکہ نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہوگا۔

بدعت کفر ہے مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ متقی تھے لہٰذا جو کچھ آپ نے کیا وہ تقوے کی اُنتہائی منزل اور آخری حد ہے۔ اس کے آگے ضلالت و گمراہی کے حدود شروع ہو جاتے ہیں، لہٰذا جو شخص سُنّت سے زائد کام کرتا ہے وہ گویا رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متقی بننا چاہتا ہے، ایسا شخص یقیناً کافر ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سُنّت سے زائد جتنے نیک کام ہیں وہ بدعت ہیں۔ ان کا کرنا کفر کی ایک قسم ہے۔ سُورۂ حدید کی مذکورہ بالا آیت اور احادیث مذکورہ بالا سے نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت اُس نیک کام کو کہتے ہیں جو حدودِ شرعیہ اور طریقۂ مسنونہ سے آگے بڑھ جائے۔ اگرچہ سُنّت سے کم کرنا گناہ ہے لیکن سُنّت سے زیادہ کرنا نہ صرف گناہ ہے بلکہ بدعت ہے، اور یہ ترکِ سُنّت سے زیادہ ہلاکت خیز ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَجَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ رَاۡفَۃً وَّرَحۡمَۃً ؕ وَرَہۡبَانِیَّۃَۨ ابۡتَدَعُوۡہَا مَا کَتَبۡنٰہَا عَلَیۡہِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰہِ فَمَا رَعَوۡہَا حَقَّ رِعَایَتِہَا ۚ فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی ہم نے اُنکے دلوں میں شفقت اور مہربانی کا جذبہ پیدا کر دیا (پھر) ان لوگوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی (انہوں نے اپنے خیال میں) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے (خود ہی ایسا کر لیا

مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ○ { حدید } تھا) پھر جیسا اُس کو نباہنا چاہئے تھا نباہ بھی نہ سکے، پھر جو لوگ ان (بدعتیوں) میں سے ایمان لے آئے اُن کو ہم نے اُن کا اُجر دیا اور اُن میں سے بہت سے فاسق ہی رہے۔

آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں کی تعریف کی، یہ بدعتی نہیں تھے، پھر آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے پیروی کرنے والوں میں سے ان لوگوں کی مذمت کی جو بدعت کا شکار ہو گئے تھے۔ پھر ان بدعتیوں میں سے بعض لوگوں کے ایمان لانے کا ذکر کیا، اس کا مطلب صاف ہے کہ پہلے وہ بدعتی کافر ہو گئے تھے۔ جب بدعت چھوڑ کر تائب ہو گئے تو گویا پھر ایمان لائے، لہٰذا ثابت ہوا کہ بدعت کفر کی ایک قسم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (صحیح مسلم و نسائی) "ہر بدعت گمراہی ہے اور وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ (نسائی کتاب العیدین) ہر گمراہی دوزخ میں (لیجانے والی) ہے"۔

بدعت کے متعلق ضلالت کا لفظ بتارہا ہے کہ بدعت کفر سے کسی طرح کم نہیں اس لئے کہ کسی گناہ کو ضلالت نہیں کہا جاتا، مثلاً اگر کوئی شخص چوری کرتا ہے تو اُسے گناہگار تو کہا جائے گا گمراہ نہیں کہا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ ..... شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ) "بے شک تمام اعمال میں سب سے بدتر عمل بدعات ہیں"۔

سب سے بدتر کام تو کفر اور شرک کے کام ہیں لہٰذا بدعت کفر اور شرک سے کسی طرح کم نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ {مائدہ} "آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا"

جب دین کامل ہو گیا تو پھر اس میں کوئی چیز شامل نہیں ہو سکتی۔ دین میں نئی چیز شامل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دین کو ناقص مانا جائے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ جو لوگ دین میں نئی نئی باتیں نکال رہے ہیں یا نئی نئی باتوں پر عمل کر رہے ہیں وہ دین کو ناقص ماننے کا اقرار کریں یا نہ کریں عملاً وہ دین کو ناقص ہی ثابت کر رہے ہیں۔ اُن کا بدعت پر عمل کرنا عملی کفر ہے۔

بدعت شرک ہے | دین اسلام، اللہ کا دین ہے۔ اِس دین کی تمام جزئیات اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (شوریٰ) "اللہ نے تمہارے لئے دین بنایا"۔

دین میں کمی بیشی کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بدعت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین میں شامل نہیں ہوتی بلکہ بعد میں بڑھائی جاتی ہے لہٰذا یہ دین میں اضافہ کے مترادف ہے اور کیونکہ دین میں اضافہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہٰذا جو لوگ کسی بدعت کا اضافہ کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے منصب پر پہنچا دیتے ہیں، وہ شرک فی الدین یا شرک فی التشریع کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ اس بدعت پر عمل کرتے ہیں وہ گویا اُس بدعت کے نکالنے والے کو دین سازی میں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک اِلٰہ نہیں بلکہ کئی اِلٰہ مانتے ہیں۔ کتنا بڑا شرک ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ {شوریٰ} "کیا انہوں نے (اللہ کے) شریک بنا رکھے ہیں جو اُن کے لئے دین سازی کرتے رہتے ہیں حالانکہ اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی۔"

آیتِ بالا سے ثابت ہوا کہ دین سازی شرک ہے۔ دین سازی خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (زمر) "خبردار، دین خالص اللہ کے لئے ہے۔"

بدعتی کی بدبختی قیامت کے دن حوضِ کوثر سے بعض لوگوں کو دُور کر دیا جائے گا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمائیں گے کہ ان کو کس جرم میں دور کیا جا رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملیگا:۔

إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔ "آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی بدعتیں کی تھیں۔"

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے سُحْقًا (یہ لوگ مجھ سے) دور ہو جائیں" (صحیح مسلم وروا البخاری نحوہ)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، اپنی اُمت کے گناہگاروں پر بہت مہربان ہیں، لیکن باوجود اس کے آپ بدعتیوں سے بیزار ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کا جواب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں سُنئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي (صحیح مسلم وروا البخاری نحوہ) "یہ دُوری اُس کے لئے ہوگی جس نے میرے بعد دین کو بدل دیا تھا۔"

بدعت سے دین بدل جاتا ہے، سُنت اُٹھ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدعتی سے بیزار ہوں گے۔

بدعت میں خیر نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (المائدہ) "میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی"۔
جب نعمت پوری ہوگئی تو اب وہ کونسی نعمت رہ گئی جس کو تلاش کیا جائے۔ اگر بدعتیں نعمت ہوتیں تو ضرور اللہ تعالیٰ اُن کو پہلے اپنے دین میں شامل کرکے پھر دین کو کامل کرتا، لیکن ایسا نہیں ہوا تو پھر یہ بدعتیں جو بعض مسلمانوں نے نکال رکھی ہیں نعمت نہیں ہیں بلکہ لعنت ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا "اللہ کی لعنت ہے اُس شخص پر جو کسی بدعتی کو جگہ دے"۔ (صحیح مسلم کتاب الاضاحی)

جب بدعتی کو جگہ دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے تو پھر بدعتی پر کس قدر لعنت ہوگی۔
رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ) "مجھ سے پہلے جتنے بھی رسُول آئے اُن میں سے ہر ایک پر فرض تھا کہ اُمت کیلئے جو خیر کی بات اُسے معلوم ہے وہ اُمت کو بتادے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیر کی جتنی باتیں تھیں وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیں، اب کوئی خیر نہیں جس کو خیر سمجھ کر نکالا جائے۔

<u>بدعتی بے ایمان ہوتا ہے۔ مؤمنین کا اس سے کیا سلوک ہونا چاہیے</u> رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ فِي أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ۔ "مجھ سے پہلے جو نبی بھی اللہ نے کسی اُمت میں مبعوث فرمایا اُس اُمت میں اس کے مددگار اور اصحاب ہوا کرتے تھے جو اُس کی سُنت پر عمل کرتے تھے اور اُس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ اُن کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے تھے جو ایسی باتیں کہتے تھے جن پر عمل نہیں کرتے تھے اور جو عمل کرتے تھے اُن کے کرنے کا اُنہیں حکم نہیں دیا گیا تھا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُن ناخلف لوگوں کی دو خصوصیات تھیں۔
(۱) ان کے قول و فعل میں تضاد تھا، جیسے آجکل کے لوگ کہ اپنے مسلم ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسلام پر عمل نہیں کرتے، اہلِ حدیث یا اہلِ سنت ہونے پر فخر کرتے ہیں لیکن حدیث یا سُنت پر عمل نہیں کرتے۔

(۲) ایسے عمل کرتے تھے جن کا حکم نہیں دیا گیا تھا یعنی جو عمل وہ کرتے تھے اُن کے دین میں اُن کا کوئی ذکر نہیں تھا، دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ وہ بدعتیں کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ سُنّت کا ترک اور بدعت پر عمل اُن کا شیوہ تھا۔ ایسے لوگوں سے ایمان والوں کو کس قسم کا سلوک رکھنا چاہیئے اس کی وضاحت کرتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا الفاظ کے آگے فرمایا:۔

فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان)

"جو شخص ایسے لوگوں سے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو قلب سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد تو رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔"

یہ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص بدعتی کے خلاف قلب سے بھی جہاد نہ کرے وہ مؤمن نہیں، یعنی جو بدعتی کو یا بدعت کو دل میں بھی بُرا نہ سمجھے وہ بالکل بے ایمان ہے۔ سوچیئے جو شخص بدعت تو نہیں کرتا لیکن بدعتی یا بدعت کو بُرا بھی نہیں سمجھتا وہ بے ایمان ہے تو بتایئے کہ جو شخص بدعت کو اچھا سمجھتا ہے اور اُس کو کرتا بھی ہے وہ کتنا بڑا بے ایمان ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدعت کو بُرا نہ سمجھنا کفر ہے تو پھر اُس کو اچھا سمجھنا کیسے کفر نہ ہوگا۔ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مؤمنین کو بدعتیوں سے جہاد کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اُن کا ہم نوالہ و ہم پیالہ بن جائیں اور اُن کو اپنا امام بنالیں۔

اسلام اُسی چیز کا نام ہے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تھی۔ جو بعد میں نکلی وہ بدعت ہے۔ اسلام قرآن و حدیث کے اندر محفوظ ہے۔ قرآن و حدیث کے باہر اسلام نہیں ملیگا۔ جماعت المسلمین کی دعوت یہی ہے کہ اُس خالص اسلام کو مانیئے جس پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کو چھوڑ کر دُنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ اس میں کسی کے قول و فعل فتوے اور رائے کو شامل نہ کیجیئے، اللہ کے دین کو خالص رکھیئے، اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ کیجیئے، اتفاق و اتحاد کی یہی صورت ہے اور بس۔ نجات کا دارو مدار بھی صرف قرآن و حدیث کی اتباع پر ہے۔ آیئے ہم سب مل کر اللہ کی اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور ایک ہو جائیں۔

سلسلۂ اشاعت ۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِصلاحِ اُمّت اور جماعت المُسلمین

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔

(آج سے تقریباً ۱۴۰۰ سو سال پہلے) لوگوں کی بداعمالی کی وجہ سے بحر و بر میں فساد پھیل چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فساد کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنے آخری رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور نصرت سے شرک کی جگہ توحید، کفر کی جگہ ایمان، شر کی جگہ خیر، بدامنی کی جگہ امن و امان، فرقہ وارانہ مذاہب کی جگہ اسلام اور فرقوں کی جگہ ایک امت مسلمہ: جماعت المسلمین کو برپا کیا۔

فیضان نبوت سے صدیوں تک اسلام کی چمک دمک باقی رہی۔ چمنستانِ اسلام میں سالہا سال تک بہار رہی اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند رہا لیکن پھر آخر وہ وقت بھی آیا کہ بہار خزاں میں تبدیل ہوگئی اور امت مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کے بمصداق ہر فرقہ اپنے خود ساختہ مذہب پر مگن ہی نہیں بلکہ نازاں ہوگیا۔ عمل مفقود ہوگیا اور اگر کہیں عمل رہا بھی تو علماء کے فتووں اور قیاسوں پر۔ وہ دین جو قرآن اور حدیث کے اندر مکمل و محفوظ تھا اس کا بس نام ہی باقی رہ گیا۔ دین کو کامل ملتے ہوئے بھی اس میں ہزارہا اضافے ہوگئے۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کو برکت کے لئے استعمال کیا جانے لگا لیکن عمل کے لحاظ سے انہیں پس پشت ڈال دیا گیا۔ دعویٰ سب کا یہی تھا کہ ہم قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اور انہی کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن حقیقتاً انہیں قرآن و حدیث سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ماضی میں اس فساد کو نیست و نابود کرنے کے لئے کون کونسی اصلاحی تحریکیں اٹھیں اور کن کن ادوار و زمن میں از سر نو جماعت المسلمین کا کا احیاء ہوا۔ زمانے گذرتے رہے بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ ہمارے زمانہ میں اسلام کے چند خیر خواہ حضرات نے ۱۳۹۵ھ میں پھر جماعت المسلمین کا احیاء کیا۔

جماعت المسلمین کے احیاء کے وقت یعنی ۱۳۹۵ھ میں امت کی جو

حالت تھی ہم اس کا مختصر خاکہ ذیل میں درج کر رہے ہیں :۔

① **تقلید اور فرقہ واریت** فرقوں کا دور دورہ تھا، قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے کو اکثر حلقوں میں الحاد اور بے دینی تصور کیا جاتا تھا۔ ائمہ اور علماء کی تقلید عام تھی حتیٰ کہ وہ جماعت جو اپنے خود ساختہ نام پر نازاں اور قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے کی مدعی تھی تقلید میں گرفتار ہو چکی تھی۔ اس جماعت کے افراد بھی کسی ایسی سچی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے جو انہوں نے پہلے سے نہ سُن رکھی ہو، نہ کسی ایسی چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار تھے جو بعض علماء کے غلط فتوؤں کی وجہ سے رواج پا گئی ہو اور جس کی پشت پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل موجود نہ ہو یعنی غیر معروف سنتوں سے نفرت اور بدعات پر اڑے رہنا ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ ان کی زبان پر بھی وہی الفاظ آنے لگے تھے جو مقلدین کا طرۂ امتیاز تھے۔ وہ بھی بعض کاموں کی دلیل میں یہ کہنے لگے تھے کہ بڑے بڑے علماء ایسا کرتے آئے ہیں۔

② **تسامح** کسی اچھے کام کے ترک اور بُرے عمل کے ارتکاب کو کوئی وقعت نہیں دیتے تھے۔ جب کسی عمل کے لئے کہا جاتا تھا تو جواب ملتا تھا کہ آپ لوگ معمولی معمولی باتوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ کیا اسلام انہی باتوں میں رہ گیا ہے۔ اگر اس کام کو نہیں کیا گیا تو کیا اسلام خطرے میں پڑ جائے گا؟ اگر اتفاق سے وہ کام اختلافی ہوا تو جواب ملتا تھا کہ آپ لوگ فروعات میں اُلجھتے ہیں۔ اصل اسلام خطرے میں ہے اس کی طرف تو توجہ نہیں کرتے۔ فروعات میں اُلجھ کر پورے اسلام کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے مسلمانوں کو کام کرنے دو خواہ وہ اس کام کو کسی طرح بھی کریں۔ لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے آپ نماز کے طریقہ میں اُلجھ رہے ہیں۔ آپ کے اس رویہ کو لوگ تشدد پر محمول کرتے ہیں اور اسلام سے متنفر ہوتے ہیں۔ آپ بجائے اس کے کہ لوگوں کو اپنے قریب لائیں اپنے سے دُور کر رہے ہیں۔

اگر کسی برے کام سے روکا گیا تو جواب ملا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ ہر کام کے سلسلہ میں یہی جواب ملتا رہا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ "اس میں کیا حرج ہے" کے مقولے سے برائیوں کا انبار لگتا چلا جا رہا تھا حتیٰ کہ شرک اور بدعت کے جراثیم دل و دماغ میں پیوست ہونے چلے جا رہے تھے اور وہ یہی کہے جا رہے تھے کہ اس میں کیا حرج ہے۔

اس متساہلانہ رویہ کے مقابلہ میں آپ ذرا دورِ صحابہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو زمین و

آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ مثلاً

(۱) حضرت انس رض تابعین سے فرماتے ہیں :۔

اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ اِنْ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُوْبِقَاتِ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ما یتقی من محقرات الذنوب ش/۱۲۸)

تم ایسے ایسے عمل کرگزرتے ہو جو تمہاری نگاہ میں تو بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں لیکن ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو ہلاک کر دینے والے گناہ سمجھتے تھے۔

(۲) حضرت نافع کہتے ہیں :۔

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَاٰى رَجُلًا يُّصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ مَقَامِهٖ فَدَفَعَهٗ وَقَالَ اَتُصَلِّي الْجُمُعَةَ اَرْبَعًا (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ ۱/۱۶۷ وسندہ صحیح عون المعبود)

حضرت ابن عمر رض نے ایک شخص کو جمعہ کے دن اس کے (فرض کے) مقام پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اُسے دھکا دیا اور فرمایا کیا تو جمعہ کی چار رکعت پڑھتا ہے؟

فرض کی جگہ سنّت پڑھنا منع ہے جب تک فصل بالکلام نہ ہو یعنی جب تک درمیان میں بات نہ کرے، اگر فصل بالکلام نہ ہو تو اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھنا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض اس کو کتنا اہم سمجھتے تھے اور فی زمانا اس کو کتنا غیر اہم سمجھا جاتا ہے۔

(۳) حضرت عیینہ کہتے ہیں :۔

حَدَّثَنَا اَبِيْ قَالَ خَرَجْتُ فِيْ جَنَازَةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ سَمُرَةَ فَجَعَلَ رِجَالٌ مِّنْ اَهْلِهٖ يَسْتَقْبِلُوْنَ الْجَنَازَةَ فَيَمْشُوْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ وَيَقُوْلُوْنَ رُوَيْدًا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ قَالَ فَلَحِقَنَا اَبُوْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ طَرِيْقِ الْمِرْبَدِ فَلَمَّا رَاٰى اُولٰئِكَ وَمَا يَصْنَعُوْنَ حَمَلَ عَلَيْهِمْ بِبَغْلَتِهٖ وَ

ہم سے میرے والد نے بیان کیا کہ وہ عبدالرحمٰن بن سمرہ کے جنازہ میں (شرکت کے لئے) نکلے تو (کیا دیکھتے ہیں کہ) اس کے اہل میں سے بہت سے لوگ جنازہ کے آگے جا رہے ہیں پھر ایڑیوں کے بل چلتے ہیں اور کہتے ہیں: "آہستہ آہستہ (چلو)، اللہ تمہارے (کام) میں برکت عطا فرمائے۔" مربد کے راستہ میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ انہیں ملے۔ انہوں نے جب

اَهْوٰی لَهُمْ بِالسَّوْطِ وَقَالَ: خَلُّوْا نَوَالَّذِیْ كَرَّمَ وَجْهَ اَبِی الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَیْتُنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّا لَنَكَادُ اَنْ نَرْمُلَ بِهَا (مسند امام احمد وسندهٗ جید۔ بلوغ الامانی جزء ۸ ص۸)

ان لوگوں کو اور جو کچھ وہ کر رہے تھے اُسے دیکھا تو اپنے خچر پر جھپٹ کر آئے اور کوڑا لے کر ان پر جھکے اور کہا: راستہ چھوڑو، قسم اس کی جس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو بزرگی دی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنازہ کے ساتھ تیزی سے چلا کرتے تھے۔

(۴) حضرت حصین کہتے ہیں :۔

عَنْ عَمَّارَةَ بْنِ رُؤَیْبَةَ قَالَ رَاٰی بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَی الْمِنْبَرِ رَافِعًا یَدَیْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَیْنِ الْیَدَیْنِ لَقَدْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَزِیْدُ عَلٰی اَنْ یَقُوْلَ بِیَدِهٖ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ جزء اول ص۳۲۶)

عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے دیکھا تو فرمایا: اللہ ان دونوں ہاتھوں کا برا کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صرف ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے تھے (یہ کہتے ہوئے) انہوں نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔

(۵) حضرت مجاہد کہتے ہیں :۔

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَثَوَّبَ رَجُلٌ فِی الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ قَالَ اخْرُجْ بِنَا فَاِنَّ هٰذِهٖ بِدْعَةٌ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی التثویب جزء اول ص۸۶ وسندہ حسن)

میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھا۔ ایک شخص نے ظہر یا عصر (کی اذان) میں اَلصَّلوٰةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا۔ ابن عمر نے (مجھ سے) فرمایا: ہمیں یہاں سے لے چلو کیونکہ یہ بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خلاف سنت بات ہوتے دیکھا تو فوراً مسجد سے چلے گئے۔

الغرض صحابہ کرامؓ چھوٹی اور بڑی تمام باتوں کو اہمیت دیا کرتے تھے اور ان کی خلاف ورزی پر سختی سے تنقید کرتے تھے۔ نہ کوئی خلاف سنت بات برداشت کرتے اور نہ کسی بدعت کو نظر انداز کرتے۔

دورِ صحابہ اور موجودہ دور کے معاشرہ کا جو موازنہ اوپر پیش کیا گیا ہے اس سے قارئین کرام نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کیا تھا اور کیا ہوگیا۔ صحابہ کرام کے مزاج اور موجودہ دور کے لوگوں کے مزاج میں کتنا عظیم الشان فرق ہوگیا۔ موجودہ دور کے لوگ ہر بات کو معمولی سمجھ کر چھوڑ رہے ہیں گویا وہ خود اسلام کو آہستہ آہستہ رخصت کر رہے ہیں۔ اسلام لوگوں کی زندگیوں سے دور ہوتا جارہا ہے اور "اس میں کیا حرج ہے" کے مقولہ سے برائیاں آرہی ہیں۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ○ (البقرۃ - ۲۰۸)

اے ایمان والو، اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اللہ تعالےٰ نے تو ایمان والوں کو بڑی سختی کے ساتھ پورے اسلام پر عمل کرنے کی تاکید کی تھی لیکن اسلام کے ماننے والوں نے اسلام کے ایک بہت بڑے حصہ کو چھوڑ دیا۔

③ ترکِ سنّت اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ ترکِ سنّت گناہ نہیں، سنّت مثل نفل کے ہے مثلاً محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں :-

"واضح ہو کہ سنّت، نفل، مندوب، مستحب، مرغب فیہ، حسن، یہ تمام الفاظ ہم معنیٰ اور مترادف ہیں جو عبادت نافلہ (غیر فرض) پر بولے جاتے ہیں۔" (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۳۴۶)

یہ عقیدہ اتنا گمراہ کن تھا اور ہے کہ اسلام کے تمام ضابطے اور آداب کالعدم ہوکر رہ گئے۔ سنتیں چھوڑی جارہی تھیں اور یہ کہہ کر چھوڑی جارہی تھیں کہ "سنت ہی تو ہے، فرض تو نہیں"۔ اس طرح علی الاعلان سنّت کا استخفاف ہو رہا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ○ (الاحزاب - ۲۱)

بے شک اللہ کے رسول (کی زندگی) میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ یہ اس کے لئے جو اللہ کی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اس کے لئے بھی جو اللہ کا ذکر بہت کرتا ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ :-

۱۔ سنّت رسولؐ بہترین نمونۂ زندگی ہے۔

۲۔ اللہ تعالےٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ سنّت رسولؐ پر عمل کیا جائے۔

۳۔ کثرت سے اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنے والوں کے لئے بھی بہترین نمونہ سنّت رسولؐ ہے۔ سنّت رسولؐ کے خلاف ذکرِ الٰہی کرنا مفید نہیں ہوگا۔

آیت کا مطلب صاف ہے کہ سنّت رسولؐ پر عمل کرنے کے بعد ہی ایمان کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے۔

④ احکام کی حیثیت

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے جگہ جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو"۔ گویا قرآن مجید کی رُو سے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت فرض ہے۔ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں اس حکم کی تعمیل فرض ہوگی سوائے اس صورت کے کہ اس کو فرضیت یا وجوب سے ہٹانے کے لئے کوئی قرینہ پایا جائے اور وہ قرینہ قرآن مجید یا حدیثؐ نبوی ہی میں موجود ہو۔ کسی ایسے قرینے سے جو فرضی اور خیالی ہو یا جو کسی شخص یا اشخاص کی رائے سے عالم وجود میں آیا ہو کسی حکم کے وجوب کو ہٹایا نہیں جا سکتا لیکن ہو یہ رہا تھا کہ متعدد احکام کو محض وہم و گمان کی بنیاد پر وجوب سے ہٹا کر مستحب سمجھا جا رہا تھا۔ ان احکام کی اصلی حیثیت باقی نہیں رہی تھی۔ لوگ ویسے ہی عموماً تن آسانی کا شکار ہوتے ہیں جب انہیں یہ فتویٰ مل جائے کہ فلاں حکم استحبابی ہے تو انہیں کیا ضرورت کہ وہ اس حکم پر عمل کریں۔ اس طرح سینکڑوں احکام کو پسِ پشت ڈالا جا رہا تھا، فرائض کو نفل کا درجہ دیا جا رہا تھا۔ یہ ایک بڑی گمراہی تھی جو معاشرہ میں پائی جاتی تھی۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرض ہوتا ہے جب تک کوئی قرینۂ صارفہ اس کے وجوب کو ہٹانے والا نہ ہو۔ کیونکہ یہ اصول سب کے نزدیک مسلّم ہے لہذا ہمیں اس اصول کو منوانے کے لئے کسی دلیل کے بیان کی ضرورت نہیں۔ ہم تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کس طرح اپنے مسلّمہ اصول کو توڑ کر لوگوں نے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو فرض کے بجائے مستحب بنا دیا۔ مثلاً :-

۱۔ تحیۃ المسجد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو

فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ تَجْلِسَ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین جزء اوّل ص۱۲ و صحیح مسلم کتاب المساجد باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین جزء اوّل ص۲۸۷)

بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے۔

یہ حکم اپنی منشاء میں بالکل واضح ہے یعنی ان دو رکعت کا پڑھنا لازمی ہے لیکن علماء نے ان دو رکعتوں کو مستحب کہا ہے یعنی ان دو رکعتوں کا پڑھنا ضروری نہیں، اگر پڑھ لے تو اچھا ہے۔ ان علماء نے اس سلسلہ میں کوئی قرینۂ صارفہ پیش نہیں کیا اور نہ ہی کسی قرینۂ صارفہ کا وجود ہے۔ بعض علماء نے یہ ضرور کہا کہ اگر ہم نے اس کو فرض مان لیا تو چھ نمازیں فرض ہو جائیں گی حالانکہ نمازیں صرف پانچ فرض ہیں۔ ان کی یہ منطق صحیح نہیں اس لئے کہ پانچ نمازیں تو دن رات کا وظیفہ ہیں اور بغیر کسی سبب کے ہر مرد و عورت پر فرض ہیں لیکن تحیۃ المسجد بغیر سبب کے ہر مرد و عورت پر فرض نہیں۔ یہ تو صرف اسی وقت فرض ہو گی جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے کا ارادہ کرے۔

الغرض اس سلسلہ میں کوئی قرینۂ صارفہ موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس احادیث میں ایسے قرائن ملتے ہیں جو ان دو رکعتوں کی فرضیت کو ثابت کرتے ہیں:-

پہلا قرینہ: حضرت ابو قتادۃ فرماتے ہیں:-

دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ النَّاسِ قَالَ فَجَلَسْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ تَجْلِسَ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُكَ جَالِسًا وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ قَالَ فَاِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ (صحیح مسلم کتاب المساجد باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین جزء اول ص۲۸۸)

میں مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھنے سے پہلے تمہیں دو رکعت پڑھنے سے کس بات نے روکا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے آپ کو اور لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھا (تو میں بھی بیٹھ گیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھے نہیں جب تک دو رکعت پڑھ نہ لے۔

اگر یہ دو رکعتیں صرف مستحب ہوتیں تو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتے،

نہ تنبیہ فرماتے۔ افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بغیر دو رکعت پڑھے، بیٹھنے سے منع فرمائیں اور علماء بیٹھنے کی اجازت دیں اور یہ کہیں کہ بغیر دو رکعت پڑھے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بتلایئے کس کی مانیں۔

دوسرا قرینہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں:۔

دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَحْدَهُ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّ لِلْمَسْجِدِ تَحِيَّةً وَإِنَّ تَحِيَّتَهُ رَكْعَتَانِ فَقُمْ فَارْكَعْهُمَا قَالَ فَقُمْتُ فَرَكَعْتُهُمَا (صحیح ابن حبان۔ موارد الظمآن کتاب المساجد باب فی تحیۃ المسجد ص۱۰۱) سکت علیہ الحافظ (فتح الباری جزء ۲ ص۸۳)۔

میں مسجد میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مسجد کے لئے بھی تحیہ (یعنی سلام یا تحفہ) ہے اور مسجد کا تحیہ دو رکعتیں ہیں لہٰذا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں پڑھو۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں: میں کھڑا ہو گیا اور دو رکعتیں پڑھیں۔

تیسرا قرینہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:۔

جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب إذا رأی الامام رجلاً جاء وھو یخطب... الخ جزء ۲ ص۱۵ و صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب التحیۃ والامام یخطب جزء اول ص۳۴۶)۔

ایک شخص آیا۔ جمعہ کا دن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے (اس سے) فرمایا اے فلاں کیا تم نے نماز پڑھی۔ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: اٹھو اور دو رکعت پڑھو۔

چوتھا قرینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ أَوْ قَدْ خَرَجَ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ (صحیح بخاری باب ما جاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ جزء ۲۔ ص۷ و صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب التحیۃ والامام یخطب جزء اول ص۳۴۶ و ص۳۴۷)۔

جب تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو یا نکل آیا ہو تو اس وقت بھی دو رکعت پڑھے۔

قارئین کرام اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ دوران خطبہ نماز نہیں پڑھنی چاہیے، کسی بات کہنے والے سے یہ کہنا کہ "چپ رہو" اس کی بھی ممانعت ہے اور یہ کہ خطبہ کے وقت بات کرنے والے کا جمعہ نہیں ہوتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان دو رکعتوں کی تاکید فرمانا گیا اس بات کا قوی قرینہ نہیں کہ یہ دو رکعت واجب ہیں۔ انہیں خطبہ کی حالت میں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔

غرض یہ کہ قرائن اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ دو رکعت واجب ہیں لیکن کہنے والے یہی کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت واجب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوبی نہیں، استحبابی ہے۔ پڑھے تو اچھا ہے، نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ افسوس قرائن صارفہ کی عدم موجودگی اور قرائن مُوجبہ کی موجودگی کے باوجود کس لاپرواہی کے ساتھ اس فریضہ کو نفل کے خانہ میں ڈال دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۔ خواتین کی عیدگاہ میں حاضری

حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں :-

كُنَّا نُؤْمَرُ اَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيْدِ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب التکبیر ایام منیٰ جز ۳ ص۲۴) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُخْرِجَهُنَّ فِي الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى (صحیح مسلم کتاب العیدین باب ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین جز اول ص۲۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نکلیں اور (سب) عورتوں کو عیدگاہ لے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بھی اپنے مطلب میں واضح ہے۔ احادیث میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ملتا جو اس حکم کے وجوب کو ساقط کرے لہٰذا اصول مسلمہ کے لحاظ سے خواتین پر عیدگاہ کی حاضری فرض قرار دینی چاہیے تھی لیکن افسوس! ایسا نہیں ہوا۔ یہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو حکمِ استحبابی سمجھا گیا اور اس طرح اس حکم کی حیثیت کو مسخ کر دیا گیا۔

علماء نے یہاں نہ صرف اپنے مسلمہ اصول کو توڑا بلکہ ان قرائن کو بھی نظر انداز کر دیا جو اس کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں مثلاً

پہلا قرینہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تو ایک عورت نے پوچھا :-

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعَلٰى اِحْدَانَا بَاْسٌ — اے اللہ کے رسول، کیا ہم میں سے کسی پر

اِذَالَمْ یَکُنْ لَھَا جِلْبَابٌ اَنْ لَّا تَخْرُجَ ؟ گناہ ہوگا اگر اس کے پاس برقع نہ ہو تو وہ عیدگاہ نہ جائے ؟

اس سوال سے معلوم ہو رہا ہے کہ اُس عورت نے اس حکم کو فرض سمجھا ورنہ سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب اذالم یکن لھا جلباب جزء ۲ ص۲۷ وصحیح مسلم کتاب العیدین باب ذکر اباحت خروج النساء فی العیدین جزء اول ص۲۵۲)

اس کے ساتھ والی کو چاہیئے کہ وہ اُسے بھی اپنے برقع میں چھپالے، اس طرح (بے برقع والی عورتیں) بھی خیر اور مومنین کی دعاء میں شریک رہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے برقع والی خواتین کو بھی عیدگاہ سے غیر حاضر ہونے کی اجازت نہیں۔

دوسرا قرینہ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں :۔

اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب خروج النساء والحیض الی المصلی جزء ۲ ص۲۶) وَفِیْ رِوَایَۃٍ حَتّٰی نُخْرِجَ الْبِکْرَ مِنْ خِدْرِهَا (صحیح بخاری کتاب العیدین باب التکبیر ایام منی جزء ۲ ص۲۵)

ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم جوان اور پردہ نشین لڑکیوں کو بھی عیدگاہ لے جائیں اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ (ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم سب عورتوں کو نکال کر عیدگاہ لے جائیں) حتّٰی کہ کنواری لڑکی کو بھی (جو پردہ میں بیٹھی رہتی ہے) اس کے پردہ سے نکال کر عیدگاہ لے جائیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف بوڑھی عورتوں کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ جوان عورتوں اور کنواری لڑکیوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

تیسرا قرینہ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں :۔

اُمِرْنَا اَنْ نَخْرُجَ فَنُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَاَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ

ہم حکم دیئے گئے تھے کہ عیدگاہ جائیں اور حائضہ عورتوں، جوان عورتوں اور پردہ نشین لڑکیوں کو بھی عیدگاہ لے جائیں۔ حائضہ عورتیں

وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلاَّهُمْ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب اعتزال الحیض المصلی جزء ۲ ص۲۵)

جماعت المسلمین اور ان کی دعا میں حاضر ہوں لیکن ان کی نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ خواتین جو اذیت ماہانہ کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتیں عیدگاہ میں ضرور حاضر ہوں۔ ان کو بھی غیر حاضری کی اجازت نہیں دی گئی۔

چوتھا قرینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورتوں کو حکم دیا کہ :-

فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُوْنَ بِدُعَائِهِمْ يَرْجُوْنَ بَرَكَةَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهُ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب التکبیر ایام منیٰ جزء ۲ ص۲۵)

وہ مومنین کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہتی رہیں، ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں مانگیں اور اس دن کی (خیرو) برکت اور پاکیزگی کی امیدوار رہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن کی خیرو برکت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے عیدگاہ جانا ضروری ہے اور یہ چیزیں وہیں ملیں گی۔ ان چیزوں کی جس طرح مردوں کو ضرورت ہے عورتوں کو بھی ضرورت ہے لہذا ان کا عیدگاہ جانا ضروری ہے۔

پانچواں قرینہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :-

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (البقرۃ - ۱۸۵)

(اے ایمان والو) اللہ نے تمہیں ہدایت دی تو تم (اس احسان کے بدلہ میں) اللہ کی بڑائی بیان کرو۔

اس آیت میں عید کی تکبیر کی طرف اشارہ ہے اور یہ حکم بالکل اسی طرح عام ہے جس طرح اس سے پہلے کا حکم وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ (یعنی روزوں کی گنتی پورا کرو) عام ہے۔ جس طرح پہلا حکم ہر مرد و عورت کے لئے ہے اسی طرح دوسرا حکم بھی ہر مرد و عورت کے لئے ہے۔ یعنی عید کے دن کی تکبیریں نہ صرف مردوں پر فرض ہیں بلکہ عورتوں پر بھی فرض ہیں۔

مندرجہ بالا پانچ قرائن اس بات کے مقتضی ہیں کہ خواتین پر بھی عیدگاہ کی حاضری فرض ہو لیکن علماء نے بغیر کسی قرینۂ صارفہ کے اس حکم کو بھی فرض کے خانہ سے نکال کر نفل کے خانہ میں ڈال دیا بلکہ بعض علماء نے تو حد ہی کر دی کہ عورتوں کے عیدگاہ جانے کو مکروہ قرار دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

۳۔ آخری قعدہ میں تعوذ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ: مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب مایستعاذ منہ فی الصلاۃ جزء اول ص۲۳۷)

جب تم میں سے کوئی آخری تشہد (یعنی التحیات) سے فارغ ہو تو چار باتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے : عذاب جہنم سے، عذاب قبر سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے شر سے۔

یہ حدیث بھی اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے یعنی اس حکم کی رُو سے نماز کے آخر میں ان چار چیزوں سے پناہ مانگنا فرض ہے۔ کوئی قرینہ صارفہ بھی نہیں جو اس کے وجوب کو ساقط کرے لیکن اس حکم کو بھی الا ماشاء اللہ کسی نے فرض قرار نہیں دیا حالانکہ یہاں بھی قرائن موجبہ موجود ہیں :۔

پہلا قرینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان چار چیزوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :۔

قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ يَتَعَوَّذُ) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَشَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب مایستعاذ منہ فی الصلاۃ جزء اول ص۲۳۷ و ص۲۳۸)

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے: اے اللہ میں عذاب قبر سے، عذاب جہنم سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

دوسرا قرینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو اس اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی کسی سورت کو سکھاتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ دعا اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح

يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استعاذہ فی الصلوٰۃ جزء اول صـ۲۳۵)

قرآن کی کسی صورت کی۔ آپ فرماتے تھے اس طرح کہو: اے اللہ ہم عذاب جہنم سے تیری پناہ چاہتے ہیں اور (اے اللہ) میں عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

ان قرائن کو نظر انداز کر دیا گیا۔ علماء کے نزدیک اب اس دعاء کا پڑھنا بالکل نفل کی حیثیت رکھتا ہے۔

غرض یہ کہ اس قسم کی بیسیوں مثالیں ہیں جن میں اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو فرض کے خانہ میں رکھنے کے بجائے نفل کے خانہ میں رکھ دیا گیا۔

⑤ قول اور فعل میں تضاد

لوگوں کا کچھ ایسا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل میں تضاد ہو سکتا ہے۔ آپ جو کچھ فرماتے تھے اس کے خلاف کر لیا کرتے تھے۔ یہ انتہائی بے بنیاد، مضحکہ خیز اور ہتک آمیز عقیدہ تھا اور ہے کہ اس سے ایمان اور اسلام تو کجا شرافت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ قصر نبوت گر پڑتا ہے۔ اسلامی ضابطے چیستان بن کر رہ جاتے ہیں۔ کوئی شریف آدمی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کے متعلق قول و فعل میں تضاد کا یقین تو کجا گمان بھی کریں۔ اگر کسی سے ایسی بات سرزد بھی ہو جائے تو اسے ظاہر کرتے ہوئے شرماتا ہے لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ لوگ ایسی ناپسندیدہ بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔

الغرض ایسے غلط اصول کے ماتحت بیسیوں احکام کو اس لئے پس پشت ڈالا جاتا ہے کہ فعل رسول ؐ اس کے خلاف پایا جاتا ہے لہٰذا یہ احکام لازمی نہیں۔ اگر لازمی ہوتے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف عمل کیوں کرتے گویا وہ فعل رسول ؐ کو حکم رسول ؐ کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں اور حکم رسول ؐ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ عقیدہ کتنا مہلک ہے۔ اب ہم اس عقیدہ کے بطلان کے دلائل بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرۃ ۔ ۴۴)

کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب (الٰہی) کو بھی پڑھتے رہتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں (کہ یہ کتنی بری بات ہے)۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف ۔ ۲ و ۳)

اے ایمان والو، ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کو تم کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت خفگی کی بات ہے کہ وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔

آیاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ دوسروں کو تو نیکی کا حکم دے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ یہ بات اللہ تعالےٰ کی خفگی کا موجب ہے کہ قول و فعل میں تضاد ہو، کہے کچھ اور کرے کچھ، جب یہ بات کسی مؤمن کے لئے جائز نہیں تو پھر نبی کے لئے جس کی شان بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی نبی ایسا کام کر سکتا ہے جس کے کرنے سے اللہ تعالےٰ ناراض ہو جائے۔ اگر کسی مدعیٔ نبوت کے قول و فعل میں تضاد ہو تو اس کی نبوت کی عمارت خود دھڑام سے آگرے گی۔ کسی تردید کی ضرورت نہیں۔ کون ایسے شخص کو نبی مان سکتا ہے جو دوسروں کو کسی کام سے منع کرے، اس کے کرنے پر دھمکائے اور پھر خود وہی کام کرے۔ ایمان والوں کا تو یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ نبی جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں :۔

وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (ہود ۔ ۸۸)

میں تو یہ ارادہ بھی نہیں کرتا کہ کسی کام سے تم کو منع کروں پھر وہی کام کروں اور اس طرح میرے اور تمہارے عمل میں اختلاف پایا جائے۔

قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کا اصلی مقصد یہی ہے کہ یہ بات نبی کی شان کے منافی ہے کہ جو کہے وہ خود نہ کرے۔ اس کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ جو کہے اس پر عمل کرکے دکھائے۔ سوچیئے اگر کوئی غیر مسلم ہم سے کہے کہ آپ کے نبی کے قول و فعل میں تضاد تھا لہٰذا وہ اپنی لائی ہوئی کتاب کی روشنی میں نبی نہیں ہو سکتے تو ہم کیا جواب دیں گے۔ اس کا اگر کوئی حل ہے تو یہی کہ پہلے ہم اس عقیدہ کا انکار کریں کہ نبی کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے پھر ہم یہ کہیں کہ ہمارے نبی نے جو کہا کرکے دکھایا۔ اگر وہ ایسی کوئی روایت

پیش کرے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل آپ کے کسی قول کے خلاف ہو تو ہم صاف کہدیں کہ یہ فعل قول سے پہلے واقع ہوا ہے لہذا منسوخ ہے۔ ہم قرآنی اصول کی روشنی میں یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ یہ فعل بعد میں واقع ہوا ہے۔

الغرض مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہو گیا کہ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکم کے خلاف عمل کرتے تھے انتہائی گمراہ کن ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے حالات میں یکسانیت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکم کے خلاف کام کریں۔ ہاں اگر آپ کے اور امت کے حالات میں یکسانیت نہ ہو تو ان مخصوص حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فعل جو آپؐ کے حکم کے خلاف ہو آپؐ کی خصوصیت ہو گا۔

اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے :۔

مردار ہر شخص کے لئے حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص مضطر ہو جائے تو از روئے قرآن مجید اس مضطر کے لئے بقدر ضرورت مردار کھانا جائز ہے۔ جس کے لئے حرام ہے وہ مضطر نہیں اور جس کے لئے حلال ہے وہ مضطر ہے۔ دونوں کی حالتوں میں فرق ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کا سبب بن جاتا ہے۔ حرام چیز کا کھانا خاص طور پر صرف مضطر کے لئے حلال ہے اور یہ اس کی خصوصیت ہے۔ دوسرا شخص جو اس خصوصیت یعنی اضطراری کیفیت کا حامل نہ ہو حرام چیز نہیں کھا سکتا۔ بالکل اسی طرح اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے حالات میں فرق ہو تو اس فرق کی بنیاد پر حکم شریعت میں بھی فرق ہو گا۔ اس صورت میں وہ فعل جو حکم کے خلاف ہو گا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو گی اور اس قسم کی مثالیں دو چار سے زیادہ نہیں۔ ان دو چار مثالوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کیا جس کا حکم آپؐ نے امت کو دیا۔ اب ہم چند مثالیں ایسی بیان کرتے ہیں جو آپ کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لَا تُوَاصِلُوْا (صحیح بخاری) — وصال نہ کرو یعنی بغیر افطار کے مسلسل روزے نہ رکھو۔

صحابہ نے عرض کیا :۔

اِنَّكَ تُوَاصِلُ — آپ تو وصال کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ اِنِّيْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ اَيُّكُمْ مِثْلِيْ اِنِّيْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِ — میں تم میں سے کسی ایک کے مثل نہیں ہوں مجھے میرا رب رات کو کھلا پلا دیتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور امت کی حالت میں فرق تھا لہٰذا حکم میں بھی فرق ہو گیا اور وہ فرق یہ تھا کہ امت کے لوگوں کو اللہ تعالےٰ رات کے وقت کھلاتا پلاتا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلاتا پلاتا تھا اور یہی وہ فرق تھا جس کی بناء پر آپ نے اپنے حکم کے خلاف عمل کیا۔

اس ممانعت اور خصوصیت کے باوجود بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اس حکم امتناعی پر عمل نہیں کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت خفگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔

فَلَمَّا اَبَوْا اَنْ يَّنْتَهُوْا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَاَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ لَوْ تَاَخَّرَ لَزِدْتُّكُمْ كَالتَّنْكِيْلِ لَهُمْ حِيْنَ اَبَوْا اَنْ يَّنْتَهُوْا

(صحیح بخاری کتاب الصیام باب الوصال جزء ۲ صـ۲۴۳ وباب التنکیل لمن اکثر الوصال جزء ۳ صـ۲۴۹ وصحیح مسلم کتاب الصیام باب النھی عن الوصال فی الصوم جزء اول صـ۳۵۲)

جب لوگ وصال سے باز نہیں رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وصال کیا، پھر ایک دن اور وصال کیا پھر چاند نظر آگیا تو آپ نے فرمایا: اگر چاند دکھائی نہ دیتا تو میں اور وصال کرتا گویا ان کے نہ ماننے پر آپ انہیں سزا دیتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایسے فعل کے معاملہ میں جو قول کے خلاف ہو امت کو قول پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر ایسی صورت میں کوئی شخص فعل پر عمل کرتا ہے تو وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی مول لیتا ہے اور اب آپ کے انتقال کے بعد گویا وہ اللہ تعالےٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے۔

یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ اس وقت لوگوں نے فعل کی اتباع میں روزے رکھے تو حکم کی اہمیت ظاہر ہو گئی اور ظاہری تضاد کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اگر عہد رسالت میں یہ واقعہ پیش نہ آتا تو آجکل کے لوگ یہی سمجھتے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی حکم امتناعی پر عمل کرے تو اچھا ہے اور اس کے مخالف فعل پر عمل کرے تو بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ بہت سے

معاملات میں ہو رہا ہے اور اس مثال کے باوجود ان لوگوں نے اپنے عمل اور عقیدہ کی ابھی تک اصلاح نہیں کی ہے۔

(۲) امت کے لوگوں کو حکم ہے کہ سو جائیں تو وضو کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ وہ فرق ہے جو دونوں کی حالتوں میں پایا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَایَنَامُ قَلْبِیْ   میری آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔

(صحیح بخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ جزر ۲ ص۶۷)

دل کا نہ سونا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی لہذا سونے کے بعد وضو نہ کرنا آپ کی خصوصیت ہوئی۔ کسی دوسرے کے لئے آپ کے فعل کی اقتدا میں سونے کے بعد نماز کے لئے دوبارہ وضو نہ کرنا جائز نہیں۔

صحابہ کو حج تمتع کا حکم دینا اور خود حج قران کرنا، امت کو چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کرنا اور خود چار سے زیادہ بیویاں رکھنا بھی حالات کے اختلاف کی بنیاد پر تھا۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول کے خلاف عمل نہیں کرتے تھے۔ اگر آپ کا کوئی فعل آپ کے قول کے خلاف کسی حدیث میں مروی ہو تو وہ قول سے پہلے واقع ہوا ہو گا لہذا منسوخ ہو گا، یا

وہ فعل مخصوص حالات کی بنا پر آپ کے لئے مخصوص ہو گا۔ امت کو بہر حال قول پر عمل کرنا ہو گا نہ کہ اس کے مخالف فعل پر۔

(۶) فرقہ دارانہ مذاہب کی وجہ سے اصل اسلام تو ویسے ہی رخصت ہو گیا تھا سونے پر سہاگہ یہ کہ لوگوں میں مندرجہ ذیل خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں :-

۱۔ عموماً لوگ احساسِ کمتری کا شکار تھے۔ تقیہ جیسی کوئی چیز دلوں میں راسخ ہو گئی تھی۔ اپنے قول و فعل سے اپنا اور حق کا تعارف کرانے میں جھجک محسوس کرتے تھے۔ تغافل شیوہ بن چکی تھی۔ اسلامی چیز کو گھٹیا اور غیر اسلامی چیز کو بڑھیا سمجھنے لگے تھے۔ علم دین معدوم تھا۔ فرقہ دارانہ علماء اپنے فرقہ دارانہ مذہب کی وکالت میں اپنی زندگیاں صرف کر رہے تھے۔ حق و باطل میں تمیز اٹھتی چلی جا رہی تھی گویا حق و باطل میں سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ عملی قوتیں مفقود تھیں۔ لوگ بحث و مناظرے کے خوگر ہو گئے تھے۔ بانیانِ محفل اپنی اصلاح کے بجائے دوسروں

سلسلہ اشاعت ۱۲

کی اصلاح کے لیے اہتمام کرتے تھے۔ تبلیغی خطبوں اور تقریروں کی فیس مقرر ہوگئی تھی۔ تبلیغی جلسوں کی صدارت کے لیے بے دین لوگوں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ بدتہذیبی اور بدہیئتی عروج پر تھی۔ نماز میں بجائے دلکشی کے نفرت دلانے والی حرکات کا زور و شور تھا۔ خوش اخلاقی عنقا ہوگئی تھی۔ حکمت اور موعظہ حسنہ کا فقدان تھا۔ اپنی غلطی تسلیم کرنا کسی کو گوارا نہیں تھا۔ جمود طاری تھا۔ فعالیت ختم ہو چکی تھی۔ غیروں کی قیادت و سیادت کو قابل فخر سمجھا جا رہا تھا۔ وطن پرستی، صوبہ داریت وغیرہ کے جراثیم دلوں میں داخل ہو چکے تھے۔ دین کے بجائے وطن پر فخر کیا جاتا تھا۔ فتنۂ انکار حدیث اور فتنۂ انکارِ ختم نبوت کے جراثیم آئندہ نسلوں کے قلوب میں جڑ پکڑ رہے تھے۔ اولاد کی طرف سے تغافل برتا جا رہا تھا۔ زکوٰۃ اور صدقات کا نظام انفرادی اور افادیت سے یکسر خالی تھا۔ روپیہ کو انفرادی طور پر خرچ کر کے اپنی ہلاکت کو خود دعوت دے رہے تھے۔ فرائض کو چھوڑ کر نفلی حج اور نفلی قربانیوں پر کثیر رقمیں صرف ہو رہی تھیں۔ خدمت خلق نمائشی اور سیاسی بن کر رہ گئی تھی۔ خدمت خلق کو تبلیغ کا ذریعہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام کے دشمنوں اور نادان دوستوں کے خود ساختہ تاریخی واقعات کو صحیح سمجھ کر صحابہ کرام اور سلف صالحین کو برا بھلا کہا جا رہا تھا۔ من گھڑت افسانوں کو تاریخی حقائق کا نام دے دیا گیا تھا۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو نظر انداز کر کے تاریخ کے جعلی واقعات کی بنیاد پر رفض کے جراثیم پرورش پا رہے تھے۔

الغرض ان حالات میں جماعت المسلمین نے اصل اسلام کو برپا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ان تمام برائیوں کے سدباب کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی، نارتھ ناظم آباد بلاک G کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین

ماخذ

قرآن مجید، صحیح بخاری، صحیح مسلم

مؤلف

مسعود احمد، بی، ایس سی۔ امیر جماعت المسلمین

مقدمہ

اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں برپا ہوئیں۔ متعدد قسم کے زہر پھیلائے گئے۔ دشمنانِ اسلام نے مختلف لباس اوڑھے۔ اسلام سے باہر رہ کر بھی اسلام کی بیخ کنی کی اور بظاہر اسلام میں داخل ہو کر منافق کی حیثیت سے بھی سازشیں کرتے رہے۔ منجملہ ان سازشوں کے ایک سازش یہ بھی کی کہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کر دیا۔ وہ معاشرہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیضِ صحبت سے تیار کیا تھا، جس معاشرہ کی تربیت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوئی تھی، جس معاشرہ کی تعریف میں قرآنی آیتیں اُتری تھیں اُسی معاشرہ اور معاشرہ کے افراد کے متعلق ایسی زہرافشانی کی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ قرنِ ثانی اور قرنِ ثالث کے اکابر کے اوپر بھی اسی قسم کے الزامات لگائے۔ خود ساختہ واقعات کو رنگ آمیزی اور نمک مرچ لگا کر اس طرح پیش کیا کہ پڑھنے والے اپنے اکابر

کے متعلق بدظنی کا شکار ہوگئے اور پھر ان تمام زہرافشانیوں، افترا پردازیوں کو تاریخ میں اس طرح سمو دیا کہ جھوٹ سچ میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔

۲۔ موجودہ زمانہ میں اسلام سے بیزار کرنے کے لئے یہ چال چلی گئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ان فرضی واقعات کو تاریخی حقائق (HISTORICAL FACTS) کے نام سے متعارف کرایا گیا۔ اور یہ سازش اِتنی کارگر ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ذہن مسموم ہوگئے اور وہ بس یہی سمجھنے لگے کہ تاریخ کا تمام مواد بالکل حقیقت ہے اور اس میں سے کسی ایک واقعہ کے بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ الغرض تاریخ پرستی عام ہوگئی۔ اس سازش کی زد میں بڑے بڑے آگئے اور اپنے اکابر کے خلاف مختلف قسم کی زہرافشانی کرنے لگے۔

۳۔ اس سازش یا تاریخ پرستی نے جو فتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں:۔

(۱) انکارِ حدیث کیلئے فضا سازگار ہوگئی۔ اگر کوئی حدیث کسی تاریخی واقعہ سے ٹکرائی تو بجائے تاریخی واقعہ کو جھٹلانے کے حدیث کو یہ کہہ کر جھٹلایا گیا کہ یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ حالانکہ کہاں تاریخ اور کہاں حدیث۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ حدیث کی جانچ کے لئے بیسیوں فن استعمال کئے گئے، راویانِ حدیث کی جانچ پڑتال کی گئی۔ اُن کی ثقاہت، کردار، حفظ و اتقان کو پرکھا گیا۔ سند کو دیکھا گیا کہ متصل ہے یا منقطع، غرض یہ کہ انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ حدیث کو مدوّن کیا گیا۔ صحیح اور غلط میں خطِ امتیاز کھینچا گیا۔ اس کے برخلاف تاریخ اسلام کے ابتدائی مؤلفین میں سے اکثر غیر مستند جھوٹے بلکہ دشمنِ اسلام تھے۔ بعد میں آنے والے متدین مؤرخین کے لئے ان ابتدائی مؤلفین کی کتابیں ماخذ بن گئیں۔ دوسرے دَور کی ان کتبِ تاریخ میں بغیر تحقیق و تنقید ہر قسم کے رطب و یابس کو بھر دیا گیا۔ واقعات کی سندیں بیان نہیں کی گئیں اگر بیان بھی کی گئیں تو اُن کی صحت یا ضعف کو بیان نہیں کیا گیا۔ یوں کہنا چاہئے کہ ان مورخین نے جو واقعات محققین کے لئے جمع کئے تھے وہ بغیر تحقیق کے مستند سمجھے جانے لگے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حدیث اور تاریخ کے تضاد کی صورت میں تاریخ کی تکذیب کرتے لیکن ہوا اس کے برعکس نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا اور اس طرح اسلام کو مسخ کرنے کیلئے راہ ہموار ہوگئی۔

(۲) جب حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر قرآن مجید کی من مانی تاویلیں ہونے لگیں، قرآن مجید بازیچۂ اطفال بن گیا اور ایک جدید اسلام کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

(۳) خلافت راشدہ کو دشمنانِ اسلام کی نام نہاد ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابۂ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو ٹھہرایا گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ملوکیت کو غیر شرعی نظامِ حکومت ظاہر کرکے انتہائی کراہت آمیز شکل میں پیش کیا گیا جس کے نتیجہ میں صحابۂ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو محض دنیا دار، مکّار اور خوشامدی کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ کوئی صحابی کسی صحابی کے خلاف زہرافشانی کر رہا ہے، کوئی کسی کے خلاف نبرد آزما ہے۔ آپس

میں تلواریں چل رہی ہیں، دنیا کی دوڑ میں کوئی پیچھے رہنا نہیں چاہتا، مال و دولت اور
اقتدار کی ہوس نے سب کو اندھا کر دیا ہے۔ غرض یہ کہ جس معاشرہ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلّم نے تیار کیا تھا وہ اسلام سے کوسوں دور تھا، وہ افراد جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے
فیض یافتہ تھے وہی صحیح معنوں میں مسلم نہیں تھے تو بعد والوں کا کیا کہنا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (نعوذ باللہ من ذٰلک) اپنے مقصد میں ناکام رہے اور اپنے بعد
مُنافق اور دنیا کے پیچھے بھاگنے والے چھوڑ گئے۔ اِس فتنہ نے نبوت کی عمارت کو متزلزل
کر دیا اور اسلام کے متعلق بدگمانی پیدا ہونے لگی۔

۴۔ یہ ہیں وہ فتنے جو ہماری غلط تاریخ کی وجہ سے وجود میں آئے اور جنھوں نے ہزارہا آدمیوں کے ایمان کو
متزلزل کیا۔ موجودہ تاریخ کو پڑھ کر ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں کیونکہ اس خونی تاریخ کو ہم اپنی تاریخ سمجھتے
ہیں۔ ہمیں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ اس تاریخ کی صحت سے انکار کر دیں، ذہن مسموم ہو چکے ہیں، دماغ مرعوب ہو چکے
ہیں، علم سے تہی دامن ہیں، تقلید کے جراثیم اس قدر سرایت کر گئے ہیں کہ تحقیق کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی۔ حالانکہ
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ	اے ایمان والو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے
بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ	تو اُس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ جہالت کے باعث
فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (حجرات)	تم کسی قوم پر جا پڑو اور پھر تمہیں نادم ہونا پڑے۔

اس عظیم الشان فرمان کے باوجود ہم نے کبھی یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ کسی واقعہ کا بیان کرنے والا صحیح الایمان
ہے یا فاسق۔ بغیر تحقیق کے ہم نے ہر واقعہ کو قبول کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہالت کے باعث ہم اپنے اکابر پر برس پڑے
اسلامی اصولوں کی پامالی کا ذمہ دار انہیں ٹھہرایا اور کبھی ہمیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ کہیں کل میدانِ محشر میں ہمیں
شرمسار نہ ہونا پڑے۔

۵۔ دوسرے دَور کی کتب تاریخ کی بنیاد پر دوسری کتب تاریخ وجود میں آئیں۔ مختلف زبانوں میں
تاریخ اسلام لکھی گئی۔ علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان ہی کتب تاریخ کے افسانوں کو مستند سمجھ کر
پیش کیا۔ معدودے چند محققین کے علاوہ کسی نے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ تاریخی واقعات قرآن مجید اور احادیث
صحیحہ کے مُطابق بھی ہیں یا نہیں۔ حالانکہ اگر وہ ذرا سا بھی غور و تدبّر کرتے تو اُنہیں معلوم ہو جاتا کہ جن واقعات کو
وہ مستند سمجھ رہے ہیں اُن کے بطلان پر قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ شاہد ہیں۔ مثلاً جن صحابہ کرامؓ کے تقوے، اللہ
کی رضاجوئی اور اُن کی آپس کی محبت کی شہادت قرآن مجید دے رہا ہے اُن کے متعلق تاریخ میں ایسے افسانے ملتے
ہیں جن سے اُن کے تقوے پر ضربِ کاری پڑتی ہے۔ خلوص اور للّٰہیت کی دھجیاں اُڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ محبت کے
بجائے نفرت و عداوت کی تیز و تند آندھیاں چلتی نظر آتی ہیں مگر وہ ہیں کہ سب کو تسلیم کرتے چلے جا رہے ہیں اور پھر بھی
اُن کا ایمان بالقرآن متاثر نہیں ہوتا۔ ایں چہ بوالعجبیست۔

۶۔ قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، جس تحقیق و تفتیش اور سخت

شرائط کے ساتھ اِن کتابوں کو مدوّن کیا گیا وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ تاریخ کے سلسلہ میں اکثر لوگوں نے ان کتابوں سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا۔ تاریخ کے اُن واقعات کو بھی تسلیم کر لیا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے متصادم تھے۔ ذیل میں ہم چند مثالوں سے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

① صحیح بخاری میں ہے کہ واقعۂ رجیع میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم بن ثابتؓ کو امیر بنایا، تاریخ میں ہے کہ حضرت مرثدؓ کو امیر بنایا (سیرۃ ابن اسحٰق، سیرۃ ابن ہشام، تاریخ ابن خلدون)

② صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت خبیبؓ کو عقبہ نے قتل کیا، تاریخ میں ہے کہ عقبہ کے بھائی نے قتل کیا (فتح الباری بحوالہ سیرۃ ابن اسحٰق)

③ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ جنگِ موتہ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر مسلمین کو فتح نصیب ہوئی، تاریخ میں ہے کہ حضرت خالدؓ بڑی خوبصورتی سے اپنی فوج کو بچا کر لے آئے یعنی دوسرے لفظوں میں شکست کھا کر بھاگ آئے خالد دشمنی کی یہ ادنیٰ مثال ہے جو ہماری تاریخ میں مذکور ہے۔ (تاریخ ابن خلدون)

④ صحیح بخاری میں ہے کہ جنگِ خندق، جنگِ اُحد کے ایک سال بعد ہوئی اور جنگِ اُحد بالاتفاق ۳ھ میں ہوئی، لہٰذا صحیح بخاری سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جنگِ خندق ۴ھ میں ہوئی لیکن تاریخ میں ہے کہ جنگِ خندق شوال ۵ھ میں ہوئی (سیرۃ ابن اسحٰق وسیرۃ ابن ہشام)

⑤ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ جنگِ خندق میں شہید ہوئے۔ صحیح بخاری یہ بھی ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ اُس وقت موجود تھے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی گئی۔ اس سے یہ بات بالبداہت ثابت ہوگئی کہ واقعۂ تہمت جنگِ خندق سے پہلے واقع ہوا اور جنگِ خندق جیسا کہ اُوپر لکھا گیا ۴ھ میں ہوئی۔ لہٰذا واقعۂ تہمت زیادہ سے زیادہ ۴ھ میں ہونا چاہئے، اس کے بعد نہیں ہو سکتا لیکن تاریخ میں ہے کہ واقعۂ تہمت ۶ھ میں ہوا۔ (سیرۃ ابن اسحٰق وسیرۃ ابن ہشام) اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ واقعۂ تہمت ۶ھ میں ہوا تو حضرت سعد بن معاذؓ اس وقت زندہ ہو کر کیسے آگئے جب کہ وہ جنگِ خندق میں جو بقول مؤرخین ۵ھ میں ہوئی تھی شہید ہو گئے تھے۔

⑥ صحیح بخاری میں ہے کہ حجاب کا حکم واقعۂ تہمت سے پہلے نازل ہوا اور واقعۂ تہمت جنگِ خندق سے پہلے ہوا لہٰذا از روئے صحیح بخاری حجاب کا حکم جنگِ خندق سے بہت پہلے نازل ہوا۔ کیونکہ جنگِ خندق ماہ شوال ۴ھ میں ہوئی لہٰذا حجاب کا حکم بہر صورت شوال ۴ھ سے پہلے نازل ہونا چاہئے لیکن تاریخ واقدی میں ہے کہ حجاب کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا اور دوسری تاریخوں میں ہے کہ ذو قعدہ ۴ھ میں نازل ہوا یعنی ہر حالت میں جنگِ خندق کے بعد اور یہ چیز صحیح بخاری کے خلاف ہے (فتح الباری تفسیر سورۂ نور)

⑦ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ سے ناراض ہو کر مسجد میں جا کر سو گئے آپ کے جسم پر خاک

لگ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو دیکھ کر جگایا "اے ابو تراب اُٹھو"۔ تاریخ میں ہے کہ جب حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ سے ناراض ہوتے تو مٹی لیکر اپنے سر پر ڈال لیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو فرماتے "اے ابو تراب" کیا ہوا؟ (سیرۃ ابن ہشام ودوم ص۱۳۳)

⑧ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عباسؓ جنگ بدر میں کافروں کے ساتھ شریک تھے اور جنگ کے بعد قید ہو گئے تھے۔ پھر فدیہ لے کر اُن کو رہا کیا گیا تھا۔ لیکن تاریخ میں ہے کہ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ایمان لے آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بموجب مکہ میں رہ گئے تھے۔ (رحمۃ للعالمین جلد دوم)

⑨ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُمّ حبیبہؓ کا نکاح فتح مکہ کے بعد ہوا لیکن تاریخ میں ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ (سیرۃ ابن اسحٰق وغیرہ)

⑩ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں ایک نامۂ مبارک نجاشی شاہ حبش کو بھیجا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس بادشاہ کا نام اصحمہ نہیں تھا جس کی نمازِ جنازہ غائبانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی۔ اس کے برخلاف تاریخ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ ہی کو دعوت نامہ بھیجا تھا۔ (طبری)

⑪ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو عامرؓ جنگ اوطاس میں شہید ہوئے۔ صحیح بخاری ہی میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو عامرؓ کے قاتل کو حضرت ابو موسیٰؓ نے اسی وقت قتل کر دیا تھا۔ تاریخ میں ہے کہ وہ قاتل بعد میں مسلم ہو گیا تھا۔ (فتح الباری بحوالہ سیرۃ ابن اسحٰق)

⑫ صحیح مسلم میں ہے کہ آیۂ کریمہ "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" اس وقت نازل ہوئی جب قبیلہ بنو تمیم کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آیت کے نزول کے بعد بھی حضرت سعد بن معاذؓ زندہ تھے۔ کیونکہ حضرت سعد بن معاذؓ کی شہادت جنگ خندق میں ہوئی لہٰذا آیت کا نزول اور وفدِ بنو تمیم کی آمد ۳ھ یا ۴ھ میں ہونی چاہئے لیکن تاریخ میں ہے کہ یہ وفد ۹ھ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام اردو مترجمہ سید یسین علی حسنی حصہ دوم ص۴۴۵ و فتح الباری بحوالہ مدائنی و تفسیر ابن کثیر)

⑬ ازواجِ مطہراتؓ کو ایک خاص موقع پر اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اللہ اور رسولؐ کو اختیار کریں یا دُنیا کو اختیار کریں۔ اسے واقعۂ تخییر کہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہوا، اور جیسا کہ اُوپر ثابت کیا گیا ہے کہ حجاب کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا لہٰذا واقعۂ تخییر ۳ھ یا ۴ھ میں ہونا چاہئے لیکن تاریخ کہتی ہے کہ واقعۂ تخییر ۹ھ میں واقع ہوا۔ (فتح الباری کتاب النکاح بحوالہ دمیاطی) اور اسی تاریخ کے بیان کو اکثر علماء و ائمہ نے تسلیم کر لیا حالانکہ واقعۂ تخییر کے متعلق جو آیات نازل ہوئیں اُن کا ۹ھ میں نازل ہونا عقلاً بھی محال ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ اے نبی کی بیویو اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ {احزاب} ایام جاہلیت کی طرح اپنی نمائش نہ کرو۔

اگر یہ واقعہ حجاب کے نازل ہونے کے بعد مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد پانچ سال تک ازواجِ مطہرات پردہ میں نہیں بیٹھیں۔ اپنی نمائش کرتی تھیں اور اب ۵ھ میں انہیں حکم دیا جارہا ہے کہ پردہ میں بیٹھو، اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کرو، یہ قطعاً باطل ہے۔ ہاں اگر اس آیت کے نزول کو حکم حجاب سے پہلے مان لیں، تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا اِس لئے کہ حجاب کے حکم سے پہلے تمام عورتیں اور ازواجِ مطہراتؓ بھی بے پردہ آتی جاتی تھیں۔ پہلے اس آیت کے ذریعہ اُنہیں غیر ضروری آمد و رفت اور اپنی نمائش سے روکا گیا اور بعد میں پردہ کرنے کا حکم دیدیا گیا یہ تدریج بالکل فطرتِ اسلام کے مُطابق ہے دوسرے احکام بھی اسی طرح بتدریج ہی نازل ہوئے۔

دوسری بات جو عقلاً اس قصہ کو ۹ھ میں واقع ہونے سے مانع ہے وہ یہ کہ ۹ھ تک ازواجِ مطہراتؓ کی حالت نہ بدلی۔ دنیا کی طمع اُن میں بدستور موجود تھی، کئی کئی سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے بعد بھی اُن کی اصلاح نہیں ہوئی، اگر ہم واقعۂ تخییر کو ۳ھ یا ۴ھ کا واقعہ مان لیں تو پھر یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ کو ۳ھ یا ۴ھ تک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہت کم موقع ملا تھا، لہٰذا ابتدائی دَور میں یہ ممکن ہے کہ دنیا کی خواہش اُن میں موجود ہو اور اُسی وقت اُن کو اس سے روک دیا گیا ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ آیۂ تطہیر بھی اسی موقع پر نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا تھا کہ ازواجِ مطہراتؓ کو پاک کر کے چھوڑے گا لیکن اللہ کے ارادہ کی تکمیل میں اتنی دیر لگ گئی کہ ۹ھ کا زمانہ آگیا اور طمع بدستور موجود تھی، یہ خلافِ عقل ہے۔

⑭ صحیح بخاری کتاب النکاح میں ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ واقعہ تخییر کے وقت یعنی ۹ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں موجود تھے لیکن تاریخ میں ہے کہ فتح مکہ ۸ھ کے بعد مدینہ منورہ آئے۔

⑮ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جنگِ خیبر کے بعد حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچے اور پھر غزوۂ ذات الرقاع میں شریک ہوئے۔ یہ چیز بالبداہت ثابت کرتی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع، جنگ خیبر کے بعد ہوا لیکن تمام تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع جنگ خیبر سے پہلے ہوا۔ (سیرۃ ابن اسحٰق و سیرۃ ابن ہشام اردو حصہ دوم ص ۲۲۹)

⑯ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہمارے پیر زخمی ہو گئے تھے لہٰذا ہم نے اپنے پیروں پر دھجیاں باندھ لیں، اسی لئے اِس غزوہ کا نام ذات الرقاع (یعنی دھجیوں والی جنگ) ہو گیا۔ لیکن تاریخوں میں اس کی مختلف

وجوہ بیان کی گئی ہیں جن کی تعداد پانچ تک پہنچ گئی ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام و تاریخ واقدی) اور کسی تاریخ میں وہ وجہ بیان نہیں کی گئی جو صحیح بخاری میں ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کتنی مستند ہے اور کتنے یقین سے بیان کی گئی ہے۔ برخلاف اس کے تاریخ کی روایتیں نہ مستند ہیں نہ یقین کے ساتھ بیان کی گئیں بلکہ مجہول کے صیغہ میں بیان کی گئی ہیں لیکن افسوس ہے کہ پھر بھی بعض علماء نے صحیح بخاری کی حدیث کے خلاف تاریخ کی روایت کو تسلیم کیا۔

(۱۷) صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا" حضرت اشعث بن قیسؓ اور ان کے چچازاد بھائی کے مقدمہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی، تاریخ میں ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جبکہ انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ "توریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذکر نہیں۔" (طبری)

(۱۸) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے اور نماز عصر کے بعد جب تک سورج غروب نہ ہو جائے نماز پڑھنے سے منع فرمایا" کئی صحابہؓ نے بیان کی۔ ان صحابہؓ میں عمرؓ بھی شامل ہیں اور وہ مجھے ان تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اس کے برخلاف تاریخ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباس کا ایک مکالمہ درج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو حضرت عمرؓ سے بغض شدید تھا۔ (طبری)

(۱۹) صحیح بخاری میں ہے کہ امام مسروقؒ کہتے ہیں "حضرت اُمّ رومانؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی" یہ اس بات کا کتنا زبردست ثبوت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں جب امام مسروقؒ مدینہ منورہ آئے تو حضرت اُمّ رومانؓ زندہ تھیں اور مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد انہوں نے حضرت اُمّ رومانؓ سے حدیث سُنی، لیکن تاریخ کہتی ہے کہ حضرت اُمّ رومانؓ کا انتقال عہد رسالت میں ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں ہو گیا تھا (واقدی) لہٰذا حضرت مسروقؒ کی ان سے سماعت صحیح نہیں۔

حضرت اُمّ رومانؓ حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی والدہ ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی موجودگی میں چند مہمان حضرت ابوبکرؓ کے ہاں آئے۔ اس دعوت میں حضرت اُمّ رومانؓ موجود تھیں۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ ۷ھ یا ۸ھ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے لہٰذا اُمّ رومانؓ کی وفات ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں ہونا قطعاً غلط ہے۔ امام بخاریؒ نے خود اپنی تاریخ میں اس بات کی تردید کی تھی کہ ان کا انتقال ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا۔ امام بخاریؒ نے لکھا تھا کہ حضرت اُمّ رومانؓ کی وفات حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہوئی۔ امام بخاریؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسروقؒ کی حدیث اسناد کے لحاظ سے قوی ہے اور اس کا

اتصال بہت واضح ہے۔ حضرت ابراہیم حلبیؒ نے بھی مسروقؒ کا حضرت اُمِّ رومانؓ سے سُننا تسلیم کیا ہے، لیکن بایں ہمہ لوگوں نے تاریخ پر اعتماد کیا حتّٰی کہ بعض علماء نے بھی تاریخ کا اتباع کیا۔ امام خطیب بغدادی، امام مزی، علامہ ذہبی، علائی، صاحب المشارق والمطالع سہیلی، ابن سید النّاس اور ان کے علاوہ بہت لوگوں نے تاریخ کی روایت پر اعتماد کیا، بالآخر ان سب کی مخالفت حضرت امام ابن قیمؒ نے کی اور حضرت اُمِّ رومانؓ سے مسروقؒ کی سماعت ثابت کی۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ بعض علماء بھی صحیح بخاری پر تاریخ کو ترجیح دیتے رہے انہیں اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں ہوئی کہ تاریخ کے بیان کو صحیح ماننے سے صحیح بخاری کی حدیث ضعیف و منقطع ہو جائے گی۔ سب کچھ گوارا کیا لیکن تاریخ کی تردید نہیں کی باوجود اس کے کہ روایاتِ تاریخ کسی ایک تاریخِ وفات پر متفق بھی نہیں، مزید برآں یہ تمام مختلف تاریخیں واقدی نے نقل کی ہیں جو محدثین کے نزدیک کذاب ہے۔ تاریخ کی دوسری روایت جس کو زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ حضرت اُمِّ رومانؓ نے ذوالحجہ ۶ھ میں وفات پائی منقطع اور ضعیف ہے۔ غرض یہ کہ تاریخ کی جملہ روایتیں موضوع ہیں لیکن افسوس کہ پھر بھی ہمارے اکثر علمائے کرام تاریخ کا اعتبار کرتے رہے اور صحیح بخاری کی حدیث کو ضعیف بتاتے رہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(نوٹ:۔ اس سلسلہ کی مزید معلومات کیلئے ضمیمہ مقدمہ ہذا ملاحظہ فرمائیں)

۷۔ مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ تاریخی روایات متعدد مقامات پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے ٹکراتی ہیں اور یہ چیز اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تاریخ کی اکثر روایات ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ "تین قسم کی کتابیں یکسر بے بنیاد ہیں۔ یعنی مغازی، تفسیر اور شورشوں کی کتابیں"۔ قاضی ابوالولید باجیؒ فرماتے ہیں: "اہلِ سیر کی روایت پر محدثین اعتماد نہیں کرتے"۔ غرض یہ کہ تاریخ کی کتابیں سب غیر معتبر ہیں۔ مؤرخین نے سلسلۂ اسناد کا اہتمام نہیں کیا اور اگر سند بیان بھی کی تو اس کی جانچ پڑتال نہیں کی۔

۸۔ صحیح تاریخ کی ضرورت | اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب موجودہ تاریخوں میں بے انتہا جھوٹ کی آمیزش ہے اور جو مطوّل یا مختصر تاریخیں لکھی جا رہی ہیں اُن کا ماخذ یہی کتب تاریخ ہیں تو کیا ایسی حالت میں ایک ایسی تاریخ کی ضرورت نہیں جو روایتاً اور درایتاً صحیح ہو۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ جو لوگ حدیث کے معاملہ میں سند کی صحت سے زیادہ درایت پر زور دیتے ہیں وہ تاریخ کے معاملہ میں درایت کا قطعاً خیال نہیں کرتے۔ اسی طرح ہمیں اُن پر بھی تعجب ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ حدیث مانی جائے گی جو قرآن مجید کے خلاف نہ ہو لیکن تاریخی روایات کو اخذ کرتے وقت وہ اس اصول کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ وہ کیسے یقین کر لیتے ہیں کہ جو لوگ مجسّم تقویٰ ہوں، جن کے تقوے کی شہادت قرآن مجید دے رہا ہو وہ درحقیقت مکار اور دنیادار تھے، جھوٹی قسمیں کھاتے تھے، ایک دوسرے کو گالی دیا کرتے تھے، قتل کرتے تھے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلم سے لڑنا کفر ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو" (صحیح بخاری) تو کیا

باوجود تاریخ کے بیان کردہ جنگ و جدال قتل و قتال کے وہ ان احادیث کی روشنی میں مسلم ہے۔ کیا اسلامی قوانین اُن پر نافذ نہ ہوں گے؟ وہ کس قانون کے تحت اس حکم سے مستثنےٰ ہیں؟ پھر مزید تعجب اُن لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں کہ تاریخی واقعات کی سند کی جانچ پڑتال کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمیں نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ لوگوں کے کردار کو ملوث کیا جائے اور ہم یہ بھی نہ دیکھیں کہ کہنے والا کون ہے۔ بلکہ ہر جھوٹے، دشمن اسلام کی افتراء پردازیوں کو صحیح سمجھ کر قرون اولیٰ کے مسلمین کو بدترین قسم کے مسلم تسلیم کرلیں۔

بعض لوگوں کو یہ بھی فکر ہے کہ اگر حدیث کی طرح تاریخی روایات کی جانچ پڑتال کی گئی تو ہمیں نوّے فیصدی تاریخ اسلام سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ایسی تاریخ کی ضرورت ہی کب ہے جس کو پڑھ کر ہماری آنکھیں شرم سے نیچی ہو جائیں۔ جس کو پڑھ کر غیر مسلم ہمیں طعنہ دیں کہ "یہ تھے آپ کے اسلاف اور آپ کے رسولؐ کے اصحابؓ۔ اگر قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل ہوتا تو وہ کبھی بھی ایسے مکاروں، دنیاداروں (نعوذ باللہ من ذٰلک) کی تعریف نہ کرتا"۔ جنھیں اس تاریخ کے ضائع ہونے کا غم ہو انہیں یہ تاریخ مبارک ہو، انہیں نوّے فیصدی تاریخ کے کالعدم ہونے کا ڈر ہے ہم کہتے ہیں کہ ایسی تاریخ سے تو ہم بے تاریخ ہی اچھے، اگر سو فیصدی تاریخ بھی کالعدم ہو جائے تو ہمیں پرواہ نہیں۔ ہم بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ ہماری ہے ہی نہیں۔ یہ تاریخ دشمنانِ اسلام کی سازش کا نتیجہ ہے۔ ہماری آنکھیں نیچی نہیں ہوں گی۔ ہم شرمسار نہیں ہوں گے۔ ہم ڈنکے کی چوٹ اعلان کریں گے کہ ہمارے اسلاف تو وہ تھے جن کی تعریف قرآن نے کی ہے۔ جن کی تعریف حدیثوں میں آئی ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ نوّے فیصدی تاریخ کے ضائع ہونے کے خوف سے ہم اس فرضی تاریخ کو سینہ سے لگائے رہیں۔

پھر لوگوں کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ تاریخ کا نوّے فیصدی حصہ ضائع ہو جائے گا۔ یہ بات مبالغہ سے خالی نہیں۔ ضعیف اور موضوع روایتیں نکالنے کے بعد بھی موجودہ تاریخ کا نصف سے زیادہ حصہ ایسا ہوگا جو اسلاف کی شان کے عین مطابق ہوگا۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حدیث کے طرز پر تاریخ کو لکھا جائے تو اوروں کی تاریخ تو کجا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی مکمل طور پر مرتب نہیں کی جاسکتی۔ ہماری یہ تاریخ جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کی تردید کے لئے ایک کھلی دلیل ہے۔ ہم نے اس میں وہ روایتیں نہیں لیں جو بہ اصولِ محدثین حسن ہیں، ہم نے وہ روایتیں بھی نہیں لیں جو صحت کے ادنیٰ درجہ پر ہیں۔ وہ روایتیں بھی نہیں لیں جو صحیح بخاری یا صحیح مسلم یا ان دونوں کی شرط پر صحیح کے درجہ پر فائز ہیں۔ ہم نے صرف وہ روایتیں لی ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ حتّٰی کہ ان کتابوں کی تعلیقات بھی ہماری اس تاریخ میں شامل نہیں کی گئیں۔ اس کتاب کو صرف قرآن مجید اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی باسند احادیث سے تیار کیا گیا ہے۔ ان تینوں کتابوں کی صحت کا کیا کہنا۔ اتنی اعلیٰ درجہ کی صحیح ترین روایتوں سے ہم نے سیرۃ النبیؐ اور سیرۃ الخلفاء تیار کی ہے اور ہماری اس صحیح ترین تاریخ کا وہ حصہ جو سیرۃ النبیؐ پر مشتمل ہے وہ ان تمام کتبِ سیرت سے جو اب تک اردو زبان میں صرف سیرت[1] پر لکھی گئی ہیں زیادہ ضخیم ہے۔ کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کے طرز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی مکمل طور پر نہیں لکھی جاسکتی۔ اور اگر ہم وہ تمام روایتیں اس میں شامل کردیں جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اور جو ہم نے اپنی اس صحیح ترین تاریخ میں شامل نہیں کی ہیں تو پھر آپ

---

[1] سیرت سے مراد سیرت کے مربوط و مسلسل واقعات ہیں۔

خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو سیرۃ النبی تیار ہوگی وہ کتنی ضخیم ہوگی۔ یہ انشاءاللہ آپ کو آئندہ معلوم ہوگا جب ہماری مطوّل تاریخ آپ کے سامنے آئے گی۔ اس وقت جو تاریخ آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ اسلام کی ایک مختصر، جامع، ٹھوس اور صحیح ترین تاریخ ہے۔ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اُمّت پر یہ ایک قرضہ تھا جو مُدّت سے چلا آرہا تھا۔ اُمّتِ مسلمہ کو ایک ایسی تاریخ کی سخت ضرورت تھی کہ جس سے صحابۂ کرامؓ اور دوسرے اکابرِ اُمّت کے متعلق عوام الناس کے ذہن صاف ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے جماعت المسلمین کو اس اہم ضرورت کے پُورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

جماعت المسلمین کے منصوبوں میں اس مختصر تاریخ کے علاوہ ایک مکمل اور مطوّل تاریخ کی ترتیب کا منصوبہ بھی شامل ہے جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر خلفائے عثمانیہ تک کے صحیح حالات جمع کر دیئے جائیں گے۔ اس مطوّل تاریخ میں صحیحین کے علاوہ تمام کتبِ احادیث کی صحیح احادیث اور تمام کتبِ تاریخ کی صحیح روایتیں جو محدثین کے اصول پر صحیح یا حَسَن ہوں شامل کر دی جائیں گی۔ کسی ضعیف روایت کو اس تاریخ میں شامل نہیں کیا جائے گا خصوصاً ایسی روایت کو جو قرآن وحدیث سے ٹکراتی ہو۔ البتہ حاشیہ پر اس قسم کی روایتوں کی نشاندہی کر دی جائے گی اور اُن پر عقلی ونقلی جرح بھی تحریر کر دی جائے گی تاکہ پڑھنے والوں کو دشمنانِ اسلام کی افتراء پردازیوں کا علم ہو جائے اور وہ ان روایتوں کو کالعدم سمجھیں۔ یہ منصوبہ بہت دشوار اور محنت طلب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب کچھ آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس منصوبہ کو ہمارے لئے آسان کر دے اور مسلمین کو اپنے اسلاف کے صحیح اور قابلِ فخر کارناموں سے واقف ہونے کا موقع فراہم کرے۔

ایک بات ہم یہاں یہ بھی عرض کر دیں کہ تاریخ کے ان خود ساختہ افسانوں کی نشاندہی سب سے پہلے ہم نے نہیں کی ہے۔ ہمارے اکابر بھی ان افسانوں کی تردید کرتے آئے ہیں۔ مثلاً قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے آج سے تقریباً نوسو سال پہلے اپنی کتاب العواصم من القواصم میں ان فرضی واقعات کے بخیے اُدھیڑ کر رکھ دیئے۔ اسی طرح علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "منہاج السنۃ" میں ان روایات پر سخت تنقید کی۔

۹۔ اس تاریخ کا مزید تعارف یہ تاریخ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے ایک مختصر تاریخ ہے اور جیسا کہ اُوپر لکھا گیا ہے صرف قرآن مجید اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مسند احادیث سے ماخوذ ہے۔ قرآن مجید اور صحیحین میں جو موتی مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے تھے اُن کو ایک لڑی میں پرو کر مربوط شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب مطوّل تاریخ اسلام کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بنیاد پر جو ذہن تیار ہوگا اُس ذہن میں پھر کسی ایسی بات کے لئے گنجائش نہیں ہوگی جو ان ٹھوس حقائق کے خلاف ہو۔ کاش مسلمین اس کو اپنے بچوں کے لئے حکومتی سطح پر یا خانگی سطح پر داخلِ نصاب کرلیں۔ کاش ہر وہ بچہ جو کسی مسلم کے ہاں پیدا ہوا ہے سنِ شعور تک پہنچنے سے پہلے اس کتاب کا مطالعہ کرلے۔ یہ کتاب صرف تاریخ ہی نہیں بلکہ اسلام کے متعلق مفید معلومات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اس میں توحید، رسالت، قیامت اور دیگر مسائل پر سیر حاصل مواد ہے۔

آیات اور واقعات کی ترتیب میں کافی کوشش کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر قرآن مجید اور صحیحین ہی سے ترتیب کو

اخذ کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر حدیث کی دوسری کتابوں اور کتب تاریخ سے واقعات کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے۔
ہم نے واقعات کی ترتیب میں جو کوشش کی ہے اُس کا اندازہ آپ کو مقدمۂ ہٰذا کے پیراۓ کے مطالعہ سے ہو گیا ہوگا غرض یہ کہ بعض آیات اور واقعات کی ترتیب تو یقینی ہے لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ تمام آیات اور واقعات کی ترتیب یقینی نہیں ظنی ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ:۔

① آیات کے ذریعہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے تیرہ سال میں توحید اور شرک میں جو کشمکش رہی آگے یا پیچھے اُس کا صحیح نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا اور ایسا محسُوس ہونے لگے گا گویا کہ آپ اس دَور میں موجود ہیں اور یہ سارے واقعات آپ کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔

② رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے دس سال کے صبح و شام اور صحابۂ کرامؓ کے واقعات کی صحیح ترین تصویر آگے یا پیچھے آپ کے سامنے کھنچ جائے گی۔

آخر میں ہم پھر اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم باوجود کوشش کے تمام آیات اور واقعات کی ترتیب کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ موجودہ ترتیب قطعی الصحت ہے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کی تالیف میں ہم غلطی سے مبرا ہیں۔ عجز اور غلطی سے مُبرا صرف اللہ جل جلالہٗ کی ذات بابرکات ہے۔ والکمال للہ وحدہٗ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

فقط

خادم

مسعود احمد

۲۹ رجب ۱۳۹۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ

تاریخ اور قرآن و حدیث کا تقابل

نمبر	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
①	واقعۂ رجیع (۱) چند منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کچھ مبلغین کو ہمارے ہاں بھیج دیجئے جو ہمیں دین سکھائیں۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ صحابیؓ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ (۳) ان صحابیوں میں حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت ابن دثنہؓ اور حضرت مرثدؓ شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابیوں پر حضرت مرثدؓ کو امیر بنایا۔ ان منافقین نے قبیلۂ ہذیل کو ان مبلغین کے خلاف ابھارا۔ قبیلۂ ہذیل نے ان مبلغوں کا محاصرہ کر کے چار کو شہید کر دیا اور دو کو یعنی حضرت خبیبؓ اور حضرت ابن دثنہؓ کو مکہ میں لا کر بیچ دیا۔ قریش نے انہیں قتل کر ڈالا۔ کافر حضرت عاصمؓ کی لاش کی بے حرمتی نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیاں بھیج کر اس کی حفاظت کی۔ (تاریخ ابن خلدون جلد دوم حصہ اول مترجمہ ڈاکٹر عنایت اللہ ص[illegible])	واقعۂ رجیع (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابیوں کا ایک دستہ کافروں کی جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا۔ (۲) ان صحابیوں کی تعداد دس تھی۔ (۳) ان صحابیوں میں حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت ابن دثنہؓ شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت عاصمؓ کو امیر بنایا۔ قبیلۂ ہذیل نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آٹھ کو شہید کر دیا اور دو کو یعنی حضرت خبیبؓ اور حضرت ابن دثنہؓ کو مکہ میں لا کر بیچ دیا۔ اہل مکہ نے انہیں شہید کر دیا۔ کافر حضرت عاصمؓ کی لاش کی بے حرمتی نہ کر سکے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بھڑیں بھیج کر اس کی حفاظت کی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی و کتاب الجہاد)	تاریخ میں ہے کہ مبلغ بنا کر بھیجا، حدیث میں ہے کہ جاسوس بنا کر بھیجا۔ تاریخ میں ہے کہ ان کی تعداد چھ تھی، حدیث میں ہے کہ دس تھی۔ تاریخ میں ہے کہ ان کے امیر حضرت مرثدؓ تھے، حدیث میں ہے کہ حضرت عاصمؓ تھے۔
②	جنگِ موتہ حضرت خالد بن ولیدؓ باقی ماندہ (اسلامی) لشکر کو بچا کر واپس لے آئے (تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص۳۷۹) جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو بعض لوگوں نے اس لشکر پر خاک ڈالنی شروع کی اور کہا تم لوگ اللہ کی راہ سے بھاگ کر آئے ہو۔ (سیرۃ ابن ہشام اردو مترجمہ محمد اسماعیل ص۴۳۶) موتہ کی تباہی بخش ہزیمت (تاریخ امیر علی مترجمہ حسین رضوی ص۳۹)	جنگِ موتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعۂ وحی خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے خالدؓ کے ہاتھ پر لشکرِ اسلام کو فتح عنایت فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی و کتاب الجہاد)	تین تاریخوں کی عبارتیں آپ کے سامنے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمین کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر آگئے۔ اس کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ مومنین فتحیاب ہوئے۔ اب بتائیے کیا تاریخ کی بات پر یقین کرنے کے بعد بھی ایمان بالرسول باقی رہے گا! حضرت خالدؓ کے بہادرانہ شاندار کارناموں سے اسلامی تاریخ مملو ہے لیکن دشمنانِ اسلام کو یہ چیز کھٹکتی ہے۔ انہوں نے خالدؓ دشمنی میں شکست کی روایت گھڑ کر ہماری تاریخ میں شامل کر دی۔

نمبر شمار	تاریخ	قرآن وحدیث	تبصرہ
۳	**حضرت اُمِّ رومانؓ کی وفات** حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجۂ محترمہ حضرت اُمِّ رومانؓ کا انتقال سنہ ۶ھ میں ہوگیا تھا۔ (تاریخ واقدی)	**حضرت اُمِّ رومانؓ کی وفات** حضرت مسروقؒ (حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ گئے، وہ کہتے ہیں مجھ سے حضرت اُمِّ رومانؓ نے حدیث بیان کی۔ (صحیح بخاری)	صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اُمِّ رومانؓ سنہ ۱۳ھ یا سنہ ۱۴ھ تک زندہ تھیں، لیکن تاریخ کہتی ہے کہ سنہ ۶ھ میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔
۴	**حضرت عمرؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ** حضرت عمرؓ نے حضرت ابنِ عباسؓ سے فرمایا "مجھے خبر ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ انہوں نے اسے (یعنی خلافت کو) ہم سے حسد اور ظلم کی وجہ سے الگ کر رکھا ہے۔" حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا "آپ نے ظلم کا ذکر کیا ہے تو ہر جاہل اور عقلمند پر ظاہر ہے، جہاں تک حسد کا ذکر ہے تو حسد تو ابلیس نے حضرت آدمؑ پر بھی کیا تھا، انہی کی اولاد ہم پر ان پر حسد کیا جا رہا ہے۔" (تاریخ طبری اردو حصہ سوم خلافتِ راشدہ حصہ دوم مترجم رشید احمد صفحہ ۲۵۲)	**حضرت عمرؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ** حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں "مجھ سے یہ حدیث کہ نمازِ فجر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے ..... الخ کئی صحابہؓ نے بیان کی، ان صحابہؓ میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں اور وہ مجھے ان تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔" (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ و صحیح بخاری باب مواقیت الصلوٰۃ)	کیا وہ شخص جو ظالم بھی ہو، حاسد بھی ہو مظلوم و محسود کا محبوب ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ لیکن تاریخ نے صحابہ کرامؓ کے آپس کے تعلقات ہی کو ناخوشگوار نہیں بتایا بلکہ اسلام کے مایۂ ناز عادل حکمران (حضرت عمرؓ) کو ظالم بھی بنا دیا۔
۵	**جنگِ خندق** جنگ کے دوران ایک زبردست آندھی آئی جس سے لشکرِ کفار کے خیمے اکھڑ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو کفار کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا، انہوں نے واپس آکر خبر دی کہ کفار جا چکے ہیں۔ (تاریخ ابنِ خلدون حصہ اول صفحہ ۳۱۵)	**جنگِ خندق** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے پہلے کفار کا حال معلوم کرنے کیلئے حضرت حذیفہؓ کو بھیجا۔ وہ کفار کی فوجوں تک پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کافروں کے سپہ سالار ابوسفیان آگ سے اپنی پیٹھ سینک رہے ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ تیر مار کر انہیں ہلاک کر دیں لیکن پھر انہیں یاد آگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی تھی کہ ان کو جنگ پر برانگیختہ نہ کرنا، لہٰذا انہوں نے ہاتھ روک لیا۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۂ احزاب)	تاریخ میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ کفار کے حالات معلوم کرنے کیلئے جنگ کے بعد گئے صحیح مسلم میں ہے کہ جنگ سے پہلے گئے۔
۶	**کعب کا قتل** (۱) بغاوت وغیرہ کے الزام میں کعب بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلکان بن سلامہؓ اور چار اور صحابیوں کو روانہ کیا۔ (۲) کعب ملاقات کیلئے قلعے سے باہر آیا۔ (۳) ابھی وہ تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ سلکان نے اسے قتل کر دیا۔ (تاریخ ابنِ خلدون حصہ اول صفحہ ۳۳۲)	**کعب کا قتل** (۱) بغاوت وغیرہ کے الزام میں کعب بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہؓ اور دو اور صحابیوں کو روانہ کیا۔ (۲) حضرت محمد بن مسلمہ قلعہ کے اندر گئے۔ (۳) کچھ دیر بعد کعب (مکان سے) باہر آیا۔ اُس کے سر میں خوشبو لگی ہوئی تھی۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا "مجھے سر سونگھنے کی اجازت دو۔" اُس نے اجازت دی۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے سر سونگھنے کے بہانے سر کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ان کے دونوں ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی و صحیح مسلم کتاب الجہاد)	تاریخ اور حدیث کا تضاد ملاحظہ فرمائیے۔ اس واقعہ میں اور بھی بہت سے تضادات ہیں لیکن بخوفِ طوالت تحریر نہیں کئے گئے۔

نمبر شمار	تاریخ	قرآن وحدیث	تبصرہ
٧	**ابورافع کا قتل** (١) خیبر کے یہودیوں میں ابورافع بھی اسلامی حکومت کا باغی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کے لئے ایک دستہ روانہ کیا اس دستہ پر آپ نے عبد بن عتیکؓ کو امیر مقرر کیا۔ (٢) دستہ کے تمام افراد ابورافع کے کمرہ میں داخل ہوئے اور اسے قتل کردیا۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ٣٣٣)	**ابورافع کا قتل** (١) ابورافع اسلامی حکومت کا باغی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کیلئے ایک دستہ روانہ کیا اور اس پر حضرت عبداللہ بن عتیکؓ کو امیر مقرر کیا۔ (٢) حضرت عبداللہ بن عتیکؓ اکیلے ابورافع کے کمرہ میں گئے اور اسے قتل کردیا (صحیح بخاری کتاب الجہاد و کتاب المغازی)	اس واقعہ کے سلسلہ میں تاریخ اور حدیث میں اور بھی تضادات ہیں لیکن بخوف طوالت انہیں تحریر نہیں کیا گیا۔
٨	**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری دن** جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کی صبح کو آپ سر پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے، آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار میں نماز ادا کی، نماز کے بعد صحابہ کرام کو وعظ و نصیحت فرمائی۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ٣٣٦)	**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری دن** جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کی صبح کو آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرمائیں، لیکن آپ باہر آنے پر قادر نہ ہوسکے اور پردہ ڈالدیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان و کتاب الصلوٰۃ و کتاب المغازی و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)	تاریخ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، آپ نے نماز پڑھی پھر خطاب فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ آپ باہر تشریف نہ لاسکے۔
٩	**حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب** سقیفہ بنو ساعدہ میں جب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہورہی تھی تو حضرت عمرؓ نے کہا "سعدؓ کو قتل کردو۔" یہ کہکر حضرت عمرؓ حضرت سعدؓ کے سرہانے کھڑے ہوکر کہنے لگے "میں چاہتا ہوں کہ تمہیں روند ڈالوں" حضرت سعد بن عبادہؓ نے حضرت عمرؓ کی ڈاڑھی پکڑلی۔ حضرت عمرؓ نے کہا "اسے چھوڑدو، اگر اس کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو تمہارے منہ میں ایک دانت نہ رہے گا۔" (طبری مترجم حصہ دوم خلافت راشدہ حصہ اول مترجم محمد ابراہیم ص ...)	**حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب** قرآن مجید میں صحابہؓ کے متعلق ہے کہ وہ آپس میں ایکدوسرے پر بڑے رحیم ہیں (فتح) قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے دلوں میں محبت ڈالدی اور وہ بھائی بھائی بن گئے (آل عمران ١٠٣)	کتنا مکروہ نقشہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے کردار کا ہماری تاریخ میں کھینچا گیا۔ کیا یہ ان ہی لوگوں کا حال ہے جن کی تعریف قرآن کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی بیعت کا واقعہ بڑی تفصیل سے مروی ہے لیکن تاریخی خرافات اس میں نہیں ہیں۔
١٠	**انتخاب کا ایک اور منظر** انتخاب کے موقع پر حضرت حبابؓ نے تلوار نکالی اور کہا میں اس کا تصفیہ کئے دیتا ہوں (کہ کون خلیفہ ہوگا) حضرت عمرؓ نے ان پر حملہ کیا، ان کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی حضرت عمرؓ نے اسے اٹھالیا۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت سعدؓ پر جھپٹے .... اس وقت عہد جاہلیت کا سا منظر سامنے آگیا۔ (تاریخ طبری حصہ دوم خلافت راشدہ حصہ اول مترجم محمد ابراہیم ص ٣٣)	**انتخاب کا ایک اور منظر** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کے زمانہ جیسی حمیت کو جگہ دی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکینہ نازل فرمائی اور تقوے کے کلمہ کو ان سے چسپاں کردیا اور وہ تقوے کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی۔" (فتح ٢٦)	کیا تاریخ نے صحابہ کرامؓ کا وہی نقشہ کھینچا ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ تاریخ نے صحابہ کرامؓ پر ایسی حمیت، عصبیت کا الزام لگایا ہے جو ایام جاہلیت میں گذر گئی۔ کیا جو لوگ تقوے شعار ہوں، آپس میں رحیم ہوں وہ ایسی عصبیت کی باتیں کرسکتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت دی تھی۔ اگر آپ کی تربیت کے بعد بھی ان کے کردار کا یہ حال تھا تو کیا تربیت نبوی کے متعلق شبہ نہ ہوگا۔ کیا یہ درپردہ نبوت پر چوٹ نہیں ہے؟

نمبر شمار	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
⑪	**حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اور حضرت سعدؓ** تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی لیکن حضرت سعد بن عبادہؓ نے بیعت نہیں کی نہ وہ جماعت میں شریک ہوتے تھے نہ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے (تاریخ طبری حصہ دوم خلافت راشدہ حصہ اول مترجمہ محمد ابراہیم صـ۳۳) حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر حضرت سعد بن عبادہؓ بہت ناراض تھے، انہوں نے بیعت نہیں کی اور ملک شام کی طرف چلے گئے، کہتے ہیں کہ جنات نے انہیں قتل کر دیا۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اول صـ۲۲ مترجمہ حکیم احمد حسین الٰہ آبادی)	**حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اور حضرت سعدؓ** تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی (صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابوبکرؓ) قرآن مجید میں ہے کہ صحابہ کرام اللہ کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں۔ (فتح ۲۹)	صحیح بخاری میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا، اگر حضرت سعدؓ نے بیعت نہ کی ہوتی تو ضرور اس بات کا ذکر ہوتا۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ائمہ قریش میں سے ہونگے" تو حضرت سعدؓ نے کہا "تم سچ کہتے ہو" (فتح الباری بحوالہ مسند احمد) کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے ناراض تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "اگر تم پر کوئی حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو (صحیح بخاری) کیا حضرت سعدؓ نے اس حکم کی تعمیل کی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جماعت چھوڑ دی وہ جاہلیت کی موت مرا" (صحیح بخاری، صحیح مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو ایسی حالت میں مرا کہ اس نے بیعت نہیں کی تو وہ جاہلیت کی موت مرا" (صحیح مسلم) اگر تاریخ کے بیان کو صحیح مان لیا جائے تو کیا حضرت سعدؓ باوجود بدری صحابی ہونے کے جاہلیت کی موت مرے۔ کیا اللہ کی رضا جوئی جس کا قرآن شاہد ہے اسی کا نام ہے؟
⑫	**جنگ اُحد** مدینہ والوں کو (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو) شکست ہوئی۔ (تاریخ اسلام اردو مؤلفہ امیر علی مترجمہ حسین جیری)	**جنگ اُحد** قرآن مجید میں ہے (کفار میدان چھوڑ کر چلے گئے) مومنین نے ان کا تعاقب کیا۔ تعاقب کے بعد مسلمین اللہ کے فضل اور اس کی نعمت کے ساتھ واپس ہوئے (آل عمران ۱۷۴)	تاریخ میں کس قدر غلط بیانی کی گئی ہے۔ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنین غالب ہوئے۔ تاریخ کہتی ہے شکست کھائی۔ کیا شکست خوردہ فوج، فاتح لشکر کا تعاقب کرتی ہے۔ دشمنان اسلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ ایک خفیہ چوٹ ہے۔
⑬	**بلوۂ جمل** حضرت عائشہؓ نے جو حضرت علیؓ سے سخت نفرت رکھتی تھیں، اس شعلہ کو بھڑکایا، طلحہؓ اور زبیرؓ حلف اطاعت کو ایک طرف رکھ کر پہلے مکہ کی طرف پھر عراق کی طرف بھاگ گئے جہاں حضرت عائشہؓ بھی ان سے جا ملیں اور خلیفہ (یعنی حضرت علیؓ) پر حملہ آور ہونے کی غرض سے باغیوں کی ایک بڑی فوج جمع	**بلوۂ جمل** حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ وغیرہ کو اپنی چادر اڑھا کر آیت تطہیر پڑھی (صحیح مسلم) حضرت عائشہ صدیقہؓ بصرہ روانہ ہوئیں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن)	اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت علیؓ سے بغض ہوتا تو وہ کیسے ان کی فضیلت میں اس حدیث کو بیان کرتیں۔ حدیث مذکور کی روشنی میں تاریخ کا بیان حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اتہام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید

نمبر	تاریخ	قرآن وحدیث	تبصرہ
	ہوگئی ..... (باغیوں کو شکست ہوئی) حضرت عائشہؓ گرفتار ہوگئیں۔ (تاریخ اسلام مؤلفہ امیر علی ص ۶۱)		کی فضیلت تمام کمانوں پر" (صحیح بخاری) حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عشرہ مبشرہ صحابیوں میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شہید ہونے کی خبر دی تھی۔ ایسی جلیل القدر زوجۂ محترمہؓ اور ایسے صاحب فضل صحابیوں کے کردار کا کتنا مکروہ نقشہ ہے جو تاریخ میں کھینچا گیا ہے۔ بغاوت جیسا سنگین جرم ہے اس کا مرتکب انہیں بتایا گیا ہے۔ کیا یہ لوگ احادیث مذکورہ کی روشنی میں جاہلیت کی موت مرے۔ اگر جاہلیت کی موت مرے تو شہید کیسے ہوئے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط خبر دی تھی؟ نعوذ باللہ۔ "زوجۂ مطہرہؓ کی گرفتاری" کتنا عجیب منظر پیش کرتی ہے کیا یہ الفاظ کسی مسلم کی زبان اور قلم کو زیب دیتے ہیں۔
(۱۴)	**حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ** ابو موسیٰ اشعری درپردہ حضرت علیؓ سے عداوت رکھتا تھا۔ (تاریخ اسلام مؤلفہ امیر علی ص…)	**حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ** قرآن مجید میں ہے "صحابہؓ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحیم ہیں" (فتح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علیؓ سے منافق ہی بغض رکھے گا" (صحیح مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے متعلق فرمایا تھا "وہ مجھ سے ہیں، میں ان سے ہوں" (صحیح مسلم)	صحابہ کرامؓ کا آپس میں ایک دوسرے سے بغض رکھنا قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اگر تاریخ کے بیان کو صحیح مان لیا جائے تو حضرت ابو موسیٰؓ منافق ہوئے کیونکہ انہیں حضرت علیؓ سے عداوت تھی۔ کیا کسی منافق کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما سکتے تھے کہ "وہ مجھ سے ہیں میں ان سے ہوں"۔ تاریخ کا بیان سراسر جھوٹ ہے۔
(۱۵)	**حضرت عمرؓ کی جانشینی** حضرت عمرؓ سے جب ان کی جانشینی کے سلسلہ میں پوچھا گیا تو فرمایا (کس کو جانشین بناؤں) (۱) علیؓ میں تو ظرافت بہت ہے۔ (۲) عثمانؓ ابو معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے، یہ لوگ اللہ کی نافرمانی کریں گے۔ لوگ عثمانؓ پر ٹوٹ پڑیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے۔ (۳) طلحہؓ مغرور ہیں۔ (۴) زبیرؓ صاع اور مد میں لوگوں کو طمانچے ماریں گے۔ (۵) سعد بن ابی وقاصؓ تو بس جنگ کرنا جانتے ہیں۔ (۶) عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بس کا	**حضرت عمرؓ کی جانشینی** حضرت عمرؓ نے فرمایا "خلافت کا حق ان چھ بزرگوں سے زیادہ کسی کو نہیں جانتا۔ عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے وفات تک خوش رہے۔ لہٰذا یہ لوگ اپنے میں سے جس کسی کو خلیفہ بنا دیں تو بس وہی خلیفہ ہے اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔ اگر خلافت سعدؓ کو مل جائے تو وہ اس کے اہل ہیں۔" (صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب مناقب عثمانؓ) ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "مشورہ کرنے کے بعد خلافت ان چھ آدمیوں میں رہے گی۔" (صحیح مسلم کتاب المساجد)	تاریخ اور حدیث کی روایتوں میں کس قدر تضاد ہے۔ عشرہ مبشرہ صحابیوں کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات جو تاریخ نے بیان کیے ہیں کس قدر افسوسناک ہیں۔ اگر عشرہ مبشرہ صحابیوں کا یہ حال ہے تو پھر اوروں کا کیا حال ہوگا۔ اگر تمام صحابہؓ نااہل تھے تو پھر تربیت دینے والے کے متعلق کیا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا نبیؐ کے تربیت یافتہ ایسے ہوتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے کردار پر چوٹ ہے حالانکہ اگر وہ غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ یہ دراصل نبوت پر بالواسطہ ضرب لگائی گئی ہے۔

نمبر شمار	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
	یہ کام نہیں۔ (گویا ان میں سے خلافت کا کوئی بھی اہل نہیں) (الاستیعاب)		
۱۶	**حضرت عثمانؓ کا کردار** حضرت عثمانؓ نے حضرت عمارؓ کو اس قدر مارا کہ ان کا پیٹ پھٹ گیا۔ (الاستیعاب۔ الامامۃ والسیاسۃ) حضرت عمارؓ نے حضرت عثمانؓ کو نعثل یہودی کہا۔ حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ کی غیبت کیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد حصہ سوم مترجم عبداللہ عمادی ص۲۶۳)	**حضرت عثمانؓ کا کردار** حضرت عثمانؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا میں تمہیں عمارؓ کا حال نہ سناؤں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کے اور ان کے والدین کے پاس سے گزرا، ان کو اسلام لانے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جا رہی تھی۔ حضرت عمارؓ کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا ہم ہمیشہ اس تکلیف میں مبتلا رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صبر کرو۔" پھر فرمایا "اے اللہ! آل یاسر کی مغفرت فرما اور ان کی مغفرت تو ہو ہی گئی" (مسند احمد) قرآن مجید میں ہے کہ صحابہؓ آپس میں ایک دوسرے پر بڑے رحیم ہیں۔" (فتح)	کیا قرآن مجید نے صحابہؓ کی کیفیت غلط بیان کی ہے (نعوذ باللہ) کیا تاریخ پر اعتماد کر کے قرآن مجید پر ایمان باقی رہ سکتا ہے؟ کیا یہ وہی حضرت عثمانؓ ہیں جن کے متعلق شیعہ مورخ امیر علی لکھتا ہے "حضرت عثمانؓ پارسا اور ایمان دار تھے" (تاریخ اسلام ص۲۵) ان کا اعلیٰ وصف ان کی رحمدلی ہے" (تاریخ اسلام ص۲۵) حضرت عثمانؓ کی رحمدلی کا ایک شیعہ کو بھی اعتراف ہے لیکن یہ کیسی رحمدلی ہے کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی کو اس قدر مارتے ہیں کہ ان کا پیٹ پھٹ جاتا ہے اور صحابی بھی وہ جن کی مدح سرائی وہ خود کرتے ہیں۔
۱۷	**حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاصؓ** حضرت علیؓ فرماتے ہیں "معاویہ، عمرو بن العاص ...... نہ دین والے ہیں نہ قرآن والے" (یعنی نہ ان کا دین ہے نہ ایمان) (تاریخ طبری حصہ سوم حصہ دوم۔ خلافت راشدہ حصہ سوم مترجم حبیب الرحمن)	**حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاصؓ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو کاتب بنایا (صحیح مسلم) بحری جنگ کے سلسلہ میں بشارت دیتے ہوئے ان کا جنتی ہونا بتایا۔ ان کے خاندان کو اپنا محبوب بتایا (صحیح بخاری) ان کیلئے دعا کی کہ "اے اللہ معاویہؓ کو ہادی، مہدی بنا اور ان کے ذریعہ ہدایت دے" (ترمذی) حضرت عمرو بن العاصؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ایک لشکر پر امیر بنایا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاصؓ ایمان لائے" (مسند احمد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عاص کے دونوں بیٹے مومن ہیں، عمروؓ اور ہشامؓ" (مسند احمد سند صحیح) (صحیح جامع الصغیر البانی)	کیا بے دین اور بے ایمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا محبوب اور کاتب بنا سکتے تھے؟ کیا بے دین کے متعلق آپ جنتی ہونے کی بشارت دے سکتے تھے! کیا کسی بے دین و بے ایمان شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالار بنا سکتے تھے؟ کیا کسی بے ایمان شخص کے ایمان کی گواہی آپ دے سکتے تھے!
۱۸	**واقعۂ تحکیم** حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے فرمایا "اللہ تجھے توفیق نہ دے، تو نے بدعہدی کی اور فسق و فجور کا ارتکاب کیا، تیری مثال کتے کی سی ہے کہ سامان لادا جائے تو ہانپے اور ویسے ہی چھوڑ دیا جائے تو بھی ہانپے۔" حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا "تیری مثال اس گدھے کی سی	**واقعۂ تحکیم** قرآن مجید میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تقویٰ کو چسپاں کر دیا گیا ہے اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی۔" (فتح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کیلئے دعا کی "اے اللہ اس کو باعزت مقام میں داخل کر، وہ مجھ سے ہیں میں ان سے	کیا صحابہ کرامؓ اور محبوبِ رسولؐ کے درمیان یہ گالی گلوچ ان کے اس کردار کے عین مطابق ہے جس کو قرآن و حدیث نے بیان کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ کے کردار کو ایسے مکروہ طریقے سے پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ نبوت پر چوٹ پڑے لیکن اسلام کے نادان دوستوں کی سمجھ میں یہ چیز نہیں آتی۔ وہ

نمبر	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
	ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔" پھر شریح بن ہانی نے فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کو کوڑے مارنے شروع کر دئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے شریح کو مارا۔ خوب مار پیٹ ہوئی۔ (تاریخ طبری حصہ سوم کا حصہ دوم۔ خلافت راشدہ حصہ سوم مترجمہ حبیب الرحمٰن شبلی)	ہوں۔" (صحیح مسلم ابواب الفضائل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک حضرت عمرو بن العاص سے محبت کرتے رہے۔ (مسند احمد)	تاریخ کے ان خرافات کو سینے سے لگائے پھر رہے ہیں۔
(۱۹)	**حضرت عثمانؓ کی بیعت** حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا تو لوگ حضرت عثمانؓ کے چاروں طرف بھاگے۔ سب نے بیعت کی مگر حضرت علیؓ پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا جو عہد شکنی کرے گا اس کی عہد شکنی کا اس کی ذات کیلئے نقصان دہ ہوگی۔" یہ سن کر حضرت علیؓ نے بیعت کی اور فرمایا "دھوکا اور فریب کس قدر فریب دیا گیا ہے۔" (تاریخ طبری حصہ سوم۔ خلافت راشدہ حصہ دوم مترجمہ رشید احمد صـ۳۱)	**حضرت عثمانؓ کی بیعت** جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کرنے والے تھے تو حضرت علیؓ نے فرمایا (اے عثمانؓ) میں تمہاری بیعت کرتا ہوں۔" پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی، پھر تمام لوگوں نے بیعت کی۔ (صحیح بخاری باب مناقب عثمانؓ و کتاب الاحکام)	صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ نے بغیر کسی پس و پیش کے زبانی بیعت سب سے پہلے کی اور ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا نمبر دوسرا تھا۔ لیکن تاریخ میں ہے کہ انہوں نے بہت دیر میں بیعت کی اور وہ بھی دھمکی کے بعد۔
(۲۰)	**سورۂ لہب کا نزول** ابولہب اکثر اوقات کہا کرتا تھا کہ محمدؐ مجھ سے بہت سی چیزوں کا وعدہ کرتا ہے لیکن ان میں سے ایک کو بھی نہیں دیکھتا۔ محمدؐ کہتا ہے کہ وہ موت کے بعد ہوں گی، پھر اپنے ہاتھوں پر پھونک مار کر کہتا "خرابی ہو تم کو، میں تمہارے اندر ان میں سے ایک کو بھی نہیں دیکھتا جو محمدؐ کہتا ہے" پس اللہ تعالیٰ نے سورۂ لہب نازل فرمائی۔ (سیرۃ ابن ہشام اردو ترجمہ مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور صـ۱۱۹ ملخصاً)	**سورۂ لہب کا نزول** جب یہ آیت وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر کفار مکہ سے خطاب فرمایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو سن کر ابولہب نے کہا "تم تمام دن برباد رہو، کیا تم نے ہمیں یہاں اسی لئے جمع کیا تھا۔" اللہ تعالیٰ نے اسی وقت سورۂ لہب نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم ملخصاً)	حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ لہب بالکل ابتدائی تبلیغ کے زمانہ میں نازل ہوئی، تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تبلیغ کے بہت عرصہ بعد نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی وعدوں اور وعیدوں سے اُن کو روشناس کر چکے تھے لیکن ان وعدوں اور وعیدوں کے ظہور میں تاخیر ہو رہی تھی۔
(۲۱)	**سراقہؓ کے لئے پروانۂ امن** سراقہؓ کہتے ہیں "میں نے عرض کیا میں آپؐ سے ایک نشانی چاہتا ہوں جو میرے اور آپؐ کے درمیان میں ہو۔ (آپؐ نے) ابوبکرؓ سے فرمایا اے ابوبکرؓ تم لکھ دو۔ ابوبکرؓ نے ایک ہڈی یا ٹھیکری یا پرچہ پر لکھ کر میری طرف ڈال دیا میں نے اُسے اٹھا کر اپنے توشہ دان میں رکھ لیا۔" (سیرۃ ابن ہشام صـ۱۴۳)	**سراقہؓ کے لئے پروانۂ امن** سراقہؓ نے عرض کیا "میرے لئے ایک پروانۂ امن لکھ دیا جائے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر بن فہیرہؓ کو لکھنے کا حکم دیا انہوں نے چمڑے کے ایک رقعہ میں تحریر امن لکھ (کر سراقہؓ کے حوالے کر) دی۔ (صحیح بخاری)	حدیث میں ہے کہ تحریر امن حضرت عامرؓ نے لکھی۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لکھی۔
(۲۲)	**مرحب کا قاتل کون ہے؟** جنگ خیبر میں یہودیوں کے سپہ سالار مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا (سیرۃ	**مرحب کا قاتل کون ہے؟** یہودیوں کے سپہ سالار مرحب کو حضرت علیؓ نے باقاعدہ مقابلہ کے بعد قتل کیا۔	دونوں میں تضاد ظاہر ہے۔ تاریخ کا بیان بغض علیؓ کا مظہر ہے۔

نمبر	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
	ابن ہشام لغنا ص۳۱۰) محمد بن مسلمہؓ نے مرحب کی دونوں ٹانگیں کاٹ دیں، وہ زمین پر پڑا ہوا تھا کہ حضرت علیؓ اُس کے پاس سے گذرے اور اُنہوں نے اس کا سر کاٹ دیا (واقدی بلوغ الامانی جزء ۲۱ ص۱۲۶)	(صحیح مسلم لغنا)	
(۲۳)	**جنگ حُنین اور کثرت تعداد پر فخر** جب آپ مکے سے حنین کی طرف چلے ہیں اور اپنے لشکر کی کثرت ملاحظہ کی ہے تو فرمایا تھا کہ ہم مغلوب نہ ہوں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام ص۲۲۰)	**جنگ حُنین اور کثرت تعداد پر فخر** قرآن مجید کی آیت اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں نے اپنی کثرت تعداد پر فخر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کثرت تعداد پر فخر کرنا ناگوار گذرا۔ (مسند الحاکم وغیرہ۔ بلوغ الامانی جز ۲۱ ص۱۶۹)	تاریخ کا بیان کس قدر غلط اور شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے وسائل پر توکل کرتے تھے۔ جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے خفگی کا اظہار کیا اور جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا اُسی چیز کو تاریخ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
(۲۴)	**حضرت عمار بن یاسرؓ اور تعمیر مسجد نبوی** عمار بن یاسرؓ آئے۔ اُن کے سر پر بہت اینٹیں رکھی ہوئی تھیں، اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ان لوگوں نے مجھ کو قتل کر دیا ہے۔ میرے اوپر اتنا بوجھ رکھ دیتے ہیں جو مجھ سے چل نہیں سکتا۔ (آپ نے فرمایا) اے ابن سمیہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو تجھ کو قتل کریں گے، تجھ کو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام ص۱۱۶)	**حضرت عمار بن یاسرؓ اور تعمیر مسجد نبوی** مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت تمام صحابہ کرامؓ ایک ایک اینٹ اُٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت عمارؓ دو دو اینٹیں اُٹھا کر لا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو اُن کے سر پر سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا "عمار پر افسوس، انہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی" (صحیح بخاری)	(۱) حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ دو دو اینٹیں اُٹھا کر لا رہے تھے۔ تاریخ میں ہے کہ کئی کئی اینٹیں اُٹھا کر لا رہے تھے اور ان کے بوجھ سے بدحال ہو گئے تھے۔ (۲) حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ بشوق اور رغبت ثواب کی خاطر دو دو اینٹیں اُٹھا کر لا رہے تھے، تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کئی کئی اینٹیں اُٹھانے کیلئے اُن پر جبر کیا جا رہا تھا اور وہ بادلِ ناخواستہ یہ کام کر رہے تھے۔ گویا مدینہ منورہ میں بھی ان کو دشمنوں کے ظلم سے نجات نہیں ملی تھی۔

تاریخ اور قرآن و حدیث کے بیان کردہ واقعات میں جو تضاد ہے وہ اُوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ اور اسی قسم کے دوسرے قصے قرآن و حدیث کے خلاف ہوتے ہوئے بھی تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ کیا ان قصوں کو تسلیم کرنے کے بعد قرآن و حدیث پر ایمان رہ سکتا ہے؟

سلسلہ اشاعت ۴۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تاریخ پرستی

اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں اُٹھیں۔ متعدد قسم کے زہر پھیلائے گئے، دشمنانِ اسلام نے مختلف لبادے اوڑھے۔ اسلام سے باہر رہ کر بھی کام کیا اور اندر رہ کر منافق کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ان سازشوں میں سے ایک سازش یہ بھی تھی کہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کر دیا جائے۔ وہ معاشرہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیضِ صحبت سے قائم فرمایا تھا، جس معاشرہ کی تیاری اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوئی تھی، جس معاشرہ کی تعریف میں قرآنی آیتیں اُتری تھیں، اُس معاشرہ یعنی صحابہ کرام کے متعلق ایسی زہر افشانی کی گئی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ قرنِ ثانی اور قرنِ ثالث کے اکابر کے متعلق بھی ایسا ہی کیا گیا اور پھر ان تمام زہر افشانیوں، افترا پردازیوں کو تاریخ میں اس طرح سمو دیا گیا کہ جھوٹ و سچ میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ جب اس میں انہیں کامیابی ہو گئی تو یہ اندیشہ ہوا کہ ان واقعات کو کہیں جھٹلا نہ دیا جائے اس لئے ایک سازش اور کی گئی وہ یہ کہ ان واقعات کو "تاریخی حقائق" کے نام سے موسوم کر کے ذہنوں کو متاثر ہی نہیں بلکہ مرعوب کیا گیا۔ موجودہ زمانہ میں بھی اسلام سے بیزار کرنے کے لئے یہی چال چلی گئی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ان نام نہاد حقائق کو HISTORICAL FACTS کے نام سے متعارف کرایا گیا اور یہ سازش اتنی کارگر ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ذہن مسموم ہو گئے اور وہ بس یہی سمجھنے لگے کہ تاریخ کا تمام مواد بالکل حقیقت ہے اور اس میں سے کسی ایک واقعہ کے بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ الغرض تاریخ پرستی عام ہو گئی۔ اس سازش کی زد میں بڑے بڑے آ گئے اور اپنے اکابر کے خلاف مختلف قسم کی زہر افشانی کرنے لگے۔ اس سازش یا تاریخ پرستی نے جو فتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں :-

۱۔ انکارِ حدیث کے لئے فضا ہموار کی گئی۔ جو حدیث کسی تاریخی واقعہ سے ٹکرائی تو بجائے تاریخی واقعہ کو جھٹلانے کے حدیث کو یہ کہہ کر جھٹلایا گیا کہ یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے حالانکہ کہاں تاریخ اور کہاں حدیث۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ حدیث کی جانچ کے لئے بیسیوں فن استعمال کئے گئے۔ راویانِ حدیث کی جانچ پڑتال کی گئی۔ ان کی ثقاہت

کردار، حفظ و اتقان کو پرکھا گیا۔ سند کو دیکھا گیا کہ متصل ہے یا منقطع۔ غرض یہ کہ انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ حدیث کو جمع کیا گیا اور صحیح اور غلط میں خط امتیاز کھینچا گیا۔ برخلاف اس کے تاریخ کے لکھنے والے غیر مستند، جھوٹے بلکہ دشمنِ اسلام۔ پھر نہ انہوں نے کوئی سند بیان کی۔ نہ راوی کو پرکھا۔ نہ صادق و کاذب، فاسق و متقی میں فرق کیا۔ جو سُنا لکھ لیا، جو چاہا گھڑ دیا۔ لہٰذا حدیث اور تاریخ کے تضاد کی صورت میں تاریخ کو جھٹلانا چاہیئے تھا لیکن ہُوا اس کے برعکس۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا اور اس طرح اسلام کا معتدبہٖ حصہ معطل یا مسخ ہو کر رہ گیا۔

۲۔ جب حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر قرآن مجید کی من مانی تاویلیں ہونے لگیں۔ قرآن مجید بازیچۂ اطفال بن کر رہ گیا۔

۳۔ خلافتِ راشدہ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابہؓ اور دوسرے اکابر کو ٹھہرایا گیا۔ اسی کے ساتھ ملوکیت کو انتہائی غیر شرعی اور کراہت آمیز شکل میں پیش کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں صحابۂ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو محض دنیا دار اور مکار کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ کوئی صحابی کسی صحابی کے خلاف زہر اُگل رہا ہے۔ کوئی کسی کے خلاف نبرد آزما ہے۔ آپس میں تلواریں چل رہی ہیں۔ دنیا کی دوڑ میں کوئی پیچھے رہنا نہیں چاہتا۔ مال و دولت اور اقتدار کی ہوس نے سب کو اندھا کر دیا ہے۔ ثابت یہ کرنا تھا کہ جس معاشرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا وہ اسلام سے کوسوں دور تھا۔ وہ افراد جو آپؐ کے فیض یافتہ تھے وہ ہی صحیح معنوں میں مسلم نہیں تھے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من ذٰلک اپنے مقصد میں ناکام رہے اور اپنے بعد منافق اور دنیا کے پیچھے بھاگنے والے چھوڑ گئے۔ اب بھی اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کے متعلق بدگمانی میں مبتلا نہ ہو تو آخر وہ کیا کرے۔

یہ تھے وہ فتنے جو ہماری غلط تاریخ کی وجہ سے وجود میں آئے اور جنہوں نے ہزارہا آدمیوں کے ایمان کو متزلزل کیا۔ ہماری تاریخ دشمنوں نے لکھی اور ہم نے ہاتھوں ہاتھ لی۔ نہ تحقیق کی اور نہ تدقیق۔

جماعت المسلمین نے اس سلسلہ میں ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں اُس نے صرف قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آمد سے لے کر خلفائے اسلام تک کے حالات و واقعات کو بڑے مربوط انداز میں جمع

سلسلہ اشاعت ۹۵

کیا ہے۔ اس تاریخ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بیان کردہ کسی ایک واقعہ پر بھی غلط ہونے کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صحت و اعتماد کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہے۔

اسلامی تاریخ کے سلسلے میں ہمیں تعجب ہے کہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ سچے واقعات کو چھوڑ کر کتب تاریخ کے جھوٹے سچے واقعات کیسے مقبول عام ہوئے جب کہ کتب تاریخ میں کسی واقعہ کے ثبوت میں سند کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اگر سند بیان بھی کی گئی تو صحت اسناد کا التزام نہیں کیا گیا۔ نہ اسناد کی جانچ پڑتال ہوئی۔ حدیث کی طرح تاریخی بیانات ناقابل قبول ہونے چاہیئے تھے لیکن وائے افسوس کہ اہل علم اور عوام نے ان کو بلا تحقیق قبول کیا اور ان پر یقین بھی کرتے رہے۔ طرفہ یہ کہ قرآن و حدیث کے مقابلے میں تاریخ کی جھوٹی روایات کو بھی بڑی سادگی سے قبول کیا جاتا رہا۔ حیرت ہے کہ جو باتیں سچی تھیں وہ پس پشت ڈال دی گئیں اور ان کے مقابلہ میں ان باتوں کو قبولیت عام حاصل ہوئی جو بے سند اور جھوٹی تھیں۔ اس طرح بیشتر من گھڑت قصے تاریخ اسلام کی زینت بن کر تاریخی حقیقت بن گئے۔ سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تاریخوں میں مورخین نے ان روایات کو بھی جمع کر دیا جن کو دشمنانِ اسلام نے گھڑ کر صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے کی سازش کی تھی۔ اس طرح نہ صرف جماعت صحابہ نشانۂ سب وشتم بنی بلکہ اسلام کی عمارت کی بنیادیں ہل گئیں۔ صحابہ کرام کے حالات اور واقعات اس طرح لکھے گئے جن کو پڑھ کر بعد میں آنے والی نسلیں ان کے بارے میں طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہو گئیں۔ آہ! اس جماعتِ صحابہؓ کو جس کو رسول مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت دی تھی اور جس کو ساری امت کے لئے رہنما بنایا تھا آج نام نہاد مدعیانِ اسلام دھوکہ باز اور دنیا دار سمجھ رہے ہیں۔ افسوس صحابہ کرامؓ کی جماعت جس نے اپنے خون سے باغ اسلام کو سینچا تھا آج وہ بدنام ہے۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بڑی سادہ، پرخلوص اور پاکیزہ تھیں جن کو دشمنانِ اسلام نے اپنی مخصوص طرز کی رنگ آمیزی سے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ ان کی مدافعت کرنا ہر دردمند مسلم کا فریضہ ہے۔

مذکورہ بالا تاریخ اسلام کی ترتیب میں جماعت المسلمین کے پیش نظر یہ بھی ایک اہم مقصد تھا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ قرآن و حدیث صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیا کہتے

ہیں۔ ان کے صحیح حالات و واقعات کیا ہیں اور یہ کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت کو ان باتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں جن سے تاریخ کے اکثر اوراق سیاہ ہیں۔ ایسی کتاب کی اس دورِ پرُفتن میں بے حد ضرورت تھی جس کو جماعت المسلمین نے اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے پورا کیا۔ یہ تاریخ ایک ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ ایک مختصر تاریخ ہے لیکن بڑی جامع اور ٹھوس ہے۔

جماعت المسلمین کے مقاصد میں ایک مطوّل تاریخ کے مرتب کرنے کا بھی منصوبہ ہے۔ یہ تاریخ بہت ضخیم ہوگی اس تاریخ میں قرآن مجید اور صحیحین کے علاوہ تمام کتب احادیث اور تمام کتب تاریخ سے ایسی روایتیں شامل کردی جائیں گی جو سنداً صحیح ہوں گی اور قرآن مجید اور صحیح احادیث کے مطابق ہوں گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس مطوّل تاریخ میں ان تمام روایتوں کو مع جرح و تنقید کے نقل کردیا جائے گا جو اسلامی تاریخ پر کلنک کا ٹیکہ ہیں تاکہ تاریخ کا طالب علم ہی نہیں بلکہ ہر شخص ان مختر عہ واقعات سے واقف ہو جائے اور اپنے اسلاف کے متعلق بدگمانی کا شکار نہ ہو۔ یہ کام بہت اہم بھی ہے اور بہت مشکل بھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام کے تکمیل کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیشن پرستی

بال بالوں کا رکھنا سُنّت، اُن کی اصلاح اور اُن کا اکرام ضروری (ابوداؤد) یہ قطعاً ممنوع ہے کہ بالوں کو پراگندہ رکھا جائے (احمد) رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے (صحیح مسلم) لہٰذا اس اصول کی روشنی میں بال خوبصورتی سے سجے ہوئے ہونے چاہئیں نہ کہ بکھرے ہوئے۔ بالوں میں کنگھی کی جائے پہلے سیدھی طرف پھر اُلٹی طرف (صحیح بخاری) سر کے بیچ میں مانگ نکالی جائے (ابوداؤد) بالوں میں کثرت سے تیل ڈالا جائے جیسا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے (شرح السنۃ مشکوٰۃ) بالوں میں خوشبُو لگائی جائے (صحیح بخاری) سفید بال چُنے نہ جائیں (ابوداؤد) اگر بال سفید ہو جائیں تو اُن کو رنگ لیا جائے تاکہ اہل کتاب سے مشابہت نہ ہو۔ لیکن سیاہ خضاب نہ لگائیں (صحیح مسلم)۔ غرض یہ کہ بالوں کی اصلاح کی کوشش کریں۔ لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر وقت بناؤ سنگھار ہی ہوتا رہے۔ یہ جذبۂ آرائش و نمائش ایک حد تک تو مسنون ہے لیکن اس کی زیادتی ممنوع ہے۔ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس جذبۂ آرائش کو بالکل

آزاد نہیں چھوڑا بلکہ پابندی عائد کر دی کہ روزانہ کنگھی نہ کی جائے بلکہ ایک دن بیچ کیجائے (ابوداؤد) ہاں اگر بال بہت گھنے ہوں تو روزانہ کنگھی کی جاسکتی ہے (نسائی) گویا اسلام ایک معتدل دین ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ بالوں کی لمبائی کی بھی حد بندی کر دی (ابوداؤد) رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کم سے کم نصف کانوں تک اور زیادہ سے زیادہ کندھوں تک ہوا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم) مردوں کو عورتوں کی مشابہت سے منع فرمایا اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت سے منع فرمایا (صحیح بخاری) یعنی عورتیں اتنے چھوٹے بال نہ کریں کہ مردوں کے مشابہ ہو جائیں، اور نہ مرد اتنے لمبے بال کریں کہ عورتوں کے مشابہ ہو جائیں۔ غیر مسلمین کی نقالی سے منع فرمایا (ابوداؤد) عورتوں کو مصنوعی بال جوڑ کر لمبے کرنے سے منع فرمایا (صحیح بخاری) {نوٹ: مندرجہ بالا احادیث صحیح یا حسن ہیں}

سر کے بالوں کے متعلق احکام کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کو ان احکام کا علم ہو جائے لیکن اصل مقصد جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے ایمان و عمل کا جائزہ لیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا ایمان اللہ اور رسول پر ہے یا فیشن پر۔ ہم اللہ پرستی کرتے ہیں یا فیشن پرستی۔ غور کیجئے، اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہم بالوں میں تیل ڈالیں۔ اگر اللہ یہ حکم دیتا کہ سر میں تیل نہ ڈالا جائے یا بالوں کو خشک رکھا جائے تو یہ حکم ہم پر بڑا بار گذرتا۔ یا تو ہم اسلام کو خیرباد کہہ دیتے، اور اگر نہیں تو مُلّا کو ضرور بُرا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتے لیکن انہی بالوں کا خشک رکھنا فیشن بن کر جب ہمارے سامنے آیا تو ہم نے خندہ پیشانی سے اُسے خوش آمدید کہا۔ بتائیے یہ اللہ پر ایمان ہے یا فیشن پر۔

حکم تھا کہ نصف کان سے کندھے تک بال رکھے جائیں لیکن ہم نے اس کی بھی خلاف ورزی کی۔ جدید طریقہ کے بال رکھے جن کو عُرفِ عام میں انگریزی بال کہا جاتا ہے۔ کیا یہ اللہ پر ایمان ہے یا مغربی تہذیب پر۔

سنّت ہے کہ سر کے بیچ میں مانگ نکالی جائے۔ ہم نے اس سُنّت کو بھی چھوڑا۔ یا تو مانگ نکالی ہی نہیں، سارے بال پیچھے موڑ دیئے۔ اور اگر نکالی بھی تو سر کے ایک جانب، بالوں میں جو توازن شریعت کو مدّنظر تھا اُس کو ہم نے پسند نہیں کیا، سیدھی مانگ کے بجائے ٹیڑھی مانگ نکالی اور اسی پر کیا بس ہے، ہمارا ہر کام ٹیڑھا ہو گیا۔ دل بھی کج ہو گئے۔ اب ہم فیشن کی تو پرواہ کرتے ہیں، شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔

عورتوں نے سر پر کوہان نما بال رکھنے شروع کر دیئے۔ فیشن پرستی نے حسن و دلکشی کا باغ اُجاڑ دیا لیکن ان کو احساس تک نہ ہوا۔ نقالی کا جذبہ دل و دماغ پر اس قدر مستولی ہوا کہ جذبۂ تزئین و تحسین فیشن پرستی کی نذر ہو گیا۔ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدہا سال پہلے

ایسی عورتوں کی پیشین گوئی کر دی تھی جن میں منجملہ اور صفات کے یہ صفت بھی بیان کی تھی اور پھر فرمایا تھا کہ ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو بھی میسّر نہ ہوگی (صحیح مسلم) غرض یہ کہ ہم نے وہ کام کیا جس کی ممانعت تھی۔ کیا اسی کا نام ایمان باللہ ہے۔

مزید سُنئے۔ یہ فیشن پرستی اور مغربی تہذیب کی نقالی ہمیں کہاں سے کہاں لے گئی۔ لیجئے اب گُدّی پر بھی بال بڑھنے شروع ہو گئے۔ بدہیئتی اور بدنمائی کی یہ ایسی زندہ مثال ہے کہ اس کے متعلق کچھ نہ کہا جائے تو بھی کافی ہے۔ اگر اس طرح بال رکھنا اسلامی طریقہ ہوتا تو کیا یہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے اس طرح کے بال رکھتے؟ کیا ایسا کرنے والوں کو وحشی اور جنگلی نہ کہا جاتا۔ کیا اسلام کو غیر مہذب دَور کا مذہب نہ کہا جاتا۔ لیکن افسوس نقالی اور فیشن پرستی نے خوبصورتی کے فطری رجحان کو ملیامیٹ کر دیا۔ یہ ہے ایمان بالفیشن۔ کاش یہ بات اللہ اور رسُولؐ کے احکام کے ساتھ ہوتی تو پھر ایمان اپنی بہاریں دکھاتا اور نقالی نے جو احساس کمتری پیدا کر کے ہمیں ذلیل کر دیا یہ نوبت نہ آتی۔ ہماری تہذیب زندہ ہوتی، ہمارا وقار بلند ہوتا اور ہم دنیا کی سب سے زیادہ طاقت وَر اور متمدن قوم ہوتے۔

اب بھی وقت ہے سنبھل جائیے۔ ایمان باللہ کو استوار کیجئے۔ اُس دن کو یاد کیجئے جس دن آپ کو اللہ کے سامنے حساب دینا ہے۔ اُس دن اللہ کے عذاب سے بچانے والا کون ہوگا۔ یہ دنیا چندروزہ ہے۔ یہ وہاں کام نہ آئے گی۔ نہ یہ فیشن پرستی فلاح کا باعث بنے گی۔ بلکہ غضبِ الٰہی کا موجب ہوگی۔ جن کی نقالی پر آپ کو ناز ہے یہ وہاں آپ کے کچھ کام نہ آسکیں گے۔ وہاں احکامِ الٰہی کی تعمیل میں محض اللہ کی رضا کیلئے جو کام کئے ہوں گے وہی کام آئیں گے۔ اگر آپ لا الٰہ الّا اللہ پڑھتے ہیں تو اللہ کی حاکمیت تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ اگر اشھد انّ محمد رسُولُ اللہ آپ پڑھتے ہیں تو محمد رسُولُ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر کے اللہ کی حاکمیت کا عملی ثبوت کیوں پیش نہیں کرتے۔ جب تک اللہ کی پسند ہماری پسند نہ بن جائے اللہ کی حاکمیت کا دعویٰ صرف زبان پر ہے دل کی گہرائیوں میں اس کیلئے کوئی جگہ نہیں۔

ڈاڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ وَفِّرُوا اللُّحٰی وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ۔ مشرکین کی مخالفت کرو، ڈاڑھیاں بڑھاؤ مونچھوں کو پست کرو (صحیح بخاری) آپؐ نے فرمایا اَنْھِکُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی۔ مونچھوں کو اچھی طرح پست کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ (صحیح بخاری) آپؐ نے حکم دیا اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَوْفُوا اللُّحٰی۔ مونچھوں کو پست کرو اور ڈاڑھیاں پُوری رکھو (صحیح مسلم) حکم دیا جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللُّحٰی خَالِفُوا الْمَجُوْسَ۔ مونچھوں کو کتر دو اور ڈاڑھیاں لٹکنے دو مجوس کی

سلسلہ اشاعت ۲۵

مخالفت کرو (صحیح مسلم)
فرمایا مونچھیں کترنا اور داڑھی بڑھانا فطرت میں سے ہے (صحیح مسلم) یعنی اسلام کی فطرت میں داخل ہے اور انبیاء علیہم السلام کی سُنّت ہے۔ آپ نے فرمایا یہود و نصاریٰ بالوں کو رنگتے نہیں تم ان کی مخالفت کرو (صحیح بخاری و صحیح مسلم) یعنی اگر بال سفید ہوجائیں تو مہندی سے رنگ لیں مہندی اور وسمہ اس سے بہتر ہے اور زرد رنگ اس سے بھی بہتر ہے (ابو داؤد) فرمایا لیکن سیاہ خضاب سے بچو (صحیح مسلم) سفید بال چُننے کی ممانعت کی (ابو داؤد) لعنت کی اُن مَردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کریں۔ (صحیح بخاری) یعنی داڑھی مونچھیں مونڈ کر عورتوں سے مشابہت نہ کرے۔ داڑھی میں خوشبو لگاتا ہے (صحیح بخاری) داڑھی میں کثرت سے کنگھی کرتا رہے (شرح السنۃ) فرمایا جو مونچھیں نہیں کترتا وہ ہم میں سے نہیں (احمد، نسائی) {نوٹ: مندرجہ بالا تمام احادیث صحیح یا حسن ہیں}۔

داڑھی، مونچھ کے متعلق احکام شرعیہ اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ ان احکام کی روشنی میں اپنے افعال کا جائزہ لیجئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

حکم دیا گیا تھا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ آپ نے مشرکین کی موافقت کی حکم تھا کہ مجوس کے طرز سے دور رہو آپ نے مجوس کے طرز کو گلے سے لگایا۔ کیا یہی ایک مسلم کی شان ہے، کہ جو کہا جائے اُس کے خلاف کیا جائے کیا اللہ اور اس کے رسول کی محبّت کا یہی تقاضا ہے۔ کیا یہی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول ہے۔

حکم یہ دیا گیا تھا کہ مونچھوں کو کترو، آپ نے مونچھوں کو بڑھایا اور اتنا بڑھایا کہ شکل وحشتناک ہوگئی۔ حکم تھا کہ مونچھوں کو پَست کرو۔ آپ نے بالکل ہی مونڈ ڈالا۔ شریعت نے خوبصورتی کے پہلو کو مدِنظر رکھتے ہوئے صرف کترنے کا حکم دیا تھا۔ آپ نے مونڈ کر خوبصورتی کو ختم کر دیا۔ کبھی مونچھیں مونڈنا شرف و عزّت کے منافی سمجھا جاتا تھا لیکن آپ نے شرف و عزّت کو بھی خیر باد کہہ دیا فیشن کو اختیار کیا۔ بدصورتی آپ کی پسند بن گئی، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اللہ کی پسند آپ کی پسند ہوتی اور یہی ایمان کی شان بھی ہے لیکن ہوا اس کے برعکس اگر اسلام یہ حکم دیتا مونچھیں منڈوا دو۔ تو شاید آپ اسلام کو عزّت و شرف حسن و جمال کا مخالف سمجھ کر طرح طرح کے اعتراض کرتے۔ لیکن یہی چیز جب دوسری قوم سے ملی تو ہم نے اُسے سر آنکھوں پر رکھا۔ کیا یہ اللہ پرستی ہے یا فیشن پرستی۔ غور کیجئے۔ اس فیشن پرستی نے آپ کو کہاں کہاں اُٹھا کر پھینکا۔ دو مکھیوں کے برابر مونچھوں کا فیشن آیا تو

آپ نے اُسے خوش آمدید کہا۔ ایک لکیر مونچھ کا فیشن آیا تو آپ نے اس کی پیروی کی غرض یہ کہ آپ ہر ہر مرحلہ پر نقالی کرتے چلے گئے۔ کہیں استقامت نہیں دکھائی کہ اپنی وضع، اپنی شریعت پر جمے رہتے۔

حکم دیا گیا تھا کہ ڈاڑھیاں لٹکنے دو لیکن آپ نے اس کے بھی خلاف کیا۔ ٹھاکروں اور سکھوں کی نقالی میں ڈاڑھیاں بھی چڑھائیں۔

حکم دیا گیا تھا کہ ڈاڑھیوں کو پورا رکھو آپ نے اوپر نیچے خط بنا کر ڈاڑھی کو ناقص کر دیا پھر طرّہ یہ کہ اسی کو سنّت سمجھنے لگے۔ چہرے کی نزاکت کو اُسترے سے ملیامیٹ کر دیا۔ اپنی ہیئت آپ بگاڑ لی اور سمجھے یہ کہ اصلاح ہے حکم دیا گیا تھا کہ ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔ آپ نے خشخاشی ڈاڑھیاں رکھنی شروع کر دیں اور پھر مونڈ ہی ڈالیں۔ یہاں بھی آپ نے مشرکین اور مجوس کی موافقت کی۔ حاکم قوم کے طرز کو اچھا سمجھا۔ اسلامی طرز کو گھٹیا سمجھا۔ احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔ وقار کھو بیٹھے۔ وضع داری ختم کر دی چھچھورپن اختیار کیا۔ ڈاڑھی اور مونچھیں مونڈ کر عورتوں سے مشابہت کی اور اس لعنت کے مستحق بن گئے جس کا ذکر حدیثؐ میں آیا ہے۔ غرض یہ کہ آپ نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالدیا فیشن کو اختیار کیا فیشن آپکا دین بن گیا۔ ایمان باللہ کے بجائے ایمان بالفیشن رگ و پے میں سرایت کر گیا۔

حکم دیا گیا تھا کہ ڈاڑھی کو بڑھاؤ۔ توفیر و تکثیر شریعت کو محبوب تھی۔ پھر ساتھ ہی حسن دلکشی اور مردانگی شارع کو ملحوظ تھی۔ لیکن آپنے کسی چیز کا لحاظ نہیں کیا۔ افسوس ڈاڑھی رکھی بھی تو کبھی فرنچ کٹ، کبھی قادیانی کٹ، کبھی رخساروں پر ڈاڑھی رکھی ٹھوڑی پر سے مونڈ دی۔ کبھی ٹھوڑی پر رکھی رخساروں پر سے منڈوادی۔ کبھی رخساروں پر رکھی اور ٹھوڑی پر بھی لیکن دونوں کو ملایا نہیں بلکہ درمیان میں دونوں طرف دھاریاں چھوڑ دیں۔ غرض یہ کہ فیشن نے جدہر موڑا اُدھر آپ مڑ گئے فیشن نے جوکر (JOKER) بنا دیا جوکر بن گئے لیکن جذبۂ وقار کو ٹھیس تک نہ لگی ڈاڑھی سنّت سمجھ کر رکھی بھی تو طرز دوسروں کا اختیار کیا۔ سنّت سے محروم ہی رہے۔ اللہ کو خوش نہیں کیا اپنی ذات کو خوش کرتے رہے۔ بدہئیتی اختیار کرتے رہے اور اس کو خوبصورتی سمجھتے رہے۔ ڈاڑھی رکھکر بھی اللہ تعالےٰ کو راضی نہ کیا۔ کیا یہی ایمان باللہ کی شان ہے۔ کیا اسی کو اتباعِ رسولؐ کہتے ہیں۔ کیا آپنے کبھی اپنے ایمان وعمل کا جائزہ لیا۔ ایمان کا کیا تقاضہ ہے اور آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا اس قسم کی ڈاڑھی کا حکم اگر اسلام دیتا تو آپ مان لیتے۔ ہرگز نہیں بلکہ اسلام کو دورِ حاضر کیلئے ناقابلِ عمل سمجھتے۔ لیکن فیشن کو آپ نے وہ جواب نہیں دیا فیشن سے محبت اور احکام الٰہی سے نفرت کیا یہ ایمان باللہ ہے یا ایمان بالفیشن۔

ایک وقت آنیوالا ہے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر حساب کتاب دینا ہوگا۔ کیا اس پر آپکا ایمان نہیں ہے۔ اگر ہے تو کیا آپ کو کچھ خوفِ آخرت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت پر برائے نام ایمان ہے یا سرے سے ہے ہی نہیں۔ قیامت کی ہولناکیوں اور عذابِ الٰہی کے تصور سے آپ کی حالت کیوں نہیں بدلتی۔ اب بھی وقت ہے۔ ہوش میں آئیے۔ اسلام کو چھوڑ کر بہت کچھ ذلیل و خوار ہو چکے۔ اگر اسی طرح اسلام سے روگردانی کرتے رہے، اخوتِ اسلامی کے بجائے قوم پرستی، صوبہ پرستی، وطن پرستی، ملک پرستی اور مسلک پرستی کو اختیار کئے رہے تو پھر بربادی یقینی ہے۔ دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی ذلت نصیب ہوگی۔

لباس | یہ تو صحیح ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے کوئی خاص لباس مقرر نہیں کیا لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ اسلام نے مسلمین کو بالکل آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جس طرح کا لباس چاہیں پہنیں۔ اسلام نے لباس کے کچھ اصول مقرر کئے لہذا جو لباس ان اصولوں کے مطابق ہے وہ اسلام کے نزدیک جائز ہے اور جو ان اصولوں کے خلاف ہے وہ ناجائز ہے۔ یہ اصول مختصراً درج ذیل ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کا مخصوص لباس پہننے سے منع فرمایا (صحیح مسلم) کفار کی مشابہت سے منع فرمایا (ابوداؤد) مردوں کو عورتوں کی مشابہت سے منع فرمایا، (صحیح بخاری) مردوں کو پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچا کرنے سے منع فرمایا (صحیح بخاری)۔ عورتوں کو پاجامہ وغیرہ اتنا نیچے رکھنے کا حکم دیا کہ ان کے قدم ڈھک جائیں (نسائی) مردوں کو خالص ریشمی کپڑا پہننے سے منع فرمایا (صحیح بخاری) پیلے کپڑے پہننے سے منع فرمایا (احمد) بدبودار کپڑے کو ناپسند فرمایا (ابوداؤد) استطاعت کے باوجود اپنی حیثیت سے کم درجہ کا لباس ناپسند فرمایا (احمد) عورتوں کو باریک کپڑے پہننے سے منع فرمایا (صحیح مسلم) اسراف اور تکبر والے لباس سے منع فرمایا (نسائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین پہنچوں تک ہوتی تھیں (ابوداؤد) آپ اکثر سر پر کپڑا باندھے رہتے تھے (شرح السنۃ) یا عمامہ باندھے رہتے تھے (صحیح مسلم) عورتوں کو دوپٹہ اوڑھنے اور اس کا بکل مار کے سینہ ڈھانکنے کا حکم دیا (قرآن مجید)۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا تمام احادیث صحیح یا حسن ہیں۔

یہ چند اصول ہیں جن کو ملحوظ رکھ کر لباس پہنا جائے تو وہ لباس جائز ہوگا۔ اگر ان اصولوں کی خلاف ورزی ہوئی تو وہ لباس ناجائز ہوگا، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ کونسا اصول ہے جسے آپ نے نہیں توڑا مگر آپ کو احساس تک نہیں۔

اسلام نے کہا پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اونچا رکھو، آپ نے پتلونیں اور پاجامے اتنے نیچے رکھے کہ زمین پر گھسٹنے لگے لیکن جب دوسری قوم کی طرف سے گھٹنوں تک کھلا رکھنے کا فیشن آیا تو آپ نے اُسے مرحبا کہا۔ نیکر پہننے شروع کر دیئے۔ جب مغربی تہذیب نے شورٹس (SHORTS) کا تحفہ دیا تو آپ نے رانیں بھی کھول دیں۔ شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ دیا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اگر اسلام ایسا لباس پہننے کا حکم دیتا تو آپ اُسے اختیار کرتے۔ نہیں بلکہ طرح طرح کے اعتراض کرتے لیکن والئے تعالیٰ ٹخنے کھولنے تو کجا آپ نے رانیں تک کھول دیں۔ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکایا تو آپ نے اسلامی اصول کو توڑا اور جب رانیں کھولیں تو اسلامی اصول کو توڑا اور محض توڑا ہی نہیں بلکہ دوسری قوم کے طرز کی برتری کے قائل ہو گئے۔ اسلامی طرز کے مقابلے میں اُسے ترجیح دی۔ کیا یہ ایمان کی علامت ہے یا کفر کی؟

اسلام نے کہا پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اوپر رہنا چاہئے لیکن آپ نہیں ملنے لیکن جب ٹیڈی پتلون کا فیشن آیا تو پھر جس کو دیکھو ٹخنوں سے اونچی پتلون پہنے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل آپ سے نہ ہو سکی لیکن فیشن کا کہنا آپ نے مان لیا۔ کیا آپ اسلام کے دعوے میں سچے ہیں؟

رانیں کھولیں فیشن کی خاطر، رانیں ڈھانکیں فیشن کی خاطر لیکن پتلون کو اتنا چست کر دیا کہ رانوں کی پوری ساخت نظر آنے لگی۔ شرافت خاک میں مل گئی۔ کیا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ جو کام کریں اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ قمیص یا کُرتے کے دامن لمبے ہوا کرتے تھے۔ آگے یا پیچھے سے اگر دامن اونچا ہو جاتا تھا تو اُسے بُرا سمجھتے تھے۔ حیا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا لہٰذا فوراً دامن کو نیچا کر لیا کرتے تھے لیکن آہ فیشن نے وہ احساس بھی معدوم کر دیا۔ مستقل طور پر دامنوں کو خیر باد کہہ دیا، وہ دامن جو کبھی باہر رہا کرتے تھے پتلون کے اندر پہنچ گئے۔ بے حیائی کی طرف یہ پہلا قدم تھا اس کے بعد قدم آگے بڑھتے چلے گئے بالآخر بے دامن کی قمیصیں نکل آئیں۔ پھر قمیص ڈھیلی ہوئی تو اتنی کہ اُس میں دو آدمی سما جائیں اور تنگ ہوئی تو اتنی کہ اُس نے بنیان کی شکل اختیار کر لی۔ بے آستین کا بنیان اور چست پتلون، دامن غائب، اعضاء کا نشیب و فراز آشکار۔ الغرض اسلامی تہذیب کو فنا کر کے آپ خوش ہوتے رہے اور پھر بھی اپنے کو مسلم کہتے رہے۔

بازاروں میں ننگے سر پھرنا اسلامی تہذیب نہیں تھی۔ ایک وہ وقت تھا کہ دستار بندی اور تاج پوشی کو باعث اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ٹوپی یا عمامہ زینت میں شمار ہوتا تھا اور نہ

صرف زینت بلکہ باعثِ وقار سمجھا جاتا تھا لیکن افسوس اسلامی تہذیب کو یہاں بھی آپ نے خیرباد کہہ دیا البتہ کچھ عرصہ تک نماز میں یہ احساس باقی رہا لیکن آخر یہ بھی فیشن کی نذر ہوگیا۔ ننگے سر نمازیں ہونے لگیں۔ دوسری قوموں کی نقالی میں آپ ننگے سر رہنے لگے۔ جذبۂ زینت فیشن کی نذر ہوگیا۔

غرض یہ کہ آپ اپنی تہذیب کو دوسروں کی تہذیب پر قربان کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ کیا یہی تقاضائے ایمان ہے۔ اے ایمان والو، ہوش میں آئیے۔ بہت وقت گذر گیا اب تو فیشن پرستی چھوڑیئے۔ اللہ پرستی اختیار کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں خوبصورتی ہے لیکن مشکل تو یہ ہے کہ آپ کا زاویہ فکر ہی بدل گیا۔ بتلایئے آپ میدانِ حشر میں کیا جواب دیں گے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وطن پرستی

سلسلۂ اشاعت ۱۷

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ حدیث ہے اور اس کی بنیاد پر وطن سے محبت کرنے اور پھر اس محبت میں غلو کرنے کو جائز ہی نہیں بلکہ ایمان کی نشانی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ حدیث نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی سند ہے۔ (موضوعات کبیر ص۳۵)۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ایک چیز جو اسلام کے قطعاً منافی ہے اس کو ایمان کی نشانی سمجھا جائے اور بغیر تحقیق ایک غلط بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جائے۔ لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے کہ کسی چیز کی تحقیق نہیں کرتے۔ ہر سنی سنائی بات پر اعتماد کر لیتے ہیں خواہ وہ بات اسلام سے کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہو۔ وہ اسلام جو عالمگیر اخوت کا درس دیتا ہو اس میں ملکی حدود قائم کرنا اسلام کو خیرباد کہنے کے مترادف ہے۔ ملکی حدود کی محبت کو ایمان قرار دینا یقیناً شریعت سازی ہے۔ اس سے اسلام کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ اتفاق و اتحاد اور وحدت امت کا زریں اصول یکسر ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ امت مسلمہ مختلف ملکی حدود میں تقسیم ہو کر عصبیت کا شکار ہو جاتی ہے۔ جتنے ملک اتنی قومیں بن جاتی ہیں۔ ایک قوم پر مصیبت آتی ہے تو دوسری قومیں تماشہ دیکھتی ہیں۔ ایک قوم پر دشمن یلغار کرتا ہے تو دوسری قومیں چین کی بنسری بجاتی ہیں بلکہ بعض اوقات دشمن سے سازباز

کرلیتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ایک کرکے وہ قومیں سیاسی اعتبار سے تو کلیتۂ فنا ہو جاتی ہیں البتہ دینی اعتبار سے اگر کلیتۂ فنا نہیں ہوتیں تو فنا کے قریب ضرور پہنچ جاتی ہیں۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ بعض ملکوں سے سیاسی اور دینی دونوں اعتبار سے متعدد قومیں کلیتۂ نیست و نابود ہو گئیں۔ اسے کاش ہم اب بھی سنبھل جائیں اور اسلام کی زریں اصول پر عمل کرکے سب ایک مسلم قوم بن جائیں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات) تمام مؤمن بھائی بھائی ہیں۔

یہ ہے وہ عالمگیر اخوت اور وحدت جو دنیا بھر کے مسلمین کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیتی ہے۔ ایک مسلم کا نقصان پوری قوم کا نقصان سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تم دیکھو گے کہ مؤمنین آپس کے ترحم، محبت و مہربانی میں ایک جسم کے مانند ہیں۔ اگر ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو باقی تمام اعضاء بے خوابی اور بخار کے ساتھ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔

یعنی تمام اعضاء اس ایک عضو کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہیں اور اس کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہر عضو اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے اپنا اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ یہی حال مسلمین کا بھی ہونا چاہیئے تھا۔ ایک مسلم کی تکلیف سے تمام عالم کے مسلمین کو تکلیف ہونی چاہیئے تھی۔ سب کا انفرادی و اجتماعی فرض تھا کہ اس کی مدد کو دوڑتے لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ تکلیف کو دور کرنا تو کجا خود تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ بھائی بھائی کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ ایک دوسرے پر ظلم کر رہا ہے اور ایسی ایسی اذیتیں پہنچا رہا ہے کہ جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ایمان تو ایمان انسانیت سر پیٹ لیتی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے، ملکی و صوبائی حدود کی خاطر۔ ملکی و صوبائی حدود کی محبت نے اس قدر مدہوش کر دیا ہے کہ ایک ہم وطن کافر کو مسلم پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ کیا یہی اسلام ہے؟ کیا یہی اللہ پرستی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا (صحیح بخاری و صحیح

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے ایک عمارت کے مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے

مسلم) حصہ کو مضبوط رکھتا ہے۔

اس حدیث کا تقاضا یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کی قوت میں اضافہ کرتے۔ سب مل کر ایک عمارت بن جاتے۔ کسی مسلم ملک کی حفاظت صرف اس ملک کے مسلمین ہی پر ضروری نہیں بلکہ دنیا کے ہر مسلم پر لازمی ہے لیکن ہمارا طرز عمل اس کے برخلاف ہے اور پھر بھی ہمیں دعویٰ ایمان ہے۔ پھر بھی ہم مؤمن ہیں! اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلو
وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران) اور فرقے فرقے نہ بنو۔

لیکن وائے افسوس کہ اب تک ہم دینی فرقوں کو ہی رو رہے تھے کہ اب ہمیں ملکی و صوبائی فرقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ دشمن کی چال کامیاب ہو گئی۔ ہمیں وطن کی محبت میں الجھا کر اسلام سے دور کر دیا۔ ملکی اور وطنی رشتہ کو اسلامی رشتہ پر ترجیح دی جانے لگی۔ ہم پہلے ملکی اور بعد میں مسلم بننے پر فخر کرنے لگے بلکہ مسلم بننا تو محض رسمی یا سیاسی حربہ کے طور پر باقی رہ گیا۔ کافر قوموں کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی مادر وطن نے جنم لیا۔ وطن کو دیوتا سمجھنے لگے۔ وطن کی خاطر مرنے اور جینے کا رجحان پیدا ہوا۔ اللہ تعالےٰ کا رشتہ کالعدم ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ کی محبت کی جگہ وطن کی محبت آ گئی۔ شرک کی وادیوں میں ہم ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔ وطن کا بت دل و دماغ پر چھا گیا۔ اسلام اور ایمان کا نام محض رسمی رہ گیا۔

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو، ہوش میں آیئے۔ اگر آپ واقعی اللہ تعالےٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تو بتایئے اس وطن پرستی کا آپ اللہ تعالےٰ کو کیا جواب دیں گے۔ وطن کی خاطر مسلم کشی کا آپ کے پاس کیا عذر ہوگا، کیوں آپ وطن کی طرف نسبت کرتے ہیں؟ کیوں نہیں کہتے:۔

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی اعلان تمام مسلمین کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ آپؐ نے فرمایا تھا: "اے لوگو، تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کی بنیاد پر (مسند امام احمد۔ بلوغ $\frac{12}{226}$ وسندہ صحیح)۔ عالمگیر اخوت کا یہ اعلان تمام مسلمین کو ایک خاندان

کی حیثیت عطا کرتا ہے۔ ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا، ان کو ملکی و وطنی طبقات میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ملت اسلامیہ ایک وحدت ہے۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کئے جا سکتے۔ اے ایمان والو، اپنے دشمن سے ہوشیار رہیئے۔ یہ تم کو وطن پرستی کا سبق دے کر بالواسطہ تمہارے دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اے ایمان والو، عصبیت کو اٹھا کر پھینک دیجئے۔ ایک اللہ تعالیٰ کو حاکم مانیئے۔ اسی کے لئے محبت کیجئے۔ اسی کے لئے بغض رکھیئے۔ ایک امام یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیے۔ بس انہی کی پیروی کیجئے۔ اپنے کو صرف مسلم کہیئے اور بس۔ نہ اس سے پہلے کچھ کہیئے اور نہ اس کے بعد کچھ کہیئے۔ فرقہ وارانہ ناموں کو ختم کر دیجئے۔ اپنا دین صرف اسلام کو قرار دیجئے۔ فرقہ وارانہ مذاہب، مسالک اور مکاتب فکر کو ختم کر دیجئے۔ فرقہ بندی کو نیست و نابود کر دیجئے۔ وطن پرستی، زبان پرستی، صوبہ پرستی، خاندان پرستی، ملک پرستی، مذہب پرستی، کے بتوں کو توڑ کر پھینک دیجئے۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کی پیروی کیجئے اور سب مل کر ایک ہو جائیے۔

جماعت المسلمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فتنے اور ان کا سدِّ باب

سلسلۂ اشاعت ۱۹

(۱) فتنے

قادیانیت۔ ایک عظیم خطرہ

اے ایمان والو، کچھ خبر بھی ہے کہ آپکے گرد وپیش کیسے کیسے فتنے پھیلے ہوئے ہیں؟ آپ کو اپنی اولاد اور آئندہ نسلوں کے ایمان کی بھی کچھ فکر ہے؟ آپ کی اولاد کس ماحول میں گھری ہوئی ہے؟ نوجوان طبقہ کس طرح زہریلے جراثیم اپنے ذہن میں پیوست کرتا چلا جا رہا ہے؟ منکرین ختم نبوت کی ریشہ دوانیوں کا بھی آپ کو کچھ علم ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ زہر کی گولیاں مالی اعانت، طبی امداد اور ذاتی خدمات کی شکر میں لپیٹ کر ہمارے حلق میں اتاری جا رہی ہیں؟ طبی امداد کے بہانہ کس طرح ہمارے عوام وخواص میں روحانی بیماری پیدا کی جا رہی ہے؟

ایمان کے ڈاکو چھپ کر آتے ہیں، وہ کچھ دے کر بہت کچھ چھین لیتے ہیں۔ چھینی ہوئی چیز ایمان ہوتی ہے۔ ان کے متعدد اسکول اور مدارس قائم ہیں جہاں لوگ دین وایمان کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلا رہے ہیں۔ یہ کیوں ہو رہا ہے، اس لئے کہ لوگوں کا زاویہ نظر

بدل گیا ہے۔ لوگوں کو مادّیت مطلوب ہے اور یہی وہ چیز ہے جو قادیانی اسکولوں اور مدارس میں بآسانی مل جاتی ہے۔

ان کے مبلّغ پہلے تو کھلم کھلا تبلیغ کرتے پھرتے تھے اور اب خفیہ تبلیغ میں مصروف ہیں۔ براہ راست تبلیغ کرنے کے بجائے اب انہوں نے تبلیغ کا نیا طرز اختیار کیا ہے۔ اب وہ ہمارے ہی لبادے میں ہمارے پاس آتے ہیں۔ ہماری اور ہمارے نوجوان طبقہ کی خیر خواہی کے بہانے وہ ہمارے سامنے منکرینِ ختم نبوّت کے اعتراضات پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان اعتراضات کے جوابات معلوم کرکے وہ اپنے کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں اور اپنے ایمان کو بچانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے کو عالم ظاہر نہیں کرتے لیکن وہ آیات و احادیث جو بظاہر ان کے نظریہ کی تائید کرتی ہیں ان کی نوکِ زبان ہوتی ہیں۔ وہ ان آیات و احادیث کو سنا کر ان کا جواب ہم سے طلب کرتے ہیں۔ اگر جواب دیا جائے تو جواب الجواب بھی ان کے پاس ہوتا ہے۔ اگر وہ لاجواب ہو جاتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ اپنے کسی بڑے مبلغ کے پاس ہمیں لے جائیں۔ ان کے چھوٹے اور بڑے مبلّغ تحریری بحث پر راضی نہیں ہوتے۔ ان کے مبلغ دن و رات اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مخالف کے ہر اعتراض کا جواب پہلے سے تیار کرلیں تاکہ مخالف اگر حاضر جواب اور مشّاق نہ ہو تو لاجواب ہو جائے اور وہ اس کو اپنی فتح شمار کریں۔ اگر وہ لاجواب ہو جاتے ہیں تو دھوکا دے کر دوسرا مضمون شروع کر دیتے ہیں اور شکست فاش سے بچ کر نکل جاتے ہیں۔

قادیانیوں نے اپنی تبلیغ کے لئے ایک علیحدہ فنڈ قائم کر رکھا ہے جس کے ذریعہ ہزاروں مبلّغ تیار کئے جاتے ہیں اور ان کو ہر قریہ اور ہر گاؤں میں متعیّن کیا جا رہا ہے[1] ہر مبلّغ تبلیغ کے لئے مادّی وسائل بھی استعمال

---

[1] سرکاری طور پر قادیانیوں کو کافر قرار دیا جا چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس فیصلہ سے ان کا تبلیغی منصوبہ متاثر ہوا ہو۔

کرتا ہے۔ نادار اور بے علم افراد ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ غرضکہ یہ فتنہ پوری طرح سے پھیل چکا ہے لیکن ہماری غفلت کا وہی حال ہے۔

اے لوگو، ہوش میں آیئے۔ آخرت کی فکر کیجئے۔ اولاد کے ایمان کو محفوظ رکھنے کا بندوبست کیجئے۔ آئندہ نسلوں کو اس فتنہ سے بچایئے۔ اپنے روپیہ کو دین کی حفاظت کے لئے خرچ کیجئے۔ ایسے اسکول اور کالج کھولئے جن میں آپ کی مطلوبہ مادیت بھی ہو اور ایمان بھی سلامت رہے۔ نادار افراد کی مالی پریشانیوں کا سدباب کیجئے تاکہ ایمان کے ڈاکو ان کی بدحالی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ آپ بھی تعلیمی فنڈ قائم کیجئے۔ ذہین طلباء کو وظیفے دیجئے تاکہ وہ قرآن مجید اور احادیث نبوی کی تعلیم سے آراستہ ہو کر گمراہی سے بچ سکیں۔ اگر آپ کی آئندہ نسل گمراہ ہو گئی تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ میدانِ محشر میں آپ کیا جواب دیں گے۔

سلسلہ اشاعت ۱۱

سوشلزم۔ ایک دل فریب دھوکا

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سوشلزم کا مقصد انسانوں میں معاشی ابتری کو ختم کرنا ہے لہٰذا سوشلزم اسلام کے بہت قریب ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ سوشلزم کو اسلام سے کوئی نسبت نہیں۔ جو لوگ یہ بات کہتے ہیں وہ اسلامی نظریۂ معیشت سے قطعاً نابلد ہیں ورنہ ایسی غلط بات کبھی نہیں کہتے۔

اسلامی نظریۂ معیشت خالق کائنات کا دیا ہوا ہے۔ آفاق و انفس کے احوال و کوائف سے کسی انسان کو اتنی واقفیت نہیں ہو سکتی جتنی کہ آفاق و انفس کے خالق کو ہو سکتی ہے۔ خالقِ کائنات کا علم زمان و مکان کے نشیب و فراز اور احوال و افکار کی تبدیلیوں پر حاوی ہے۔ برخلاف اس کے انسان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ہی سود و زیاں سے آگاہ نہیں، اُسے یہ ہی نہیں معلوم کہ کل وہ کیا کرے گا اور کل اُسے کس چیز کی

ضرورت ہوگی ایسی صورت میں اُس کا بنایا ہوا نظامِ معیشت تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن کیسے ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظام کے تمام اجزاء باہم مربوط ہیں۔ ضابطۂ اخلاق ہو یا دستور تمدن، معیشت ہو یا سیاست، عبادت ہو یا خدمتِ خلق سب میں ایک ہی روح کارفرما ہے جو ان تمام اجزاء میں ہم آہنگی اور انضباط پیدا کرتی ہے اور یہ روح اللہ تعالیٰ کی رضا رجوئی ہے۔ اگر کسی نظام میں یہ روح نہ ہو تو وہ نظام خواہ کتنا ہی شاندار کیوں نہ ہو اُس کو اسلام کے قریب کہنا سراسر غلط فہمی ہے۔

سوشلزم کے عوامل اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سوشلزم کے عوامل کیا ہیں۔ وہ کون سے تصورات ہیں جو سوشلزم کو جنم دیتے ہیں۔ سوشلزم کی اصل روح کیا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جس نظام کو سوشلزم قائم کرنا چاہتا ہے اس کی روح دنیوی خوش حالی اور حرص و ہوس کے سوا اور کچھ نہیں۔

سوشلزم نظام کا اجمالی خاکہ یہ ہے :-

۱۔ سوشلزم کلی طور پر ملکیت کے معاملہ میں فرد کی انفرادی حیثیت کو کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ انفرادی جدوجہد اور ذاتی محنت سے حاصل کردہ سرمایہ یا جائداد کو اسٹیٹ کے قبضہ میں دینا چاہتا ہے۔

۲۔ دین کے تصور کو بتدریج مٹا کر سوسائٹی کی بنیاد معاشی اور مادّی نظریوں پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ سوشلزم کی ابتدا خوشنما دھوکے سے شروع ہوتی ہے اور کمیونزم کے خوفناک دیو پر منتہی ہوتی ہے۔

برخلاف اس کے :-

۱۔ اسلام افراد کی ملکیت کو برقرار رکھتا ہے۔ اسلام فرد کو جماعت سے الگ ہونے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ فرد اور جماعت کے حقوق، حدود اور اختیارات کو متعین کرتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ فرد کس حد تک اپنی انفرادیت

برقرار رکھ سکتا ہے اور کس مقام پر اسکی انفرادیت جماعت کے وجود میں گم ہو جاتی ہے۔

فرد کی ذاتی صلاحیتیں اسی وقت ابھر سکتی ہیں جبکہ اُسے کام کرنے کی کھلی آزادی دی جائے۔ اُس کے دل میں اس کام کے لئے جسے وہ کرنا چاہتا ہے کشش ہو اور یہ کما حقہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اُسے اپنی جد وجہد کے نتائج سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہو۔

۲۔ اسلام میں خالقِ کائنات اور روزِ قیامت پر ایمان ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ یہی عقیدہ ہے جو انسان کی زندگی میں بے راہ روی پیدا نہیں ہونے دیتا ہے، یہی عقیدہ ہے جو انسان کو ظلم و ستم اور حق تلفی سے باز رکھتا ہے، یہ عقیدہ اگر نہ ہو تو انسان شتر بے مہار بن جاتا ہے۔ یہی عقیدہ ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان پر رحم و کرم کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، یہی عقیدہ ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہمدردی پیدا کرنے کا محرک ہے، یہی عقیدہ ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کی مصیبت میں کام آنے پر ابھارتا ہے، یہی عقیدہ ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کی مفلسی دور کرنے اور فاقہ کش کو اس کی بنیادی ضروریات مہیا کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔

کمیونزم میں نہ خالقِ کائنات کا تصور ہے اور نہ عقیدۂ آخرت اور حساب و کتاب کا لہٰذا کمیونزم میں ایسے عوامل کا فقدان ہے جو انسان کو ظلم و ستم اور حق تلفی جیسے جرائم سے باز رکھ سکیں۔ سوشلزم اور کمیونزم کی بنیاد پر جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ اس بات کی گواہ ہیں کہ افراد کو جو خوشحالی کے سرسبز خواب دکھائے گئے تھے وہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہوئے۔

الغرض اسلام اور سوشلزم ایک دوسرے سے بہت دور ہیں۔ ان کو ایک دوسرے کے قریب سمجھنا فریبِ نفس یا فریبِ شیطانی ہے۔

اٹھیئے۔ دنیا کو سوشلزم سے نجات دلانے کے لئے مشترکہ جد وجہد کیجیئے۔ پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کا حکم بلند کرتے اور اس کے احکام و قوانین

کو نافذ کرنے کے لئے بھرپور اور کماحقہ کوشش کیجئے۔ اسلام سے مراد وہ اسلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ فرقہ وارانہ مذاہب اسلام نہیں لہذا انہیں مسترد کرکے اس اسلام کو نافذ کرنے کی جدوجہد کیجئے جو صرف قرآن مجید اور احادیث نبوی میں محفوظ ہے۔ یہی وہ مشترک سرمایہ ہے جس پر تمام فرقے متحد ہو سکتے ہیں۔ اس مشترک سرمایہ پر متحد ہونے کے لئے اپنے فرقہ وارانہ مذاہب کی قربانی دینی ہوگی۔ اسلام ہر قسم کی قربانی چاہتا ہے لہذا ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو کر آیئے۔ اپنے کو صرف مسلم کہیئے اور اپنے دین کو صرف اسلام کہیئے۔

احادیث کی مخالفت

سلسلہ اشاعت ۱۷

کیا آپ کو معلوم ہے کہ احادیث نبویہ کے خلاف کیسا زہر اُگلا جارہا ہے۔ کوئی کہتا ہے "صحیح بخاری میں بھی ضعیف حدیثیں ہیں"، کہیں سے آواز آتی ہے کہ "صحیح بخاری اور دارقطنی کا درجہ برابر ہے"، کوئی الزام لگاتا ہے کہ "امام بخاری متعصب تھے"، کوئی اس طرح اظہارِ خیال کرتا ہے: "کوئی شریف آدمی صحیح بخاری کی تمام احادیث کو صحیح نہیں مانتا"، کوئی امام بخاری کے خلاف اپنا زورِ قلم صرف کرتا ہے اور پھر لوگوں کو اس طرح تسلی دیتا ہے: "اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحیح بخاری کا کوئی مقام نہیں، صحیح بخاری اپنا مقام حاصل کر چکی ہے"۔ یہ عجیب منطق ہے کہ مصنف پر کلام کیا جائے اور اس کی تصنیف صحیح و سالم رہے لیکن بات یہ ہے کہ ابھی صاف کہنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

کوئی فنِ حدیث کی تحقیر کرتا ہے اور یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ "محدثین کی تصحیح و تضعیف کا کوئی اعتبار نہیں"، کوئی کہتا ہے: "محدثین بھی آخر انسان تھے، ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے"، کوئی کہتا ہے: "حدیث

ظنی ہے"، کوئی کہتا ہے "خبر واحد قابل حجت نہیں"، کسی کا عقیدہ ہے کہ "مشہور حدیث کا منکر بھی کافر نہیں"، وغیرہ وغیرہ۔

ان سب سے بڑھ کر وہ ہے جو کہتا ہے: "حدیث حجّتِ شرعیّہ اور ماخذ دین ہی نہیں"، صحیح احادیث کا مذاق اڑاتا ہے، گھڑی ہوئی احادیث کو صحیح ظاہر کر کے ہمیں الزام دیتا ہے، حدیثوں کے غلط ترجمے کر کے ان کے ساتھ استہزاء کرتا ہے، عوام کو دھوکا دیتا ہے کہ "احادیث ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں" کبھی کہتا ہے کہ "خلفاء راشدین حدیث کے نوشتے جلادیا کرتے تھے"، ثبوت میں جعلی قصے بیان کرتا ہے اور احادیث کا ترجمہ بجائے افسانوں کے احادیثِ نبوی کرتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ فلاں حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے حالانکہ وہ صرف فریب ہوتا ہے، حدیث اس کے خود ساختہ ترجمہ کے تو خلاف ہوتی ہے، قرآن مجید کے خلاف نہیں ہوتی، کبھی کہتا ہے: احادیث میں تعارض ہے، بجائے تطبیق کے وہ ظاہری اختلاف کو ہوّا بنا کر پیش کرتا ہے۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے الزامات اور غلط بیانیاں کر کے منکرینِ حدیث ہی نہیں بلکہ مذہب پرست اور بزعم خود مصلحانِ امّت غافل اور علم سے ناآشنا لوگوں کو گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہ وبا اتنی پھیل چکی ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد میں انکارِ حدیث کے جراثیم سرایت کرتے جا رہے ہیں اور شاید ہی معدودے چند افراد ہوں جن کے ذہن حدیث کی طرف سے بالکل صاف ہوں۔

ہماری نئی نسل خصوصیت کے ساتھ منکرینِ حدیث اور دیگر ملحدین کی پرفریب تصانیف سے بے حد متاثر ہے اور اندیشہ ہے کہ ہماری آئندہ نسلوں میں شاید ہی کوئی حدیث کا ماننے والا ملے۔

یہ صورت حال بے حد خطرناک ہے اور دردمندان اسلام کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ افسوس کہ دردمندان اسلام کے کانوں پر جوں تک

نہیں رینگتی، جبیں پر شکن تک نہیں آتی۔ ان کی اکثریت اسلاف کا طریقہ چھوڑ کر تن آسانی میں مبتلا ہے۔ ان کی حیثیت ایک خاموش تماشائی کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔

اے قارئین کرام اور اے دردمندان اسلام، خواب غفلت سے بیدار ہو جائیے۔ اس فتنہ کے سدباب کے لئے علمی، عملی اور اجتماعی جدوجہد کیجئے۔ آئندہ نسلوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے مدارس قائم کیجئے جہاں ٹھوس تعلیم و تربیت اور معقول اور منقول دلائل کے ذریعہ منکرین حدیث اور ملحدین کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کیا جائے۔

اٹھیئے اور اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے میدان میں کود پڑیئے۔ اگر آپ اب بھی ہوشیار نہیں ہوئے تو نہ حدیث ہوگی اور نہ حدیث کے ماننے والے اور اس کی پوری ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ بتلایئے آپ میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔

احادیث کے متعلق غلط فہمیاں

سلسلہ اشاعت ۲۷

موجودہ دور میں احادیث کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ان غلط فہمیوں کی اشاعت بھی ہوتی رہتی ہے۔ غلط فہمیوں کی بنیاد پر احادیث پر طرح طرح کے اعتراض کئے جاتے ہیں اور ان اعتراضات کی بناء پر موجودہ ذخیرۂ احادیث کو ناقابل اعتماد بتایا جاتا ہے۔ ان اعتراضات میں سے بعض اعتراض حدیث کے متن پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ بعض احادیث کا متن عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا لہذا فطری طور پر وہ اس حدیث پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ اعتراض حدیث پر نہیں ہوتا بلکہ اس غلط مفہوم پر ہوتا ہے جو کسی خاص شخص کے ذہن میں آتا ہے، یہ ضرور ہے کہ اس غلط فہمی کی وجہ سے اعتراض کی زد حدیث ہی پر پڑتی ہے نہ کہ اس شخص کی فہم پر اور عام لوگ اس اعتراض کو سنکر احادیث کے

متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ حدیث کے حجت شرعیہ ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر ذیل میں ہم ایک حدیث نقل کر رہے ہیں جس کا صحیح مفہوم لوگوں نے نہیں سمجھا اور بلا وجہ اس پر اعتراض شروع کر دے۔

حدیث یہ ہے :-

ابوسلمہؓ کہتے ہیں :" دخلت انا واخو عائشة علی عائشة فسألها اخوها عن غُسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدعت باناء نحو من صاع فاغتسلت وافاضت علی رأسها، بیننا وبینها حجاب "

ایک صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :-

" میں اور حضرت عائشہؓ کا بھائی حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح غسل فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگوایا جس سے آپ نے غسل کیا اور سر پر بھی پانی ڈالا، درمیان میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا۔"

حدیث مذکور پر اعتراض | معترض صاحب غلط فہمی سے فرماتے ہیں :-

(۱) دو غیر مرد حضرت عائشہؓ کے پاس گئے،

(۲) پردہ اتنا باریک تھا کہ حضرت عائشہؓ کا بدن نظر آ رہا تھا۔ اگر پردہ کو باریک نہ مانا جائے تو پھر حضرت عائشہؓ نے غسل کا طریقہ کیسے بتایا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ دو غیر محرم مردوں نے حضرت عائشہؓ کو برہنہ دیکھا۔

غلط فہمی کا نتیجہ | معترض صاحب غلط فہمی سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت عائشہ نہ صرف دو غیر محرم مردوں کے سامنے آئیں بلکہ ان غیر محرم مردوں نے انہیں برہنہ بھی دیکھا۔ کیا کوئی مسلم اس بات پر یقین کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ دو مردوں کے سامنے برہنہ ہو جائیں۔ لہذا یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اور جن کتابوں میں یہ حدیث منقول ہے وہ کتابیں

ناقابل اعتماد ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ | اعتراض کی بنیاد لفظ "غُسل" کے غلط ترجمہ پر ہے غسل کے معنی آبِ غسل کے بھی ہوتے ہیں (منتہی الارب فی مجموعۃ لغات العرب) لہذا "غسل" کا صحیح ترجمہ اس حدیث میں نہانا نہیں ہے بلکہ نہانے کے پانی کے ہیں اور یہ لفظ پانی کے معنوں میں متعدد جگہ کتب احادیث میں استعمال ہوا ہے مثلاً حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں :-

وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا (صحیح بخاری) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی رکھا۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے :- باب الغسل بالصاع ونحوہ یعنی ایک صاع یا اس کے مثل (پانی سے) غسل کرنے کا باب۔

الغرض لغت، امام بخاری کا باب پھر پانی کے معنوں میں اس کا کتب احادیث میں استعمال اس بات کی شہادت کے لئے کافی ہے کہ اس حدیث میں غسل کے معنی "نہانا" نہیں ہیں بلکہ "پانی" ہیں۔ حدیث کا متن بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

ابو سلمہؒ کہتے ہیں: "میں اور حضرت عائشہؓ کا بھائی حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ حضرت عائشہؓ کے بھائی نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے پانی سے نہاتے تھے۔ (اس سوال پر) انہوں نے تقریباً ایک صاع کے برابر ایک برتن منگایا (اور بتایا کہ اتنے پانی سے نہالیا کرتے تھے) پھر (ہمارے تعجب کو دور کرنے کے لئے اتنے ہی پانی سے) وہ نہائیں حتّٰی کہ سر بھی دھویا (اور جب وہ نہا رہی تھیں تو) ہمارے اور ان کے درمیان پردہ پڑا ہوا تھا۔"

حدیث کا مطلب اب صاف ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ پانی کی اس مقدار کو غسل کے لئے کافی ثابت کرنے کے لئے نہائیں نہ کہ غسل کا طریقہ بتلانے کے لئے لہذا پردہ کے باریک ہونے اور برہنہ دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا۔

وہ دو شخص جن کو نامحرم سمجھا گیا ہے محرم تھے۔ ایک (یعنی ابو سلمہؒ) حضرت عائشہ رضؓ کے رضاعی بھانجے تھے اور دوسرے رضاعی بھائی تھے (فتح الباری)

الغرض اس قسم کی متعدد احادیث ہیں جن کا غلط فہمی سے کچھ کا کچھ مطلب لیا گیا ہے۔ بعض لوگ بدنیتی سے احادیث کو غلط معنی پہنا کر عوام کو دھوکا دے رہے ہیں اور موجودہ نسل اور آئندہ آنے والی نسلوں کو حدیث کی طرف سے بدظن کرنے کا سامان کر رہے ہیں۔ یہ ایک منظم فتنہ ہے لیکن افسوس کہ اسلام کے خیر خواہ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، اگر منظم طریقہ پر ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ احادیث کی طرف سے عوام الناس کے ذہن صاف نہ ہوں اور فتنہ مذکورہ کا خاتمہ نہ ہو۔ اس سلسلہ میں جماعت المسلمین حتی الامکان کوشش کر رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔

جماعت المسلمین تمام فرقوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ سب قرآن مجید اور حدیث نبوی پر جو مشترک قدریں جمع ہو جائیں، اپنے کو صرف مسلم کہیں اور دینِ اسلام کے دفاع میں جماعت کے ساتھ ہر قسم کا تعاون فرمائیں۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین توریے

اشاعت ۷ صفحہ ۱۳ میں ہم نے عرض کیا تھا کہ بعض احادیث پر غلط فہمی کی وجہ سے طرح طرح کے اعتراض کئے جاتے ہیں اور ان اعتراضات کی بنیاد پر پورے ذخیرۂ احادیث کو مشکوک سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ اعتراضات احادیث کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اشاعت ۷ میں ہم نے ایک حدیث بیان کرکے اس پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا تھا۔ اس اشاعت میں ہم ایک اور حدیث بیان کرکے اس پر جو اعتراض ہے اس کو رفع کرتے ہیں۔

اعتراض حدیث میں ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی جھوٹ نہیں بولے سوا تین مرتبہ کے۔ یہ حدیث کبھی صحیح نہیں ہوسکتی اس لئے کہ نبی کبھی جھوٹ نہیں بولتا قرآن مجید میں ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام صدیق تھے لہٰذا یہ حدیث قرآن مجید کے بھی خلاف ہے لہٰذا اس کے جعلی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اعتراض کا ازالہ اعتراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ لفظ "کذب" کا صحیح ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کذب عربی میں جھوٹ کو بھی کہتے ہیں، وہم، غلطی اور خطاء کو بھی کہتے ہیں، توریہ اور تعریض کو بھی کہتے ہیں۔ واجب ہونے کو بھی کہتے ہیں اور اونٹنی کے عاجز ہونے کو بھی کہتے ہیں۔

توریہ کسے کہتے ہیں توریہ یہ ہے کہ کہنے والا بات تو سچ کہے لیکن کہے اس انداز سے کہ سننے والا اس کا کچھ اور مطلب سمجھے۔

کذب کے معنی توریہ اور تعریض تو خود اس حدیث میں موجود ہیں جس

حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا کہ یہ میری بہن ہیں اور پھر اپنی بیوی سے فرمایا کہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مؤمن نہیں ہے (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جزء ۴ صلے۱۷) یعنی میں نے تمہیں بہن اس نیت سے کہا ہے کہ تم میری دینی بہن ہو۔

حضرت سارہؓ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دینی بہن تھیں۔ انہی معنوں میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بہن کہا تھا لہٰذا وہ جھوٹ نہیں تھا بلکہ توریہ تھا لہٰذا حدیث اعتراض سے بالکل پاک ہے۔

حدیث کا صحیح ترجمہ مندرجہ بالا وضاحت کے بعد حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہوا: "ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی توریہ نہیں کیا سوا تین توریوں کے"

بتایئے اس ترجمہ پر کیا اعتراض ہے؟ یہ ترجمہ حدیث کے ان الفاظ ہی سے ماخوذ ہے جن الفاظ میں ہے کہ "ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کو دینی بہن ہونے کی نیت سے بہن کہا"

فلسفۂ اخلاق اور جھوٹ قتل انسانی بہت ہی مذموم فعل ہے لیکن یہی قتل جہاد اور قصاص میں محمود ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتا ہے لہٰذا قتل کی دو قسمیں ہوئیں: قتل محمود اور قتل مذموم۔ بالکل اسی طرح جھوٹ کی بھی دو قسمیں: کذب محمود اور کذب مذموم۔ ایسا جھوٹ جو فتنہ و فساد اور خونریزی کا خاتمہ کرے اس سچ سے یقیناً بہتر ہے جس کے نتیجہ میں فتنہ و فساد پھیل جائے اور ہزاروں انسانوں کی جانیں ضائع ہو جائیں۔ وہ کونسا فلسفۂ اخلاق ہے جو اس جھوٹ کو بُرا کہے۔ جب حقیقی جھوٹ بھی بعض حالات میں محمود ہو سکتا ہے تو پھر توریہ ایسے حالات میں بدرجۂ اولیٰ محمود ہوگا اور ایسے محمود فعل پر جو ابطالِ شرک، انسدادِ فساد اور حفاظتِ نفس کے لئے کیا جائے اعتراض لایعنی ہے لہٰذا حدیث اعتراض سے بالکل پاک ہے۔

قرآن مجید اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توریے | ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو توریوں کا ذکر تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے :-

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ (الانبیآء - ۵۸)

ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے (تمام) بت توڑ ڈالے سوائے بڑے بت کے۔

قوم نے پوچھا : اے ابراہیم کیا یہ کام تم نے کیا ہے؟ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :-

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (الانبیآء - ۶۳)

نہیں بلکہ یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے۔

آیت بالا سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ بظاہر یہی ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جھوٹ بولے لہذا جو اعتراض حدیث پر کیا جاتا ہے وہ اعتراض قرآن مجید پر بھی ہوگا۔ اگر حدیث سے یہ ثابت نہ ہوتا کہ وہ حقیقی جھوٹ نہیں تھے تو قرآن مجید پر سے اعتراض دور کرنا بڑا مشکل ہوتا ۔ حقیقت یہ ہے کہ جنہوں نے حدیث کو نظر انداز کیا ان کو قرآن مجید کی آیات کی عجیب وغریب تاویلیں کرنی پڑیں اور وہ بڑی مشکل میں پھنس گئے۔

اس مثال سے واضح ہوگیا کہ حدیث زیر بحث قرآن مجید کے موافق ہے نہ کہ مخالف بلکہ قرآن مجید پر سے اعتراض کو دور کرتی ہے۔

بتوں کو توڑنے کے سلسلہ میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو توریہ کیا اس میں معلوم نہیں ان کی کیا نیت تھی۔ قرآن مجید اور حدیث دونوں خاموش ہیں۔ حدیث سے بس اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ توریہ تھا، حقیقی جھوٹ نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتوں کے توڑنے کے فعل کو بڑے بت کی طرف اس لئے منسوب کیا ہو کہ ان کی شکست وریخت کا سبب وہی تھا۔ نہ اس کی پوجا ہوتی اور نہ ابراہیم علیہ

الصلوٰۃ والسلام اس کی پوجا کی تردید میں یہ کام انجام دیتے۔ بتوں کا توڑنا بھی شرک توڑ تھا اور بڑے بت کو ثابت چھوڑ کر توڑنے کے فعل کو اسکی طرف منسوب کرنا بھی شرک توڑ تھا۔

دوسرا توریہ مندرجہ ذیل آیت میں بیان ہوا ہے۔

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصّٰفّٰت - ۸۹) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: میں بیمار ہوں۔

بیمار ہوتے ہوئے مندر جاکر بتوں کا توڑنا قرینِ قیاس نہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ روحانی طور پر بیمار ہوں۔ اپنی قوم کے غم میں گھلے جا رہے ہوں اور اسی روحانی رنج و غم کو انہوں نے اپنی بیماری قرار دیا ہو اور اس بیماری کو ذہن میں رکھ کر توریہ کیا ہو۔ بہرحال قرآن مجید اس سلسلے میں خاموش ہے کہ توریہ کرتے وقت ان کی کیا نیت تھی بلکہ قرآن مجید تو یہ بھی نہیں بتاتا کہ وہ توریہ تھا یا حقیقی جھوٹ۔

الغرض دو توریے اللہ تعالےٰ کی توحید کے لئے تھے اور ایک توریہ شوہر ہونے کی وجہ سے رقابت کے خطرات سے بچنے کے لئے تھا اور یہ تینوں توریے محمود تھے۔

معترضین سے ایک سوال | اب ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ جو دیدہ و دانستہ حدیث پر اعتراض کرتے ہیں آخر وہ قرآن مجید پر اعتراض کیوں نہیں کرتے۔ کیا صرف اس لئے کہ پھر وہ غیر مسلمین میں شمار ہوں گے اور بھولے بھالے عوام کو دھوکا نہ دے سکیں گے۔ قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ اور اس کی ستائش صرف اس لئے تو نہیں کہ عوام انہیں اسلام کا خیر خواہ سمجھیں اور دھوکا کھا جائیں حالانکہ جو اعتراض وہ حدیث پر کرتے ہیں ویسا ہی اعتراض قرآن مجید پر بھی ہوسکتا ہے۔ اگر وہ دیانتداری سے حدیث پر اعتراض کرتے ہیں تو یہ سخت ناانصافی ہے کہ وہ حدیث پر تو اعتراض کریں اور اگر قرآن مجید پر ویسا ہی اعتراض ہو تو اسے چھپا جائیں۔

انتباہ | نہ قرآن مجید پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ حدیثِ صحیح پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اگرچہ بظاہر اس کے معنیٰ قابلِ اعتراض ہی کیوں نہ نظر آتے ہوں۔ قرآن مجید یا صحیح حدیث پر جو اعتراض ہوگا وہ غلط فہمی کی وجہ سے ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سب کو صحیح فہم عطا فرمائے۔

سلسلۂ اشاعت ۱۷۱

قرآن مجید کے ساتھ استہزاء

یہ حقیقت ہے کہ عرصۂ دراز سے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں معنوی تحریف ہو رہی ہے لیکن موجودہ دور میں معنوی تحریف اپنے عروج پر ہے۔ سُرخ سامراج کے ایجنٹوں کا قرآن مجید کو الہامی کتاب تسلیم نہ کرنا کوئی خلاف توقع بات نہیں لیکن اسلام کا نام لینے والوں نے اسلام کی خیر خواہی کے لبادہ میں قرآن عزیز کو جس طرح بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسلام کے یہ دشمن مختلف بھیس بدل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کہیں منکرینِ ختمِ نبوت ہیں جو اجرائے نبوت کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کر کے لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں، کہیں منکرینِ حدیث ہیں جو حدیث کے حجتِ شرعیہ نہ ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کر رہے ہیں، کہیں علماءِ سوء ہیں جو قرآن مجید کی آیات سے بدعات اور شرکیہ عقائد و اعمال کو جائز ہی نہیں مستحسن ثابت کر رہے ہیں لیکن ان تمام فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ پرویزی فتنہ ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید کے ان معنوں کو تسلیم نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے تھے اور جن پر امتِ مسلمہ آج تک عمل پیرا ہے۔ ان کی تحریفات کے چند نمونے اگلے صفحہ پر درج کئے جا رہے ہیں:-

آیت	صحیح ترجمہ	پرویزی ترجمہ
① اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ	جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔	قانون خداوندی سے ہم آہنگی کے ذریعہ نفسیاتی تغیر اور ربوبیت عامہ (انسانیت کے نشوونما) کے اسباب و ذرائع کی فراہمی (ضرب حدیث ص۹۵ بحوالہ سلیم کے نام ص۲۱۳)
② فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ	جب صور پھونکا جائیگا۔	جب لڑائی کا بگل بجایا جائے گا (ضرب حدیث ص۹۸)
③ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ	(دوزخی کہیں گے) ہم روزِ جزا کو جھٹلایا کرتے تھے۔	ہم اسے باور ہی نہیں کرتے تھے کہ اس غلط معاشرہ کا انجام جس میں مسکین کی روٹی کا انتظام نہیں ہوتا ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہمیں اس پر بالکل ایمان نہیں تھا (ضرب حدیث ص۱۰۱۔ بحوالہ سلیم کے نام ص۲۷۰)

قرآن عزیز جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ہمارے لئے دنیوی اور اخروی نجات کا ذریعہ ہے اس کی جتنی بھی عزت ہمارے قلوب میں ہو کم ہے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آیاتِ ربانی کا توہین آمیز استعمال ہمارے ہاں روزمرّہ کا معمول ہے۔ سودی کاروبار کے دفاتر اور ناجائز اشیاء کی دکانوں کے افتتاح کے موقع پر بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے، ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوتی ہے، تعویذ و گنڈے کے طور پر اس کا استعمال عام ہے، ہفتہ وار کسی ایک خاص گھر میں جمع ہو کر ایک ایک سپارہ

پڑھنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، علاوہ ازیں ایسی محافل منعقد کی جاتی ہیں جن میں بڑے بڑے ممتاز قاری سنت کے خلاف قرأت کر کے دادِ تحسین حاصل کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

افسوس کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ہم خواب غفلت میں ہیں۔ کیا ہم میں اتنی بھی حمیت نہیں کہ ان فتنوں کا مقابلہ کر کے کتاب عزیز کو اس کا صحیح مقام دیں۔ اگر ہم اپنی آئندہ نسلوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ وقت کے تقاضوں کو پہچانیں۔ اپنی جماعت کو مستحکم اور منظم کریں اور جرأت مومنانہ کے ساتھ ان فتنوں کے خلاف جدو جہد کریں۔ یہ آزمائش کا وقت ہے اگر ہم نے کوتاہی کی تو روز قیامت میدانِ محشر میں ہم اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ اٹھیئے اور تمام فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ کیجیے۔

عیسائی مشنری

ہمارے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ عام ہے۔ بڑی کثرت سے لوگ عیسائیت قبول کر رہے ہیں۔ جاہل اور نادار افراد عموماً عیسائیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ عیسائی مشنریوں کے پاس روپیہ کی فراوانی ہے اور اس روپیہ سے وہ جاہل اور مفلس لوگوں کا ایمان خرید رہے ہیں۔ عیسائی مبلغین ایسے لوگوں کی ہر طرح سے امداد کرتے ہیں۔ بیماروں کا علاج اور ان کی تیمار داری کرتے ہیں، ناداروں کو مالی امداد دیتے ہیں، طلباء کو وظیفے دیتے ہیں۔ ان کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے کہ وہ ہسپتالوں میں جا کر اپنا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ بیمار کیونکہ بے کار رہتے ہیں لہٰذا دل بہلانے کے لئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور عیسائیت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اپنے مدارس اور اسپتال ہیں جو ان کی تبلیغ کے اصل مراکز ہیں۔ ان کی تبلیغ کی کامیابی ان کی مردم شماری سے ہوتی ہے۔ مثلاً ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق دس سال میں

ان کی تعداد میں بعض جگہ دوگنا اور بعض جگہ اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ایک علاقہ میں اگر ۱۹۵۱ء میں وہ سو تھے تو ۱۹۶۱ء میں وہ ۴۳۷۰ ہو گئے۔ کیا یہ صورت حال تشویشناک نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے تو سوچئے اس کے سدباب کے لئے آپ کیا کر رہے ہیں۔ لادینی، عیسائی، قادیانی اور پرویزی فتنے آپ کے معاشرہ کی دینی فضا کو مسموم کر رہے ہیں لیکن آپ خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ آپ میں کوئی خاطر خواہ تبلیغی حرکت نظر نہیں آتی۔ آپ کی اجتماعیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دینی امور جمود اور تعطل کا شکار ہیں۔ اس صورتِ حال سے جو نقصان پہنچ رہا ہے کیا آپ خود اس کے ذمہ دار نہیں ہیں؟ اگر آپ ان فتنوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے اور اپنی نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کے بندوبست سے قاصر ہیں تو پھر اس کی تباہی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ کیا آپ روز محشر اللہ تعالےٰ کے سامنے اس قصور کا کوئی عذر پیش کر سکیں گے؟

اے اسلام کے خیر خواہو، اٹھیئے، غفلت دور کر کے کچھ دین کی فکر کیجئے۔ دین کی خدمت فرض ہے اور آپ ہیں کہ دین کی خدمت سے غفلت برت رہے ہیں۔ آپ میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو نوافل کو اہمیت دیتے ہیں اور اس فریضہ سے غافل ہیں۔ فرض عبادت ہو یا نفلی عبادت یہ آپ اپنے لئے کر رہے ہیں لیکن یہ بتلایئے کہ آپ اللہ تعالےٰ کے دین کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ کیا آپ اس بات کو پسند کریں گے کہ صوم و صلوٰۃ کا یہ سلسلہ آپ کے بعد ختم ہو جائے۔ اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو پھر دین کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو جایئے۔ اپنا مال عیش و طرب کے لئے استعمال نہ کیجئے بلکہ اس کو دین کے تحفظ اور ترقی کے لئے خرچ کیجئے۔ تبلیغی مراکز قائم کیجئے۔ بیت المال قائم کیجئے اور کثیر تعداد میں تبلیغی لٹریچر طبع کرا کے اسپتالوں، اسکولوں اور کالجوں میں تقسیم کیجئے۔ ایسے مدارس قائم کیجئے جہاں دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کی ٹھوس تعلیم کا بندوبست کیجئے۔ اگر آپ

نے اب بھی اپنا نظریہ نہ بدلا، اگر اب بھی آپ خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو ڈر ہے کہ تھوڑا بہت جو دین باقی ہے کہیں یہ بھی فتنوں کی نذر نہ ہو جائے۔

سلسلہ اشاعت ۱۵۱

② فتنوں کا سدّباب

لمحۂ فکریہ

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ دین پر کیسی کیسی آفتیں منڈلا رہی ہیں، کون کون سی قوتیں اور کیسے کیسے فتنے اس کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اسلام کو فنا کرنے کے لئے کس کس قسم کی سازشیں کی جا رہی ہیں، کس کس طرح سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کی جا رہی ہیں، نئی نسل کس طرح الٹے پاؤں ضلالت کی طرف واپس جا رہی ہے، وہ کونسی جماعتیں ہیں جو اسلام کا نام لے کر اندرونی طور پر اسلام کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ گذشتہ صفحات میں ہم چند فتنوں کا ذکر کر چکے ہیں، کیا آپ نے کبھی ان فتنوں کی سرکوبی کے متعلق کچھ سوچا ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ ہمارے ہاں صف اوّل کے علماء کیوں نہیں پیدا ہو رہے، کیوں ہمارے دینی مدارس بے رونق ہیں، ہم گمراہی اور بدعات کی طرف کیوں کشاں کشاں چلے جا رہے ہیں، کیا وجہ ہے کہ شر کے جراثیم ہم میں سرایت کرتے جا رہے ہیں، سنّت کے موقف پر ہمارے قدم کیوں ڈگمگا رہے ہیں، کیا وجہ ہے کہ ہم غیر شعوری طور پر سنّت کی تحقیر کے مرتکب ہو رہے، کس طرح قرآن مجید اور احادیث مبارکہ پر حاشیہ آرائی کر کے شریعت میں تحریف کی جا رہی ہے اور ہم خاموش ہیں۔

کیا آپ نے ان اسباب کی طرف اپنی توجہ مبذول کی جن کی وجہ سے موجودہ معاشرے میں ہم بے ادب اور غیر مہذب سمجھے جا رہے ہیں، کیا یہ

سوال بھی کبھی آپ کے ذہن میں ابھرا کہ ہم ایک دین کے پیرو ہونے کے باوجود کیوں آپس میں دست بگریباں ہیں، کیوں ہم اپنی صفوں کو چھوڑ کر دوسری غیر اسلامی تحریکوں کے علمبردار بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں، دوسروں کی پُر فریب تحریکیں آخر کیوں ہم کو اور ہمارے نوجوان طبقے کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہو رہی ہیں، آخر وہ وقت کب آئے گا کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوں گے کب ہماری مہر خموشی ٹوٹے گی، کب ہم کو احساس کمتری سے نجات ملے گی، جو حق ہمارے پاس ہے کب اس کی شمع فروزاں ہوگی۔

لِلّٰہ اپنے مقام کو پہچانیئے۔ آپ حق کے علمبردار ہیں، قیادت اور امامت آپ ہی کا حق ہے۔ اس مقام کو حاصل کیجئے اور دین کا پرچم بلند کیجئے۔

اگر آپ کو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا ہے تو آپ کو بہت کچھ کرنا ہوگا۔ پہلے اپنی اصلاح کرنی ہوگی، پھر دوسروں کی رہنمائی کرنی ہوگی، نئی نسل کو کافرانہ اور ملحدانہ عقائد و افکار سے بچانا ہوگا۔ یاد رکھیئے اب بھی وقت ہے، اپنا فرض پہچانتے ہوئے میدان عمل میں نکل آیئے ورنہ مستقبل کے شب و روز بڑے مایوس کن نظر آتے ہیں۔ اس وقت عملی قدم نہیں اٹھایا گیا تو پھر اس کے نتیجہ میں جو زبردست دینی نقصان ہوگا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ سوچیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ روزِ محشر اللہ تعالےٰ کے دربار میں آپ کا کوئی عذر قبول نہ ہو۔

اٹھیئے، فرقہ بندی ختم کیجئے، فرقہ وارانہ نام اور فرقہ وارانہ مذاہب ختم کیجئے، ایک مرکز پر جمع ہو جایئے، صرف قرآن مجید اور احادیث نبوی پر عمل کیجئے۔ اسلام انہی دو چیزوں میں مکمل ہوا تھا اور انہی دو چیزوں میں ملے گا۔ تیسری چیز کی جستجو نہ کیجئے، فتوے، قیاسات اور اجتہادات اسلام نہیں ہیں، اللہ تعالےٰ کے بندے ہو کر انسانوں کے بندے نہ بنیئے، ہر کام میں توحید کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور اسے کسی حالت میں نہ چھوڑیئے۔

خدمتِ خلق

سلسلہ اشاعت ۱۸۱

موجودہ دور میں مختلف نظامہائے معیشت کو آزما کر اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ انسانیت کی دنیوی فلاح وبہبود کے لئے کوئی بہتر سے بہتر نظام دریافت کیا جائے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو معاشی نظام دیا ہے وہ حقیقتاً انسان کے لئے دنیوی اور اخروی فلاح وبہبود کا ضامن ہے کیونکہ جس شفقت، رحم وکرم، دردمندی اور غمگساری کی تعلیم اسلام دیتا ہے کوئی دوسرا مذہب یا نظریہ نہیں دیتا۔ ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ اپنے معاشرہ کے بےکس اور لاچار افراد کا سہارا بنے، بھوکوں کو کھانا کھلائے، ناداروں کو کپڑے پہنائے اور ان کی دوسری ضروریات کو پورا کرنے کی حتی الوسع کوشش کرے۔ کوئی مسلم اپنے بھائی کو قرض کے بارِ گراں کے نیچے دبا ہوا نہیں دیکھ سکتا، وہ کسی مریض، بیوہ اور یتیم کو مصائب وآلام کے حوالہ نہیں ہونے دیتا، وہ انسانی جذبہ سے سرشار ہوکر اپنی جان ومال معاشرہ کے ضرورت مند افراد پر قربان کر دیتا ہے۔ یہی وہ جذبۂ ایمانی ہے جو ایک مسلم کے قلب میں موجزن ہوتا ہے اور جو معاشرہ کو راحت وچین کا گہوارہ بنا دیتا ہے لیکن جو چیز اس جذبہ کی محرک ہے وہ ہے رضائے الٰہی کی تلاش وجستجو۔ ایک مسلم اللہ تعالےٰ کی رضا رجوئی کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے اور یہی وہ محرک ہے جو مسلم کو خدمتِ خلق کے لئے ابھارتا ہے۔ کتنا حسین ہے یہ محرک جو مسلم کو بےلوث خدمتِ خلق کے لئے برانگیختہ کرتا ہے۔

اب ذرا اپنے گرد وپیش نظر ڈالئے۔ دیکھئے آپ کے معاشرہ کی کیا کیفیت ہے۔ کیا اس معاشرہ میں مفلس ونادار لوگوں کی فراوانی نہیں ہے، کیا آپ کے درمیان ایسے لوگ نہیں ہیں جو آدھا پیٹ بھر کر رات بسر کرتے ہیں، کیا ایسے لوگ نہیں ہیں جو سردی کا موسم ٹھٹھرتے ہوئے گذارتے

ہیں، کیا ایسے مریض نہیں ہیں جو علاج کی سہولت نہ ہونے کی بنا پر دائمی تکلیف میں مبتلا ہیں، کیا ایسی بیوائیں اور یتیم نہیں ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں ہے، کیا ایسے لوگوں کی کمی ہے جن کی جوان لڑکیاں صرف اس لئے شادی سے محروم ہیں کہ ان کے والدین کے ہاتھ خالی ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟ معاشرہ کی اس ابتری کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے ضمیر سے فیصلہ طلب کریں تو بلا شبہ اس تمام خرابی کی فردِ جرم خود آپ پر عائد ہوگی۔ آپ نے اسوۂ محمدی کو بالائے طاق رکھ دیا، صحابہؓ کرام کی ہمدردی، سخاوت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی جیسے اعلیٰ صفات آپ میں باقی نہیں رہے۔ آپ دنیوی لذتوں، عیش و طرب اور لہو و لعب کے خوگر ہو گئے۔ آپ نے اپنا روپیہ سامانِ عیش و نشاط، کھیل کود اور غیر ضروری تفریحات پر بہانا شروع کر دیا اور " اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا[1] " کا مصداق بن گئے، آپ نے مندرجہ ذیل آیتوں کو بھلا دیا:۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (لَآ اُقسم ۔ ۱۱ تا ۱۸)

(افسوس انسان) گھاٹی کو پار نہ کر سکا اور تمہیں معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے۔ (گھاٹی یہ ہے): گردن کا آزاد کرانا (یعنی غلام کا آزاد کرانا یا مقروض کا قرض ادا کرنا)، فاقہ کے دن رشتہ دار یتیم یا مسکین خاک نشین کو کھانا کھلانا، پھر اس کا ایمان والوں میں سے ہونا، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا اور (خلق پر) رحم و کرم کرنے کی ترغیب دینا، (جو لوگ ان صفات کے حامل ہوں) یہی تو سیدھے ہاتھ والے (یعنی جنتی) ہیں۔

---

[1] ترجمہ:۔ (انسان فخریہ کہتا ہے) میں نے خوب مال اڑایا (لَآ اُقسم ۔ ۶)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جنتی ہونے کے لئے ان دشوار کاموں کا کرنا ضروری ہے یعنی قرض دار کو قرضہ سے یا غلام کو غلامی سے آزاد کرانا، بھوکے رشتہ دار یتیموں اور خاک نشین مسکینوں کو کھانا کھلانا، ایمان لانا اور ایک دوسرے کو صبر واستقامت اور خلق الٰہی پر شفقت ومہربانی کرنے کی وصیت کرنا۔

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات بھی بھلا دئے جن میں آپؐ نے فرمایا تھا "جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے، جو شخص کسی مسلم سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ اس سے قیامت کے دن ایک مصیبت کو دور کر دیگا (صحیح بخاری وصحیح مسلم) قرآن عظیم اور احادیث مقدسہ میں خدمت خلق کی فضیلت بار بار بیان کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص خود کو اپنے بھائی کی خدمت میں لگا دے اللہ تعالےٰ اس کا کفیل بن جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ (صحیح مسلم)

اللہ اُس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جو بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

عموماً نادار اور مفلس لوگ ہی فتنوں کا شکار ہوتے ہیں۔ روٹی اور کپڑے کی خاطر وہ اپنا ایمان بیچ دیتے ہیں۔ وہ اُس جماعت کی طرف رُخ کرتے ہیں جہاں انہیں رحم وکرم ہمدردی اور غمگساری نظر آتی ہے۔ اگر آپ اپنے بھائیوں کو فتنوں اور ایمان فروشی سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ کو ان کی معاشی خبر گیری کماحقہ کرنی ہوگی، خود کو خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار کرنا ہوگا اور عملاً ایسا نقشہ پیش کرنا ہوگا کہ آپ کے بھائی دوسرے دلفریب نظاموں، باطل مذہبوں اور فرقہ وارانہ مسلکوں سے بچ سکیں۔ اگر آپ کے بھائی آپ سے شفقت، محبت اور ہمدردی پائیں گے تو وہ آپ کو چھوڑ کر دوسری طرف کا رُخ بھی نہیں کریں گے۔ آپ کی جماعت مستحکم رہے

گی، دوسری جماعتوں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، فتنے دم توڑ دیں گے اور آپ کا معاشرہ اتنا دلکش بن جائے گا کہ اپنے تو اپنے دوسرے بھی اس طرف کھچے چلے آئیں گے۔ آپ کمزوروں و ناداروں پر رحم کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، رحم کرنے والوں پر ہی رحمٰن رحم کرتا ہے۔
اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ (اے لوگو) تم اہل زمین پر رحم کرو، آسمان
مَنْ فِي السَّمَاءِ (رواہ الترمذی وسندہ صحیح) والا تم پر رحم فرمائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ جو (لوگوں پر) رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں
(صحیح بخاری کتاب الادب جزء ۸ صـ۹) کیا جاتا۔

سلسلہ اشاعت ۲۰

وقت کا اہم تقاضا

اسلامی معاشرہ کے انحطاط نے جو نقصانات ہماری قوم کو پہنچائے ہیں ان کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سب سے بڑا نقصان دینی اور دنیوی تعلیم کے مدارس کی علیحدگی سے پہنچا ہے۔ دینی تعلیم مدارس دینیہ میں اور دنیوی تعلیم اسکولوں اور کالجوں میں علیحدہ علیحدہ دی جارہی ہے۔ دینی مدارس کے طلباء دنیوی علوم اور مسائل حاضرہ سے ناواقف رہتے ہیں اور عملی دنیا میں عموماً ناکام ہو جاتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں کے طلباء دینی علم سے نابلد اور اسلام سے دور ہو کر الحاد اور بے دینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کو باوقار اور معقول ذریعہ معاش حاصل کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ مزید برآں وہ مادی ترقی سے متاثر اور جدید دور کے مسائل میں گرفتار انسانوں کو اسلام کی برتری کا قائل نہیں کر سکتے۔

اسکول اور کالج دین کو بگاڑنے اور غلط عقائد پھیلانے کا مرکز بنتے چلے جا رہے ہیں۔ اول تو نصاب ہی ایسا ہے کہ اس سے طلباء صحیح اسلامی عقائد و افکار حاصل نہیں کر سکتے، دوسرے یہ کہ اکثر اساتذہ اسلام کے خلاف نظریات مثلاً پرویزیت، قادیانیت، اشتراکیت اور الحاد کی طرف مائل ہوتے ہیں اور طلباء کے ذہنوں پر اپنے نظریات کا گہرا اثر ڈالتے ہیں، تیسرے یہ کہ ان مدارس کے دار المطالعے ایسی کتابیں مہیا کرتے ہیں جو طلباء کے ذہنوں میں دین سے نفرت کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ ان کے مطالعہ میں اسلام کی وہ تاریخ آتی ہے جو دشمنانِ اسلام نے لکھی ہے۔ وہ تاریخی حقائق کے پرفریب نعروں سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان کتب تاریخ کے مندرجات کو صحیح سمجھنے لگتے ہیں۔ صحابۂ کرام کے متعلق جو مذموم مواد ان کتب تاریخ میں ہوتا ہے اس کو پڑھ کر وہ صحابہ کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی صحابۂ کرام کی تعریف سے مملو ہیں لہذا یہ تاریخی واقعات سراسر جعلی اور فرضی ہیں اور انہیں یہ جرأت ہو بھی کیسے جبکہ وہ قرآن مجید اور احادیث نبوی سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ موجودہ تعلیمی نظام ہر اعتبار سے ناقص اور نقصان دہ ہے۔ الحاد پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ تبلیغی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایسے حالات میں کیا امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ نسلوں میں اسلام باقی رہے گا۔

اٹھیے۔ ایسی درس گاہیں قائم کیجئے جہاں فرقہ واریت سے دور رہتے ہوئے خالص اسلامی فضاء میں دینی اور دنیوی دونوں علوم پڑھائے جائیں۔ دینی تربیت اور اسلامی اخلاق و آداب سکھانے پر پورا زور دیا جائے۔ طلباء کو نہ صرف قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کی تعلیم دی جائے بلکہ اسلام کے خلاف جو فتنے اٹھ رہے ہیں یا پہلے سے موجود ہیں ان کے خلاف ٹھوس دلائل بھی ذہن نشین کیے جائیں تاکہ وہ خود بھی گمراہی سے بچ سکیں اور دوسروں

کو بھی گمراہی سے بچا سکیں۔ ایسے مدارس کا قیام وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اٹھیئے، ایسے مدارس کے قیام کے لئے پُرخلوص جدوجہد کیجیئے اور اپنی اولاد کو بے دینی سے بچانے کا سامان کیجئے۔ اگر اللہ نخواستہ آپ نے بے اعتنائی کی اور اس منصوبہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے تو آئندہ نسلوں کے الحاد، کفر و شرک کی ذمہ داری کس پر ہوگی، کیا آپ میدانِ محشر میں صحیح جواب دے کر سرخرو ہو سکیں گے۔

دینی اور دُنیوی تعلیم کا امتزاج

قوموں کی زندگی میں تعلیم کی حیرت انگیز انقلابی قوت و اہمیت کسی شرح کی محتاج نہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی ملک و ملت کا تعلیمی نظام اُس ملک و ملت کے نظامِ حیات کا عکس دپر تو ہوتا ہے۔ اگر ہم نظامِ زندگی کو صحیح اسلامی قدر کے مطابق قائم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں نظامِ تعلیم کو اسلامی نظریات کی روشنی میں از سرِ نو مرتب کرنا ہوگا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قوموں کے عروج و زوال میں نظام تعلیم و تربیت سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ وہی قومیں مائل بہ عروج ہوتی ہیں جن کا نظامِ تعلیم و تربیت ان اقوام کے نظریۂ حیات کا مکمل پرتو ہوتا ہے اور وہ قومیں مائل بہ زوال ہوتی ہیں جن کا نظام تعلیم و تربیت غلامانہ ذہنیت کا حامل، اُن کے نظریۂ حیات کے خلاف اور دوسری قوموں کی کورانہ تقلید اور نقالی پر مبنی ہوتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک ہم نے اپنا نظام تعلیم و تربیت اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق رکھا اُس وقت تک ہم دنیا کی سب سے اعلیٰ اور برتر قوم تھے۔ ہم نے ہر قسم کی ترقی کی، مادی بھی، فنی بھی اور سائنسی بھی مگر جب ہمارے نظامِ تعلیم و تربیت میں قرآن مجید اور احادیث نبوی کی جگہ

علوم عقلیہ اور غیر اقوام کی کورانہ نقالی نے لے لی تو ہم پر ظلمت و ادبار کی گھٹائیں چھا گئیں اور ہم مائل بہ زوال ہو گئے۔

موجودہ نظام تعلیم و تربیت کا مقصد محض نوکر شاہی ذہنیت کو کو پیدا کرنا ہے۔ اب تعلیم کا مقصد عموماً ملازمت کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔ دین اور دنیا کے درمیان ایک عظیم دیوار حائل کر دی گئی ہے۔ دینی تعلیم صرف رسمی رہ گئی اور دنیوی تعلیم محض دنیا پرستی رہ گئی۔ دنیوی مدارس میں ایسا نظام تعلیم رائج کیا گیا جس نے طلباء کو دین سے دور کر دیا، طلباء دین سے بے بہرہ ہو گئے اور دین کی مخالفت کرنے لگے۔ دینی مدارس کے طلباء میں احساس کمتری پیدا ہو گیا اور وہ اپنا وقار قائم نہ رکھ سکے۔ الحاد پھیلتا چلا گیا اور نئی نسلیں اسلام سے دور ہوتی چلی گئیں۔

اس فتنہ کے انسداد کے لئے ہونا یہ چاہیئے کہ ایسی درسگاہیں قائم ہوں جن میں دینی اور دنیوی علوم کو ایک جگہ کیا جائے۔ بچوں کو ابتداء ہی سے دینی و دنیوی تعلیم پورے احساس و شعور کے ساتھ اس طرح دی جائے کہ ان کو ایک طرف اپنے دین اسلام اور اس کے تقاضوں سے پوری طرح واقفیت ہو اور وہ عملی مسلم بنیں تو دوسری طرف وہ دور جدید کے علوم و فنون سے کماحقہ واقف ہو کر دنیا کے ہر میدان میں تمام اقوام عالم پر برتری حاصل کریں۔

سلسلہ اشاعت ۲۵

مکمّل اسلامی معاشرہ کا قیام

مکمل اسلامی معاشرہ کے قیام کے سلسلہ میں بہت سی رکاوٹیں ہیں مثلاً عوام الناس کا دنیا اور دنیوی ساز و سامان کی طرف رجحان، دنیا کو آخرت پر ترجیح، فکرِ آخرت کا فقدان، فتنوں کی فراوانی۔ الامن شاء اللہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، دنیا کمانے کی ہوس نے ان کو ایسا غافل کر دیا ہے کہ انہیں دین کے لئے کچھ کرنے کا ہوش ہی نہیں اور جن کو تھوڑا بہت ہوش ہے بھی تو وہ وقت نہیں دے سکتے۔ وقت دیتے بھی ہیں تو نوافل اور فضائل میں، مسائل اور فرائض کی کوئی پرواہ نہیں۔ فرائض سے صرفِ نظر کر کے انہوں نے نوافل اور فضائل میں اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کر دیا ہے اور اپنی اس غفلت سے یہ لوگ اسلام کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ موجودہ معاشرہ ہی نہیں بگڑ رہا بلکہ آئندہ آنے والا معاشرہ بھی اسی بگڑی ہوئی حالت پر استوار ہوگا۔ اس کے ذمہ دار یہی لوگ ہوں گے جو اس وقت معاشرہ میں موجود ہیں۔ یہ لوگ اپنے فرائض کو نہیں پہچانتے۔ آئندہ آنے والی نسل کی نشو و نما کے لئے اسلامی ماحول پیدا کرنا ان پر فرض ہے۔ قرآن مجید کی معنوی تحریف اور احادیث نبویہ کے انکار سے جو الحاد پھیل رہا ہے اس کی سرکوبی کے لئے جد و جہد کرنا ان کا فرض ہے۔ احادیث نبویہ پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا ازالہ ان کا فرض ہے لیکن یہ اپنے فرائض سے بالکل غافل ہیں اور جب انہیں اس خطرناک فتنہ کا احساس دلایا جائے تو اس کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اس وقت جو تھوڑی بہت ایمان کی چنگاری نظر آ رہی ہے اندیشہ ہے کہیں یہ بھی نہ بجھ جائے۔

جماعت المسلمین نے عوام الناس کو ہوشیار کرنے اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے جدوجہد شروع کی، پمفلٹ شائع کئے۔ ہفتہ وار، ماہانہ و سہ ماہی یک روزہ و دو روزہ اجتماعات کئے لیکن عوام الناس نے ان سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ اجتماعات تقریباً سُونے رہے۔ یہ صورتحال دیکھ کر جماعت المسلمین نے فیصلہ کیا کہ موجودہ معاشرہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ کوئی ایسی ٹھوس تدبیر کرنی چاہیئے جس سے کم از کم مستقبل میں تو معاشرہ اسلامی خطوط پر تشکیل پا سکے۔ یہ ٹھوس کام ایسے مدارس کا قیام ہے جہاں تو نہالان قوم کو خالص اسلامی ماحول میں تعلیم دی جائے۔ ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ آئندہ صحیح معنوں میں مسلم بن کر اسلام کی صحیح خدمت انجام دے سکیں۔

جماعت المسلمین جب اس فیصلہ پر پہنچی تو اس کے سامنے دو قسم کے مدارس تھے۔ دینی اور دنیوی۔ دینی مدارس کی طرف رغبت بہت کم ان مدارس کے حصہ میں عموماً کند ذہن اور وقت گذارنے والے طلباء آتے ہیں۔ وہ نہ صحیح معنٰی میں عالم بنتے ہیں اور نہ محقق۔ جب وہ سند لے کر نکلتے ہیں تو ان کے پاس روزی کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ دنیوی علوم سے قطعاً بے بہرہ۔ موجودہ معاشرہ میں نہ ان کا کوئی وقار ہوتا ہے اور نہ عزت۔

دنیوی مدارس کا حال کس سے پوشیدہ ہے۔ غیر اسلامی ماحول، غیر اسلامی تربیت، ثقافت اور فنون لطیفہ کے نام سے ہر غیر اسلامی چیز کو اسلامی بتا کر ان کے ذہنوں کو مسموم کیا جاتا ہے۔ الحاد اور انکارِ حدیث کے جراثیم ان کے ذہنوں میں داخل کئے جاتے ہیں۔ اسلامی علوم سے قطعاً ناآشنا، اسلامی اخلاق اور عمل سے قطعاً بے بہرہ، احساس کمتری کا شکار، کیا ایسے طلباء آگے چل کر اسلام کے کام آسکتے ہیں۔

غرض یہ کہ دونوں قسم کے مدارس میں اسلامی جذبہ کا تقریباً فقدان ہے۔ محض رسمی تقاریب اور محافل و مجالس بس ان کا دین ہے۔ جلوس

اور جلسے بس ان کا عمل ہے۔ اسلام پر عمل کرنے کا عزم نہ بانیانِ محفل میں پایا جاتا ہے اور نہ حاضرینِ محفل میں۔

الغرض دونوں قسم کے مدارس میں اسلام کی حقانیت کا سکہ نہیں بٹھایا جاتا۔ دینی مدارس میں فرقہ داریت نے جڑ پکڑ رکھی ہے اور دنیوی مدارس میں الحاد کے جراثیم کی ایسی زبردست یورش ہے کہ الامان الحفیظ۔ اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں وہ رکاوٹیں جن کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے اہم ضرور ہیں لیکن سب سے بڑی رکاوٹ ہمارا ناقص و فرسودہ نظامِ تعلیم ہے۔ جماعت المسلمین نے فیصلہ کیا کہ اس ناقص اور فرسودہ نظامِ تعلیم کی جگہ ایسا نظامِ تعلیم نافذ کرے جس میں دین و دنیا کا حسین امتزاج ہو۔ جماعت المسلمین اس سلسلہ میں جدوجہد کر رہی ہے۔

سلسلۂ اشاعت ۳۹

اسلامی معاشرہ کا قیام اور جماعۃ المسلمین کا تعلیمی منصوبہ

"مکمل اسلامی معاشرہ کیسے قائم ہو؟" یہ ایک سوال ہے جو ہر مسلم کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے خصوصاً ایسے ناسازگار حالات میں کہ خود اسلام پر ایمان رکھنے والے اسلامی ضابطۂ حیات کی بندشوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ شرابی شراب چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، سرمایہ دار سودی کاروبار چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ نیم عریاں رقص و سرود کی محفلوں سے لُطف اٹھانے والے کب چاہتے ہیں کہ ان کی لطف اندوزیوں پر پابندی لگائی جائے۔ عیاشی، فحاشی، استحصال اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے کب چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کو ختم کیا جائے۔ علماء کی اکثریت کا حال بھی عوام سے مختلف نہیں۔ دنیا کی دوڑ میں وہ بھی اب کسی سے پیچھے رہنا نہیں

چاہتے۔ اتباع قرآن مجید اور سنت نبوی پر دھواں دھار تقریر کرنے والے خود عمل بالقرآن المجید اور اتباع سنت سے عاری ہیں۔ ان کا حال ان کے قال سے یکسر مختلف ہے۔ ان کے ظاہر پر اسلام کا ملمع تو ضرور ہے لیکن باطن اسلام کی روح سے خالی ہے، آپس میں ایک دوسرے سے دست بگریباں اور ہم چنیں دیگرے نیست کا مصداق ہیں۔ ان کے اہل وعیال، ان کی خانگی زندگی، ان کا گھر بار، ان کے زیر دست اسلام کے عقائد و اعمال سے بے خبر ہی نہیں بلکہ غیر اسلامی معاشرہ کی تشکیل و ترقی میں ممد و معاون ہیں۔ بد اخلاقی اُن کا شیوہ، خدمت خلق سے انہیں گریز، اپنی آمدنی اور عقیدتمندوں کی عقیدت کو برقرار رکھنے کے لئے غیر اسلامی اور شرک آمیز فتوے دینا ان کا روزمرہ کا معمول۔ ان حالات میں معاشرہ کی اصلاح کون کرے۔ کیا ایسے مبلغ جو ایک ایک تقریر کے پانچ پانچ سو، ایک ایک ہزار روپیہ لیتے ہوں، جن کی خواہش یہ ہو کہ عمدہ کھانے اور جملہ راحت کے سامان انہیں پیش کئے جائیں تبلیغ کا حق ادا کر سکتے ہیں؟ کیا ایسے علماء جو کسی سرمایہ دار کے دست نگر ہوں حق گوئی اور بے باکی کے زیور سے آراستہ ہو سکتے ہیں نہیں، ہرگز نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ کا برپا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ جن بچوں کی گھٹی میں غیر اسلامی دستورِ حیات کی آمیزش ہو کیا وہ بڑے ہو کر اسلام کے سپاہی بن سکتے ہیں۔ الغرض نہ موجودہ نسل اسلام کو نافذ کرنا چاہتی ہے اور نہ آئندہ آنے والی نسل سے اس قسم کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ ان حالات میں کسی وقت اور کسی زمانہ میں بھی مکمل اسلامی معاشرہ کے قیام کی توقع رکھنا خوش فہمی سے زیادہ نہیں۔ اگر حکومتِ وقت ڈنڈے کے زور سے یہ کام کرنا بھی چاہے تو اس کی مثال اس قلعہ جیسی ہوگی جو ریت پر بنایا گیا ہو، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ غیر اسلامی انقلاب کی آندھی کسی وقت بھی اس قلعہ کو نیست و نابود کر دے۔

پائدار اسلامی معاشرہ کا قیام اسی وقت ممکن ہے کہ معاشرہ کے ہر فرد کا نہیں تو کم از کم اکثریت کا ذہن بدلا جائے، اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیا جائے اور محشر کا خوفناک منظر پیش نظر رکھ کر فکر آخرت کا بیج بویا جائے لیکن آخر یہ کام کرے کون؟ کسی خفتہ قوم کو جگانا نہیں ہے بلکہ مردہ قوم کو زندہ کرنا ہے۔ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ کامیابی دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ایسی صورت میں ہم اگر کچھ کر سکتے ہیں تو یہ کر سکتے ہیں کہ آئندہ آنے والی نسل کو سنبھالیں اور ان میں صحیح اسلامی ذہن اور جذبۂ ایثار و قربانی پیدا کریں۔ یہ کام مدارس ہی سے ہو سکتا ہے لیکن موجودہ مدارس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔ دینی مدارس بے رونق ہیں اور صحیح اسلامی جذبہ سے عاری ہیں، دنیوی مدارس بارونق ہیں لیکن اسلام سے کوسوں دور۔

جماعت المسلمین نے اس خرابی کو دور کرنے کا عزم کیا ہے۔ دینی اور دنیوی علوم کو یکجا پڑھانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ جماعت المسلمین کے تعلیمی منصوبہ کا خاکہ مختصراً درج ذیل ہے:۔

(۱) دینی و دنیوی علوم کا امتزاج یعنی اس طرح تعلیم دینا کہ ہر بچہ بیک وقت عالم دین بھی بنے، دین پر عمل بھی کرتا ہو اور دنیوی علوم و فنون میں بھی یونیورسٹیوں کی کسی نہ کسی ڈگری کا حامل ہو،

(۲) دوران تعلیم بچوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت پیدا کرنا، بار بار قیامت کا تصور پیدا کرنا، اسلامی نظام کی برتری کا مدلل و معقول ثبوت مہیا کرنا، قرآن مجید اور احادیث نبویہ پر ہونے والے تمام اعتراضات کا جواب ان کے ذہن نشین کرنا،

(۳) اسلامی آداب کی عملی تربیت دینا،

(۴) فرقہ وارانہ مذاہب سے ہوشیار کرنا اور دلائل سے ثابت کرنا کہ یہ مذاہب دین اسلام نہیں ہیں،

(۵) دوران تعلیم ذہن کو تیز کرنے کے لئے مختلف قسم کے سوال کرنا۔

امتحانات میں پہلی جماعت سے لے کر آخری جماعت (مثلاً ایم اے، پی ایچ، ڈی وغیرہ) تک زبانی امتحان لینا اور ذہنی سوال کرنا،

⑥ ایسے جسمانی اور ورزشی کھیلوں کا اہتمام کرنا جن میں تضیع اوقات نہ ہو اور

⑦ فنون جنگ سے واقفیت پیدا کرنا۔

جماعتُ المسلِمین کا تعلیمی منصوبہ

جب کسی قوم پر جمود طاری ہوتا ہے اور تقلید اور نقالی کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی جاتی ہیں تو پھر وہ قوم دن بدن پستی کی طرف جاتی ہے۔
جمود کیوں طاری ہوتا ہے؟ تقلید اور نقالی کیوں آتی ہے؟ اگر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا اصلی سبب ناقص نظامِ تعلیم ہے۔ موجودہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ہماری آئندہ آنے والی نسل دین، اسلامی اخلاق اور احساس برتری سے بے بہرہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ تجدد، الحاد اور انکارِ حدیث کے فتنے پوری قوت اور خوشنما فریب کے ساتھ اس کمزور نسل پر حملہ آور ہو رہے ہیں جس کا نتیجہ سوائے دین سے نفرت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ دینی مدارس اس لئے خالی ہیں کہ وہاں مادّی کشش نہیں ہے اور جو بھولے بھٹکے ان مدارس میں داخلہ لیتے ہیں ان کے ذہن کی جلاء کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی جاتی اور نہ ان کو جدید علوم و تحقیقات سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ طبقہ ان دینی مدارس سے فارغ ہو کر نکلتا ہے تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ یہ طبقہ نہ تو دورِ حاضر کے مسائل حل کرنے میں کامیاب ثابت ہوتا ہے اور نہ ان اعتراضات کو دفع کر سکتا ہے جو آئے دن اسلام پر ہوتے رہتے

ہیں۔ ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جماعت المسلمین نے اپنا تعلیمی منصوبہ مرتب کیا۔ اس منصوبہ کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم کی تعلیم بھی دی جائے۔ تعلیم بہت ٹھوس اور معیاری ہو۔ جو طالبعلم اس مجوزہ تعلیمی نصاب کی تکمیل کے بعد مدرسہ سے نکلے تو وہ بہ یک وقت باعمل صحیح العقیدہ اور بالغ نظر عالم دین بھی ہو اور یونیورسٹی کی ڈگری کا حامل بھی ہو۔ وہ خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی قابلیت رکھتا ہو۔ کسی کا محتاج اور دست نگر نہ ہو تاکہ بے باکی کے ساتھ حق بیان کر سکے۔

جماعت المسلمین کا ابتدائی تربیتی منصوبہ

مسلسل اشاعت ۱۵

جماعت المسلمین کے تعلیمی منصوبہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مختصراً ہم پھر اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جماعت المسلمین کا تعلیمی منصوبہ یہ ہے کہ ایسے اسکول اور کالج قائم کئے جائیں جن میں دینی اور دنیوی علوم کا حسین و دلکش امتزاج ہو، جن میں اسلامی تہذیب کی ٹھوس عملی تربیت دی جائے، طلباء کے مزاج کو خالص اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اور ان کے ذہنوں میں اسلام کی برتری کا ایسا سکہ بٹھایا جائے کہ جب وہ ایسے مدارس سے فارغ ہو کر نکلیں تو اسلام کی روشنی میں معاشرہ کی بہترین طریقہ سے اصلاح کر سکیں اور صحیح معنیٰ میں اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کر سکیں۔ الحمد للہ جماعت المسلمین برابر اس کوشش میں ہے کہ آئندہ آنے والی نسل کے ذہنوں کو موجودہ دور کے فتنوں سے محفوظ رکھ کر انہیں صحیح معنیٰ میں مسلم بنائے اور نہ صرف مسلم بنائے بلکہ اس قابل بنائے کہ وہ ان فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ اور ان کا مکمل استیصال کر سکیں۔

جماعت المسلمین کا یہ منصوبہ کب پورا ہوگا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ بہرحال اس درمیانی عرصہ میں ہم مسجدوں سے کسی حد تک اس منصوبہ کے

مقصد کو پورا کر سکتے ہیں۔ مسجدوں میں بچے اچھی خاصی تعداد میں ناظرہ قرآن مجید پڑھتے ہیں مگر قرآن مجید کے پڑھنے کا جو مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ بچے نہ قرآن مجید سمجھتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں، نہ ان کا ذہن وفکر اسلامی بنتا ہے اور نہ خدمت دین کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جمود کا شکار ہوتے ہیں، فعّالیّت مفقود ہوتی ہے، مسجد کے باہر غیر اسلامی فضا میں وہ نشوونما پاتے ہیں اور اس طرح غیر اسلامی تہذیب کے سانچے میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ بتائیے کیا ایسے بچے جوان ہو کر دین کی حفاظت کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

اگر ان بچوں کو جو اپنا کافی وقت مسجدوں میں محض ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم میں گذارتے ہیں اسلامی آداب کی عملی تربیت دی جائے، ان سے مسلسل عملی مشق کرائی جائے، ان کے ذہنوں کو ان کی استطاعت کے مطابق اسلامی سانچہ میں ڈھالا جائے، قرآن مجید کا ترجمہ سکھایا جائے، توحید اور رسالت پر ایمان لانے کے تقاضے بتلائے جائیں اور آسان طریقہ سے کچھ عربی زبان بھی سکھائی جائے تو امید ہے کہ اچھے نتائج نکلیں گے۔

سلسلہ اشاعت ۳۹

جماعت المسلمین کے اجتماعات

اور

ان کی افادیت

اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احکام سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ جو لوگ واقف ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں تو اُن میں سے اکثر کو اُن احکام پر عمل کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ اس کی وجہ صرف

یہی ہے کہ صحیح قسم کی تعلیم و تربیت کا فقدان ہے۔ نہ احکام ہی کو خاطر خواہ اہمیت دی جاتی ہے اور نہ اُن کے طریقہء ادائیگی کو۔ مثلاً وضوء ہی کو لیجئے۔ وضوء دن میں کئی بار کرنا پڑتا ہے اس کے باوجود اکثر لوگ اس کے صحیح طریقہ سے ناواقف ہیں اور اگر کچھ لوگ واقف بھی ہیں تو عمل نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر ہم آپ کو کُلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے طریقہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی چلو سے کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اور اس طرح تین دفعہ کرتے (صحیح بخاری) ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلی کرتے، ناک میں پانی ڈالتے اور ناک سنکتے۔ تین چلوؤں سے تین مرتبہ ایسا کرتے (صحیح بخاری عن عبداللہ بن زیدؓ) ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چلو پانی لیتے اور اس سے کلی بھی کرتے اور ناک میں پانی بھی ڈالتے (صحیح بخاری عن ابن عباس)۔ الغرض اس قسم کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک چلو پانی لے کر اس میں کچھ پانی سے کلی کرے، کلی کرنے کے بعد چلو میں بچے ہوئے پانی کو ناک میں ڈالے پھر ناک سنکے۔ اس طرح تین مرتبہ کرے۔

اب بتایئے کیا عام طور پر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اگر نہیں کرتے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

واضح ہو کہ تین چلوؤں سے کلی کرنا اور پھر تین چلوؤں سے ناک میں پانی ڈالنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

الغرض اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن سے عوام قطعاً بے خبر ہیں۔ جماعت المسلمین اپنے اجتماعات میں ان چیزوں کی تعلیم اور عملی تربیت کا اہتمام کرتی ہے۔ جو لوگ ان اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں انہیں ان اجتماعات کی افادیت کا علم ہے۔ بعض لوگ اپنی طول عمری کے باوجود ان مسائل سے ناواقف ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ آخر لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم و تربیت

کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کو پورا کرنے کا کیا انتظام ہے۔

مختلف فتنوں کا ذکر ہم اپنے مختلف مضامین میں کر چکے ہیں۔ ان فتنوں کے سدباب کے ذرائع کا بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان فتنوں کے سدباب کا ایک ذریعہ اجتماعات بھی ہیں جن میں فتنوں سے روشناس کرایا جائے، ان کا مدلل ابطال کیا جائے اور فتنہ انگیز لوگوں اور جماعتوں کے دجل اور فریب سے آگاہ کیا جائے۔ ایسے اجتماعات کا نہ ہونا اور اگر ہوں تو ان میں شریک نہ ہونا ہی کم علم لوگوں کی گمراہی کا سبب ہوتا ہے۔ کاش عوام الناس قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا ٹھوس علم حاصل کریں، ان میں جو احکام صادر ہوئے ہیں ان پر پورے ذوق و شوق سے عمل کرنے کا طریقہ سیکھیں، فتنوں سے واقف ہوں اور ان کے قلع قمع کرنے کے لئے دلائل کی تعلیم حاصل کریں۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح وہ اپنے آپ کو فتنوں سے بچا سکیں۔

جماعت المسلمین کے اجتماعات کا مقصد احکام الٰہی کی تعلیم و تربیت ہے۔ حاضرین کو کچھ عرصہ کے لئے خالص اسلامی ماحول مہیا کرنا، دن و رات اللہ تعالےٰ کا ذکر، اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا چرچا، آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور میل جول، ایک دوسرے کو نصیحت، غلطیوں کا ازالہ، فتنوں کی سرکوبی کے لئے دلائل و براہین کے ہتھیار فراہم کرنا، یہ تمام باتیں جماعت المسلمین کے اجتماعات کی جان ہیں۔ مزید برآں یہ اجتماعات وقت و راحت کی قربانی کی تربیت بھی دیتے ہیں اور اس قربانی کا عادی بھی بناتے ہیں۔

قارئین کرام، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ علم حاصل کرنا فرض ہے اور یہ حقیقت بھی ہے تو پھر آیئے اور جماعت المسلمین کے اجتماعات کو قریب سے آکر دیکھئے۔ اپنی اصلاح کیجئے اور دوسروں کی اصلاح کیجئے۔

سلسلہ اشاعت ۳۱

اِتمام حُجّت

ہم نے مختلف عنوانات پر یکے بعد دیگرے کئی مضمون آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ اسلام کو جن فتنوں کا سامنا ہے ہم نے اجمالاً ان کا ذکر کیا، ہم نے بتایا کہ ان فتنوں کے سلسلہ میں آپ کس قدر غفلت برت رہے ہیں، ہم نے انکارِ حدیث کے عظیم فتنے سے آپ کو خبردار کیا، منکرینِ ختمِ نبوّت کے خطرہ سے ہم نے آپ کو آگاہ کیا، ملک میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں آپ کو بتائیں، سوشلزم کے ہمہ گیر اور پُر فریب فتنہ کی طرف آپ کو توجہ دلائی، سرمایہ داری کی لعنت اور اس کے بے جا مصارف سے آپ کو متنبّہ کیا، ہم نے بتایا کہ آپ کی نئی نسل کس طرح ان فتنوں سے متاثر ہو رہی ہے اور ان کے دین و ایمان، اخلاق و کردار کا مستقبل کتنا تاریک ہے۔

ہم نے آپ کو بتایا کہ آپ کے گھروں کا کیا حال ہے، اخبار کس نہج پر چل رہے ہیں، آپ کی تہذیب کے آخری قلعہ کو کس طرح مسمار کر دیا گیا ہے اور اس کے نتائج کیا ہوں گے، فتنے کس شوخی کے ساتھ ہمارے گھروں اور ہمارے ذہنوں میں داخل ہو رہے ہیں اور کس دیدہ دلیری کے ساتھ ہمارے مدارس پر یلغار کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اہل اسلام کو زبردست خطرہ کا سامنا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی میں معنوی تحریف تو ایک عرصہ سے جاری ہے، اب لفظی تحریف کا بھی خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ سوشلسٹ ممالک کا حال کس سے پوشیدہ ہے۔ الغرض بڑی کثیر تعداد میں فتنے منڈلا رہے ہیں۔ کیا ہمیں احساس ہے؟ کیا ہم نے ان فتنوں کے سدّباب کے متعلق کبھی سوچا؟

اس سلسلہ میں جماعت المسلمین اپنا تعلیمی منصوبہ جو وقت کا اہم تقاضا ہے پیش کر چکی ہے۔ جماعت المسلمین تبلیغی میدان میں بھی کود پڑی ہے اور ایسے اجتماعات منعقد کر رہی ہے جن میں عوام الناس کو تربیت دی جاتی ہے۔ جماعت المسلمین ٹھوس علمی دلائل سے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تحریر و تقریر کا اہتمام کر رہی ہے۔ جماعت المسلمین خالص اسلامی معاشرہ کے قیام کا بھی فیصلہ کر چکی ہے۔

غرض کہ جماعت المسلمین اسلام کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ خالص اسلامی معاشرہ میں زندگی بسر کریں جس کی بنیاد فرقہ وارانہ مذاہب پر نہ ہو بلکہ صرف قرآن مجید اور احادیث نبوی پر ہو، اگر آپ اپنی اولاد کا دینی اور دنیوی مستقبل تابناک دیکھنا چاہتے ہیں اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین اسلام دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچے اور چپہ چپہ پر عملاً نافذ ہو تو جماعت المسلمین کے ساتھ تعاون فرمائیں۔

یہ اشاعت بطور اتمام حجت پیش کی جا رہی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری گذارشات صدا بصحرا ثابت نہیں ہوں گی اور اب آپ مستعدی سے خدمتِ دین انجام دینی شروع کر دیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متفرق مضامین

جُمعہ کا خطبہ اور فرقوں کا طرزِ عمل

خطبہ کا مقصد خطبہ خطاب سے مشتق ہے۔ خطبہ میں حاضرین سے خطاب کیا جاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ خطبہ اس زبان میں ہو جس زبان کو مخاطبین سمجھ سکیں۔ اگر مخاطبین خطبہ کو نہ سمجھ سکیں تو ظاہر ہے کہ خطاب کا مقصد حاصل نہیں ہو گا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں :-

كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب ذکر الخطبتین قبل الصلوٰۃ جزء اول ص۲۸۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبہ دیا کرتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان آپ بیٹھتے تھے (اور ان خطبوں میں) آپ قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خطبے نصیحت کے لئے ہیں اور نصیحت سمجھنے کے لئے ہوتی ہے لہٰذا خطبہ سامعین کی زبان میں ہونا ضروری ہے بعض لوگوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تیسرا خطبہ ایجاد کر لیا جو مسنون خطبوں سے پہلے حاضرین کی زبان میں دیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں لہٰذا خطیب حضرات کا تیسرا خطبہ دینا بدعت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامعین کی زبان میں خطبہ دیا کرتے تھے یعنی سامعین کی زبان میں خطبہ دینا سنّت ہے۔ جو لوگ سامعین کی زبان میں خطبہ نہیں دیتے وہ سنّت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور خطبہ کے مقصد کو معدوم کرتے ہیں۔

خطبہ کا طویل ہونا خلاف سنّت ہے

طویل خطبہ دینا بھی سنّت کی خلاف ورزی ہے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں :۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُطِيلُ الْمَوْعِظَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِنَّمَا هُنَّ كَلِمَاتٌ يَسِيرَاتٌ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الجمعۃ باب اقصار الخطب ۱/۱۶۵۔ رجالہ ثقات۔ سکت عنہ ابوداؤد والمنذری۔ عون المعبود۔ سندہ صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نصیحت کو لمبا نہیں کرتے تھے۔ آپ کے ارشادات (چند) ہلکے پھلکے جملے ہوا کرتے تھے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں :۔

أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِقْصَارِ الْخُطَبِ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الجمعۃ باب اقصار الخطب ۱/۱۶۵۔ سندہ حسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبوں کے چھوٹا کرنے کا حکم دیا ہے۔

چھوٹا خطبہ دینا ضروری ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهِ فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب

آدمی کا نماز کو طول دینا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کی دانائی کی علامت ہے لہذا نماز لمبی پڑھا کرو اور خطبہ مختصر دیا کرو اور بے شک بعض بیان جادو ہوتا ہے۔

تخفیف الصلاۃ والخطبۃ جزء اول ۲۸۴)

اسلام کا نظام عدل حضرت جابر بن سمرہ رضؓ فرماتے ہیں :۔

کُنْتُ اُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصَّلَوَاتِ فَکَانَتْ صَلَاتُہٗ قَصْدًا وَ خُطْبَتُہٗ قَصْدًا (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ جزء اول ص۲۸۴)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ آپ کی نماز بھی درمیانہ ہوتی تھی اور خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا۔

خلاصہ مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہونا چاہیئے لیکن اتنا مختصر بھی نہ ہو کہ اعتدال باقی نہ رہے۔ دونوں خطبوں میں قرآن مجید پڑھا جائے اور نصیحت کی جائے۔ یہ صحیح نہیں کہ پہلے خطبہ میں نصیحت کی جائے اور دوسرے خطبہ میں صرف دعائیں پڑھی جائیں۔

دونوں خطبوں کا متوسط ہونا ضروری ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ پہلا خطبہ ایک گھنٹہ کا ہو اور دوسرا خطبہ پانچ منٹ کا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ زوائد مسند امام احمد میں ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں سورۂ توبہ کی تلاوت کی (بلوغ ۶/۹۹) لہٰذا ثابت ہوا کہ لمبا خطبہ دینا جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی سند سے اور اسی سیاق وسباق کے ساتھ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس میں سورۂ ملک کی تلاوت کا ذکر ہے (ابن ماجہ ۱/۳۴۳ وسندہ صحیح) مسند امام احمد میں اسی حدیث کی دوسری سند میں صرف ایک آیت پڑھنے کا ذکر ہے (بلوغ ۶/۱۰۰) الغرض کسی سند میں سورۂ توبہ کا ذکر ہے، کسی میں سورۂ ملک کا اور کسی میں صرف ایک آیت پڑھنے کا ذکر ہے لہٰذا سورۂ توبہ کا پڑھنا یقینی نہیں۔ غیر یقینی چیز سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔

ہر جمعہ کو خطبہ میں سورۂ قٓ کا پڑھنا ثابت ہے (صحیح مسلم) لیکن

اس کو پڑھنے میں پانچ یا چھ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے لہٰذا یہ بھی خطبہ لمبا کرنے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اتّحاد

پاکستان کی بنیاد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر رکھی گئی تھی لیکن اس بنیاد پر اسلام کی تعمیر ایک طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود ابھی تک نہیں ہوئی۔ جس اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ اس کے مطالبہ کے وقت کیا گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ لوگ مذہبی جھگڑوں میں الجھ کر رہ گئے۔ ہر گروہ اپنے مسلک کی ترقی، اشاعت و تبلیغ میں تو مصروف رہا لیکن کسی نے بھی اسلام کی طرف توجہ نہیں دی۔ دشمنانِ اسلام نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا، نتیجۃً ہماری معیشت، معاشرت، زراعت، صنعت و حرفت اور تعلیم غرض کہ زندگی کا ہر شعبہ غیر اسلامی افکار و نظریات کے سانچوں میں ڈھلتا رہا اور اس مدت میں جو عمارت تعمیر ہوئی وہ عوام الناس کے لئے قیام و رہائش تو کجا ایک اچھی پناہ گاہ بھی ثابت نہیں ہوئی۔ اگرچہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد ابھی باقی ہے لیکن ایک گروہ اس پر مارکس، لینن اور ماؤزے تنگ کی پُر فریب عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے، دوسری جانب شیدائیانِ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکمل، حسین و جمیل قصر کی تعمیر کے خواہاں ہیں۔ کمیونزم کے حامی متحد ہیں اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے اتحاد کی وجہ سے غالب نظر آتے ہیں۔ اسلام کے حامی ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے اپنے فرقہ کے مسلک کے مورچوں میں مقید ہو کر آپس میں ایک دوسرے پر گولہ باری کر رہے ہیں۔ کمیونزم کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اگر آپ واقعی کمیونزم کے آہنی بھوت سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ان مورچوں کو توڑنا ہوگا، اتفاق و اتحاد کی ایک آہنی فصیل بنانی ہوگی اور پھر متفقہ

طور پر کیمونزم کے قلعہ پر گولہ باری کرنی ہوگی۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر ہمارا طرز عمل گویا مخالفین کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے مترادف ہوگا اور اسلام کی تباہی کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔

اگر ہم واقعی خلوص نیت سے یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا بول بالا ہو تو ہم کو اپنے اختلافات ختم کرنے ہوں گے، فرقہ واریت کو چھوڑنا ہوگا۔ مختلف مذاہب و مسالک کی پگڈنڈیوں کو چھوڑ کر شاہراہ مستقیم پر آنا ہوگا۔ اگر اس نازک مرحلہ پر بھی ہم ایک نہ ہوئے اور اپنے اختلافات اور فرقہ وارانہ مذاہب کو ختم نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ ہمارا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ پھر نہ ہم ہوں گے اور نہ ہمارے فرقہ وارانہ مورچے ہوں گے۔

اس وقت سب سے زیادہ ذمہ داری علماء کی ہے۔ انہیں چاہیئے کہ اختلاف و افتراق کا سلسلہ جو عرصۂ دراز سے چلا آرہا ہے اس کو ختم کرکے متحد و متفق ہو جائیں۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر علماء چاہیں تو انشاء اللہ پھر قرون اولیٰ کی جھلک دکھائی دے سکتی ہے۔ پھر زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کی بہار آسکتی ہے۔ امن وسکون، عدل وانصاف قائم ہوسکتا ہے۔ مزدور، سرمایہ دار کا تنازعہ ختم ہوسکتا ہے۔ زمیندار، جاگیردار اور کسان کے معاملات پر سدھر سکتے ہیں۔

علماء سے گذارش ہے کہ وہ اس مسئلہ پر خلوص کے ساتھ غور کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق قرآن وحدیث پر جمع ہوجائیں اور جماعت المسلمین سے چمٹ جائیں اور اس اسلام کو قائم کریں جو فرقوں کے بننے سے پہلے موجود تھا۔ یہی ایک صورت ہے جس سے ہمارے اختلافات، ہمارے فرقے، ہمارے مذاہب و مسالک ختم ہوسکتے ہیں اور ہم ملت واحدہ بن سکتے ہیں۔ پھر ہماری قوت بے پناہ بڑھ جائیگی اور ہم انشاء اللہ اپنے دشمن پر غالب آجائیں گے۔

ہماری اولاد

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ ہماری اولاد کہاں جارہی ہے، اس کے عقائد کو غیر اسلامی ماحول کس طرح متاثر کر رہا ہے، کیسے کیسے فتنے اُسے دعوت دے رہے ہیں، کون کون سے باطل عقیدے اُس کے ذہن میں پرورش پا رہے ہیں اور اب وہ اسلام پر کیسے کیسے اعتراض کرنے لگی ہے۔ اگر اعتراض نہیں کرتی تو کم از کم احساس کمتری میں تو مبتلا ہے، اس کو اسلام کی ہر چیز پسماندہ اور فروتر نظر آتی ہے اور اب وہ اسلام کو ایک قصہ پارینہ سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

دیکھیے ہماری اولاد کے لباس کا کیا حال ہے۔ وہ تشبہ بالغیر اور نقالی میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اسلامی تعلیمات سے قطعاً بے بہرہ ہے۔ اُسے اسلامی نظام حیات کی برتری کا علم نہیں۔

سوچیے کیا یہ ہی ہماری اولاد ہے؟ کیا جو اعمال ہمارے ہیں وہی اعمال اس کے بھی ہیں؟ جس تہذیب کو ہم پسند کرتے ہیں کیا وہ بھی اسی تہذیب کو پسند کرتی ہے؟ اگر ہم دیندار ہیں تو کیا ہماری اولاد بھی دیندار ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو غور کیجئے کہ ہم کہاں تک اس صورت حال کے ذمہ دار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت، عقل اور اخلاق کے اصول اس سنگین صورت حال کا ذمہ دار بڑی حد تک ہمیں اور صرف ہمیں ٹھہراتے ہیں۔ یاد رکھیے ہم اللہ تعالےٰ کے فرمان: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (اپنی جانوں کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچاؤ) کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں۔ کیا ہمیں اس فرمان کی خلاف ورزی کے نتائج کا خوف ہے؟ اگر ہے تو یہ غفلت کیوں ہے؟ کیا ہمارا اسلام پر عمل کر لینا ہماری نجات کے

لئے کافی ہے؟ کیا یہ اولاد میدان محشر میں ہماری رسوائی اور عذاب کا سبب نہیں بنے گی؟

کیا ہم نے کبھی اس صورت حال پر غور کیا؟ اگر غور نہیں کیا تو اب کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اسلام پر عمل کرتے ہیں تو اپنی اولاد سے بھی اسلام پر عمل کرائیں۔ ایسے ماحول، ایسی صحبت اور ایسے مدارس سے اُسے بچائیں جو اس کے ایمان کو خراب کر دیں۔ مدارس کی ظاہری شان وشوکت سے دھوکا نہ کھائیں۔ مادیت کی خاطر روحانیت کو برباد نہ کریں۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ یہ مادی نعمتیں ایک دن ختم ہو جائیں گی۔ اچانک موت کا فرشتہ ہماری روح قبض کرلے گا، پھر ایک دن ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ بتایئے اُس وقت جب ہماری رعیت کی بے راہ روی کے متعلق ہم سے سوال ہوگا تو ہم کیا جواب دیں گے؟

آیئے ہم سب عہد کریں کہ ہم اسلام کی روشنی میں اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا خاطر خواہ اہتمام کریں گے اور اس کو صحیح معنوں میں مسلم بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔

سلسلہ اشاعت ۲۲

ہماری خواتین

خواتین کے لئے عموماً مستورات کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مستورات ستر سے مشتق ہے۔ ستر کے معنی "چھپانا" ہیں لہٰذا مستورات کے معنی ہوئے: "وہ ہستیاں جو چھپائی گئی ہوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ (رواہ الترمذی وسندہ صحیح۔ التعلیقات للالبانی علی المشکوٰۃ ۲/۹۳۲)۔ عورت عورت ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے)۔

عورت کو عورت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ چھپائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (الاحزاب - ۳۳)

اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جس طرح (زمانۂ جاہلیت میں (عورتیں اپنے) محاسن اور بناؤ سنگھار کو ظاہر کرتی تھیں تم اس طرح اپنے محاسن اور زیب و زینت کو ظاہر نہ کرو۔

گھروں میں قرار پکڑنے کا حکم بھی "عورت چھپانے کی چیز ہے" کے تقاضہ کو پورا کرتا ہے اور اگر عورت کو ضرورتاً گھر سے نکلنا ہی پڑے تو حکم ہے کہ اپنی زینت کی چیزوں کو چھپا کر اور چہرہ پر نقاب ڈال کر نکلے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ (النور - ۳۱)

عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (الاحزاب - ۵۹)

اے نبی، اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (جب وہ باہر نکلیں) تو اپنے (چہروں) پر اپنی چادروں میں سے کچھ حصہ لٹکا لیا کریں۔

یہ ہیں گھر کے باہر پردہ کے اسلامی احکام۔ کیا ہماری خواتین ان احکام کی پابند ہیں۔ کیا ان کے لباس اور ان کی زینت کی چیزیں غیر محرموں کے سامنے ظاہر تو نہیں ہوتیں؟ کیا ان کا سینہ اور پشت دکھائی تو نہیں دیتی؟ کیا ان کے کپڑے اتنے چست یا مہین تو نہیں ہوتے کہ وہ اعضائے جسم اور ان کے نشیب و فراز کی غمازی کریں۔

کیا یہ سب کچھ نہیں ہو رہا؟ کیا خواتین کے طرز عمل سے قرآن مجید اور حدیث نبوی کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی؟ کیا مرد اس خلاف ورزی میں ان

کے شریک نہیں ہیں؟ کیا مردوں کی حوصلہ افزائی اور چشم پوشی ان کی بے پردگی کا سبب نہیں ہے؟ کیا بے پردگی اور عریانیت جاہلیت ثانیہ نہیں ہے؟ کیا اس قسم کے مظاہرہ کو قرآن مجید نے جاہلیت اولیٰ کا نام نہیں دیا؟ غالباً ہم جاہلیت اولیٰ سے تو متنفر ہوں گے لیکن جاہلیت ثانیہ سے متنفر نہیں! آخر کیوں؟ کیا خواتین کی یہ بے راہ روی ہم سکون سے برداشت نہیں کر رہے؟ کیا کبھی ہماری جبین پر شکن آتا ہے؟ نہیں آتا تو کیوں؟ کیا ایمان کا دامن ہم نے چھوڑ دیا؟ کیا اسلام سے ہمارا کوئی تعلق باقی نہیں رہا؟ آہ! جن عورتوں کی کبھی گھر کے باہر کسی نے انگلی تک نہ دیکھی تھی آج وہ سر بازار نیم عریاں چلی جا رہی ہیں۔ اب مستورات کا پاکیزہ لقب ان کے لئے صحیح نہیں۔

اے اسلام کا دعویٰ کرنے والو، ہوش میں آئیے۔ کسی قوم کی تہذیب کا آخری قلعہ اس قوم کی خواتین ہوا کرتی ہیں۔ ہم نے اسلامی تہذیب کا یہ آخری قلعہ بھی مسمار کر دیا۔ بتائیے اب اسلام اور اسلامی تہذیب کہاں رہے گی؟ آئندہ آنے والی نسلیں کہاں سے اسلامی آداب سیکھیں گی؟ کن کی گودوں میں اب مسلم بچے پرورش پائیں گے؟ کیا اب بھی ہمیں امید ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں مسلم ہوں گی؟ اگر یہی صورت حال رہی تو کیا ہم میدانِ محشر میں سرخرو ہو سکیں گے؟ آخر ہم نے سوچا کیا ہے؟

افسوس جن لوگوں سے چمن اسلام کی آبیاری کی امید تھی وہی اس چمن کو اجاڑ رہے ہیں۔ اگر ہم نے ان حالات کو بدلنے کی کوشش نہیں کی اور اسلامی قدریں اسی طرح پامال ہوتی رہیں تو بربادی لازمی ہے۔ اٹھیئے اور فوری طور پر اپنی خواتین کی اصلاح کیجئے اور انہیں اسلامی حدود کا پابند بنائیے۔

ہمارے گھر

سلسلۂ اشاعت ۳۲

کیا ہم نے کبھی دیکھا کہ ہمارے گھر کیا نقشہ پیش کرتے ہیں؟ جن چیزوں کو ہم اپنے گھر کی زینت بنائے ہوئے ہیں کیا وہ ایک مسلم کی شایانِ شان ہیں؟ دیواروں پہ آویزاں یہ تصاویر، الماریوں میں سجے ہوئے یہ مجسمے، عریاں تصاویر سے مزیّن کیلنڈر کیا اسلام کی خلاف ورزی نہیں ؟

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ جن رسائل کی ہمارے گھر میں بھرمار ہے ان کی مخرب اخلاق تصاویر اور افسانے ہمارے خاندان کی دینی فضا کو کس قدر مکدّر کر رہے ہیں؟ ایسی صورت میں کیا خیر کے فرشتے ہمارے گھر میں داخل ہوں گے؟ ہماری بدنصیبی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ ہم خود خیر کو اپنے ہاں آنے سے مانع ہیں۔

ہم نے اپنے گھر کی غیر اسلامی حالت پر کبھی غور کیا؟ کہیں ریڈیو سے فلمی گانے سنے جا رہے ہیں۔ کہیں ٹیلیوژن پہ وقتِ عزیز صرف ہو رہا ہے اور آنکھوں کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ جن خاندانوں نے کبھی سینما کی شکل نہیں دیکھی تھی اور جنہیں اپنی پرہیزگارانہ زندگی پر فخر ہو سکتا تھا آج وہی خاندان ہیں جو گھر بیٹھے سینما دیکھ رہے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے، مرد و عورت، لڑکے اور لڑکیاں سب ایک ہی دُھن میں نظر آتے ہیں۔ سب ایک ساتھ بیٹھے ہوئے اس گھریلو سینما سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ مرد غیر محرم عورتوں کی تصاویر دیکھ رہے ہیں اور عورتیں غیر محرم مردوں کی تصاویر دیکھ رہی ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ جس چیز سے ہم کل تک بیزار تھے آج وہی چیز ہمارے گھر کے اندر داخل ہو کر ہماری محفلوں کی رونق بنی ہوئی ہے۔ شیطان کے حربے بڑے زبردست ہوتے ہیں۔ اُس نے ذہن کو اتنا بے حس کر دیا کہ ہمیں شعور ہی نہیں ہوتا کہ یہ سینما نہیں تو اور کیا ہے۔ کسی کے دل میں یہ خوشنما وسوسہ ڈال دیا کہ تعلیمی فلمیں تعلیم کے لئے بہت ضروری ہیں، گویا ان کے بغیر تعلیم غیر مکمل

رہ جائے گی۔ تعلیمی فلموں نے دوسری فلموں کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ غرض یہ کہ شیطان نے برائی کی طرف لے جانے کے لئے خوشنما بہانے ہمارے ذہن میں ڈال دئے اور ہم اس کے فریب میں آ گئے۔

اے اسلام کا دعویٰ کرنے والو، کیا مدعیان اسلام کے گھر ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ کیا ہم ایسے ہی ماحول میں آئندہ نسل کو مسلم بنائیں گے؟ کیا دین اسی طرح پھیلے گا؟ اگر ہمارے گھروں کی یہی حالت رہی تو کیا ہمارے گھروں میں اسلام باقی رہے گا؟

اے اسلام کا نام لینے والو، ہوش میں آیئے۔ اپنے گھر کو ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست بنائیے۔ پھر اس عملی دعوت کو آگے بڑھایئے۔ اس طرح محلہ، پھر شہر اور پھر پورا ملک اسلامی ریاست بن جائے گا۔

اب بھی سنبھل جایئے۔ اپنے گھروں کی اصلاح کیجئے۔ اپنے گھر کو اسلامی رنگ میں رنگ کر یہ ثابت کر دیجئے کہ آپ اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں اور نافذ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام کا مطالبہ محض فریب ہے۔ آپ انسانوں کو دھوکا دے سکتے ہیں لیکن مالک الملک کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ بتایئے آپ میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟

ہمارے اخبار

سلسلہ اشاعت ۲۲۲

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمارے ملک کے اخبار کس نہج پر چل رہے ہیں؟ ان میں کس قسم کے مضامین اور کیسی خبریں شائع ہو رہی ہیں؟ کیا یہ اخبار اسلام کی صحیح ترجمانی کر رہے ہیں؟ کیا یہ اخبار اسلامی اقدار کی حفاظت کر رہے ہیں یا اسلامی اقدار کی رہی سہی پونجی بھی برباد کر رہے ہیں؟ کیا یہ تصویریں جو ان میں شائع ہو رہی ہیں ایک مسلم گھر میں ہونی چاہئیں؟ کیا تصویروں کے یہ انبار ہمارے

گھروں کو تصویر خانہ نہیں بناتے ؟

کیا ہمارے یہ اخبار قوم کے کردار کو بلند کرنے اور معاشرہ کی اصلاح کرنے کے بجائے دولت کمانے کی خاطر مبالغہ آمیز خبریں، عریاں تصاویر، فحش مضامین شائع کر کے دینی اور اخلاقی پستی کی طرف نہیں لے جا رہے ؟ کیا فلمی اشتہارات سے ان کے صفحات پُر نظر نہیں آتے ؟ کیا ان اخباروں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ فلم انڈسٹری کے ترجمان ہیں ؟

بتایئے کیا کسی شریف آدمی کے گھر میں عریاں اور حیا سوز تصویریں آنی چاہئیں ؟ کیا ان تصویروں کو دیکھ کر کسی شریف آدمی کی گردن شرم سے جھک نہیں جانی چاہئیں ؟ کیا یہ تصویریں لڑکے اور لڑکیوں کے لئے بگاڑ کا باعث نہیں ہیں ؟ آخر ہماری غیرتِ اسلامی کو کیا ہو گیا ؟ آخر ہم اس کا کوئی حل کیوں نہیں سوچتے ؟ کیا جھوٹی سچی خبروں کا معلوم کرنا اتنا ضروری ہے کہ اگر دین بگڑتا ہے تو بگڑے ؟ کیا یہی فکر آخرت ہے ؟

اے علمبرداران اسلام آخر کیا سوچا ہے ؟ ہم کس طرح اللہ تعالٰے کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ کیا شرم و ندامت سے ہماری گردنیں جھک نہیں جائیں گی لیکن اُس وقت سوائے حسرت کے اور کیا ہوگا۔ ہمیں اُس وقت کے بجائے اس وقت شرم سے کام لینا چاہیئے۔ حیا، ایمان کی ایک شاخ ہے۔ ہمیں اس شاخ کو تر و تازہ رکھنا چاہیئے۔ ہمیں حقیقتاً مسلم بننا چاہیئے۔ محشر کی ندامت سے بچنے کے لئے ہمیں اس وقت اپنے فعل پر نادم ہونا چاہیئے۔ اب بھی وقت ہے۔ ہمیں سنبھل جانا چاہیئے۔ اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ہماری کمائی

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمارا ذریعہ آمدنی حلال ہے یا حرام ؟ کیا ہمیں کبھی خیال آیا کہ میدان محشر میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی آمدنی کے متعلق جوابدہی کرنی ہوگی ؟ کیا ہمیں احساس ہے کہ ہم اُس وقت کیا جواب دیں گے ؟

دیکھئے کہاں کہاں ہماری آمدنی میں حرام کی آمیزش ہے۔ آخر حرام ذرائع آمدنی استعمال کرنے کی ہمیں کیوں ضرورت پیش آئی ؟ کیا اس لئے تو نہیں کہ ہم کم آمدنی پر قناعت نہیں کرسکتے ؟ دولت کی ہوس اور عیش و نشاط کی خواہش تو کہیں ہمیں ناجائز ذرائع استعمال کرنے پر نہیں ابھارتی ؟ دولتمند بننے کا جذبہ تو ہم کو رشوت لینے اور دینے پر نہیں اکساتا ؟ کیا بینک سے سود کا پیسہ حاصل کرنا اس لئے تو نہیں کہ ہمارے ایک مکان کی جگہ دو مکان ہو جائیں ؟ کیا ایسا تو نہیں کہ ایک کارخانے کے بجائے دو کارخانوں کی ہوس ہمیں شرعی حدود میں نہیں رہنے دیتی ؟

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم کاروبار میں جھوٹ، فریب، ملاوٹ و جعل سازی سب کچھ جائز سمجھتے ہیں ؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ ہم پورا حق محنت لے کر فرائض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیتے ہیں ؟ کیا ہم روپیہ کے عوض روپیہ کا کمی بیشی کے ساتھ لین دین نہیں کرتے ؟ کیا کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت اس کی واضح مثال نہیں ہے ؟ کیا رفاہ عامہ کے لئے ایک روپیہ یا دو روپیہ دے کر ہم اس پر اعلان شدہ انعام حاصل کرنے کے متمنی نہیں ہوتے ؟ کیا یہ جوا نہیں ہے ؟

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہم ملازمت کی صورت میں ان اداروں کی تو اعانت نہیں کر رہے جو ناجائز کاروبار میں مصروف ہیں ؟ کیا ہم ہم جنس اشیاء کے تبادلہ کی

صورت میں درست بدست اور ہم وزنی کے شرعی اصولوں پر عمل پیرا ہیں؟

اب بھی وقت ہے۔ ہمیں ہوش میں آجانا چاہیئے۔ آخرت کی فکر کرنا چاہیئے۔ اسلام اور ایمان کے زبانی دعوے اللہ تعالےٰ کے کام نہیں آئیں گے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی کتنی عمر باقی ہے۔ یہ ناجائز دولت جو ہم کما رہے ہیں کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس سے متمتع ہونے سے قبل ہمارا سفر آخرت شروع ہو جائے۔ ایسی صورت میں ہمارا حشر کیا ہوگا؟ عارضی عیش کی خاطر سخت اور طویل المیعاد عذاب مول لینا دانشمندی نہیں ہے؟ کیا مسلم ہونے کی یہی نشانی ہے؟ ہرگز نہیں، تو اب ہمیں مسلم بن جانا چاہیئے۔

سلسلہ اشاعت ۲۱

ہمارا روپیہ کہاں خرچ ہو رہا ہے

کبھی ہم نے غور کیا کہ ہمارا روپیہ کہاں خرچ ہو رہا ہے؟ ہم جو کچھ خرچ کر رہے ہیں اس سے کس قسم کے فوائد حاصل ہو رہے ہیں؟ عارضی یا دائمی! اہم یا غیر اہم؟ کیا ہم اس بات کو بھول گئے ہیں کہ میدان محشر میں ہم سے سوال ہوگا کہ مال کہاں خرچ کیا تھا؟ اس وقت ہم کیا جواب دیں گے؟

ہمیں اپنے اخراجات پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ لغویات پر ہمارا روپیہ صرف ہو رہا ہو کہیں ایسا تو نہیں کہ مالی مشکلات اور وسائل کی کمی کی وجہ سے حق کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہو اور ہم فضولیات میں روپیہ خرچ کر رہے ہوں۔ ہوٹلوں، کلبوں اور سگریٹ نوشی میں ہمارا روپیہ ضائع ہو رہا ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے ارد گرد مفلس اور نادار افراد زندہ رہنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہوں اور ہم اپنا مال فیشن پرستی، سنیما بینی میں خرچ کر رہے ہوں۔ اگر واقعی یہ بات ہے تو ہمارا یہ طرز عمل اللہ تعالےٰ کے نزدیک ہم کو بدترین مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

زکوٰۃ اور صدقات

زکوٰۃ اور صدقات کی صورت میں جو روپیہ ہم نکال رہے ہیں کبھی ہم نے اس کے مصرف پر بھی توجہ دی ؟ کیا یہ روپیہ مستحق ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے ؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اپنی زکوٰۃ اور اپنے صدقات کو چھوٹی چھوٹی رقموں کی صورت میں غیر منظم طریقہ پر تقسیم کر کے ناداروں کو ہمیشہ کے لئے نادار رہنے پر مجبور کر رہے ہوں کسی ایک کو بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ بنا کر ان کو ہمیشہ کے لئے معاشرہ پر بوجھ بنا رہے ہوں ؟ کبھی ہم نے سوچا کہ ہمارا روپیہ غیر شعوری طور پر ایسے اداروں اور مدارس کی اعانت کا سبب تو نہیں بن رہا جہاں قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف مبلغ تیار کئے جاتے ہوں ۔ جہاں حدیث اور فنِ حدیث کی اہمیت گھٹانے اور اپنے فرقہ وارانہ مذہب کو فروغ دینے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا جاتا ہو جس کا نتیجہ انکار حدیث کی صورت میں رُونما ہوتا ہو ۔ ان مدارس کی حقیقت کا ہمیں صحیح علم نہیں ، ظاہری نمائش سے ہم دھوکا کھا جاتے ہیں ۔ یہ کتنی بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ خود ہمارے وسائل ہمارے دین کی بیخ کنی کے لئے استعمال ہو رہے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ۔ اگر ہماری غفلت سے اس سرزمین پر اسلام کا پرچم سرنگوں ہو گیا (اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو) تو پھر صحیح اسلام ڈھونڈے سے بھی ملنا دشوار ہو گا ۔ کیا ایسی صورت میں آئندہ آنے والی نسلوں کی گمراہی کا سبب ہم نہیں ہوں گے ۔ میدان محشر میں اس کا کیا نتیجہ نکلے گا ۔ صحیح قسم کے دینی مدارس اور اسکول ناپید ہیں ۔ کیا ان کے قیام کے لئے ہمیں کچھ کرنا چاہیئے یا نہیں ۔ اگر کرنا چاہیئے تو پھر ہمیں بیدار ہو جانا چاہیئے اور اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر طلباء کو صحیح تعلیم پانے کا موقع دینے کے لئے سر توڑ کوشش کرنی چاہیئے ۔

چلن ہمارے ہیں سب وحشیانہ

شائستگی اور آداب کی پاسداری ایک مسلم کے کردار کا لازمی جزء ہوتی ہے۔ ماضی میں مسلمین کی اسی خصوصیت نے غیروں کو اسلام کا گرویدہ بنایا تھا۔ کیا آج بھی یہ خصوصیات ہم میں موجود ہیں؟ ہم قرآن مجید اور حدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا ہم وہ سب آداب بجالاتے ہیں جن کا حکم ہمیں قرآن مجید اور حدیث میں دیا گیا ہے۔

آج ہمارے چھوٹے بڑوں کا ادب نہیں کرتے بلکہ اُسے اپنے لئے کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ بڑے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتے۔ علماء اور اساتذہ سے احترام کے ساتھ پیش آنا ان کا دینی و اخلاقی حق ہے لیکن جس طرح ہم ان کے اس حق کو پامال کر رہے ہیں وہ کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں ہے۔ ہماری جسارت تو اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ سلف صالحین بھی ہماری زبان درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ دینی بحث و مباحثہ میں افہام و تفہیم کے بجائے اشتعال انگیزی اور مناظرانہ طرز ہمارا معمول بن چکا ہے۔ دوسرے کے علم کی تحقیر میں ہمیں لطف آتا ہے۔ ہمارے تبلیغی کارنامے دل آزاری کا بدترین نمونہ ہیں۔ صرف قرآن مجید اور حدیث کو ماخذِ دین مانتے ہوئے کتنی ہی بدعات ہیں جن کو ہم نے فتووں کے ذریعہ جائز قرار دے لیا ہے۔ کیا یہ چیز انتہائی تکلیف دہ نہیں۔

ہماری سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ہم شعائر اللہ کا ادب و احترام ملحوظ نہیں رکھتے۔

قرآن مجید اور کتب احادیث کا احترام کرنے کے سلسلہ میں ہم بہت بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ہمارا رویّہ بے ادبی تک جا پہنچتا ہے اور ہمیں اس بے ادبی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے لَا تُحِلُّوا شَعَآئِرَ اللّٰہِ (المآئدۃ۔ ۲) اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو لیکن اس حکم

کے باوجود بے ادبی ہمارا شعار بن گیا ہے۔ قرآن مجید جو تمام شعائر اللہ میں سب سے زیادہ محترم و مکرم ہے، اس کا بھی ہم خاطر خواہ احترام نہیں کرتے۔ مسجدوں کا ادب و احترام تو بالکل عنقا ہو گیا ہے۔

سنتوں کا استخفاف ہمارا مزاج بنتا چلا جا رہا ہے۔ کسی مہمان کے استقبال و ملاقات کے لئے کھڑا ہونا ہمارے ہاں اسلامی اخلاق میں شمار نہیں ہوتا۔ خلق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تو ہم کافی دور ہو چکے ہیں! یہی وجہ ہے کہ ہماری تبلیغی جد و جہد نتیجہ خیز نہیں ہوتی حتیٰ کہ تبلیغ کے بے اثر ہونے کو محسوس کر کے ہم تبلیغ ہی چھوڑ بیٹھے ہیں۔

اے اسلام کے علمبردارو، اٹھیئے پھر تبلیغ میں سرگرم ہو جائیے۔ دوسرے کس خوش اخلاقی اور جوش کے ساتھ تبلیغ میں سرگرم ہیں حالانکہ ان کے پاس حق نہیں، انہی سے عبرت حاصل کیجئے۔ اگر ہماری بے حسی کا یہی عالم رہا تو تاریخ کے صفحات پر تو ہمارا نام رہ جائیگا لیکن صفحہ ہستی پر کہیں نام و نشان نظر نہیں آئے گا پھر محشر میں سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

مالی قربانی

سلسلۂ اشاعت ۲۹

اسلام میں مال کی قربانی کو زبردست اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا حکم ہے۔ لیکن جس طرح اسلام کے دوسرے احکام پر عمل کرنے کے معاملہ میں ہم تساہل کرتے ہیں اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ کے معاملہ میں بھی تساہل سے کام لیتے ہیں بلکہ بخل کرتے ہیں لیکن دنیا کے ہر کام کے لئے خرچ کرنے میں بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ غور فرمایئے وہ کونسا دنیوی کام یا دنیوی رسم ہے جس کے لئے ہم دل کھول کر خرچ نہ کرتے ہوں۔ اس معاملہ میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں۔ سینما بینی اور دیگر تفریحات میں غریب بھی امیروں کے برابر کے شریک ہیں۔

دین کے لئے خرچ کرنے کے سلسلہ میں امیر اور غریب دونوں کا طرز عمل یکساں ہے۔ امراء دولت کے نشہ میں دین سے غافل ہیں لہٰذا وہ ادھر توجہ ہی نہیں کرتے اور غریب اپنی غربت کی آڑ میں پناہ لیتے ہیں اور خود کو معذور سمجھتے ہیں۔ غریبوں کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا صرف دولتمندوں کا کام ہے لیکن تقریبات و تفریحات وغیرہ میں حصہ لیتے ہوئے انہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ بھی صرف دولتمندوں کا حق ہے۔ سب سے زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ جو دولتمند کچھ دین سے تعلق بھی رکھتے ہیں وہ اپنا روپیہ نفلی عبادات میں خرچ کرتے ہیں اور ضروری اخراجات کو نظر انداز کر دیتے ہیں مثلاً یہ لوگ نفلی حج اور چار چار، پانچ پانچ قربانیاں کرنے میں اپنا مال صرف کرتے ہیں حالانکہ ان کے رشتہ دار اور پڑوسیوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ضروریات زندگی سے محروم ہوتے ہیں۔ کوئی مقروض ہے، کسی کی لڑکی پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے شادی سے محروم ہے، کسی کے پاس علاج کے لئے پیسہ نہیں لیکن بایں ہمہ وہ غیر ضروری کاموں میں روپیہ صرف کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ حقوق و فرائض کو نظر انداز کر کے نفلی کاموں میں روپیہ صرف کرنا کہاں تک درست ہے۔ آخر یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے۔ کیا اسلامی مواسات اور ہمدردی کا یہی تقاضا ہے۔

آج دین پر ہر سمت سے حملے ہو رہے ہیں اور اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ان حملوں کو روکا جائے۔ ان کا منہ توڑ جواب دیا جائے لیکن ہم اس سے غافل ہیں۔ دین کا دفاع ہم پر فرض ہے لیکن یا تو ہم انفاق فی سبیل اللہ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو دفاع دین کے فریضہ کو چھوڑ کر نفل کاموں میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے اسلام کا نام لینے والو، اٹھیئے اور اپنا فرض پہچانیئے۔ دین کی خدمت اور محتاجوں پر اپنا مال خرچ کیجئے۔ بغیر سود کے قرضے دیجئے اور غریبوں کو سود سے بچائیے۔ اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے والے اخبار و رسائل نکالیئے۔

اسلام کی دفاع کے لئے کتابیں شائع کیجئے اور انہیں مفت تقسیم کرنے کا انتظام کیجئے۔ ایسے مدارس قائم کیجئے جن میں دینی اور دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج ہو، جن میں بچوں کے ذہنوں کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنے کا اہتمام ہو تاکہ نئی نسل الحاد سے دور رہ سکے۔ دیکھئے اب بھی وقت ہے کچھ کیجئے ورنہ قیامت کے دن حسرت و ندامت کے سوا کیا حاصل ہوگا۔

ہماری شادیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)	عورت سے چار باتوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے (تو، اے مسلم) تو دیندار عورت سے نکاح کر، تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

کیا ہم نے اس حکم کی طرف کبھی توجہ دی؟ کیا ہم نے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے کبھی سوچا؟ کیا اس حکم کی خلاف ورزی کرنے پر ہم کبھی اللہ تعالےٰ سے ڈرے؟ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمارے لڑکے کے لئے کیسی بیوی ہونی چاہیئے یا ہماری لڑکی کے لئے کیسے شوہر کی ضرورت ہے؟ کیا شادی کے بعد ہم نے ایک کی وجہ سے دوسرے کو بگڑتے نہیں دیکھا؟ ضرور دیکھا ہوگا لیکن کیا کبھی ہمیں افسوس ہوا کہ اس رشتہ کی وجہ سے ہمارا لڑکا بے دین ہو گیا یا لڑکی بے دین ہو گئی؟

ہماری نگاہ میں برادری کی وقعت ہے، ہماری نگاہ میں جمال کو اہمیت ہے، ہماری نگاہ میں مال کو ترجیح ہے لیکن ہماری نظر میں اگر کوئی چیز بے وقعت ہے تو وہ دین ہے۔ کیا یہی شیوۂ ایمانی ہے؟ کیا یہی اسلام کا تقاضا ہے؟ کیا

یہی فکرِ آخرت ہے؟ آخر ہم اپنی اولاد سے کیوں غافل ہیں؟ کیا ہماری ذاتی نیکیاں ہماری نجات کے لئے کافی ہیں؟ کیا ہم سے ہماری اولاد کے متعلق باز پُرس نہیں ہوگی؟ کیا متقی اور پرہیزگار لڑکیوں کا دین اور تقوی والدین کی غفلت سے برباد نہیں ہوتا؟ کیا لڑکی شادی کے بعد شوہر کے رنگ میں نہیں رنگ جاتی؟ شوہر کے گھر میں اگر مشرکانہ رسمیں اور بدعات پر عمل ہوتا ہے تو کیا لڑکیاں وہاں پہنچکر شروع میں مجبوراً اور بعد میں برضاو رغبت انہی رسموں اور بدعتوں کو اختیار نہیں کرتیں؟ کیا لڑکیاں شوہر کو خوش کرنے کے لئے برقع نہیں اُتار پھینکتیں؟

شوہر کی اطاعت اور ترکِ سنّت

بہت سی لڑکیاں شوہر کے کہنے سے سنّتوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور علماء یہ فتویٰ دے کر ان کی تسلی کر دیتے ہیں کہ شوہر کی اطاعت فرض ہے لہذا فرض کے مقابلہ میں سنّت ترک کی جا سکتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسوس ان علماء پر اور صد افسوس ان والدین اور عورتوں پر جو اس فتوے کی قدر کرتی ہیں۔ سنّت کا تعلق دین سے ہے شوہر کی اطاعت دنیوی کاموں میں ہے۔ شوہر کی اطاعت محدود و مشروط ہے۔ دین میں اس کا دخل نہیں۔ دین میں اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانی جائے گی۔ ترکِ سنّت بموجب حدیث لعنت الٰہی کا موجب ہے۔ ترک سنت گناہ ہے اور گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْف اطاعت تو نیک کاموں میں ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الاحکام وصحیح مسلم کتاب الامارۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللہِ ۔ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ) نہیں ۔

حضرت علیؓ نے امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے ایک حکم کے متعلق جو ان سے غلطی سے صادر ہو گیا تھا فرمایا :۔

مَاكُنْتُ لِاَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ اَحَدٍ
میں سنّت کو کسی کے بھی کہنے سے نہیں چھوڑ سکتا ۔
(صحیح بخاری کتاب المناسک)

امیر کی اطاعت فرض ہے لیکن حضرت علیؓ نے سنّت کو ترک نہیں کیا، امیر کی اطاعت کو خیر باد کہدیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ دین کے معاملہ میں صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سند ہے۔ اگر کوئی شخص دینی معاملات میں کسی دوسرے کی بات کو سند سمجھتا ہے تو وہ شرک فی التشریع کا مرتکب ہے۔

{ نوٹ :۔ بعد میں حضرت عثمانؓ نے اپنے حکم سے رجوع کر لیا تھا اور اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی (رواہ النسائی ملخصًا) }

بعض برادریوں میں یہ دستور طے شدہ ہے کہ جو مذہب لڑکے کا ہو گا وہی لڑکی بھی اختیار کرے گی اور ایسا ہوتا ہے۔ یہ سمجھوتہ نہیں، دین فروشی ہے۔ یہ رواداری نہیں ایمان فروشی ہے۔ لڑکا شرک کا مرتکب اور لڑکی موحد یا اس کے برعکس، کیا ایسا نکاح از روئے قرآن مجید جائز ہے؟

لڑکی مسلمہ، لڑکا فرقہ پرست یا اس کے برعکس، کیا ایسا نکاح جائز ہے؟
کیا ایسا نکاح ہماری غیرت دینی اور حمیّت ملّی کے لئے کھلا چیلنج نہیں ہے؟
کیا ایسی صورت میں شرک فی التشریع کی کوئی اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟
کیا اس فعل سے فرقہ پرستی کی ہمّت افزائی نہیں ہوتی؟ کیا فرقہ بندی کے شرک کو فروغ حاصل نہیں ہوتا؟

اللہ کے لئے ہوش میں آیئے۔ اپنی اولاد کے دین کو بچایئے۔ ان کو آخرت میں سرخرو کرنے کی کوشش کیجئے۔ پہلے لڑکے یا لڑکی کا عقیدہ اور عمل

دیکھئے پھر اس سے اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کیجئے تاکہ عنداللہ بھی نکاح ہو اور آپ میدانِ محشر میں سرخرو ہوں۔

سلسلہ اشاعت ۳۷

ہماری نماز

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ ہماری نماز ویسی ہی ہے جیسی نماز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز ادا کرتے تھے۔ کس طرح آپ کا رفع یدین تھا؟ کس طرح رکوع تھا؟ کس طرح سجدہ تھا اور کس طرح قعدہ؟ کیا ہماری نماز میں وہی سکون ہے جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دیا تھا:۔

اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ (صحیح مسلم) نماز میں ساکن رہو۔

کیا ہماری نظریں نیچے رہتی ہیں؟ کیا ہمیں اس وعید کا خیال رہتا ہے جو مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:۔

لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذٰلِكَ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ (صحیح بخاری) نمازی نظریں اونچی کرنے سے باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھیں اچک لی جائینگی۔

آہ! لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔ ارکانِ نماز کے حصے کر ڈالے۔ کچھ فرائض بنا دئے، کچھ کو واجبات کی فہرست میں ڈال دیا، کچھ کو سنن کے خانے میں رکھ دیا اور کچھ کو مستحبات کے۔ عہدِ رسالت اور دورِ صحابہ میں اس تقسیم کا نام و نشان نہیں تھا۔ نماز فرض ہے اور اس کا طریقہ بھی فرض ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نماز تو فرض ہو اور اس کا طریقہ فرض نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ (البقرۃ۔ ۲۳۹) نماز اس طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تمہیں اللہ نے سکھائی ہے۔

اللہ تعالٰی کا حکم فرض ہوتا ہے لہٰذا اُس کا سکھایا ہوا طریقۂ نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہمیں ملا ہے فرض ہوا۔ مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے :-

صَلُّوْا کَمَارَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (صحیح بخاری) نماز اس طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض ہے، لہٰذا نماز کا مسنون طریقہ فرض ہوا یعنی نماز اسی طریقہ سے پڑھنی چاہیئے جس طریقہ سے پڑھنا سنّت ہے اور یہ طریقہ لازمی ہے۔ اس میں فرض، واجب، سنّت اور مستحب کی تقسیم فرضی ہے۔ پورا طریقہ فرض ہے لہٰذا نہ رفع یدین چھوڑنا جائز ہے، نہ تسبیحاتِ رکوع وسجود اور نہ قومہ وقعود۔

افسوس ہے کہ سنّت کا نام جپنے والوں نے ترکِ سنّت جائز کہہ کر سنت کی اہمیت گھٹا دی۔ سنتیں آہستہ آہستہ مٹتی جا رہی ہیں اور کسی کی جبیں پر شکن تک نہیں آتی۔ نماز کی سنتوں پر ذرا غور کیجیئے۔ کیا سے کیا ہو گیا۔ سیدھے ہاتھ کو الٹے ہاتھ کی ذراع پر رکھنے کا حکم تھا (صحیح بخاری) لیکن ہو یہ رہا ہے کہ سیدھے ہاتھ کو الٹے ہاتھ کی کہنی یا بازو یا پشت کف پر رکھا جاتا ہے۔ حکم تھا : اَلَا تُحْسِنُ صَلَاتَکَ (صحیح مسلم) تم اپنی نماز کو حسین کیوں نہیں بناتے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ نماز بدتہذیبی اور بدنمائی کا مرقع بن گئی ہے۔ ہاتھ اس طرح اٹھائے جاتے ہیں گویا مکھیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ ہاتھ باندھ کر کندھوں کو کانوں سے ملا لیا جاتا ہے اور حسن کے بجائے انتہائی بدہیئتی کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ پیروں کے درمیان اس قدر فاصلہ رکھا جاتا ہے کہ نماز کا حسن برباد ہو جاتا ہے۔

علماء کے یہ الفاظ "اس طرح کرلو تو بہتر ہے اور نہ کرو تو کوئی حرج نہیں" کیا صحابۂ کرام کی زبان سے بھی ادا ہوئے تھے؟ کیا ازروئے قرآن مجید

اتباع رسول فرض نہیں؟ کیا اتباعِ رسول پر فوز و فلاح موقوف نہیں؟ اگر ہے تو پھر یہ کیسا اتباعِ رسول ہے کہ ہر سنت کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ آخر یہ عقیدہ کونسی آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے؟

غور کیجئے، اب بھی وقت ہے، اپنی اصلاح کیجئے۔ سنت کو دستور العمل بنلیئے۔ اسی میں نجات ہے۔

حساب وکتاب کا وقت قریب ہے۔ موت آنے والی ہے اور اس سے زیادہ یقینی چیز کوئی نہیں لیکن اس کا وقت معلوم نہیں کب آجائے۔ موت کے اچانک آجانے سے پہلے ہوشیار ہو جایئے۔ آخر آپ نے کیا سوچا ہے؟ اپنے زمانہ میں اور آئندہ نسلوں میں سنّت کو باقی رکھنے کے لئے آپ کیا کر رہے ہیں؟ اگر اب تک کچھ نہیں کیا ہے تو اللہ کے لئے اب کیجئے۔

اکل حلال اور ہماری غفلت

سلسلۂ اشاعت نمبر ۳۷

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس ضابطہ میں تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کے وہ زرّین اصول ہیں کہ اگر انسان اس پر عمل کریں تو یہ دنیا جنّت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے۔ امن و امان، صلح و آشتی، ہمدردی و ایثار، نظم و ضبط، محبت و مواسات کی روح افزا ہوائیں معاشرہ کو وہ رونق بخشیں کہ دنیا حیرت زدہ ہو جائے۔ اسلام کے اولین ادوار میں ان زرّین اصولوں پر عمل کیا گیا تو معاشرہ کا یہ عالم ہو گیا کہ ایک عورت تن تنہا حیرہ سے حج کرنے کے لئے مکّہ معظمہ روانہ ہوتی تھی اور اُسے سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا (صحیح بخاری) یعنی وہ ڈاکو جنہوں نے شہروں میں تباہی مچا رکھی تھی، رہزنی، قتل و غارت گری جن کی عادت ثانیہ بن چکی تھی یکسر معدوم ہو گئے۔

نہ مال کے لوٹنے والے باقی رہے اور نہ عصمت پر ڈاکہ ڈالنے والے۔ غنی کا یہ عالم ہو گیا کہ مالدار کو اپنے مال کے رکھنے یا خرچ کرنے کے لئے جگہ نہیں ملتی تھی سوائے مٹی کے (صحیح بخاری کتاب الرقاق) یہ سب کچھ اسلامی ضابطہ کی برکات تھیں۔ افسوس ہم نے اس ضابطہ کو چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ دیا۔ کبھی ہماری شوکت وحشمت کے نقارے بجتے تھے، فتح ہمارے قدم چومتی تھی، عزت وتمکنت ہمارے لئے مقدر تھی لیکن وائے افسوس اب ذلت کے سوا کیا رہ گیا ہے۔ کبھی ہم نے سوچا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ کیا کبھی ہم نے خیال کیا کہ ہمیں ایک دن مرنا اور پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ یہ مال یہیں رہ جائے گا۔ حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال ہمارے لئے عذاب کا سبب بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۝ (ویل لکل همزة - ۲ تا ۴)

جس نے مال جمع کیا اور اُسے گنتا رہا، وہ سمجھتا ہے کہ یہ مال اُسے حیات جاوداں بخشے گا، نہیں، ہرگز نہیں بلکہ (قیامت کے دن) وہ (اس مال کی وجہ سے) دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ دوزخ کیا ہے۔ اس کے عذابات کیسے ہیں، وہاں کھانے کو کیا ملے گا، زقوم کیا ہے جس کا ایک قطرہ اگر دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو دنیا والوں کی ساری معیشت تباہ ہو جائے، تو اس کا کیا حال ہو گا جو اُسے کھائے گا (رواہ الترمذی وصححہ)

افسوس دنیا کی حرص ہماری آخرت کو تباہ کر رہی ہے اور ہمیں ہوش نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ

دو بھوکے بھیڑیئے اگر بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ ان کو اتنا

اَلْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ (رواہ الترمذی وسندہ صحیح۔ التعلیقات للالبانی علے المشکوٰۃ ۳/۱۴۳۱)

نقصان نہیں پہنچا ئیں گے جتنا نقصان کہ کسی آدمی کے دین کو مال و جاہ کی حرص پہنچاتی ہے۔

کیا ہماری حالت اس حدیث کی مصداق نہیں ہے؟ کیا مال کی حرص نے ہمیں آخرت سے غافل نہیں کر دیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ (الھٰکم التکاثر۔ ۱ و ۲)

(اے انسانو) مال و دولت کے زیادہ ہونے کی خواہش نے تمہیں غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ گئے۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے ہمارے معاشرہ کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ مال کی حرص ہمیں تمام عمر آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور جب قبر میں پہنچتے ہیں تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ مگر اس وقت پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ ایسی زندگی کا نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے جو اسی سورت میں اللہ تعالےٰ نے آگے بتایا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ○ (الھٰکم التکاثر۔ ۶)

بے شک تمہیں دوزخ (کا منہ) دیکھنا ہوگا (یعنی تم ضرور دوزخ میں جاؤ گے)

دوزخ کے عذابات کا حال سن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہئیں مگر ہم ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کاش ہم اب بھی سنبھل جائیں اور اس دنیا کی بے ثباتی اور آئے دن لوگوں کے مرنے کی خبروں سے عبرت حاصل کریں۔ حلال کھائیں، حرام سے پرہیز کریں ورنہ روزِ محشر سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں ہو سکے گا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ (مریم۔ ۳۹)

اور (اے رسول) انہیں حسرت کے دن سے ڈرائیے (یعنی اس دن سے ڈرائیے جس دن سوائے حسرت کے اور کچھ نہیں ہو سکے گا)

توجّہ فرمائیے

اسلام میں فرقے نہیں اور فرقوں میں اسلام نہیں، فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران ۱۰۳)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو

فرقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تعلق نہیں!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فرقے فرقے بن گئے (اے رسول) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

جب فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغاوت ہو اور فرقوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہ ہو تو ــــ سوچیئے ہم سب کیوں فرقہ بندی کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے ہیں ــــ آئیے ــــ فرقہ بندی سے علیحدگی اختیار کریں اور "مسلم" بن جائیں اور دُنیا و آخرت کی کامرانیاں حاصل کریں۔

جماعت المسلمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تحفۂ عیدین

سلسلۂ اشاعت ۵

تحفۂ عیدالفطر

دنیا کی ہر قوم کی طرح مسلمین بھی سالانہ تہوار مناتے ہیں۔ یہ تہوار صرف دو ہیں: ایک عیدالفطر اور دوسرا عیدالاضحیٰ۔ دوسری قوموں کے تہواروں کا مقصد محض لہو ولعب، عیش وطرب حاصل کرنا یا کچھ مذہبی رسوم ادا کرنا ہوتا ہے، برخلاف اس کے اسلامی تہواروں کا مقصد اللہ تعالےٰ کی بڑائی بیان کرنے کے ساتھ اپنے اندر ایک انقلاب برپا کرنا ہوتا ہے۔

عیدالفطر کا مقصد محض لہو ولعب، عیش وطرب، یا مذہبی رسوم ادا کرنا نہیں ہے۔ یہ تہوار رمضان المبارک کے اختتام پر آتا ہے۔ رمضان المبارک برکتوں، رحمتوں اور مغفرتوں کا مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک مکمل ضابطۂ حیات: قرآن مجید نازل ہوا۔ تمام دنیا کے مسلم اسی ضابطۂ حیات کے مطابق اس مہینہ کو گذارتے ہیں۔ بڑے سے لے کر چھوٹے تک گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ پورا مہینہ نیکیوں کے حصول، عبادت کے شغل، نفس کے محاسبہ، صبر وضبط، محبت والفت، ایثار وقربانی میں گذارتے ہیں۔ اس مہینہ میں گناہوں سے اجتناب اور نیکیوں کی طرف سبقت کی مسلسل مشق سے دل میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ تقویٰ کی فضائے معمور ہو جاتا ہے اور فسق وفجور، ظلم وستم، لہو ولعب، غرور وتکبر، نام ونمود غرض یہ کہ ہر قسم کی برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔

رمضان کا مہینہ گویا مسلمین کی سالانہ تربیت کا مہینہ ہے تاکہ اللہ تعالےٰ نے جو ضابطۂ حیات اس مہینہ میں بھیجا ہے اس کی علمی اور عملی طور پر یاد دہانی ہو جائے اور وہ زنگ جو گیارہ مہینوں میں دل پر چڑھ گیا ہے وہ دور ہو جائے۔ دل پھر از سر نو مجلّی اور مصفّٰی ہو جائے۔

عیدالفطر کا دن دراصل ایک انقلاب کا دن ہے۔ تکمیل تربیت کے بعد یہ دن گویا

بندوں کے امتحان کا پہلا دن ہے۔ رمضان کے مہینہ میں جو تربیت بندوں نے حاصل کی اور اپنے اندر ایک خاص تبدیلی پیدا کی، اس تبدیلی کے مظاہرہ کا یہ روزِ اوّلیں ہے۔ یہی وہ دن ہے جس دن دیکھا جاتا ہے کہ بندوں نے جو تقویٰ حاصل کیا وہ عارضی ہے یا دائمی۔ وہ عید کے دن گناہوں سے بچتے ہیں یا نہیں۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور خلوص و ایثار موجود ہے یا نہیں۔ اگر بندے اپنی بے پناہ مسرتوں میں اللہ تعالےٰ کو نہ بھولے اور اس کے بندوں کے حقوق سے غافل نہ رہے تو پھر یہ سمجھا جائے گا کہ باقی گیارہ مہینوں میں انہیں اپنے اس کردار کو باقی رکھنا زیادہ آسان ہوگا۔ اگر عید کے دن ہی بندوں نے تقوے کا دامن چھوڑ دیا اور ہمدردی و ایثار کے جذبات کو خیرباد کہدیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ رمضان کے مہینہ میں محبوس تھے۔ رمضان کے ختم ہوتے ہی وہ پھر آزاد ہوگئے اور انہوں نے رمضان سے کچھ حاصل نہیں کیا۔

عید کا دن خیر و برکت، طہارت و مغفرت کا دن ہے۔ مغفرت کے بعد دوزخ کا خطرہ ٹل جاتا ہے لیکن کتنی عجیب بات ہوگی کہ اِدھر آپ دوزخ کے خطرہ سے محفوظ ہوئے اور اُدھر عیدگاہ سے واپس ہوتے ہی پھر دوبارہ اُس میں کود پڑنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اے ایمان والو! ایسا ہرگز نہ کیجئے۔

عید کے دن ہر مرد و عورت پر عیدگاہ میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ احادیث میں عورتوں کو بھی عیدگاہ میں حاضر ہونے کی بڑی سخت تاکید کی گئی ہے۔

آیئے ہم سب مل کر ان احادیث پر عمل کریں۔ اپنے خودساختہ مذہب، رسم و رواج اور اپنی خواہشات کو ان احادیث کے مقابلہ میں مسترد کردیں۔ دین صرف اسلام ہے اور اسلام نام ہے قرآن اور حدیث کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا۔ قرآن مجید اور احادیث رسول مسلمہ اصول اور حجت شرعیہ ہیں۔ آیئے ہم سب مل کر ان مشترک قدروں پر جمع ہوجائیں اور تمام فرقہ بندیوں کو ختم کردیں۔ فرقہ بندیوں سے نجات ہی دراصل دوزخ سے نجات ہے۔ فرقہ بندی ایک لعنت ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں تو آیئے فرقہ بندی سے بیزار ہوکر صرف اسلام کو اپنا دین سمجھیں، اپنے کو صرف مسلم کہیں، مسلم بنیں اور دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوں کہ ہم مسلم ہوں۔

سلسلہ اشاعت ۱۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیامِ عید الفطر

ایام مسرت انسانوں کے لئے فطری تقاضے کی حیثیت رکھتے ہیں تاکہ وہ سال بھر کی گوناگوں مصروفیات، محنت ومشقت کے بجائے راحت ومسرت میں اپنا وقت گذاریں' ایسا نہ ہوکہ ان کی زندگی بالکل خشک اور بے لطف بن کر رہ جائے۔ یہ ایام مسرت انسان کی زندگی میں ایک قسم کی نئی لہر پیدا کر دیتے ہیں۔ دماغی بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور وہ پھر تروتازہ ہوکر اپنے فرائض ادا کرنے لگتا ہے۔ غرض یہ کہ کیفیات میں تبدیلی ایک فطری ضرورت ہے جس کے بغیر انسان کی زندگی مشینی زندگی کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام ایک فطری دین ہے لہٰذا وہ اس فطری تقاضے سے کس طرح صرف نظر کر سکتا تھا۔ اللہ تعالےٰ جو اس دینِ فطرت کا صانع ہے اُس نے اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لئے سال میں دو تہوار ہمارے لئے مقرر فرما دئے۔ تہواروں کے تقرر کو انسانوں کے اختیار میں نہیں دیا بلکہ خود فاطرِ فطرت نے ان ایام کا تعین فرمایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:-

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قَدْ اَبْدَلَکُمْ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا یَوْمَ الْفِطْرِ وَیَوْمَ النَّحْرِ (مسند امام احمد۔ بلوغ الامانی جزء ۶ صـ۱۱۹ ورواہ الحاکم وسندہ صحیح۔ المستدرک جزء اول صـ۲۹۴)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو (آپؐ کو معلوم ہوا کہ) وہاں کے لوگ ایام جاہلیت میں دو دن کھیلا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالےٰ نے ان دونوں دنوں کے بدلہ میں تمہیں ان سے بہتر دن عطاء فرما دئے ہیں: یوم الفطر (یعنی عید الفطر) اور یوم النحر (یعنی عید الاضحیٰ)۔

اس فرمان سے ایام جاہلیت کے تہوار منسوخ ہوگئے اور ان کی جگہ دو عیدوں کو مقرر کیا گیا۔

اللہ تعالےٰ کی طرف سے صرف یہی دو عیدیں مقرر کی گئی ہیں۔ باقی عیدیں خود ساختہ اور اللہ تعالےٰ کے دینِ فطرت میں اضافہ ہیں اور یہ اضافہ شرک فی الشریعت ہے۔

جس طرح اسلام ہر اعتبار سے دوسرے ادیان میں ممتاز حیثیت کا مالک ہے اسی طرح اس کے تہوار بھی ممتاز شان و شوکت کے حامل ہیں۔ یہ تہوار جس سنجیدگی و متانت، اللہ تعالیٰ کی کبریائی، انسانی ہمدردی اور اجتماعیت کا مظاہرہ کرتے ہیں دوسرے مذاہب اس سے بڑی حد تک محروم ہیں۔

عیدالفطر نفسیاتی اور فطری اعتبار سے پورے سال میں سب سے زیادہ خوشی کا دن ہوتا ہے۔ رمضان کی مسلسل ریاضت اور تربیت کے بعد یہ پہلا دن ہوتا ہے کہ جس میں ایک مسلم ریاضت کے بعد راحت اور تربیت کے بعد اس کے عملی مظاہرہ کا لطف حاصل کرتا ہے۔ اس دن ہر مسلم قرآن مجید کے نزول کی خوشی کے ساتھ ساتھ اپنی تکمیل تربیت اور پھر اللہ تعالیٰ کی برتری اور انسانی ہمدردی کے امتحان میں اپنی کامیابی پر مسرور و شاداں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور زکوٰۃ الفطر کی صورت میں مساکین کی اعانت سے ہی اس کی خوشی کا آغاز ہوتا ہے اور ان ہی دو جذبوں کے ساتھ اس کی خوشی باقی رہتی ہے۔

جس طرح رمضان ہماری تربیت کرتا ہے عید بھی ہماری تربیت کرتی ہے اور یہ تربیت رمضان کی تربیت میں ایک قسم کی جلا پیدا کرتی ہے۔

عید کا پہلا سبق عید کے روز سب سے زیادہ خوشی کا موقع وہ ہوتا ہے جب مسلمین عیدگاہ میں نماز عید ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے نغموں سے فضائے آسمانی کو معمور کر دیتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اس طرح ڈھالیں کہ زندگی کے ہر لمحہ میں ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سرشار ہوں اور ذکر الٰہی میں ہی ہمیں سب سے زیادہ خوشی، چین اور راحت نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ   خبردار ہو جاؤ اللہ کے ذکر سے قلوب تسلی پاتے ہیں۔
(الرّعد ۲۸)

مقام حیرت یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عید کی سب سے زیادہ خوشی عیدگاہ میں ہوتی ہے اور فطرت انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ مسرت کی گھڑیاں طویل ہوں بلکہ کبھی ختم ہی نہ ہوں لیکن مقام حیرت ہے کہ ننانوے فیصد لوگ نماز عید سے اس قدر جلد فراغت حاصل کرنا چاہتے ہیں گویا ان کے نزدیک یہ خوشی بھی ایک بوجھ ہے کہ اس کو جس قدر جلد اتار کر پھینک دیا جائے اچھا ہے۔ خوشی کی بقاء انسان کی فطری خواہش ہے اور اس سے بیزاری انسانی فطرت کی ضد ہے۔ اجتماع ضدین اگرچہ باطل ہے لیکن عید کی خوشی میں شاید یہ دونوں ضدیں بھی مجتمع ہو جاتی ہیں۔ کاش لوگ اس پر غور کریں اور نماز عید کو بوجھ نہ سمجھتے ہوئے اسے اطمینان سے ادا کریں۔

عید کا دوسرا سبق عید سے دوسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ کے بلانے پر ہم خوشی خوشی اپنے گھر کو چھوڑ کر ایک میدان میں جمع ہو جاتے ہیں اسی طرح جب اور جس موقع پر اللہ تعالےٰ کے دین کی خدمت کے لئے ہمیں بلایا جائے تو ہم سب مال و متاع کو چھوڑ کر دین کی خدمت کے لئے نکل کھڑے ہوں اور اس خدمت میں اس طرح خوشی محسوس کریں جس طرح عیدگاہ جانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں مگر افسوس کہ ہم اس سبق کو فوراً بھول جاتے ہیں اور ذرا سا وقت بھی دین کی خدمت کے لئے نکالنا گوارا نہیں کرتے۔

عید کا تیسرا سبق ہم عید کی نماز کے لئے بہترین لباس پہن کر جاتے ہیں اور یہ ایسا لباس ہوتا ہے کہ عموماً پورے سال اس سے اچھا لباس ہم نہیں پہنتے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر نماز کے موقع پر اچھا لباس پہنیں اور خوب زینت کریں اور اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کی تعمیل کریں :-

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ہر نماز کے وقت اپنی زینت (کی چیزیں) پہن لیا کرو۔ (الاعراف - ۳۱)

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ لوگ عید کے پیغام کو نظر انداز کر کے آیت مذکورہ بالا کی منشا کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ ہر موقع پر زینت کرتے ہیں لیکن نماز کے وقت زینت کو اتار پھینکتے ہیں۔ ننگے سر اور بد ہیئت لباس میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ٹوپی اگر اوڑھتے بھی ہیں تو تنکوں کی اور وہ بھی ناقص اور بوسیدہ۔ کیا وہ اس قسم کی ٹوپی اور خراب لباس کے ساتھ بازار یا دفتر جا سکتے ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر اللہ تعالےٰ کا جو حق ہے وہ کیوں نہیں ادا کرتے۔

عید کا چوتھا سبق عید کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے فطرہ کی ادائیگی ضروری ہے تاکہ مساکین بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں لہٰذا عید کا چوتھا سبق یہ ہے کہ ہم ہر خوشی کے موقع پر اپنے غریب بھائیوں کو نہ بھولیں۔ ان کی خوشی اور ضروریات کا خیال رکھیں۔ قارئین کرام! سوچیئے فطرہ کی صورت میں جو ہمدردی اور مواسات کا عملی نمونہ ہم پیش کرتے ہیں کیا یہی جذبہ ہمیشہ باقی رہتا ہے؟ کیا اسی طرح ہم مساکین کی مدد کرتے رہتے ہیں؟ اگر نہیں تو عید سے ہم نے کیا سبق لیا؟

عید کا پانچواں سبق عید کے دن ہم ایک حکم الٰہی کی تعمیل کر کے اظہار شادمانی کرتے ہیں لہٰذا عید کا پانچواں سبق یہ ہے کہ ہم ہر حکم الٰہی کی تعمیل کے بعد خوش ہوا کریں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عیدالفطر کا اثر

اخلاق و کردار، معاش اور معیشت پر

عیدالفطر اور معیشت صدقۂ فطر ہر مرد و عورت، چھوٹے و بڑے پر فرض ہے۔ اس صدقہ کی مقدار فی کس ۲ ½ کلوگرام طعام یعنی غلہ وغیرہ ہے۔ کسی ملک کی پوری مسلم آبادی اگر اس صدقہ کو ادا کرے اور حکومت اسلامیہ اس کو مناسب طور پر تقسیم کرے تو چند سال میں انشاء اللہ خاطر خواہ خوشحالی کا امکان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند سال میں صدقۂ فطر کا لینے والا مشکل سے ملے۔

یہ تو صرف صدقۂ فطر کی برکات ہیں اگر اسلامی آمدنی کی تمام مدوں مثلاً زکوٰۃ، عُشر وغیرہ سے حاصل شدہ رقم جمع کی جائے تو اس کی تعداد اربوں روپے ہوگی۔ اس روپے سے جو فارغ البالی ہوگی اُس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جنّتِ ارضی جس کا لوگ خواب دیکھتے ہیں وہ درحقیقت اسلامی نظام ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

عید اور شوکتِ اسلام عیدگاہ میں روح پرور اور ایمان افروز اجتماع نہ صرف شوکتِ اسلام کا مظہر ہے بلکہ کشش اور دلفریبی کی ایک حسین تصویر ہے۔ یہی وہ دلکش منظر ہے جو غیر مسلمین کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ہماری تبلیغِ دین کا ایک موثر ذریعہ بن سکتا ہے مگر ہم خود عید کی دلکشی کے دشمن ہیں، ہم نے ایک ہی شہر میں مختلف مقامات پر عیدگاہیں قائم کر کے اس کی دلفریبی کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ہم ہی میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اُمّتِ مسلمہ کے نصف حصہ یعنی خواتین کو اس اجتماع میں شرکت کرنے سے محروم کر رکھا ہے حالانکہ اس اجتماع میں جس طرح مردوں کی شرکت فرض ہے اسی طرح عورتوں کی شرکت بھی فرض ہے۔

تبلیغ عید کیونکہ تبلیغِ دین کا ایک اہم ذریعہ ہے لہٰذا ہم اس پُرمسرت موقع پر آپ کا فرضِ تبلیغ آپ کو یاد دلاتے ہیں۔ وقت کی سب سے بڑی ضرورت تبلیغ ہے۔ عوام صحیح اسلام سے ناواقف ہیں۔ اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا جواب اُن کے پاس نہیں ہوتا۔ غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں گمراہی بڑھ رہی ہے آئندہ نسلوں میں جذبۂ دینی کی اُمید موہوم ہے۔

آئندہ نسلوں میں تبلیغ | آئندہ نسلوں کو اسلام پر قائم رکھنے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ موجودہ دور کے لوگوں میں تبلیغ کی جائے بلکہ اس کے لئے بڑے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے مثلاً ایسے مدارس قائم کرنا جہاں قرآن و حدیث کی ٹھوس تعلیم کے ساتھ حکومت کا مقرر کردہ نصاب پڑھایا جائے۔ ان مدارس کو ایسے اساتذہ، ماحول و تصانیف سے بچانا جو بچوں کے ذہن میں سبے دینی پیدا کریں۔ ﷲ اُٹھیئے اور ایسے اسکول اور کالج قائم کیجئے، وقت کے تقاضہ کو بچانیئے۔ اُمید ہے کہ آپ عید کی مسرتوں میں ایسے مدارس کے قیام کو نہ بھولیں گے تاکہ صحیح اسلامی معاشرے میں عیدیں آئیں تو اُن کی بہاریں پہلے سے زیادہ خوشگوار ہوں۔

لمحۂ فکریہ | آج یوم عید ہے، کل یوم وعید آنے والا ہے۔ آج آپ عید گاہ کے میدان میں جمع ہیں کل آپ محشر کے میدان میں جمع ہوں گے۔ آج آپ خوش ہیں، کیا کل بھی آپ اسی طرح خوش ہوں گے؟ کیا آپ آخرت کی عید کے لئے بھی کچھ کر رہے ہیں؟ ماہ عید کی مسلسل تربیت کے بعد بھی اگر حرام لقمہ آپ کے منہ میں جا رہا ہے تو پھر اس تربیت کا فائدہ؟ کیا آپ رمضان میں اللہ کے حکم کی تعمیل میں حلال چیزیں چھوڑ سکتے ہیں لیکن رمضان گزرنے کے بعد حرام چیزیں نہیں چھوڑ سکتے؟ غور کیجئے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اشاعت ۱۲۱

عید اور ماہِ عید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان کو ماہِ عید کا لقب دیا ہے (صحیح بخاری) اور یہ حقیقت بھی ہے اس لئے کہ ماہِ رمضان ہی عید الفطر کا پیش خیمہ ہے۔ ماہِ رمضان کی صبح و شام مسرتوں سے لبریز۔ سحری کے وقت بیداری، شام کی چہل پہل اور قیام اللیل کی گہما گہمی عید کا سا سماں پیش کرتی ہیں۔ پورا مہینہ اسی طرح گذرتا ہے اور پھر اس کو ایک بڑی عید کے ساتھ ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ بڑی عید، عید الفطر کے نام سے موسوم ہے عید اور ماہ عید لازم و ملزوم ہیں۔ عید الفطر ماہ عید کا تتمہ ہے۔ ماہ عید مزدوری کے دن ہیں اور عید اجرت ملنے کا دن۔ ماہ عید تربیتی مہینہ ہے اور عید الفطر یوم امتحان ہے۔ ماہِ عید میں حکم الٰہی کی تعمیل ہوتی ہے اور عید اس کی تکمیل پر انبساط اور شکریہ کا دن ہے۔ یہی وہ دن ہے کہ جس دن کی خیر و برکت بے پایاں ہے اور اس خیر و برکت کے حصول میں سب

یکساں حقدار ہیں۔ کسی کو اس خیر و برکت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عیدگاہ کی حاضری نہ صرف مردوں پر لازمی ہے بلکہ خواتین پر بھی یکساں طور پر لازمی ہے بلکہ اس حاضری سے کسی قسم کی خواتین بھی مستثنیٰ نہیں حتیٰ کہ کنواری پردہ نشین لڑکی کو بھی عیدگاہ لے جانا ضروری ہے۔

ماہِ عید ایک سالانہ تربیتی نظام اور رضا جوئیِ مولیٰ کی مسلسل مشق و یاددہانی ہے۔ جتنے بھی نیک کام کیے جاتے ہیں ان کا مقصدِ وحید تقویٰ ہے۔ روزہ بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

روزہ میں آپ حلال و طیب چیزیں کھانے و پینے سے قطعاً اجتناب کرتے ہیں۔ وہی چیزیں جن کو چند گھنٹے یا چند لمحے پہلے آپ استعمال کر رہے تھے یا استعمال کر سکتے تھے اب روزہ میں آپ ان کو اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں۔ ان کا استعمال تو کجا، استعمال کے تصور سے آپ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی سوچا کہ آخر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ آپ صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے ہیں اور یہ جذبۂ اطاعت آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے اور دل و دماغ اسی جذبۂ اطاعت سے سرشار ہیں لیکن کتنی حیرت کا مقام ہے کہ جس اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے حلال و پاکیزہ چیزیں اپنے اوپر حرام سمجھ لیں اسی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ناپاک چیزیں اپنے اوپر حرام نہیں کرتے۔ روزہ صرف چند حلال چیزوں پر ہی پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ حرام چیزوں پر اس سے زیادہ سختی سے پابندی عائد کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو روزہ روزہ ہی نہیں رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "جو شخص غلط گوئی اور غلط کاری نہیں چھوڑتا اللہ کو حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے" (صحیح بخاری) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوا کہ روزہ کا اصل مقصد تمام برائیوں سے بچنا ہے اور عام ایام کے بہ نسبت زیادہ سختی سے بچنا ہے۔ اگر برائیاں، حرام کمائی، جھوٹ و فریب، غیبت و چغلی، بدکلامی و تندخوئی، لڑائی اور جھگڑا جیسی چیزیں جاری رہیں تو پھر روزہ بیکار ہے۔ قارئین کرام سوچیے کہ آپ کہاں چلے جا رہے ہیں اور ماہِ عید کی تربیت سے آپ کہاں تک فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اگر روزہ میں بعض حلال چیزوں کے ساتھ آپ نے تمام حرام چیزوں سے سختی کے ساتھ اجتناب کیا تو پھر ماہِ عید گذرنے کے بعد یہی تربیت کارفرما ہوگی اور پورے سال آپ حرام چیزوں سے بچتے رہیں گے۔ لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ دوسرے ایام تو کجا خاص ماہِ عید یعنی ماہ رمضان میں بھی حرام کھانے اور حرام طریقہ سے

کمانے سے بچا نہیں جاتا۔ وہی رشوت، وہی سود، وہی دغا، وہی فریب۔ رشوت عام ہے، سود کاروبار کی جان ہے۔ کارخانے سود ہی پر چل رہے ہیں اور سود ہی سے ترقی پا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ روپیہ کی ہوس اور روزہ کے مقصد سے غفلت کے باعث۔ سوچیئے یہ ساز و سامان یہیں رہ جائے گا اور ایک دن آپ کو اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا۔ بتلایئے اُس وقت آپ کیا جواب دیں گے۔ یہاں جس طرح آپ عید کے دن میدان عیدگاہ میں شاداں اور فرحاں ہوتے ہیں کیا اسی طرح آپ وعید کے دن میدان محشر میں شاداں و فرحاں ہوں گے؟ ہوش میں آیئے۔ سچے دل سے توبہ کیجیے۔ تمام برائیوں سے بچیئے اور اپنی اولاد کو بھی بچایئے۔ کچھ وقت دین کی خدمت کے لیے بھی وقف کیجیے۔ یہ دین جس پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں کیا اس کی حفاظت آپ پر فرض نہیں۔ کیا آپ نے سوچا کہ آئندہ نسلوں میں اسلام باقی رہے گا یا آپ کے ساتھ ہی رخصت ہو جائے گا۔ اگر ابھی تک نہیں سوچا تو لِلّٰہ اب سوچیئے، پھر دین کی حفاظت کے لیے کوشش کیجیے۔ منصوبے بنایئے۔ لادینی عناصر پر تابڑ توڑ حملے کر کے انہیں نیست و نابود کر دیجیے۔ صرف دفاع پر قناعت نہ کیجیے۔ دفاع تو کمزوری کی علامت ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے کو اس قابل بنایئے کہ ان فتنوں پر حملہ کر کے ان کی قوتوں کو پامال کر دیں۔ اسی میں آپ کی فلاح ہے۔ اگر آئندہ نسلوں سے اسلام رخصت ہو گیا جیسا کہ بعض ممالک میں ہو چکا ہے تو پھر اس کی ذمہ داری آپ پر ہو گی۔

اٹھیئے اور عیدالفطر کے پرمسرت موقع پر اللہ تعالےٰ سے عہد کیجیے کہ اب آپ اسلام کی حفاظت اور خلاف اسلام فتنوں کی سرکوبی کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں گے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو توفیق دے۔ آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو عید کی برکتوں سے مالا مال کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید الفطر کی اہمیت

غرۂ شوال اے نورِ نگاہِ روزہ دار
آکہ تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار

تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے
شام تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تمہید ہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملّتِ اسلامیہ کی اجتماعی خوشی کے لئے سال میں صرف دو ہی دن ہیں۔ ان دو کے علاوہ قرآن و حدیث سے ایسا نہ کوئی دن ثابت ہے نہ کوئی رات کہ جس میں پوری مسلم قوم اجتماعی خوشی منائے۔ لیکن وائے افسوس لوگ، اللہ اور رسولؐ کے عطا کردہ تہواروں پر قناعت نہ کرسکے۔ کئی اور تہوار نکال لئے اور ان میں بھی عید جیسی خوشی کا اظہار کرنے لگے۔

یکم شوال ۲ھ کو اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی عید تھی جو مدینۂ منورہ کے مسلمین نے منائی۔ عید کو مسلمین کا قومی جشن قرار دیا گیا اور عیدگاہ کی حاضری ہر مرد و عورت پر فرض قرار دی گئی۔

لوگو، سوچو، دو عیدیں تھیں، تم نے کئی بنا ڈالیں، یہاں تم نے دین میں اضافہ کیا۔ خواتین پر عیدگاہ کی حاضری لازمی تھی، تم نے یہ حاضری غیر ضروری کر دی یا مکروہ قرار دیدی، یہاں تم نے دین میں کمی کر دی۔ غرض یہ کہ کمی و بیشی کا اختیار اللہ کے بجائے تم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دین کا کوئی شعبہ تمہاری اس کمی بیشی سے محفوظ نہیں رہا۔ چند خود ساختہ رسموں، تہواروں، جلسوں اور جلوسوں کو دین سمجھ لیا گیا۔ نہ توحید سے کوئی مطلب رہا نہ سنّت سے کوئی واسطہ۔

عید الفطر کیا ہے، عید انقلاب ہے۔ ایک ماہ کے روزوں کے بعد ہر مسلم کی ذہنیت میں ایک انقلاب برپا ہوتا ہے۔ روزہ میں جس نظم و ضبط کی تربیت اس نے پائی اُس تربیت نے اسے زندگی کے نئے موڑ پر لاکر کھڑا کر دیا۔ روزہ میں اس نے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں چند جائز چیزوں کے استعمال پر پابندی

عائد کردی۔ ہر نیکی کی طرف سبقت کی اور بُرائی سے بچنے کے لئے شدت کے ساتھ کوشش کی۔ ہلالِ عید نمودار ہوتے ہی وہ اس تربیتی دور سے فارغ ہوا۔ عید کی صبح اس کی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اب اس نئی تربیت کے مطابق گیارہ مہینے تک اس کو زندگی گذارنی ہے اور پھر از سرِ نو تربیت کو تازہ کرنا ہے۔

عید الفطر تربیت حاصل کرنے کے بعد میدانِ عمل میں قدم رکھنے کا روزِ اولیں ہے، اگر ہم نے پہلے ہی دن تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو پھر غور کرو کہ جس تقوٰے کے حصول پر ہم خوشی منا رہے ہیں وہ کس درجہ مضحکہ خیز ہے۔ عید الفطر دراصل تربیت کی تکمیل کے بعد روزِ امتحان ہے۔ اگر عید کی خوشی میں ہم احکامِ الٰہی کی تعمیل سے غفلت نہیں برتتے تو پھر امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ بھی ہم غفلت نہیں برتیں گے۔

ایمان والو! یہ تمہاری قومی عید ہے تم ایک قوم ہو۔ ایک جسم ہو۔ تم سب کا ایک راستہ ہے۔ ایک منزل ہے۔ حاکمِ اعلیٰ ایک ہے۔ امام ایک ہے۔ تو پھر تم نے علیحدہ علیحدہ قومیں کیوں بنا رکھی ہیں۔ علیحدہ علیحدہ مذہب کیوں بنا لئے ہیں۔ کیوں علیحدہ علیحدہ نام رکھ چھوڑے ہیں۔ تم سب مل کر بیٹھو اور متحد ہو جاؤ۔ اپنے کو صرف مسلم کہو۔ مقصد میں یکسانیت، طرزِ فکر میں ہم آہنگی پیدا کرو۔ میدانِ عمل میں اشتراک اور تعاون سے کام لو۔ آپس میں دست و گریبان ہونا چھوڑ دو۔ اپنی قوت کو تخریب کی بجائے تعمیر میں صرف کرو۔ عید الفطر عید تطہیر ہے۔ اس دن تم اپنی رنجشیں بھلا دو۔ قلب کو بغض سے پاک کر دو۔ دوسری چیزوں پر مرنے کی بجائے اسلام پر مرنا سیکھو، اور نہ صرف مرنا سیکھو بلکہ جینا سیکھو اور یہی مقصدِ حیات ہے جس کو تم بھلا بیٹھے ہو۔ عید کے دن عہد کرو کہ تم ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کرو گے اور ایک ماہ کی مشق و تمرین سے جو تقویٰ پیدا ہو چکا ہے اُسے ضائع نہیں ہونے دو گے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

ہلالِ عید

غرّۂ شوّال لے نورِ نگاہِ روزہ دار
آکہ تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار
تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے
شام تیری کیا ہی صبحِ عیش کی تمہید ہے

سلسلہ اشاعت ۵۵۱

یہ عید الفطر کا جشنِ ملّی! یہ ورودِ ذکر و رحمت کی یادگار، یہ سربلندی و افتخار کی بخشش کا یاد آور!

یہ یوم کامرانی و فیروزی و شادمانی اُس وقت تک کیلئے عیش و سرور کا دن تھا جب تک ہمارے سرتاجِ خلافت کیلئے بلند ہونے کیلئے تھے اور جسم خلعتِ نیابت سے مفتخر ہونے کے لئے. عزّت و عظمت جب ہمارے ساتھ تھی اور اقبال و کامرانی ہمارے آگے دوڑتی تھی. اللہ کی نعمتوں کا ہم پر سایہ تھا اور اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کے تختِ جلال پر ہم متمکن تھے. لیکن اب ہمارے اقبال و کامرانی کا تذکرہ صفحاتِ تاریخ کا ایک افسانۂ ماضی رہ گیا ہے.

دُنیا کی اور قومیں ہمارے لئے وسیلۂ عبرت تھیں لیکن اب ہمارے اقبال و ادبار کی حکایت اوروں کے لئے مثالِ عبرت ہے. ہم نے اللہ کی دی ہوئی نعمت کو مذلّت سے بدل لیا. اس کے عطا کئے ہوئے منصبِ خلافت کی قدر نہ پہچانی. اور زمین کی خلافت و نیابت کا خلعت ہم کو راس نہ آیا. اب ہماری عید کی خوشیوں کے دن گئے، عیش و طرب کا دَور ختم ہوگیا. اب عید کے عیش و طرب کی صحبتیں اُن قوموں کو مبارک ہوں جن کی عبرت و تنبیہہ کے لئے اب تک ہمارا وجود بارِ زمین ہے. ان کو خوش نصیب سمجھو جو اپنے دَورِ اقبال کے ساتھ خود بھی مٹ گئے، ہمارا اقبال جا چکا ہے لیکن ہم خود اب تک دنیا میں باقی ہیں، شاید اِس لئے کہ غیروں کے طعنے سُنیں اور اپنی ذلت و خواری پر آنسو بہا کر دوسری قوموں کیلئے وجودِ عبرت ہوں.

اس دن کی یادگار ہمارے لئے جشن و طرب کا پیغام لاتی تھی کیونکہ یہی ہمارے صحیفۂ اقبال کا

صفحۂ اولین تھا اور اسی تاریخ سے ہمارے ہاتھوں قرآنی حکومت کا دَورِ جدید قلوب اجسام کی زمین پر شروع ہوا تھا۔ اس دن کا طلوع ہم کو یاد دلاتا تھا کہ بد اعمالیوں نے کیونکر بنی اسرائیل کو دو ہزار سالہ عظمت سے محروم کیا اور اعمالِ حسنہ کے شرفِ افتخار نے کیونکر ہمیں برکاتِ الٰہی کا مہبط و مورد بنایا۔ اس دن کا آفتاب جب نکلتا تھا تو ہمیں خبر دیتا تھا کہ کس طرح اللہ کی زمین نافرمانیوں کی ظلمت سے تاریک ہوگئی تھی اور پھر کس طرح ہمارے اعمال کی روشنی اُفقِ عالم پر مہرِ درخشاں بن کر نمودار ہوئی تھی۔

اب یہ روز یادگار ہے تو عیش و شادمانی کیلئے نہیں بلکہ حسرت و نامرادی کیلئے۔ اگر کچھ اور واقعات ہیں تو عطا و بخشش کی فیروزمندی کیلئے نہیں بلکہ ناقدری و کفرانِ نعمت کی مایوسی و حسرت سنجی کیلئے۔ پہلے اُس کامرانی کی یاد تھا کہ ہم دولتِ قبولیت سے سرفراز ہوئے۔ مگر اب اس نامرادی کی حسرت کو تازہ کرتا ہے کہ ہم نے اس کی قدر نہ کی اور ذلّت و عقوبت سے دوچار ہیں۔ پہلے اس وقتِ سعادت کی یاد تازہ کرتا تھا جو ہماری دولت و اقبال کا آغاز تھا اور اب دَورِ مسکنت و ذلّت کا زخم تازہ کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ پہلے یکسر جشن و نشاط تھا اور اب یکسر ماتم و حسرت ہے۔ جشن تھا تو نزولِ قرآن کی یادگار جس نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا تھا

اے ایمان والو، اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے اور اس کے احکام سے سرتابی نہ کی تو وہ تمام عالم میں تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کر دے گا۔"

اور اب ماتم ہے تو اسی قرآن کی اس پیشین گوئی کے ظہور کا

"اور جس نے ہمارے ذکر سے رُوگردانی کی اُس کی زندگی دنیا میں تنگ ہو جائے گی"

پہلے اُس بشارت کو یاد کر کے جشن مناتے تھے اور اب وہ وقت ہے کہ اس کے نتائج کو گردوپیش دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اب عید کا دن ہمارے لئے عیش و نشاط کا دن نہیں رہا البتہ عبرت و موعظت کی ایک یادگار ضرور ہے (ماخوذ از کلام ابوالکلام)

ایمان والو، کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم بیدار ہو جائیں اور اُس عیدِ گم گشتہ عیش و طرب کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ہماری عید پھر حقیقی معنوں میں عید بن جائے۔ ہمارے سروں پر پھر تاجِ خلافت سجایا جائے۔ پھر ہماری قوت و شوکت کے آگے دُنیا سرنگوں ہو جائے اور جس طرح آج اللہ کی عظمت و کبریائی کے عطر بیز نغموں سے فضائے عالم گونج اُٹھی ہے اسی طرح ہمارے اعمال و جوارح سے اقصائے عالم میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا ڈنکا بجنے لگے۔ نغماتِ توحید و رسالت سے دنیا کا گوشہ گوشہ معمور ہو جائے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے جہاد کریں اور اللہ ہمیں سربلند کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا تھا کہ" اللہ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عروج و اقبال عطا فرمائے گا اور

بہت سی قوموں کو قعرِ مذلت میں ڈال دیگا" (صحیح مسلم) کیا دونوں دور ہم نے نہیں دیکھے۔؟
دوسرا دور تو پورے آب تاب کے ساتھ اب بھی موجود ہے۔ اِس قعرِ مذلت میں آخر کب تک
آپ پڑے رہیں گے۔ اگر دورِ اقبال وعروج دوبارہ لانے کیلئے آپ بے چین ہیں تو اُٹھیئے۔
پہلے اپنے نفس سے جہاد کیجئے۔ قرآن وحدیث پر خود بھی عمل کیجئے، اپنے اہل وعیال سے عمل
کرلیجئے اور پورے معاشرہ سے عمل کرائیے۔

جماعت المسلمین کا مقصدِ وحید یہی ہونا چاہیئے کہ وہ اقصائے عالم میں اللہ تعالےٰ
کا کلمہ بلند کرے، مگر یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب ہم ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں،
پھر اللہ تعالےٰ بھی اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ہم اقتدار کی ہوس چھوڑ کر پہلے اپنے جسم پر اللہ
کی حاکیت قائم کریں۔ جو شخص اللہ کی حکومت کے لئے جد وجہد کرے اور جہاں اس کا
اقتدار ہو وہاں اللہ کی حکومت قائم نہ کرے اُس سے مشکل ہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ تختِ
حکومت پر متمکن ہونے کے بعد اللہ کی حکومت قائم کرے گا۔ ہم انسانوں کو دھوکہ دے سکتے
ہیں اللہ کو نہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ " اُن لوگوں کو جو ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں زمین
کی خلافت عطا فرمائے گا" (القرآن)

آیئے ہم سب مل کر حقیقی ایمان کے ساتھ نیک عمل کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہدیۂ عید الفطر

سلسلہ اشاعت ۴۹

ہم کئی دفعہ عرض کرچکے ہیں کہ دشمنانِ اسلام نے ہماری تاریخ کو مسخ کرکے اُسکو
ایسا رنگ دیدیا کہ پڑھنے والا یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ تاریخ دنیاداروں اور مکاروں کی تاریخ
ہے۔ بالکل اسی طرح اختلاف وافتراق نے دین کو ایسا مسخ کر ڈالا کہ اصلی دین اجنبی ہوگیا۔ ایک
اسلام کے کئی اسلام بن گئے اور ایک جماعت کی کئی جماعتیں اور فرقے بن گئے۔ حق پرستوں کی
ایک قلیل جماعت کو چھوڑ کر تقلید اور جمود نے تمام جماعتوں کا احاطہ کرلیا، پھر اس جمود اور افتراق
کی حمایت میں انہیں ایک گھڑی ہوئی حدیث بھی مل گئی کہ "میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے"۔
بس پھر کیا تھا، اختلاف اور افتراق کو رحمت سمجھا جانے لگا، اب کسی کو کیا ضرورت رہی تھی کہ
اختلاف کو ختم کرکے رحمت کے بجائے زحمت کو دعوت دیتا۔ قرآن مجید کی آیت پکار پکار کر

کہہ رہی تھی کہ

وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۔ (ھود ۱۱) لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر وہ لوگ اختلاف سے بچ جائیں گے جن پر تمہارے رب کی رحمت ہوگی

لیکن کون سنتا تھا، لوگ اپنے اسی عقیدہ پر قائم رہے جو قرآن مجید کے خلاف تھا۔ قرآن مجید نے کہا تھا کہ اختلاف سے بچنے والوں پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ انہوں نے اس کے بالکل برعکس اختلاف کو رحمت سمجھ لیا۔ افسوس! جب اصول ہی بدل دیا گیا تو پھر جو کچھ بھی ہو کم ہے۔ اسی بنیاد پر دین میں کثیر اختلاف واقع ہوا اور یہ اختلاف ابھی تک چلا آرہا ہے۔

عیدالفطر مسلمین کا قومی و ملی جشن ہے، اہلِ اسلام کیلئے یہ بہت ہی مسرت کا دن ہے۔ عید کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت اور مغفرت کا نزول ہوتا ہے۔ اس خیر و برکت اور مغفرت کے حصول کیلئے عیدگاہ جانا اور نماز وغیرہ میں شریک ہونا بہت ضروری ہے۔ عیدالفطر کے مسائل جن کا ماخذ براہِ راست احادیثِ صحیحہ ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلم پر زکوٰۃ الفطر کو فرض کر دیا (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

فطرہ امیر و غریب ہر شخص پر فرض ہے، صاحبِ نصاب ہونے کی شرط صحیح نہیں ———

فطرہ کی مقدار ایک صاع طعام ہے، یعنی ایک صاع اُس غلہ وغیرہ میں سے دیا جائے جو دینے والے کی اصلی غذا ہو (نسائی) صاع ایک پیمانہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ میں رائج تھا اس میں تقریباً پونے تین سیر گیہوں آتے ہیں (عراقی صاع سے صدقۂ فطر ادا کرنا صحیح نہیں) (بیہقی ودارقطنی) ہر مردِ مسلم کو چاہیئے کہ اپنے اہل و عیال کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے (صحیح مسلم) صدقۂ فطر عیدگاہ جانے سے پہلے دینا فرض ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) یہ صدقہ عید سے دو چار روز پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے (صحیح بخاری و نسائی)

جمعہ اور سفر کی طرح عید کی بھی دو رکعتیں فرض ہیں (احمد و بیہقی عن عمرؓ) یہ نماز صرف مردوں ہی پر فرض نہیں ہے بلکہ عورتوں پر بھی فرض ہے۔ جو عورتیں اذیتِ ماہانہ کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکیں اُن پر بھی عیدگاہ میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ وہ نماز کے مقام سے علیحدہ ہو کر بیٹھ جائیں اور مسلمین کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور دُعا کے ساتھ دُعا مانگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔ جو لوگ عیدگاہ میں خواتین کی حاضری کو مکروہ کہتے ہیں اُن کا قول صحیح نہیں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) عید کی نماز میں ۱۲ تکبیریں زائد ہیں۔ یہ تکبیریں قرأت سے پہلے کہی جائیں، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں (ابوداؤد)

عیدگاہ جانے سے قبل طاق عدد کھجوریں کھائے (صحیح بخاری) عیدگاہ جانے سے قبل کچھ کھانا ضروری ہے (مسند امام احمد) اچھی طرح نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر عیدگاہ

روانہ ہو۔ راستہ میں بلند آواز سے یہ تکبیریں پڑھتا ہوا جائے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔ مُوخرالذکر تکبیر کے بعد وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا حدیث سے ثابت نہیں (طبرانی مصنف عبدالرزاق وبیہقی وغیرہ) نماز کے بعد خطبہ سُنے اور دوسرے راستہ سے واپس آئے (صحیح بخاری) عید کی مبارکباد اس طرح دے تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکَ (طبرانی کبیر۔ ابن عقیل) عید کے دن معانقہ کرنا بدعت ہے۔

مندرجہ بالا مسائل میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو فرقہ بندی کی نذر ہو گئے ہیں۔ غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط سمجھ لیا گیا۔ اس فرقہ بندی نے ہمیں اصل دین سے دور کر دیا۔ کیا یہ فرقہ بندی قائم رہنی چاہیئے؟ اگر قائم نہیں رہنی چاہیئے تو جماعت المسلمین کے ساتھ تعاون فرمائیے جس کا تعلق کسی فرقہ سے نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید المسلمین

ایامِ جاہلیت میں کفار دو تہوار مناتے تھے (مسند احمد عن انسؓ) ایک نوروز دوسرا مہرجان۔ جس دن سورج برج حمل کی طرف رُخ کرتا ہے اُسے وہ نوروز کہتے تھے، یہی دن اُن کے سال کا پہلا دن ہوتا تھا اور جس دن سورج برج میزان کی طرف رُخ کرتا ہے اُسے وہ مہرجان کہتے تھے۔ حرارت و برودت کے اعتبار سے یہ دن معتدل ہوتے ہیں۔ انہی دنوں میں دن و رات برابر ہوتے ہیں۔ الغرض کفار کے تہوار موسم کے اعتبار سے منائے جاتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ملتِ اسلامیہ میں ایک ممتاز اور علیحدہ قومی تصور پیدا کرنا چاہتا تھا اس لئے اُس نے اِن کافرانہ موسمی تہواروں کو یکسر موقوف کر دیا اور ان کی جگہ دو نئے مگر خالص للٰہیت میں ڈوبے ہوئے تہوار مقرر فرمائے۔ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (اے ایمان والو!)

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قَدْ اَبْدَلَکُمْ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا یَوْمَ الْفِطْرِ وَیَوْمَ النَّحْرِ۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں ان دونوں (تہواروں) کے بدلہ میں ان سے بہتر دو تہوار دیدئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحٰی۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی وغیرہ عن انسؓ وسندہٗ صحیح)

عید الفطر اور عید الاضحٰی کافروں کے تہوار کے بدلہ میں مسلمین کو دیئے گئے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کوئی نئی چیز کسی پُرانی چیز کے بدلہ میں دیجاتی ہے تو پھر اُس پُرانی چیز سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، اور

اگر اُس پُرانی چیز سے بھی تعلق باقی ہے تو پھر نئی چیز کو بدلہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کافروں کے ان تہواروں سے مسلمین کو اب کسی قسم کا تعلق رکھنا نہیں چاہیئے۔ اور اگر کوئی اب بھی ان سے کسی قسم کا تعلق باقی رکھتا ہے تو پھر یہ تعلق اس کے لئے بہت مضر ثابت ہوگا۔ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جس شخص نے کسی (دوسری) قوم کی مشابہت کی تو وہ اُنہی میں شمار ہوگا۔
(احمد، ابوداؤد، صححہ العراقی)

مسلمین کو ان احادیث کی روشنی میں کرسمس اور نوروز وغیرہ تہواروں میں کسی قسم کی شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔

مسلمین کی عید تو درحقیقت وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا۔ بے شک ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔
(صحیح بخاری کتاب العیدین)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ مسلمین کو اپنی ہی عید کو عید سمجھنا چاہیئے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمین کو اپنی عید کا کافی اہتمام کرنا چاہیئے۔

مسلمین کی عید کے دن موسمی اور دُنیوی اہمیت کے حامل نہیں بلکہ یہ دن اُخروی فلاح و بہبود اور خیر و برکت کے دن ہیں۔ ان کا تعلق نہ کسی شخص کی پیدائش سے ہے نہ کسی کی ذات سے بلکہ یہ خالص للّٰہیت پر مبنی ہیں۔ ایک عید کا تعلق نزولِ قرآن اور روزوں سے ہے تو دوسری کا تعلق تکمیلِ دین اور قربانی سے ہے، گویا اسلام کے دو اہم ارکان کی ادائیگی کی خوشی اور دو اہم دنوں کی یاد میں یہ دن منائے جاتے ہیں، ان میں شادمانی اور اظہارِ انبساط کے ساتھ للّٰہیت کو پوری طرح سمو دیا گیا ہے۔

عیدالفطر کی ابتداء للّٰہیت سے ہوتی ہے مسلمین محض اللہ کی خاطر پہلے اپنے مسلم بھائیوں کی عید کیلئے صدقۂ فطر ادا کرتے ہیں، پھر اللہ کے دربار میں حاضری کیلئے نہا دھو کر بہترین لباس میں ملبوس ہو کر شاداں و فرحاں مع اہل و عیال اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے نغمے بلند کرتے ہوئے علی الصباح گھر سے نکلتے ہیں، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کے نغموں سے بستی کی سڑکیں، گلی اور کوچے اور بستی کی باہر کی فضائیں معمور ہو جاتی ہیں، اس طرح اللہ کی حاکمیت کے اعلان اور اُس کی تکبیر و تحمید کے ساتھ مسلمین عیدگاہ پہنچ جاتے ہیں اور وہاں اُس غیر معمولی جگہ میں، غیر معمولی وقت پر اور غیر معمولی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازِ عید

ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے نغمات سرمدی میں وہ اس طرح کھو جاتے ہیں کہ عید کے پورے دن وہ اس پُرکیف لذت کا مزا پاتے ہیں۔ نماز عید کا وہ پُرکیف سماں اگر وہ اپنی پوری زندگی میں تلاش کریں تو انہیں کہیں نظر نہیں آئے گا۔ نماز عید اور خطبہ کے بعد مسلمین کے بڑے بڑے اہم کاموں کا خاکہ یہیں تیار ہوتا ہے، یہیں عید کے دن کی خیر و برکت اور طہارت و مغفرت کی بارشیں ہوتی ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ مرد و عورت جو اس موقع پر عید گاہ میں موجود ہوں کیونکہ مسلمین کی عید کی اصل اساس للّٰہیت پر ہے لہٰذا مسلمین کی حقیقی عید تو دربار الٰہی کی حاضری ہی میں ہوتی ہے اور جب وہ عید گاہ سے واپس ہوتے ہیں تو بس اُس خوشی کے آثار ہی رہ جاتے ہیں جن کی بنیاد پہ وہ عید کے باقی دن خوشیاں مناتے ہیں۔

صدقۂ فطر عید گاہ روانہ ہونے سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے بلکہ عید سے چند روز پہلے ادا کر دینا چاہیئے۔ صدقۂ فطر کی مقدار فی کس ایک صاع (یعنی پونے تین سیر) طعام ہے، طعام سے مُراد وہ غلہ وغیرہ ہے جو عام طور پر کھایا جاتا ہے۔ عیدگاہ روانہ ہونے سے پہلے طاق کھجوریں کھانا سُنّت ہے۔ عید گاہ کی حاضری سب کیلئے ضروری ہے، حتیٰ کہ وہ خواتین جو شرعی عذر کی بنا پہ نماز نہ پڑھ سکیں اُن کو بھی عید گاہ میں حاضر ہونا فرض ہے۔ ایسی خواتین مسلمین کی تکبیرات کے ساتھ تکبیریں کہیں اور اُن کی دُعاؤں کے ساتھ دُعائیں مانگیں (صحیح بخاری) نماز عید دُو رکعت فرض ہے (احمد عن عمرؓ) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد ساتؔ تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہنا سُنّت ہے (ابو داؤد)۔

سلسلہ اشاعت ۸۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ

(خواتین بھی {عیدگاہ میں} جماعت المسلمین کے ساتھ حاضر ہوں)

جماعت المسلمین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو عیدیں مقرر ہیں۔ ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ۔ پورے سال میں صرف یہی دو دن ہیں جن میں پوری جماعت المسلمین کو خوشی و اظہارِ سرور کرنا چاہیئے۔ ان کے علاوہ نہ کوئی عید ہے نہ کوئی اور عید مقرر کی جا سکتی ہے۔ ان دو کے علاوہ کسی اور عید کا مقرر کرنا مداخلت فی الدین اور شرک فی الشریعت ہے۔

ایامِ عید میں سب سے زیادہ اہم کام عیدگاہ کی حاضری اور وہاں نمازِ عید کی ادائیگی ہے۔ اسی مقام پر برکت و مغفرت کی بارشیں ہوتی ہیں۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے عیدگاہ میں حاضر ہو کر عید کے دن کی خیر و برکت کو حاصل کرتے ہیں۔

اس خیر و برکت میں صرف مسلم مردوں کا ہی حصہ نہیں بلکہ مسلم خواتین کا بھی حصہ ہے۔ اُمِّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:۔

أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ. قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اُن عورتوں کو بھی عیدگاہ لائیں جو اذیتِ ماہانہ میں ہوں اور تمام پردہ نشیں خواتین کو بھی عیدگاہ لائیں اور یہ سب خواتین جماعت المسلمین کے ساتھ عیدگاہ میں حاضر ہوں اور اُن کی دعا میں شریک ہوں۔ البتہ جو خواتین اذیتِ ماہانہ میں ہوں وہ مصلّٰی سے علیحدہ بیٹھ جائیں۔ ایک عورت نے پوچھا اے اللہ کے رسول، ہم میں سے کسی عورت کے پاس چادر

نہیں ہوتی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اُس کے ساتھ والی کو چاہیئے کہ وہ اپنی چادر میں اُسے بھی چھپالے۔"

حَتّٰى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا (صحیح بخاری کتاب العیدین) — حضرت اُم عطیہؓ کہتی ہیں" حتیٰ کہ کنواری لڑکی کو بھی اُس کے پردہ سے نکال کر عیدگاہ لانے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا۔"

فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ (صحیح بخاری کتاب العیدین) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتیں بھی خیر میں حاضر ہوں۔"

يَرْجُوْنَ بَرَكَةَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ طُهْرَتَهٗ (صحیح بخاری کتاب العیدین) — "جو عورتیں اذیت ماہانہ میں ہوں وہ بھی (عیدگاہ میں حاضر ہو کر) عید کے دن کی برکت اور مغفرت کی اُمیدوار رہیں۔"

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شریعت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو منسوخ نہیں فرمایا، آپؐ کے بعد اب کون اس حکم کو منسوخ کرسکتا ہے۔ کون صاحب وحی ہے جو اس حکم کو منسوخ کرے۔ افسوس ہے کہ فرقہ وارانہ مذاہب نے اس حکم کو پامال کیا اور وہ اس معاملہ میں اللہ اور رسولؐ سے آگے بڑھ گئے، نعوذ باللہ من ذلك۔

تعجب ہے کہ عورتوں کو ہر جگہ جانے کی اجازت ہے۔ وہ نمائش میں جائیں کوئی مضائقہ نہیں، وہ سینما دیکھنے جائیں کوئی حرج نہیں، وہ بازار میں بے پردہ خرید و فروخت کرتی پھریں کوئی اعتراض نہیں، لیکن اعتراض ہے تو وہاں جانے پر جہاں جانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔

عورتیں جمعہ کی نماز میں آئیں تو جائز ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں تراویح اور شب قدر کے جلسوں اور دوسری تقاریب میں شرکت کریں تو گوارا ہے، لیکن اگر گوارا نہیں ہے تو اللہ کی شریعت پر عمل کر کے عیدگاہ جانا گوارا نہیں۔ افسوس ہے کہ اسلام کو مسخ کردیا گیا۔ ناجائز اور مباح چیزوں پر رکاوٹ نہیں اور فرض و سنت کی ادائیگی پر رکاوٹیں ہیں۔ اسلام کے نام پر اسلام کو بگاڑنے کیلئے جو تحریکیں چلتی رہی ہیں یہ اُسی کا شاخسانہ ہے۔ کاش اب بھی لوگ ہوش میں آجائیں، تمام فرقہ وارانہ مذاہب کو چھوڑ کر صرف قرآن و حدیث کا دامن پکڑ لیں۔ اسی کا نام **اسلام** ہے اور بس۔

سلسلۂ اشاعت ۸۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حقیقت قربانی

آج سے کئی ہزار سال پہلے کا یہ عظیم الشان واقعہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ رسول حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے اپنے فرزند دلبند حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا دیا۔ اللہ تعالےٰ کو صرف امتحان مقصود تھا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ واقعہ تمام دُنیا کے لئے درس عبرت ہے۔ اللہ تعالےٰ سے محبت کرنے والے اپنی عزیز ترین چیز کو بھی اللہ تعالےٰ کی راہ میں قربانی کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کا تو یہ قول ہوتا ہے اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ رکھنے اور اس سے درس قربانی حاصل کرنے کے لئے اس وقت سے اب تک امت مسلمہ کے افراد حسب استطاعت و توفیق اللہ تعالےٰ کی راہ میں عیدالاضحٰی کے موقع پر اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

قربانی کا مقصد قربانی کے مقصد کو اللہ تعالےٰ نے اس طرح بیان کیا ہے:-

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (الحج) اللہ کے ہاں نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اس کا خون پہنچتا ہے، اس کے ہاں تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالےٰ کو نہ گوشت کی ضرورت ہے اور نہ خون کی اُسے تو بندوں کی تسلیم و رضا پسند ہے۔ وہ تو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندے اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں یا نہیں اور خلوص و للٰہیت کے ساتھ محض اللہ تعالےٰ کو خوش کرنے کے لئے قربانی کرتے ہیں یا نہیں۔ یہی چیزیں ہیں جو اللہ تعالےٰ کو مطلوب ہیں اور یہی چیزیں ہیں جو تقویٰ میں شمار ہوتی ہیں۔ اسی خلوص للٰہیت اور تسلیم و رضا کا عملی مظاہرہ عیدالاضحٰی پر نظر آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے بندے صرف حکم الٰہی کی تعمیل میں کروڑوں کی تعداد میں جانور قربان

کر دیتے ہیں۔ ان کے سامنے صرف ان کے مالک کا حکم ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ قربانی کرنے سے کروڑوں روپیہ ضائع ہو جاتا ہے، گندگی پھیلتی ہے، جانوروں کی نسل تباہ ہوتی ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ رسم ایام جاہلیت کی پیداوار ہے۔ اس قسم کے گمراہ کن خیالات ان کے ذہنوں میں ہرگز نہیں آتے۔ ان کے ذہن میں تو بس رضائے مولیٰ کا تصور ہوتا ہے اور اسی کو وہ سب سے بڑی دولت سمجھتے ہیں۔

قربانی پر اعتراضات ملحدین اور مادہ پرست لوگوں کی طرف سے قربانی پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے جاتے ہیں:۔

(۱) پہلا اعتراض یہ ہے کہ اگر اسی طرح جانور ذبح کئے جاتے رہے تو ایک وقت ایسا آئیگا کہ جانور ختم ہو جائیں گے۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے وہ کسی تعمیری کام میں صرف نہیں ہوتا لہذا ضائع ہو جاتا ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال ہی غلط ہے کہ اگر اسی طرح قربانی ہوتی رہی تو جانور ختم ہو جائیں گے اس لئے کہ جو جانور لاکھوں کی تعداد میں روزانہ ذبح کئے جاتے ہیں وہ عید کے دن ذبح نہیں ہوتے اس طرح کچھ معمولی سا فرق پڑتا ہے۔ مزید برآں ہر روز لاکھوں کی تعداد میں جانور ذبح ہوتے ہیں، اس طرح سال بھر میں ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے اور جب ہر سال کروڑوں جانور ذبح ہوتے ہیں پھر بھی وہ ختم نہیں ہوتے تو پھر سالانہ عید الاضحیٰ کے موقع پر صرف لاکھوں کی تعداد میں ذبح ہونے سے وہ کیسے ختم ہو جائیں گے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جانوروں کی قیمت پر جو روپیہ صرف ہوتا ہے وہ ان غرباء کو پہنچ جاتا ہے جن کا ذریعہ معاش مویشی پالنا ہے۔ غرض یہ کہ روپیہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ غرباء کے لئے ذریعہ معاش بنتا ہے۔

مقام غور ہے کہ غیر اسلامی کاموں اور فضول رسموں پر روپیہ خرچ کرنا تو باعث عزت و افتخار سمجھا جاتا ہے لیکن اسلامی کاموں پر روپیہ خرچ کرنا معاشی بدحالی کا باعث اور قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کا مزاج ہی اسلامی نہیں رہا اسی لئے اس قسم کے خیالات ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ قربانی کی جائے اور اپنا وقت، اپنی جان، اپنا آرام اور اپنا مال اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کو مٹانے پر صرف کیا جائے اور یہی قربانی کا حقیقی مقصد ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلسفۂ قربانی

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر-۲)

(اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو)

سورۂ کوثر اگرچہ قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت ہے لیکن اپنے مضمون کے اعتبار سے بہت ہی اہم ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا "ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا" کوثر سے مراد حوض کوثر بھی ہے اور خیرِ کثیر بھی۔ خیرِ کثیر میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں، انعام واکرام، عزت و منزلت شامل ہیں۔

دوسری آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ "آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے" پہلی آیت میں اپنے احسان کا ذکر کر کے جذبۂ شکر کو ابھارا ہے۔ دوسری آیت میں شکر کی ادائیگی کا طریقہ بتایا ہے۔ یہ مسلمہ اخلاقی اصول ہے کہ جب کوئی کسی پر احسان کرے تو جس پر احسان کیا گیا ہے اُس کو محسن کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے اور عبادت میں سب سے بہتر عبادت نماز ہے لہذا ادائے شکر کے لئے نماز کا حکم دیا گیا۔ نماز درحقیقت رأس العبادت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا قصداً ترک کرنا کفر ہے۔ نماز اگر پورے اہتمام سے باجماعت، پابندیٔ وقت کے ساتھ پڑھی جائے تو وہ نہ صرف یہ کہ فرد کی اصلاح کرتی ہے بلکہ معاشرہ کے مجموعی کردار کی بھی اصلاح کرتی ہے۔

ہر انسان پر کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے ہیں اور کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے بندوں کے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں نماز کو سب سے مقدم رکھا گیا ہے۔ نماز اگرچہ صرف اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لئے پڑھی جاتی ہے لیکن اس کا فائدہ بندوں کو بھی پہنچتا ہے۔ نماز سیرت و کردار کی تعمیر کرتی ہے۔ نماز باجماعت سے محبت و الفت، ہمدردی اور مواسات کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

شکر ادا کرنے کے طریقہ کا دوسرا جزو، قربانی ہے۔ قربانی بھی اگرچہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے کی جاتی ہے لیکن اس میں بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا راز بھی مضمر ہے۔ لفظ قربانی نے اللہ تعالیٰ کے دین اور اللہ تعالیٰ

کے بندوں کے تمام حقوق کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ قربانی سے مراد وہ قربانی بھی ہے جو عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جاتی ہے اور اس کے وسیع معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے ضرورت کے مطابق ہر چیز کو قربان کر دیا جائے خواہ یہ ضرورت تقریر سے پوری ہو یا تحریر سے، زبان سے پوری ہو یا قلم سے، علم سے پوری ہو یا عمل سے، طاقت سے پوری ہو یا دولت سے، جہاد سے پوری ہو یا جنگ سے، وقت کی قربانی سے پوری ہو یا راحت کی قربانی سے حتیٰ کہ اگر جان کی بھی ضرورت پیش آجائے تو اُسے بھی قربان کر دیا جائے۔ اگر قربانی کے وسیع معنیٰ نہ بھی لئے جائیں تب بھی عید الاضحیٰ کی قربانی کا فلسفہ یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یہی اس قربانی کا مقصد ہے جو آج سے کئی ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی تھی۔ افسوس آج ہم قربانی کرتے ہیں اور کئی کئی جانور قربان کر دیتے ہیں مگر رسماً یا نام و نمود کے لئے۔ ہماری قربانیاں عموماً اس مقصد سے عاری ہوتی ہیں جو ان کا حقیقی مقصد ہے۔ ہم قربانی تو کرتے ہیں لیکن اس کے مقصد کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ عید الاضحیٰ پر جو قربانی کی جاتی ہے وہ دراصل اس حقیقی مقصد کے لئے ایک یاد دہانی ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ قربانی کر کے ہم خاموش بیٹھ جائیں بلکہ جس طرح ہم عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرتے ہیں یہی بات پورے سال جاری رہنی چاہیئے۔ جب بھی ضرورت پیش آئے ہمیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ ایثار و قربانی کا یہ جذبہ جب تک ہم میں قائم رہا ہم عروج پر رہے۔ یہی تھا فلسفۂ قربانی اور یہی تھا مقصد قربانی۔ اگر اس مقصد کو پورا کر دیا جائے تو قربانی کی روح حاصل ہو جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کے، اللہ تعالیٰ کے دین کے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے تمام حقوق خلوص کے ساتھ پورے کر دیئے جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ یقیناً راضی ہو گا اور جب اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو پھر دنیا کی کونسی طاقت ہے جو مسلمین کو نقصان پہنچا سکے۔ یہی بات ہے جس کی طرف سورۂ کوثر کی آخری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (بے شک تمہارا دشمن ابتر ہو جائے گا) یعنی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

قارئین کرام، سورۂ کوثر کی یہ مختصر تفسیر جو اوپر تحریر کی گئی اس سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ ایثار و قربانی کی سورت ہے۔ اس سورت میں مسلمین کو ایثار و قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔

جماعت المسلمین اور اس کی دعوت

قارئین کرام، جماعت المسلمین جس مقصد کی طرف آپ کو بلا رہی ہے وہ یہی مقصد ہے۔ جماعت المسلمین آپ سے درخواست کرتی ہے کہ قربانی کی روح کو سمجھئے۔ قربانی کے مقصد کے لئے کوشش کیجئے۔ قربانی کے فلسفہ کو پورا کیجئے۔ اس وقت اسلام کے خلاف دشمن ہر قسم کے فتنے اٹھا رہا ہے۔ ان تمام فتنوں سے مقابلہ کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ سورۂ کوثر پر عمل کیجئے۔ ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کیجئے۔ اسلام کی سربلندی کے لئے متحد و متفق ہو جایئے۔ اتفاق و اتحاد کے لئے اپنی خواہشات کو قربان کیجئے۔ اپنے فرقہ وارانہ مذاہب قربان کیجئے اور سب ایک ہو جایئے۔ صرف اسلام پر عمل کیجئے یعنی صرف قرآن مجید اور حدیث نبوی پر عمل کیجئے۔ ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ ان پر عمل کر کے ہی مسلمین نے ترقی کی تھی اور انہی کو چھوڑ کر مائل بہ زوال ہو گئے، مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور اسلام سے دور جا پڑے۔ آیئے پھر ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور اسی طریقہ سے پکڑ لیجئے جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمین نے پکڑا تھا۔ اگر آپ نے ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو انشاء اللہ تمام فتنے مٹ جائیں گے۔ ذلت و ادبار کے دن ختم ہو جائیں گے۔ اسلام پر پھر بہار آئے گی اور آپ اقوام عالم کے مقتدا اور پیشوا بن جائیں گے۔ آپ اعدائے دین پر غالب اور قاہر ہوں گے۔ دنیا کے تمام قومیں آپ کے سامنے سرنگوں ہوں گی۔

اٹھیئے، اپنی اصلاح کیجئے، اپنے ماتحتوں کی اصلاح کیجئے، اپنے گھر کو اسلامی ریاست بنایئے اور اس طرح بتدریج پورے ملک کو اسلامی ریاست میں تبدیل کیجئے۔

اٹھیئے، جماعت المسلمین کو قریب سے دیکھئے، اس کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اس کی دعوت کو پرکھیئے، اس کی کتابوں اور رسائل کا مطالعہ کیجئے۔ اگر آپ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اس کی باتیں صحیح ہیں، قرآن و حدیث کے مطابق ہیں تو پھر دیر نہ کیجئے، اس کے ساتھ تعاون کیجئے، جماعت میں شامل ہو کر جماعت کی قوت بڑھایئے۔ فرقہ بندی سے بہت کافی نقصان اٹھا چکے اب تو اسے خیرباد کہیئے۔ فرقہ وارانہ مذہب کو ختم کر دیجئے۔ اور صرف اسلام پر عمل کیجئے جو صرف قرآن و حدیث میں محفوظ و مکمل ہے۔ فلسفہ قربانی کو سمجھئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں جماعت کا ہاتھ بٹایئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

سلسلہ اشاعت ۳۲

عیدُ الاضحیٰ اور منکرینِ حدیث

عید الاضحیٰ تکمیلِ دین کا عظیم الشان تہوار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی فقید المثال قربانی کی یادگار ہے۔ مسلمین صرف نظریاتی طور پر ہی اس یادگار کو نہیں مناتے بلکہ عملی طور پر بھی اپنی قربانیاں پیش کر کے جذبۂ قربانی کو فروغ دیتے ہیں۔ گویا عید الاضحیٰ قربانی کی ایک عملی مشق ہے۔ یہ عملی مشق اور پھر اس بات کا اقرار کہ مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، یعنی ہماری زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے اس بات کا سبق ہے کہ درحقیقت ہماری کوئی چیز ہماری نہیں بلکہ ہر چیز حتیٰ کہ پوری زندگی اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ لیکن افسوس کتنی جلدی ہم اس عہد و پیمان کو بھول جاتے ہیں اور اللہ کے دین کی خدمت کے لئے نہ کوئی وقت نکالتے ہیں نہ مال و دولت خرچ کرتے ہیں۔

عید الاضحیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے برابر ہر سال منائی جا رہی ہے اور ہر سال قربانیاں بھی متواتر و مسلسل ہوتی رہی ہیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا انکار حقائق کا انکار ہے لیکن وائے افسوس! ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو اس قربانی کا انکار کرتے ہیں اور اس کو مال کا ضیاع تصور کرتے ہیں۔ اِن کا کہنا ہے کہ قومی دولت کا کروڑوں روپیہ ہر سال برباد ہو جاتا ہے، اگر یہ روپیہ اس طرح ضائع نہ ہو تو اس سے قوم کی معیشت کو کافی حد تک بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ مزید برآں یہ لوگ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس قربانی کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا اس کی کوئی اہمیت نہیں، گویا قربانی پر دو قسم کا اعتراض ہے۔ (۱) قرآن مجید میں اس کا حکم نہ ہونا۔ (۲) مادّی نقصانات اب ہم ان دونوں باتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن مجید سے بھی اس قربانی کا ثبوت دیا جا سکتا ہے لیکن ہم اس کی ضرورت نہیں سمجھتے، اس لئے کہ نہ ہم خود اس بات کے قائل ہیں کہ جب تک کسی چیز کا ثبوت قرآن مجید میں نہ ہو وہ چیز ثابت نہیں ہوتی، اور نہ اس عقیدہ کو دوسروں کے ذہنوں میں جگہ دینا چاہتے ہیں۔ اگر کسی چیز کا ثبوت حدیث سے مل جاتا ہے تو بس وہ کافی ہے مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔

قربانی ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ ارشاد باری ہے اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

مِنْ اَحَدِهِمَا (مائدہ) جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ان دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی۔ ایک اور جگہ ارشادِ باری ہے:-

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ اَنْ لَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○

ان لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جس کو آگ کھا جائے کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے رسول، معجزات کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور وہ قربانی بھی پیش کی جس کا تم مطالبہ کرتے ہو تو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔

یعنی گزشتہ انبیار کے زمانہ میں ایسی قربانی کا دستور تھا کہ قربانی کی اشیاء کو ایک جگہ رکھ دیا کرتے تھے، آگ آتی تھی اور ان اشیار کو جلا دیا کرتی تھی۔ یہ قربانی کے قبول ہونے کی علامت تھی۔

لیجئے قرآن مجید سے تو ایسی قربانی کا ثبوت ملتا ہے جس کا مادّی فائدہ کچھ نہیں بلکہ کلیتہً مال کی بربادی ہے اور کچھ نہیں۔ اب ہماری موجودہ قربانی کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنے مادّی فوائد ہیں۔

(۱) دولت کی گردش یعنی موجودہ معیشت کا اہم تقاضہ (۲) دولت کا سرمایہ دار کی جیب سے نکل کر غربار کے ہاتھوں میں منتقل ہونا اور غربار کا ذریعہ معاش بننا (۳) مویشی کی افزائش نسل کی حوصلہ افزائی اور اس کے ضمن میں دودھ، دہی، گھی وغیرہ کی پیداوار میں اضافہ (۴) چرم سازی کے کارخانوں کے لئے خام مال کی فراہمی (۵) جوتے اور دوسرے چرمی صنعتوں کا فروغ (۶) چرمی اشیاء کی برآمد اور زرمبادلہ کا حصول (۷) کھالوں کی برآمد اور کثیر زرمبادلہ کا حصول (۸) اُون کی پیداوار میں اضافہ اور اس کی برآمد سے زرمبادلہ کا حصول (۹) مندرجہ بالا صنعتوں اور برآمدی کاروبار میں ہزارہا افراد کو روزگار مہیا ہونا (۱۰) گوشت کی بہت بڑی مقدار غربار کے حصہ میں آنا اور ان کی عید کی خوشی کا دوبالا ہونا تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ غرض یہ کہ قربانی سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اگر کسی کو یہ فوائد نظر نہ آئیں تو اس کا کیا علاج ہے۔

مادّی عینک سے ہر چیز کو دیکھنے والوں کے لئے ہم نے مادّی فوائد کا ذکر کیا تاکہ دُنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کے ہر حکم میں متعدد مصالح مضمر ہیں اور اسلام ہی وہ نظام

معیشت پیش کرتا ہے جس میں بے پایاں خیر و برکت ہے ورنہ اگر قربانی میں یہ مادی فوائد نہ بھی ہوتے تب بھی ہم اسے اُسی ولولہ سے انجام دیتے جس طرح گزشتہ انبیاء علیہم السلام قرآن مجید کی بیان کردہ قربانی دیا کرتے تھے اور ان کو قطعًا اس کے مادی نقصان کی پرواہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ رضوانِ الٰہی اور روحانی فائدہ جہاں مقصود ہو وہاں مادی نقصان تو کیا جانی نقصان کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی اور ہم قربانی روحانی فوائد کے لئے ہی کرتے ہیں نہ کہ مادی فوائد کے لئے۔

منکرین حدیث کے لئے درسِ عبرت منکرین حدیث ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ قرآن تو اس قربانی کا ثبوت پیش کرتا ہے جو کلیۃً ضائع ہو جاتی ہے۔ حدیث میں اس قربانی کا ثبوت ہے جو مادی فوائد سے مالامال ہے اگر حدیث پر اعتراض ہے حالانکہ وہ غلط اعتراض ہے تو کیا اس طرح کا اعتراض قرآن پر نہیں ہو سکتا معلوم نہیں یہ لوگ قرآن پر اعتراض کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کی حقیقت مکمل کر سامنے آجائے اور جاہل عوام دھوکا نہ کھائیں۔ یہ لوگ قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تاکہ عوام ان کو مسلم اور قرآن کا وفادار سمجھیں حالانکہ حقیقت بالکل اسکے برعکس ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ جو کھیل یہ کھیل رہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ تحریف معنوی کی بڑی ہی مکروہ مثال ہے جس نے پورے اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینکدیا ہے اور فریب خوردہ لوگوں کو ڈارون اور مارکس کی گود میں ڈال کر الحاد اور سوشلزم کیلئے راہ ہموار کر دی ہے۔ اے علمبردارانِ قرآن و حدیث! سوچیئے یہ فتنہ کسقدر خطرناک ہے لیکن آپکی حیثیت محض خاموش تماشائی کی ہو کر رہ گئی ہے۔ للہ اٹھیئے اور تمام فتنوں کے مقابلے کیلئے سینہ سپر ہو جائیے۔ اگر اب بھی آپ ہوشیار نہیں ہوئے تو آئندہ نسل اس فتنۂ انکارِ حدیث کا بری طرح سے شکار ہو جائے گی اور ان کی گمراہی کی پوری ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی۔ بتائیے میدانِ محشر میں آپ کیا جواب دینگے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقصدِ قربانی

سلسلہ اشاعت ۳۳

عید الاضحیٰ ہر سال آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ ہر سال لوگ قربانیاں کرتے ہیں لیکن قربانی کے مقصد کو یا تو سمجھتے ہی نہیں یا سمجھتے ہیں تو بہت جلد اس کو بھول جاتے ہیں۔ قربانی کی دعاء اس مقصد کی صراحتاً نشاندہی کرتی ہے، لیکن ہم غیر شعوری طور پر اس کو پڑھتے ہیں اور اس سے کچھ اثر نہیں لیتے۔ قربانی سے جو سبق ہمیں ملنا چاہیئے تھا وہ ہمیں نہیں ملتا۔ بکرے یا دُنبے کی قربانی جذبۂ قربانی کے اظہار کا ایک طریقہ ہے، اور مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ

اَلْعَالَمِیْنَ (میری زندگی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے) کا پڑھنا اس قربانی کے مقصد کا اقرار اور اظہار ہے۔ یعنی یہ ہنگامی قربانی ہی نہیں بلکہ ہماری زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ اللہ کے راستہ میں قربان ہے۔ مگر کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہماری زندگی اللہ کے راستہ میں صرف ہو رہی ہے۔ کیا ہماری موت اس حالت میں واقع ہو گی کہ ہم اللہ کے راستے میں جدّوجہد کر رہے ہوں گے۔ پھر قربانی کی دعا میں ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم مسلم ہیں، لیکن کیا یہ حقیقت ہے کہ ہم واقعی مسلم ہیں۔ کیا ہم نے اپنی خواہشات کو شریعتِ الٰہی کا تابع بنا دیا ہے۔ اگر نہیں بنایا تو پھر قربانی سے ہم نے کیا فائدہ اٹھایا۔ اصل قربانی تو یہی ہے کہ اپنی خواہش کو شریعت کا تابع بنا دے۔ لیکن ہم قطعاً اس سے غافل رہتے ہیں۔ یہ قربانی اور یہ دُعا ہر سال ہمیں جھنجھوڑتی ہے لیکن ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○

جو شخص اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشاتِ نفسانی سے باز رکھا تو پھر ایسے ہی شخص کا ٹھکانہ جنت ہے۔

گویا خواہشات کی قربانی ہی اصل قربانی ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم سنبھل جائیں۔ سچے دل سے توبہ کر کے اپنی خواہشات کو اللہ کی شریعت کا تابع بنا دیں۔ یہی صورت اللہ کے عذاب سے بچنے کی ہے۔ محض زبان سے توبہ کرنا اور عملاً وہی کرتے رہنا بیکار ہے۔ ہم زبان سے کتنا ہی کہتے رہیں کہ اللہ مُعاف کر دے، اللہ مُعاف کر دے تو کیا اللہ مُعاف کر دے گا اور اپنا عذاب ٹال دے گا۔ عذاب جب ہی ٹل سکتا ہے کہ جب ہم معافی کی درخواست کے ساتھ یہ بھی عہد کریں کہ اب ہم نیک عمل کریں گے اور کسی قسم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ سچی توبہ کا درحقیقت یہی طریقہ ہے اور اسی چیز کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے :-

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○ (الفرقان)

جو شخص توبہ کرے اور پھر نیک عمل کرتا رہے تو درحقیقت ایسا ہی شخص صحیح معنوں میں اللہ سے توبہ کرتا ہے۔

اگر واقعی ہم چاہتے ہیں کہ اللہ اپنے دُنیوی اور اُخروی عذابوں سے ہمیں نجات دے تو ہمیں سچے دل سے توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کرنی ہو گی ورنہ اللہ سے رحم و کرم کی درخواست بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور رسُول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

گویا رحمتِ الٰہی کے نزول کے لئے اطاعتِ رسولؐ شرط ہے۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معنوں میں اطاعت کرنی چاہیئے، جب ہی ہم توقع رکھ سکتے ہیں کہ اللہ ہم پر رحم وکرم کی بارشیں برسائے گا۔

اللہ کے لئے ہوش میں آیئے، اپنی اصلاح کیجیئے، اپنی اولاد کی اصلاح کیجیئے۔ موجودہ تعلیمی نظام سے الحاد پھیلتا جارہا ہے۔ نئی نسل تباہی کی طرف تیزی سے پیش قدمی کررہی ہے۔ مشرقی پاکستان کی تباہی آپ کے سامنے ہے۔ اسلام کے خلاف تیز وتند آندھیاں چل رہی ہیں۔ اگر آئندہ نسل کو آپ مسلم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی اولاد کو مسلم دیکھنا چاہتے ہیں تو ایسے مدارس کے قیام کا اہتمام کیجیئے جن میں اسلام کی حقانیت کا سکہ بٹھایا جائے۔ بچوں کو دُنیوی علوم کے ساتھ دینی عُلوم بھی پڑھائے جائیں۔ دینی آداب کی عملی تربیت بھی دی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اشاعت ۱۱

ہدیۂ عید الاضحیٰ

عید الاضحیٰ، اہلِ اسلام کا دوسرا قومی وملی جشن ہے۔ عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ کی بھی دُو رکعتیں فرض ہیں (مسند احمد وبیہقی من عمرؓ) رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نہ صرف مردوں بلکہ) عورتوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ عیدگاہ جائیں، اگر اذیتِ ماہانہ کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکیں تو لوگوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتی رہیں اور ان کی دُعا کے ساتھ دُعا مانگیں (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عید الاضحیٰ کے دن نہا دھو کر اچھے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر بغیر کچھ کھائے عیدگاہ روانہ ہوں، راستہ میں تکبیریں پڑھتے رہیں۔ عیدگاہ سے جب واپس آئیں تو راستہ بدل دیں گھر پہنچکر قربانی کریں۔

قربانی کا جانور موٹا تازہ اور بالکل بے عیب ہو۔ اس کا کوئی عضو ناقص نہ ہو، اس کے نیچے کی طرف دو بڑے دانت نکل چکے ہوں۔

قربانی کے لئے نصاب کی شرط صحیح نہیں، قربانی ہر اُس شخص پر ضروری ہے جس کو وسعت ہو۔ خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔ یہ صحیح نہیں کہ قربانی صرف شہری پر لازمی ہے۔

جو شخص قربانی کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ بال کترے، نہ بال مونڈے اور نہ ناخن کترے جب تک قربانی ذبح نہ ہو جائے۔ اگر کسی کو قربانی کی مقدرت

نہ ہو تو اگر وہ (نمازِ عید کے بعد) سر اور مونچھ کے بال کترے، ناخن کترے اور زیر ناف بال مونڈے تو اس کو بھی قربانی جیسا ثواب مل جائے گا۔

یکم ذوالحجہ سے ۱۳ ذوالحجہ تک کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے یعنی تکبیر وغیرہ پڑھتا رہے۔

عیدالاضحیٰ کے مسائل مختصراً اوپر بیان کئے گئے۔ یہ سب احادیث سے ماخوذ ہیں لیکن اختلاف یہاں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح عیدالفطر کے مسائل میں پایا جاتا ہے۔ "ہدیۂ عیدالفطر" میں ہم بتا چکے ہیں کہ اختلاف ہی کو لوگوں نے رحمت سمجھ لیا ہے تو پھر اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش تو کجا اس کے متعلق وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں فرقہ بندی ختم نہیں ہو سکتی اور جب تک فرقہ بندی ختم نہ ہو شیرازہ بندی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا (آل عمران) "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو"

یہ تو تھی اتفاق و اتحاد کی ہدایت۔ اس کے آگے فرمایا تھا

وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران) "فرقہ فرقہ نہ بنو"

اگرچہ اتفاق و اتحاد کی ہدایت ہی کافی تھی لیکن مزید وضاحت اور تاکید کے لئے صراحتاً افتراق کی ممانعت کی، کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اختلاف اللہ کی رحمت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ "(اے ایمان والو) قرآن پڑھو جب تک تم اس پر مجتمع رہو، جب اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ۔"

(صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن)

دیکھا آپ نے؟ اختلاف کو کس شدت سے روکا جا رہا ہے۔ قرآن مجید کی تدریس بند کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اختلاف شدت اختیار کر کے ذہنوں میں پیوست ہو جائے، پھر ضد و ہٹ دھرمی سے جڑ پکڑ جائے اور اس کا دور کرنا مشکل ہو جائے۔ اگر اس وقت اختلاف کو وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوں تو اختلاف کی نوعیت سرسری ہو گی، ایسا اختلاف مزید غور و فکر سے خود بخود دور ہو سکتا ہے۔

قارئین کرام نے دیکھا کہ قرآن و حدیث کس طرح اختلاف کی ممانعت و مذمت کرتے ہیں اور ہم کس طرح اختلاف کو رحمت سمجھ کر سینہ سے لگائے بیٹھے ہیں۔ اٹھیے اور اس اختلاف کو ختم کر کے تمام فرقوں کو ایک مرکز اور ایک راستہ پر جمع کرنے کی کوشش کیجیے۔ جماعت المسلمین اسی کوشش میں لگی ہوئی ہے لہٰذا جماعت المسلمین کے ساتھ تعاون فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اشاعت ۷۸

پیامِ عیدالاضحیٰ

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلم قوم کو بھی سال میں دو تہوار دن ہیں اجتماعی خوشی منانے کا حکم دیا ہے عیدالاضحیٰ مسلمین کا دوسرا ملی جشن ہے۔ عیدالاضحیٰ قومی خوشیوں کے علاوہ مسلم قوم میں اجتماعی قربانی دینے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ عیدالاضحیٰ اُس اولوالعزم امام یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبحِ عظیم کی یاد دلاتی ہے۔ جو پوری زندگی اللہ تعالیٰ کیلئے قربانیاں دیتے رہے اور کبھی کسی باطل نظریہ کے آگے اُنہوں نے اپنا سر نہ جھکایا، اور اپنے بعد آنیوالوں کو اپنی زندگی سے یہ سبق دے گئے کہ اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی ایک مسلم کی حقیقی خوشی ہے اور یہی عیدالاضحیٰ کا پیغام ہے ؎

افسوس! ہم انبیاء علیہم السلام کی قربانیوں کو اور اُن کے پیغام کو تو بھول گئے اور قربانی کو بھی ایک رسم اور باہمی افتخار کا ذریعہ بنالیا، جانوروں کی گردن پر چھری پھیرنا تو آسان ہے لیکن کیا کبھی ہم نے اپنی خواہشات کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قربان کرنیکا عزم کیا تاکہ ہمیں وہ دائمی خوشی حاصل ہو سکے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کیا ہے۔ عارضی خوشیوں کو پسند کرنا دانشمندی نہیں، اس کے باوجود انسان دائمی مسرتوں کے حصول سے غافل ہو گیا ہے۔ اُس کو اس بات کا تو یقین ہے کہ اگر وہ زہر کھائیگا تو یقیناً ہلاک ہو جائیگا۔ مگر یقین نہیں تو قبروں سے اُٹھنے کا یقین نہیں، اگر یہ یقین ہوتا تو جو کچھ یہ کر رہا ہے وہ کام ہرگز نہ کرتا، اس کی زندگی کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جلد حاصل ہونیوالی خوشی کا متلاشی ہے ورنہ اس کا فکر و عمل عشرتِ جاودانی کے حصول کا یقیناً مظہر ہوتا۔ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ {القیٰمۃ: ۲۰-۲۱}

اے مسلم! تو اُس آنے والے ہیبت ناک دن سے کیوں غافل ہو گیا ہے جس دن تیری پوری زندگی احتساب تجھ سے لیا جائیگا۔ کیا یہ تیری غفلت اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت تجھ کو جہنم کے عذاب سے بچا سکے گی۔ کیا تیرا عمل ایسا ہے جو اُس دن کی ہولناکیوں سے تجھ کو محفوظ کر سکیگا۔ اُس دن تیرا کیا حال ہو گا جب تو اپنا حساب چکانے کیلئے سب سے بڑے حاکم کی عدالت میں حاضر کیا جائے گا۔ جن پر تو نے ظلم اور زیادتیاں کی ہوں گی وہ اپنا حق لینے کیلئے حاضر ہو جائیں گے، وہ اپنے گواہ بھی پیش کر دیں گے۔ سب سے بڑے گواہ تو تیرے ہاتھ پاؤں ہی ہونگے جو تیرے خلاف گواہی دینے کو تیار کھڑے ہوں گے۔ اے مسلم! اُس وقت سوائے حسرت اور ندامت کے اور کیا ہو گا۔ اس سے نجات کی کوئی تدبیر بھی سوچی۔ موت کے بعد یہ تیرا جمود اور نشہ ٹوٹا تو تجھے کیا حاصل۔ کیا اللہ تعالیٰ سے بغاوت، اُس کے رسول کی نافرمانی تیرے ورثہ میں آئی ہے۔ اگر یہ حقیقت

ہے تو تو اپنے انجام کا خود فیصلہ کر لے!

عید کے اسلامی آداب

۱۔ عیدالاضحیٰ کے دن نہا دھو کر اچھے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر، بغیر کچھ کھائے عیدگاہ روانہ ہوں۔ راستہ میں تکبیریں پڑھتے رہیں۔ عیدگاہ سے جب واپس آئیں تو راستہ بدل دیں۔ گھر پہنچکر قربانی کریں۔

۲۔ قربانی کا جانور موٹا تازہ اور بالکل بے عیب ہو۔ اس کا کوئی عضو ناقص نہ ہو، اس کے نیچے کی طرف دو بڑے دانت نکل چکے ہوں۔

۳۔ قربانی کیلئے نصاب کی شرط صحیح نہیں، قربانی ہر اُس شخص پر لازم ہے جس کو وسعت ہو خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔

۴۔ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ بال کترے نہ مونڈے اور نہ ناخن کاٹے جب تک قربانی ذبح نہ ہو جائے۔ جو شخص قربانی کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ بھی نمازِ عید کے بعد سر اور مونچھ کے بال کترے اور زیرِ ناف بال مونڈے تو اُس کو بھی قربانی جیسا ثواب مل جائے گا۔

۵۔ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد سے ۱۳ر ذوالحجہ تک کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور تکبیریں پڑھتا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۝

۶۔ وہ خواتین جو شرعی عذر کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکیں اُن پر بھی عیدگاہ میں حاضر ہونا فرض ہے۔ ایسی خواتین مسلمین کی تکبیرات کے ساتھ تکبیریں کہیں اور اُن کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں مانگیں۔ (صحیح بخاری)

۷۔ نمازِ عید دو رکعت فرض ہے (احمد عن عمرؓ) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہنا سنت ہے (ابوداؤد)

۸۔ قربانی کا اصل اور افضل دن عیدالاضحیٰ کا دن ہے لیکن ۱۱ر ۱۲ر ذوالحجہ کو بھی قربانی ہو سکتی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ کی ہدایت میں ۱۳ر تاریخ بھی شامل ہے لیکن ۱۳ر تاریخ کی یہ روایت ضعیف ہے۔

۹۔ کھال کو استعمال کر سکتے ہیں، مزدوری کے بدلہ میں کھال نہ دی جائے (بخاری)

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو خصی بنانے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے (مسند بزار وسندہ صحیح)

۱۱۔ قربانی کی دعا:- اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ (......فلاں قربانی کرنے والے کا نام لیں) بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۰۱

جانور کو خصّی بنانا منع ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صَبْرِ ذِى الرُّوْحِ وَعَنْ اِخْصَآءِ الْبَهَائِمِ نَهْيًا شَدِيْدًا۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ذی روح کو باندھ کر تیر اندازی کرنے اور جانوروں کو خصّی بنانے سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے (اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ مجمع الزوائد جزء ۵ ص ۲۶۵۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ نیل الاوطار جزء ۸ ص ۴۳)

گذارش قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ اس حدیث کی خوب اشاعت کریں خصوصاً ان لوگوں تک پہنچائیں جو جانوروں کو خصّی بناتے ہیں، انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں اور پھر بڑے فخر سے انہیں فروخت کرتے ہیں۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

مسجد المسلمین، کوثر نیازی کالونی،

ناظم آباد، بلاک جی، کراچی ۳۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۹۲

اسلامی نظامِ معیشت کے برکات

اسلامی نظامِ معیشت اسلام کا جزو لاینفک ہے۔ اسلام کے دوسرے نظاموں کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔

قبل اس کے کہ ہم یہ بتائیں کہ اسلامی نظامِ معیشت کے اصول کیا ہیں اور ان پر کس طرح عمل ہوتا ہے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلامی نظامِ معیشت کے برکات کیا ہیں۔ برکات کے علم سے اس نظام کی طرف رغبت ہوگی اور یہ دلی خواہش پیدا ہوگی کہ یہ نظام جلد از جلد نافذ ہو جائے تاکہ اس کے برکات سے عوام و خواص سب مستفیض ہوں۔

اسلامی نظامِ معیشت کے لئے سب سے بہترین نمونہ عہد رسالت اور عہد صحابہ کا نظامِ معیشت ہے، یہی دو زمانے ہیں جن میں اسلامی نظامِ معیشت اپنی پوری آب وتاب اور کمال کے ساتھ نافذ ہوا تھا۔ ان زمانوں میں اسلامی نظامِ معیشت کے برکات کا ذکر کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت کے نفاذ سے پہلے جو معاشی حالت تھی اس کا بھی ایک خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ اسلامی نظامِ معیشت کے برکات کا صحیح اندازہ ہو سکے

اسلامی نظامِ معیشت کے نفاذ سے پہلے معاشی حالت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ (توبہ ۹۲)

جہاد میں نہ جانے کا ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو سواری دیں، آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی سواری نہیں جس پر تمہیں سوار کرسکوں، یہ سنکر وہ لوگ واپس چلے جاتے ہیں اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

(۲) كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ عَاقِدُوْا اُزُرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلٰى رِقَابِهِمْ فَقِيْلَ لِلنِّسَآءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوْسَكُنَّ حَتّٰى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا

(صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگ اس حال میں نماز پڑھتے تھے کہ اپنے تہبندوں کو چھوٹا ہونے کی وجہ سے گردنوں سے باندھ لیا کرتے تھے، عورتوں سے کہہ دیا گیا تھا کہ سجدے سے اپنا سر نہ اٹھائیں جب تک مرد سیدھے نہ بیٹھ جائیں (ایسا نہ ہو کہ تہبندوں کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے عورتوں کی نظر مردوں کے ستر پر پڑ جائے)

مندرجہ بالا آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلامی نظامِ معیشت کے قیام سے پہلے نہایت عسرت و تنگی کا زمانہ تھا۔

اسلامی نظامِ معیشت کے قیام کے بعد لوگوں کی معاشی حالت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اِنْ شَآءَ (توبہ ۲۸)

اللہ اگر چاہے گا تو عنقریب تمہیں مالدار کردے گا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ مومنین کو مالدار کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے جو خوشخبری سنائی تھی وہ واقع ہو کر رہی، قرونِ اولیٰ کے مسلمین کی معاشی حالت بدلی۔ تنگی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوا، اس خوشحالی کے زمانہ کی ایک جھلک مندرجہ ذیل واقعات میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِالصَّدَقَةِ فَيَحْتَالُ اَحَدُنَا حَتّٰى يَجِيْئَ بِالْمُدِّ وَاِنَّ لِاَحَدِهِمُ الْيَوْمَ مِائَةَ اَلْفٍ

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر تفسیر سورۃ البراۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صدقہ کا حکم دیا کرتے تھے تو ہم میں سے ہر ایک آدمی کوئی حیلہ و تدبیر کرتا یہاں تک کہ ایک مدّ (یعنی نصف کلوگرام سے کچھ زیادہ جو وغیرہ) لے کر آتا اور آج یہ حال ہے کہ ان میں سے ہر ایک، ایک لاکھ کا مالک ہے۔

۲۔ حضرت خبابؓ فرماتے ہیں۔

إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا بِشَيْءٍ وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا)

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے کہ دنیا نے ان کی کوئی چیز کم نہیں کی (یعنی انہیں آخرت میں پورا اجر ملیگا۔ دنیا میں انہیں اپنے اعمال کا کوئی صلہ نہیں ملا) اور ہم کو دنیا (یعنی دولت) اتنی مل گئی ہے کہ اس کے خرچ کرنے کیلئے یا اسے رکھنے کے لئے ہمیں کوئی جگہ نظر نہیں آتی سوائے مٹی کے (یعنی سوائے مکان بنانے کے یا زمین میں دفن کرنے کے)

۳۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں۔

أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بِهِ بَطْنَهُ (صحیح مسلم، کتاب الزھد)

(باقی)

(اے لوگو) کیا تم اب اس حالت میں نہیں ہو کہ جو کچھ تم چاہتے ہو کھاتے ہو اور پیتے ہو، یقیناً میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ان کو خراب کھجور بھی میسر نہیں تھی کہ اس سے اپنا پیٹ بھر سکیں۔

نوٹ :۔ تفصیل کے لئے دیکھئے،

ہماری کتاب

" اسلام کا معاشی نظام "

از مسعود احمد صاحب

قیمت :۔ ۳۰/- روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کی اہمیّت

سلسلۂ اشاعت ۸۳

دن ورات میں کُل پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر نماز اپنے اپنے وقت پر فرض ہے۔ ارشادِ باری ہے:-

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (نساء) بے شک مومنین پر نماز کا اوقاتِ مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے۔

مسافر ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کو کسی ایک نماز کے وقت جمع کرکے پڑھ سکتا ہے لیکن مقیم کیلئے یہ جائز نہیں۔ بعض لوگ مقیم کیلئے بھی ظہر کی نماز عصر کے وقت یا عصر کی نماز ظہر کے وقت۔ مغرب کی نماز عشاء کے وقت یا عشاء کی نماز مغرب کے وقت ملا کر پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں مقیم کیلئے ملا کر پڑھنے کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ ظہر کی نماز کو آخری وقت اور عصر کی نماز کو اوّل وقت ادا کیا جائے۔ اسی طرح مغرب کو آخری وقت اور عشاء کو اوّل وقت ادا کیا جائے لیکن دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائیں، ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں ادا نہ کی جائے۔ اگر مقیم کے لئے بھی ایک نماز کا دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا جائز مان لیا جائے تو پھر پانچ وقت کی نمازیں کس پر فرض ہوں گی، پھر تو عملاً صرف تین وقت کی نمازیں رہ جائیں گی اور یہ قطعاً غلط ہے۔ مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچ اوقات کا تعین اور یہ فرمانا کہ ظہر کا وقت اُس وقت تک ہے جب تک عصر کا وقت نہ آئے بے معنی ہو جائیگا نعوذ باللہ من ذٰلک۔ علاوہ عشاء کے تمام نمازوں کا اوّل وقت پڑھنا بہتر ہے۔

ترکِ نماز کفر ہے | تمام اعمالِ صالحہ میں نماز کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ نماز، ایمان و کفر میں حدِ فاصل ہے۔ جو شخص نماز پڑھتا ہے وہ مومن ہے، جو نہیں پڑھتا وہ کفر کے حدود میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِنَّ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الشِّرْکِ وَالْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ (صحیح مسلم کتاب الایمان) آدمی اور شرک و کفر کے درمیان صرف ترکِ نماز (کا فرق) ہے۔

یعنی جو شخص نماز ترک کرتا ہے وہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتا ہے، ایسا شخص مومن تو کیا آدمی کہلانے کا بھی مستحق نہیں رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اَلْعَھْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمْ ہمارے اور ان (کفار) کے درمیان نماز کا فرق

الصَّلٰوۃُ فَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ کَفَرَ (ترمذی کتاب الایمان، صححہ الترمذی و النسائی والعراقی) ہے لہٰذا جس شخص نے نماز چھوڑ دی اُس نے یقیناً کفر کیا۔

تارک الصلوٰۃ سے جہاد فرض ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ (توبہ) اگر کافر (کفر سے) توبہ کرلیں، نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر ان کا راستہ چھوڑ دو (یعنی اُن سے جنگ نہ کرو)

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ (توبہ) اگر کافر توبہ کرلیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ دینی بھائی بننے کیلئے نماز کی ادائیگی شرط ہے۔ جو نماز نہیں پڑھتا وہ دینی بھائی نہیں یعنی غیر مسلم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآءَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ (صحیح بخاری کتاب الایمان وصحیح مسلم کتاب الایمان) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اِلٰہ نہیں، اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے خون اور اپنے مال کو مجھ سے بچا لیا، مگر ہاں اسلام کا حق اُن سے لیا جائیگا اور اُن کا حساب اللہ (عزّ وجلّ) کے ذمہ ہوگا۔

مندرجہ بالا آیات و حدیث سے ثابت ہوا کہ جب تک کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا اُسکی حیثیت وہی ہوگی جو ایک غیر مسلم کی ہوتی ہے۔ اُس سے اُسی طرح جہاد کیا جائے گا جس طرح غیر مسلم سے کیا جاتا ہے۔

تارک الصلوٰۃ قابل قتل ہے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم کیا۔ ایک (منافق) شخص نے اس تقسیم پر اعتراض کیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ، میں اِسے قتل نہ کردوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا، لَعَلَّہٗ اَنْ یَّکُوْنَ یُصَلِّیْ عـہ "نہیں، شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

خِیَارُ اَئِمَّتِکُمُ الَّذِیْنَ تُحِبُّوْنَھُمْ وَیُحِبُّوْنَکُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَیْھِمْ وَیُصَلُّوْنَ "تمہارے بہترین نگران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم اُن کیلئے دعا کرو اور وہ تمہارے

عـہ صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث علیؓ و صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ذکر الخوارج۔

عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ عِنْدَ ذٰلِكَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

لئے دُعا کریں۔ اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں کہ جن سے تم بُغض رکھو اور وہ تم سے بُغض رکھیں تم اُن پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں' صحابہؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ کیا ہم ایسی حالت میں انہیں تلوار سے نہ ہٹادیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان نماز کو قائم رکھیں، نہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان نماز کو قائم رکھیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّهٗ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ اُمَرَآءُ فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلَّوْا. (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

"تم پر بعض ایسے امیر مقرر کئے جائیں گے جن کی بعض باتوں کو تم اچھا سمجھو گے اور بعض باتوں کو بُرا سمجھو گے تو جس شخص نے ان کی (بُری) باتوں سے کراہت کی وہ بَری ہوگیا اور جس شخص نے انکار کیا وہ سلامت رہا لیکن جو شخص اُن سے راضی ہوگیا اور اُنکی پیروی کی" (وہ ہلاک ہوگیا) صحابہؓ نے پوچھا "کیا ہم اُن سے جنگ نہ کریں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں"۔

حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں:۔

دَعَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ فَكَانَ فِيْمَا اَخَذَ عَلَيْنَا اَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِيْ مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَاَثَرَةً عَلَيْنَا وَاَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ قَالَ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ وصحیح بخاری کتاب الفتن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا، ہم نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر جن باتوں کی آپؐ نے ہم سے بیعت لی اُن میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ ہم سُنیں اور اطاعت کریں خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی۔ تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی اور اس حالت میں بھی کہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دیجائے اور بیعت میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ حکام سے حکومت کے معاملہ میں جھگڑا نہ کریں۔ پھر آپؐ نے فرمایا سوائے اس صورت کے کہ تم اُن کو ایسا کفر صریح کرتے دیکھو جس کو کفر قرار دینے کیلئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حاکم وقت سے صرف اُس وقت جنگ کی جا سکتی ہے جب وہ کفر صریح کا مرتکب ہو، دوسری احادیث جو اُوپر نقل کی گئیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت سے اُس وقت

جنگ کی جائے جب وہ نماز چھوڑ دے۔ گویا ترکِ نماز بھی کفرِ صریح ہے۔

نماز کی محافظت کا حکم | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ {بقرہ} نمازوں کی محافظت کرو۔

"حَافِظُوْا" کا تعلق باب مفاعلہ سے ہے۔ اس باب میں مستقل طور پر اور یکے بعد دیگرے کام کرنیکا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا "حَافِظُوْا" کا مطلب یہ ہوا کہ تمام نمازوں کی مستقل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کرو۔ اگر بجائے "حَافِظُوْا" کے "اِحْفَظُوْا" ہوتا تو یہ معنی نہیں نکلتے۔ اسی باب میں مندرجہ ذیل آیتیں بھی نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ {مومنون}

وہ مومن فلاح پائیں گے جو اپنی نمازوں کی مستقل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝ {معارج}

نمازی تو درحقیقت وہ ہیں جو اپنی نماز کی مستقل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جنت میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّ بُرْهَانًا وَّ نَجَاةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاةٌ وَّكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ {مسند احمد عن عبد اللہ بن عمرؓ۔ رجالہ ثقات}

جس شخص نے نمازوں کی مستقل اور مسلسل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کی اُس کیلئے قیامت کے دن نور، برہان اور نجات ہوگی اور جس نے نمازوں کی مستقل اور مسلسل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت نہ کی تو اس کیلئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا، نہ برہان اور نہ نجات وہ قیامت کے دن قارون، فرعون اور ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

مندرجہ بالا آیات و حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازوں کی مستقل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کرنا فرض ہے اور دخولِ جنت کیلئے شرط ہے۔

گنڈے دار نمازی | مندرجہ بالا آیات و احادیث میں جن میں نمازوں کی حفاظت کا حکم باب "مفاعلہ" میں دیا گیا ہے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کبھی نماز پڑھنا اور کبھی چھوڑ دینا

نجات کیلئے کافی نہیں۔ مندرجہ ذیل آیات میں بھی اسی بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝

بیشک انسان بڑا بے صبرا پیدا کیا گیا ہے، جب اُسے کوئی بُرائی پہنچتی ہے تو واویلا کرتا ہے اور جب کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ہاتھ روک لیتا ہے۔ البتہ (ان فطری بُرائیوں سے) وہ نمازی مستثنٰی ہیں جو اپنی نماز پر مداومت کرتے ہیں یعنی ہمیشہ پڑھتے ہیں۔

نمازوں کو ضائع کرنیوالوں کا انجام

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ (مریم)

ان (نیک) لوگوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور (اپنی) خواہشات کی پیروی کرنے لگے، ایسے لوگ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے، مگر جن لوگوں نے توبہ کی، ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔

آیتِ بالا سے بھی معلوم ہوا کہ ترکِ نماز کفر ہے، ورنہ اس کے کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ "جو لوگ ایمان لائے"۔

بعض نمازی دوزخ میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

ایسے نمازیوں کیلئے دوزخ ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں اور جو برتنے کی چیز عاریۃً دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔

آیاتِ بالا کا تقاضہ یہ ہے کہ نمازیوں کو ارکانِ نماز کی صحیح ادائیگی اور اوقاتِ نماز سے غافل نہیں رہنا چاہیئے، خلوص کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے، اور اگر ان سے کوئی چیز عاریۃً مانگی جائے تو انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ کسی برتنے کی چیز کو عاریۃً دینے سے انکار کرنا بد اخلاقی ہے، نمازی کو بد اخلاق نہیں ہونا چاہیئے۔

نماز برائیوں سے بچاتی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت ۴۵)

بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے بچاتی ہے۔

اگر کسی نمازی کی بُرائیاں باوجود نماز پڑھنے کے کم نہیں ہو رہیں تو اُسے سمجھنا چاہیئے کہ

نماز میں ضرور کوئی ایسی خامی ہے جس کی وجہ سے نماز کے صحیح نتائج برآمد نہیں ہوتے ہیں، اس کو اپنی نماز کی اصلاح کرنی چاہیئے۔

نماز اور اوصاف حمیدہ نمازی میں اوصاف حمیدہ پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ ان میں سے اہم اوصاف حمیدہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۝ {معارج ۲۲ تا ۳۵}

(تمام انسانوں میں گھبراہٹ اور بخل ہوتا ہے) سوائے ان نمازیوں کے جو ہمیشہ پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں، جن کے مال میں سائل اور محروم کیلئے ایک حصہ مقرر ہوتا ہے جو روزِ جزاء کی تصدیق کرتے ہیں۔ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بیشک اُن کے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔ اور جو (تمام عورتوں سے) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے، اُن کے پاس جانے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ان کے علاوہ اگر وہ کسی اور عورت کے متلاشی ہوں تو پھر وہ حد سے نکل جانے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی نگرانی کرتے ہیں، جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نماز کی پابندی کے ساتھ حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو باغات میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔

اگر کسی نمازی میں یہ اوصافِ حمیدہ پائے جاتے ہیں تو اُسے اُمید رکھنی چاہیئے کہ اس کی نماز قبول ہو رہی ہے اور اگر یہ اوصاف پیدا نہیں ہوئے ہیں تو پھر اُسے اپنی نماز کا جائزہ لینا چاہیئے۔

نماز صبر، استقامت اور ضبطِ نفس کی تربیت دیتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ {بقرہ ۱۵۳}

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرو۔

نمازی جب تکبیرِ تحریمہ کہتا ہے تو جب تک وہ سلام نہ پھیرے کوئی کام نہیں کر سکتا، تمام حلال و جائز کام جو وہ نماز شروع کرنے سے پہلے کر سکتا تھا نماز میں حرام ہو جاتے ہیں۔ نہ

وہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے، نہ نظر اٹھا سکتا ہے، گویا وہ صبر اور ضبطِ نفس کی مشق کر رہا ہے۔ اُسے تربیت مل رہی ہے کہ جس اللہ کے حکم سے نماز کے اندر اُس نے تمام حلال چیزوں اور کاموں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا نماز کے بعد وہ اُسی اللہ کی اطاعت میں تمام حرام کاموں سے بچے۔

نماز کے مزید فوائد نماز ایک ہلکی قسم کی ورزش ہے، دن و رات میں پانچ نمازیں سستی اور کاہلی دور کرنے اور چستی و مستعدی پیدا کرنیکا عجیب و غریب ذریعہ ہیں۔ نماز صفائی و پاکیزگی کی بھی تربیت دیتی ہے۔

نماز جماعت سے پڑھنا ضروری ہے رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ یُحْتَطَبُ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوۃِ فَیُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ وَفِیْ رِوَایَةِ مُسْلِمٍ رِجَالٍ یَّتَخَلَّفُوْنَ عَنْهَا (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ وصحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)

قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا تھا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر اذان کا حکم دوں اور کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر ان مردوں کی طرف جاؤں جو نماز میں نہیں آتے اور اُن کے گھروں کو مع اُن کے جلا دوں۔

نماز اور نظم و ضبط رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰی قَائِمًا فَصَلُّوْا قِیَامًا وَاِذَا صَلّٰی قَاعِدًا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا اَجْمَعُوْنَ (صحیح بخاری وصحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)

امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کیجائے لہٰذا جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب وہ رُکوع کرے تو تم بھی رُکوع کرو، جب وہ سر اُٹھائے تو تم بھی سر اُٹھاؤ جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو، جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

اسی حکم کی تعمیل میں تمام مقتدی امام کی آواز پر نقل و حرکت کرتے ہیں۔ وہ کسی معاملہ میں نہ اُس سے پیش قدمی کرتے ہیں نہ اُس کی پیروی سے انحراف کرتے ہیں، اگر امام غلطی کرتا ہے تو وہ سُبحان اللہ کہکر اُسے غلطی پر متنبہ کرتے ہیں، براہ راست اس سے یہ نہیں کہتے کہ تم نے غلطی کی، بلکہ یہ کہکر کہ "اللہ ہی غلطیوں سے پاک ہے" اُسے ہوشیار کر دیتے ہیں۔ اپنے امام

کو غلطی بتانے کا کتنا پیارا انداز ہے۔ اگر امام پھر بھی غلطی سے رجوع نہیں کرتا تو مقتدی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑتے بلکہ پورے نظم وضبط کے ساتھ اُس کی آواز پر اپنی نقل و حرکت کو جاری رکھتے ہیں۔ یہی وہ نظم وضبط کی تربیت ہے جو سیاست کے وسیع میدان میں مسلمین کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں، اُس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بڑے خیر خواہانہ انداز میں ادب کے ساتھ اُس کی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنی غلطی تسلیم نہ کرے پھر بھی معروف کاموں میں اُس کی اطاعت سے مُنہ نہیں موڑتے، اُسے چھوڑ کر انتشار و اختلاف کو ہوا نہیں دیتے۔

نماز کا طریقہ فرض ہے اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی تو اس کے ادا کرنیکے طریقہ کو مسلمین کے صوابدید پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کے طریقہ کو بھی فرض کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ)

جب تم (بحالت جنگ) دشمن سے خطرہ محسوس کرو تو نماز کو چلتے پھرتے اور سواری پر پڑھ لو اور جب امن ہو جائے تو نماز کو اُسی طریقہ سے ادا کرو جس طریقہ سے اللہ نے تم کو سکھائی ہے اور جس طریقہ سے تم (پہلے) ناواقف تھے۔

نماز کا طریقہ کہاں ملیگا جس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی ہے وہ طریقہ قرآن مجید میں تو نہیں ملتا، ظاہر ہے کہ پھر وہ طریقہ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ملیگا۔ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ (صحیح بخاری) نماز اُسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔

مذکورہ بالا آیت وحدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس طریقہ سے رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے وہ طریقہ فرض ہے، اس طریقہ میں فرض، واجب، سُنّت اور مستحب کی تقسیم فرضی ہے۔ تمام ایمان والوں کو صرف اُسی طریقہ سے نماز پڑھنا چاہیئے جس طریقہ سے رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی طریقے سے نماز پڑھتے تھے رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی طریقہ سے نماز پڑھی ہے اور وہی طریقہ فرض ہے۔ صحیح احادیث سے اس طریقہ کو تلاش کرکے اس طریقہ کے مُطابق نماز پڑھنا چاہیئے۔ نماز کے فرقہ وارانہ طریقوں سے کلیتًا اجتناب کرنا چاہیئے۔

اولاد کو نماز کا حکم رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مُرُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا وَاضْرِبُوْا هُمْ عَلَيْهَا اِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا {احمد عن عبداللہ بن عمرؓ و رواہ ابو داؤد نحوہٗ صححہ الحاکم واقرہ الذہبی}

اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں۔ اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں مار کر نماز پڑھاؤ۔

نماز کے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ {صحیح مسلم کتاب الطہارۃ}

پانچوں نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ، ایک رمضان سے دوسرا رمضان، درمیانی زمانہ کے تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں بشرطیکہ گناہِ کبیرہ نہ کئے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اَرَءَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُوْلُ ذٰلِكَ يُبْقِيْ مِنْ دَرَنِهٖ قَالُوْا لَا يُبْقِيْ مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئًا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا {صحیح بخاری و صحیح مسلم}

بتاؤ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازہ پر نہر ہو اور وہ اُس میں ہر روز پانچ بار نہاتا ہو تو کیا اُس کے میل میں سے کچھ باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا میل میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے، اللہ اسکے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:-

اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ اَلصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا {صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ و صحیح مسلم کتاب الایمان}

اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز (جو کہ اپنے وقت پر (پڑھی جائے)

آدابِ نماز ۱۔ نماز میں خشوع وخضوع ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ {المؤمنون ۱، ۲}

یقیناً اُن مؤمنین کو فلاح نصیب ہوگی جو اپنی نماز خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں۔

۲۔ نماز میں ادب سے کھڑا ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ۝ {البقرۃ ۲۳۸}

اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو۔

۳۔ نماز میں کسی قسم کی حرکت نہیں ہونی چاہیئے۔ کامل سکون ہونا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ {صحیح مسلم} نماز میں ساکن رہو۔

۴۔ نماز میں حُسن و دلکشی ہونی چاہیے۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَلَا تُحَسِّنُ صَلٰوتَكَ {صحیح مسلم} تم اپنی نماز کو حسین کیوں نہیں بناتے۔

۵۔ نماز میں آستین نہ چڑھائے، کپڑے اور بال نہ سمیٹے۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اُمِرْنَا اَنْ ..... لَا نَكُفَّ ثَوْبًا وَّلَا شَعْرًا {صحیح بخاری وصحیح مسلم} ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم (نماز میں) نہ کپڑا سمیٹیں نہ بال۔

۶۔ جا نماز اور نمازی کے کپڑوں وغیرہ پر نقش و نگار نہیں ہونے چاہئیں۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منقش چادر کو نماز میں اوڑھنا پسند نہیں فرمایا اور منقش پردہ کو اُتروا دیا تھا {صحیح بخاری}

۷۔ نماز میں نگاہیں نیچی رکھے، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لَيَنْتَهِيَنَّ عَنْ ذٰلِكَ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ {صحیح بخاری وصحیح مسلم نحوہٗ} نگاہیں اُوپر کرنے سے لوگ باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھیں اُچک لی جائیں گی۔

۸۔ ننگے سر اور بُرا لباس پہن کر نماز نہ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ {اعراف} ہر نماز کے وقت اپنی زینت کی چیزیں پہن لیا کرو۔

نماز اور زینت

ہر کام کو انجام دینے کے دو طریقے ہوتے ہیں :۔

(۱) ایک عمدہ اور دلفریب،

(۲) دوسرا ناپسندیدہ اور مکروہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبّر ہوگا۔

ایک شخص نے عرض کیا :۔

اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ بے شک آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے

ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَ نَعْلُهٗ حَسَنَةً کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو (کیا یہ بھی تکبر ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم الکبر جزء اول ص۶۵ و ص۶۵)

اللہ خوبصورت ہے، خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق کو تسلیم نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔

مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ اچھا کپڑا خوبصورتی میں شمار ہوتا ہے اور خوبصورتی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے لہذا جو چیز اللہ تعالے کو پسند ہے ہمیں بھی وہی چیز پسند ہونی چاہیئے یعنی ہمارے کپڑے خوبصورت ہونے چاہئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَیْہِ نِعْمَۃً فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یُحِبُّ اَنْ یَّرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ۔ (رواہ احمد۔ بلوغ الامانی جزء ۱۷ ص۲۳۵ وسندہ صحیح۔ التعلیقات للالبانی علی المشکوٰۃ جزء ۲ ص۱۲۵۲)

جس شخص کو اللہ عزوجل نعمت سے سرفراز فرمائے تو اللہ عزوجل اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنی اس نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔

مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالے کو خوبصورتی پسند ہے اور یہ کہ جب اللہ عزوجل کسی کو کوئی نعمت دیتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اُس بندے پر ظاہر ہو یعنی اگر اللہ تعالے نے کسی بندے

کو مال دیا ہے تو اللہ تعالےٰ یہ چاہتا ہے کہ اس مال کا اثر اس بندے کے لباس سے ظاہر ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کیونکہ اللہ تعالےٰ کو خوبصورتی پسند ہے لہٰذا اُسے خوبصورت لباس پسند ہے اور جس کو اللہ تعالےٰ فراخی دے اُسے چاہیئے کہ خوبصورت لباس پہنے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف ۳۲)

(اے رسول، ان سے) پوچھیئے (بتاؤ) اللہ کی زینت کو جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کیا؟ (اے رسول، آپ) کہدیجئے یہ (چیزیں) دنیا کی زندگی میں مؤمنین کے لئے ہیں (اور) آخرت میں خالص انہی کا حصہ ہوں گی۔ جاننے والوں (سمجھنے والوں) کے لئے ہم اس طرح آیات کو کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ

(۱) جو لوگ اللہ تعالےٰ کی زینت بخش چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں اللہ تعالےٰ ان سے خوش نہیں۔ اللہ عزوجل کو یہ بات پسند نہیں کہ جس چیز کو اللہ تعالےٰ زینت کے طور پر اپنے بندوں کے لئے پیدا کرے، بندے اس کو اپنے اوپر حرام کر لیں اور ترک زینت کو نیکی سمجھنے لگیں۔

(۲) اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ جن زینت دینے والی چیزوں کو اس نے

بندوں کے لئے پیدا کیا ہے، بندے انہیں استعمال کریں اور اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ کی تصویر بن جائیں۔

(۳) یہ نعمت کی چیزیں اللہ ذوالجلال والاکرام نے ایمان والوں کے لئے پیدا کی ہیں اگرچہ دنیا کی زندگی میں کافر بھی ان سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔

(۴) آخرت میں یہ زینت کی چیزیں صرف ایمان والوں کو ملیں گی، کافران سے محروم رہیں گے۔

(۵) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمنین اچھے سے اچھا لباس پہنیں اور اللہ تعالےٰ کی رضاء اور اس کی پسند کے رنگ میں رنگ جائیں اور جو نعمت اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے پیدا کی ہے اُس سے اعراض نہ کریں۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ	اے بنی آدم، ہم نے تم پر لباس
لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَ	نازل فرمایا ہے کہ تمہاری ستر پوشی کرے
رِیْشًا	اور (تمہارے لئے) زینت (بخش) ہو۔ (الاعراف - ۲۶)

اِس آیت سے ثابت ہوا کہ لباس کا مقصد صرف ستر پوشی ہی نہیں بلکہ زینت بھی ہے۔ جو لباس زینت بخش نہ ہو وہ درحقیقت اپنے مقصدِ تخلیق کے لحاظ سے ناقص ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں لباس کے نزول کو اپنی ایک نعمت کے طور پر پیش کیا اور اپنے بندوں پر اپنے احسان کو جتایا ہے۔ آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کا منشاء یہ ہے کہ لباس ایسا ہونا چاہیئے جو انسان کو زینت دے۔ اگر لباس ایسا ہو جو صرف ستر پوشی کے مقصد کو پورا کرتا ہو لیکن زینت بخش نہ ہو تو یہ اللہ تعالےٰ کی منشاء کے خلاف ہے۔

مندرجہ بالا آیات و احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) اللہ تعالےٰ کو خوبصورتی پسند ہے۔

(۲) مؤمنین کو خوبصورت لباس پہننا چاہیئے اور زینت کی چیزیں استعمال کرنی چاہیئں۔

جب اللہ تعالےٰ ہر حال میں خوبصورتی اور خوبصورت لباس کو پسند کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خاص اس حالت میں جبکہ بندے اس کے دربار میں حاضری دیں خوبصورت لباس کو پسند نہ کرے یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالےٰ تمام حالات میں تو خوبصورت لباس پسند کرے لیکن نماز کی حالت میں خوبصورت لباس کو پسند نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ کی پسند کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں جبکہ بندہ اللہ تعالےٰ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اس کا لباس کچھ اور زیادہ ہی اچھا ہونا چاہیئے اور یہ چیز قرآن مجید سے ثابت ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۳۱) اے بنی آدم، ہر نماز کے وقت اپنی زینت (کی چیزیں) پہن لیا کرو۔

اگرچہ عام حالات میں بھی اللہ تعالےٰ کی پسند اور زینت کی تخلیق کی غرض و غایت کا تقاضا یہ ہے کہ زینت کی چیزیں استعمال کی جائیں لیکن نماز کی حالت میں تو اللہ تعالےٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں زینت کی چیزیں پہننے کو فرض کر دیا۔ اب جو شخص نماز کی حالت میں زینت کی چیزیں نہیں پہنتا وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور وہ کام کرتا ہے جو اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے۔

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ نماز کی حالت میں لباس کامل اور زینت بخش ہو۔

جوتی اور ٹوپی یا عمامہ وغیرہ یہ سب لباسِ کامل کے اجزاء اور زینت کی چیزیں ہیں لہذا ان سب کو پہن کر نماز پڑھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی حدیث سے یہ ثابت ہو جائے کہ جوتی اور ٹوپی یا عمامہ زینت کے لیے ضروری اجزاء نہیں ہیں کہ ان کے بغیر نماز پڑھنا ناجائز ہو تو پھر یہ چیزیں آیت کے حکم سے مستثنیٰ ہو جائیں گی۔

جوتی کیونکہ عموماً فرش فروش، بستروں اور جانمازوں پر زینت شمار نہیں ہوتی لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زینت کی ضروری اشیاء سے مستثنیٰ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَخَلَعَ نَعْلَيْهِ فَلَا يُؤْذِ بِهِمَا اَحَدًا، لِيَجْعَلْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَوْ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا
(ابوداؤد، کتاب الصلوۃ باب المصلی اذا خلع نعلیه این یضعهما جزء اول ص ۱۰۳ وسندہٗ صحیح۔ مرعاۃ جزء ۲ ص ۲۱۵۔ المستدرک ۱/۲۶۰)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور جوتیاں اتارے تو ان کے ذریعہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے، یا تو اُن کو دونوں پیروں کے درمیان رکھ لے یا ان کو پہن کر نماز پڑھے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں :-

إِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَلْبَسْ نَعْلَيْهِ اَوْ لِيَخْلَعْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَلَا يُؤْذِيْ بِهِمَا غَيْرَهٗ (رواہ الحاکم وسندہ صحیح۔ المستدرک ۱/۲۵۹)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنی جوتیاں پہن لے یا ان دونوں کو اتار کر اپنے دونوں پیروں کے درمیان رکھ لے اور ان کے ذریعہ کسی دوسرے کو ایذاء نہ

پہنچائے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتی کو نماز میں زینت کے ضروری اجزاء سے مستثنیٰ کر دیا۔ ٹوپی یا عمامہ کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ننگے سر نماز پڑھی ہو خصوصاً ایسی صورت میں کہ آپ کے پاس ٹوپی یا عمامہ موجود ہو۔ لہذا عمامہ یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا آیت مذکورہ بالا کے لحاظ سے ضروری ہے۔

اشکال | کہا جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے ننگے سر نماز پڑھی۔

جواب | کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت جابرؓ نے ننگے سر نماز پڑھی۔

دوسرے یہ کہ صحابی کا قول یا فعل حجت شرعیہ نہیں ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو اور جب حدیث کے خلاف صحابی کا قول و فعل حجت نہیں تو قرآن مجید کی آیت کے خلاف ہونے کی صورت میں تو وہ اور بھی زیادہ ناقابل حجت ہے۔

اعتراض | کہا جاتا ہے کہ سورۂ اعراف کی مذکورہ بالا آیت طواف کے متعلق ہے نہ کہ نماز کے متعلق۔ مزید برآں طواف ننگے سر کیا جاتا ہے لہذا سر کا ڈھانکنا اس آیت کا منشاء نہیں بلکہ نہ ڈھانکنا آیت کا منشاء ہے۔

جواب | یہ تو صحیح ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول طواف سے تعلق رکھتا ہے لیکن یہ اصول سب کو مسلّم ہے کہ کسی آیت کے شان نزول سے اُس آیت کے مفہوم کو مقید نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے حکم کو عام سمجھا جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں بھی ہے یعنی سبب نزول تو طواف ہے لیکن حکم میں طواف اور نماز دونوں شامل ہیں خصوصاً ایسی صورت میں کہ اللہ تعالےٰ نے بجائے

" طواف " کے "مسجد" کا لفظ استعمال کیا ہو اور پھر اس کے ساتھ لفظ "کل" بھی لگا دیا ہو تاکہ مسجد حرام کی خصوصیت نہ رہے۔ اب ہر مسجد میں یا ہر نماز کے وقت زینت کرنا ضروری ہو گیا۔

{ نوٹ :۔ مسجد اسم ظرف ہے۔ اس کے معنی ہیں: (۱) نماز کی جگہ (۲) نماز کا وقت }

یہ بھی صحیح نہیں کہ طواف ننگے سر کیا جاتا ہے۔ عمرہ کا طواف حالت احرام میں ہوتا ہے اور حالت احرام میں مرد کو سر ڈھانکنا منع ہے لہٰذا صرف عمرہ کا طواف ننگے سر ہوتا ہے باقی حج کے طواف اور روزمرہ ہر وقت اور ہر آن چوبیس گھنٹے جو لاتعداد طواف ہوتے ہیں وہ حالت احرام میں نہیں کئے جاتے لہٰذا ان میں سر کو ننگا رکھنا مشروع نہیں ہے۔ لاتعداد طوافوں کے منشاء کو نظر انداز کر کے صرف ایک طواف کے منشاء پر زور دینا عجیب ہے۔ شان نزول میں طواف کا ذکر ہے نہ کہ عمرہ کے طواف کا لہٰذا ننگے سر کا ساخسانہ بالکل لغو اور خود ساختہ ہے۔

نماز میں زینت کرنے کے مزید دلائل

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اِنْ کَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهٖ	اگر (کپڑا) کشادہ ہو تو اُسے (پورے جسم)
وَاِنْ کَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهٖ	پر لپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو تہ بند باندھ لو۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا کان الثوب ضیقا جزء ۱ ص۱۰۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اوپر کا بدن بھی ڈھانکنا ضروری ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیَلْبَسْ ثَوْبَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ اَحَقُّ اَنْ یُّتَزَیَّنَ لَہٗ (طبرانی کبیر۔ سندہ حسن۔ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲ صفحہ ۲۱۸)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے دونوں کپڑے پہنے اس لئے کہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لئے زینت کی جائے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اوپر کا بدن بھی ڈھانکنا ضروری ہے۔ مزید براں یہ بھی ثابت ہوا کہ جتنی زینت دوسروں کے لئے کی جاتی ہے اللہ تعالےٰ ان سے زیادہ اُس زینت کا حقدار ہے لہذا نماز میں اللہ تعالےٰ کے لئے زینت کا اہتمام ہونا چاہیئے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَمَعَ عَلَیْہِ ثِیَابَہٗ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب نسخ الوضوء مما مست النار ۱/۱۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے زیب تن فرمائے، پھر نماز (پڑھانے) کے لئے باہر تشریف لے گئے۔

"ثیاب" جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا صیغہ کم از کم تین کے لئے استعمال ہوتا ہے، لہذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے لباس کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

نماز میں کامل اور زینت بخش لباس پہنیئے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تحفۂ رمضان

سلسلۂ اشاعت ۸۱ — رمضان ۱۳۹۵ھ

نفسِ امارہ ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی طرف اُکساتا رہتا ہے لیکن جو حضرات اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے تربیتی پروگرام کے مُطابق تربیت دیتے ہیں اُن کا نفس رضائے الٰہی کیلئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ یہ تربیتی پروگرام نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ اور جہاد پر مشتمل ہے۔ نماز کے ذریعہ دن رات میں پانچ بار ہم تربیت حاصل کرتے ہیں، اپنے قلب کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ حدود اللہ سے تجاوز کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ روزہ بھی اسی تربیتی پروگرام کی ایک عظیم کڑی ہے جس کے ذریعہ ایک مسلم کو ایک ماہ کے ایسے تربیتی پروگرام سے گذارا جاتا ہے جس کے ذریعہ دل و دماغ، کان، زبان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کو بڑے نظم و ضبط اور پابندی و شعور کے ساتھ تمام ناجائز کاموں سے بچنے کی تربیت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ ماہِ رمضان میں وہ پورا قرآن پڑھتا یا سُنتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے تمام شرعی ضابطے اُس کو از سرِ نو معلوم ہو جاتے ہیں اور جن احکامات کو وہ زندگی کی گھما گھمیوں میں بھول چکا تھا اُسے ان سب کی یاد تازہ کرادی جاتی ہے۔ اب اُس کیلئے میدانِ محشر میں عُذر کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔

سوچنا یہ ہے کہ کیا واقعی ہم اخلاصِ نیت اور شعور کے ساتھ اس پروگرام پر عمل کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرہ کی کیفیت جو عید کے دن اور اس کے بعد نظر آتی ہے اُس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہم نے پورا ماہِ صیام غیر شعوری طور پر اور رسماً گذارا ہے ورنہ ہماری پوری زندگی کا نقشہ ہی بدل جاتا۔

اگر ہم ماہِ صیام میں اپنی مصروفیات کا جائزہ لیں تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ہماری دُنیوی مصروفیات میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس کو دیکھو دُنیا کمانے میں لگا رہتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں عام دنوں سے زیادہ گھما گھمی بڑھ جاتی ہے۔ کارخانوں میں عید کی ضروریات پوری کرنے کیلئے زیادہ تندہی سے کام ہوتا ہے۔ دکانداری فروخت کے اوقات بڑھا لیتے ہیں، بازاروں میں رات گئے تک گھما گھمی نظر آتی ہے۔ عورتیں کھانا پکانے یعنی سحری و افطاری کے انتظامات میں کچھ اس طرح مصروف ہو جاتی ہیں کہ بس انہیں اس ماہ میں یہی ایک خاص کام ہے۔ جو وقت بچتا ہے تو وہ بھی عید کی تیاری کی نذر ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہینہ ماہِ عبادت نہیں بلکہ "زیادہ بناؤ، زیادہ کماؤ۔ خوب پکاؤ اور خوب کھاؤ" کا زمانہ ہے۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ماہِ شعبان میں رمضان و عید کی تمام تیاریاں مکمل ہو جاتیں اور ماہِ صیام کو خالصۃً

عبادت کیلئے مخصوص کر دیا جاتا۔ ہمہ اوقات اللہ کا ذکر زبان پر ہوتا۔ دل کی لو اللہ کی طرف لگی ہوتی آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی، ہر فرد اس بات کی کوشش کرتا کہ وہ تمام فرقوں سے علیحدگی اختیار کرکے صرف مسلم بن جائے۔ ہر کام سنتِ ثابتہ کے مطابق کرے، اللہ اکیلے کو اپنا حاکم اور حاجت روا تصور کرے، جو کچھ منزل من اللہ ہو اسی کو دین سمجھے، اپنا امام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھے (امام سے مراد وہ امام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب امامت پر سرفراز فرمایا ہو جس کا ہر حکم واجب الاتباع ہو جس کا ہر فقرہ ضابطۂ حیات ہو جس کا ہر فعل مشعل ہدایت ہو، جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہو جس کی امامت عارضی نہ ہو بلکہ قیامت تک کیلئے دائمی ہو، جو معصوم ہو۔ جس سے دینی بات میں غلطی کا صدور ناممکن ہو، جس کی ہر دینی بات وحی ہو) اس کا دین صرف اسلام ہو، اس کا نام صرف مسلم ہو، اس کی محبتیں اور رقابتیں صرف اللہ کیلئے ہوں، وطن، زبان، قوم، برادری پر فخر نہ کرے۔

جو معاشرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا اس میں ہمیں ماہِ رمضان کی یہ معاشی گہماگہمی نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ دینی معاملات میں بھی بہت سی ایسی باتیں ہمارے ہاں رائج ہو چکی ہیں جن کا دورِ صحابہؓ میں کہیں وجود نہیں ملتا۔ مثلاً چودھویں اور ستائیسویں روزہ کی اہمیت، رمضان کے آخری جمعہ کی اہمیت۔ صحابہؓ کے معاشرہ میں بھی بچوں کو پہلا روزہ رکھوایا جاتا تھا لیکن کبھی اس کو رسم نہیں بنایا گیا، لیکن ہمارے معاشرہ میں یہ ایک رسم بن گئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جن پر ابھی نماز بھی فرض نہیں ہوئی انہیں روزہ رکھوا دیا جاتا ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ ان کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اور یہ نمود و نمائش کے سوا اور کچھ نہیں۔ آجکل روزہ رکھوائی، روزہ کشائی اور افطار پارٹیاں محض ایک تفریحی پروگرام کا سماں پیش کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں جلسوں کے ذریعہ اجتماعی شب بیداری کا رواج بھی بڑھتا جا رہا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا وجود نہ تھا یہ بالکل نئی چیز ہے۔

دین کے معاملہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ صرف "انما الاعمال بالنیات" کہہ کر ہر ایک کام کر لینا درست نہیں کیونکہ نیت کا سوال ان اعمال میں ہے جو شرعاً جائز اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں، اور جو کام سنتِ صحیحہ سے ثابت نہ ہوں ان سے احتراز کرنا چاہیئے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ارکانِ جماعت کے لئے ہدایات

سلسلہ اشاعت ۳۸

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ (محمد)

(ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں اور ایمان لائے اُس چیز پر جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہ چیز ان کے رب کی طرف سے حق ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کو معاف کر دیگا اور ان کے حالات کی اصلاح فرمائے گا۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوا کہ حق وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت احمدِ مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ یہ حق ہمارے پاس قرآن و حدیث کی صورت میں محفوظ ہے۔ جو لوگ قرآن و حدیث کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں وہی اہلِ حق ہیں اور جو لوگ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی پیروی کرتے ہیں یا قرآن و حدیث کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی حق سمجھتے ہیں وہ اہلِ باطل ہیں اور باطل کی پیروی وہی کرتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ کا ارشادِ گرامی ہے:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ○ (محمد)

ترجمہ:۔ (کافروں کے اعمال کی بربادی اور مؤمنین کے گناہوں کی معافی اور حالات کی اصلاح یہ) اس لئے ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان والوں نے اُس حق کی پیروی کی جو اُن کے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے (تاکہ ان حالات و کیفیات کے ذریعہ اہلِ کفر اور اہلِ ایمان میں امتیاز ہو جائے)

کیونکہ نازل شدہ چیز صرف قرآن وحدیث ہے لہٰذا یہی وہ حق ہے جس کا اتباع ایمان والے کرتے ہیں۔ اسی کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اور چیزوں کی پیروی کو حرام کر دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل تبارک تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (اعراف)

ترجمہ:۔ اُس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اولیاء کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی حاصل کرتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام نے منزل من اللہ یعنی قرآن و حدیث کی پیروی کو فرض قرار دیا اور اس کے علاوہ ہر چیز کی پیروی کو حرام قرار دیا۔ اب بھی جو لوگ قرآن وحدیث کے ساتھ یا اس کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی پیروی کر رہے ہیں وہ گویا اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کر رہے ہیں اور یہ فعل کفر سے کسی طرح بھی کم نہیں بلکہ اس کو شرک فی التشریع بھی کہا جا سکتا ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ (شوریٰ)

ترجمہ:۔ کیا انہوں نے شریک بنا رکھے ہیں جو اُن کے لئے دینی شریعت بناتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اپنی اصلاح ضروری ہے اپنی اصلاح میں یہ چیزیں شامل ہیں۔ حُسنِ اخلاق، حُسنِ گفتار، حُسنِ لباس، حُسنِ اعمال، خصوصاً حُسنِ صلوٰۃ، سُنّتِ مطہرہ کا کامل اتباع۔ دل کی طہارت و پاکیزگی۔ تقویٰ و تزکیۂ نفس۔ پھر حُسنِ تبلیغ۔ وقار و متانت۔ محبت و اُلفت کا پیدا کرنا۔ جذبۂ قربانی کو برانگیختہ کرنا۔ وطنیت وصوبائیت کے بتوں کو مسمار کرنا۔ للہیت اور صرف للہیت پر ارکانِ جماعت کے تعلقات کو استوار کرنا اس طرح کہ جماعت میں نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی۔ ہم صرف مسلم ہوں، اول مسلم، آخر مسلم۔ پہلے بھی مسلم، بعد میں بھی مسلم۔ الحبّ فی اللہ والبغض فی اللہ ہماری اساس ہے۔ اسلامی رشتہ ہی اصل رشتہ ہے اور بس۔

اصلاح میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ عقیدہ میں پختگی پیدا کرنا۔ حق کو صرف قرآن و حدیث میں محصور سمجھنا۔ قرآن وحدیث پر چلنے والوں کو اہلِ حق سمجھنا اور اس سے انحراف کرنے والوں کو اہلِ باطل۔ گمراہ لوگوں سے دینی رشتوں کا انقطاع۔ شخصیت پرستی کا قلع قمع کرنا۔ تقلید جامد کا استیصال اور فرطِ عقیدت کے بُت کو توڑنا۔ وہ فرطِ عقیدت جو کسی انسان

کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دے۔ وہ تقلید جو کسی انسان کی کورانہ پیروی پر مجبور کرے۔ وہ تقلید جو کسی غیر نبی کے اقوال کو آخری سند قرار دے۔ وہ تقلید اور عقیدت جو قرآن و حدیث کو کسی بزرگ کے اقوال کا تابع کردے۔ وہ تقلید و عقیدت جو کسی بزرگ کو شریعت سے بے نیاز ماوراء سمجھنے پر مجبور کرے۔ وہ تقلید جو طریقت۔ معرفت۔ حقیقت کی راہیں کھولے اور ان خود ساختہ اصطلاحوں کے ذریعہ بزرگوں کی خلاف شرع باتوں اور کاموں کو راہ و رسم منزل سمجھنے پر مجبور کرے۔ وہ تقلید جو خاندانی اور آبائی روایات کی اندھا دھند پیروی کی ترغیب دے۔ وہ تقلید جو فرقہ بندی کی بنا ڈالے۔ یعنی وہ تقلید جو تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے، بلکہ تمام گمراہیوں کی ماں ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے "لوکان للضلال ام فالتقلید امہ" یعنی اگر گمراہی کی کوئی ماں ہے تو وہ تقلید ہی ہے۔

اصلاح میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ جماعت میں علمی و عملی رجحان پیدا کرنا۔ تفقّہ اور استنباطِ مسائل کی مشق کرانا۔ محقق بننے کی ترغیب دینا۔ تحریر اور تقریر کے قابل بنانا۔ علوم نقلیہ اور عقلیہ سے آراستہ کرنا۔ گمراہ فرقوں کے عقائد و اعمال کی مدلّل تردید کرنے کے قابل بنانا۔ اشتعال انگیزی سے اجتناب حسن بحث کا اختیار کرنا۔ فتنوں کا مقابلہ کرنا اور فعالیت جماعت المسلمین کا نصب العین ہے۔ جمود کو توڑنا اس کا مقصد۔ احساس برتری پیدا کرنا اس کی غرض۔ اسلام یعنی قرآن و حدیث کی حفاظت اس کا اوّلین مقصد۔ نئی نسلوں کو صحیح معنوں میں مسلم بنانا جماعت کا اہم منصوبہ ہے۔ اور ان شاء اللہ اسکے تعلیمی منصوبہ کے تحت عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ افراد کو ایک خاص نظم و ضبط اور اطاعتِ امیر کا پابند بنانا مقصود ہے جو تقریباً بالکل مفقود ہے۔ جماعت کی ترقّی کا راز اسی میں ہے اور یہی ہمارے یہاں عنقا ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی اور جذبۂ خدمت خلق کو خاص اہمیت دینا ہمارے نزدیک ایک فریضہ ہے جس سے افسوس ہے کہ ہم عہدہ برآ نہیں ہوئے۔

جماعت کی دعوت جماعت کی دعوت یہ ہے کہ سب مل کر ایک اللہ کو حاکم مانیں۔ اس کی عبادت اور اطاعت میں کسی کو ذرا سا بھی شریک نہ کریں۔ اس کی عبادت اور اطاعت اس طرح کریں جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین ہم کو دیا وہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔ لہٰذا ہم سب قرآن و حدیث ہی کی براہ راست اتباع کریں۔ دوسرے مراکز سے گذر کر آگے بڑھ جائیں اور مرکزِ اصلی یعنی اللہ کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نظروں کو مرتکز کردیں۔ فرقہ بندی سے پرہیز

کریں۔ اپنے کو صرف مسلم کہیں اور بس۔

شعارِ جماعت جماعت کا جو شعار ہے اس کی اساس صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے "اِنَّ اللہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ" (ترجمہ:۔ بے شک اللہ خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند کرتا ہے) حدیثِ مذکور کے منشار کو پورا کرنے کے لئے جماعت نے جو خاص خاص چیزیں اختیار کی ہیں وہ یہ ہیں:۔ لباس اچھا اور صاف ستھرا ہو۔ باوقار اور قومی و ملی معاشرت کا آئینہ دار ہو نہ کہ دوسروں کی نقالی کا غماز۔ آستینیں پوری ہوں۔ سر پہ عمامہ یا ٹوپی وغیرہ ہو۔ ننگے سر بازار میں پھرنا جماعت کے شعار کے خلاف ہے۔ حدیثِ مذکور اور آیۂ کریمہ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (ہر مسجد میں جاتے وقت اپنی زینت کی چیزیں پہن لیا کرو) کی روشنی میں ہمارا شعار یہ بھی ہے کہ نماز کامل لباس میں ادا کی جائے۔ لباس ایسا ہو جسے زینت کہہ سکیں۔ نہ سر کھلا ہو نہ پیٹ۔ نماز عبودیتِ الٰہی کا حسین مرقع اور دلآویزی کا جمیل پیکر ہو۔ جماعت کا شعار یہ بھی ہے کہ ارکان کی گفتگو بھی حسین ہو، دلکش ہو، بدزبانی۔ زبان درازی اور فحش سے قطعاً پرہیز کیا جائے۔ لڑائی جھگڑے سے دور رہا جائے۔ صبر اور درگذر سے کام لیا جائے۔ چال میں وقار ہو۔ بازار اور دیگر لغو مشاغل کے پاس سے باوقار طریقے سے گذر جائے۔ گھبراہٹ نہ ہو۔ ہر کام سکون و اطمینان سے کیا جائے۔ ہر سُنی سُنائی بات کو بے تحقیق بیان نہ کیا جائے۔

ہدایات

جماعت کے منشار و مزاج۔ مقاصد و اغراض۔ شعار و خصوصیات بتلانے کے بعد ارکانِ جماعت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ جماعت کے منشار و مزاج کو اچھی طرح سمجھ لیں اغراض و مقاصد۔ شعار و خصوصیات کا گہرا مطالعہ کریں۔ جماعت کی تشکیل کے پسِ منظر کو ذہن میں رکھیں۔ اپنے عملِ صالح اور سعیِ پیہم سے ایسے معاشرہ کی تشکیل کریں جو خالص اسلامی اقدار کا حامل ہو۔ آپس میں اختلاف پیدا نہ کریں۔ انتشار اور اشتعال انگیزی سے یکسر اجتناب کریں۔ تنقید کریں لیکن خیر خواہانہ اور محبت آمیز لہجہ میں۔ تنقید کا مقصد اصلاح ہو نہ کہ بگاڑ۔ دین کی خدمت ہو نہ کہ خدمتِ دین میں رکاوٹ۔ امیر یا مجلسِ شوریٰ کے فیصلہ سے پہلے تو اختلافِ رائے کا اظہار کریں لیکن جب امیر کسی بات کا فیصلہ کر دے بشرطیکہ فیصلہ معروف ہو تو پھر تمام اختلافات کو ختم کر دیں۔ اپنی رائے کو امیر کے فیصلہ

کا تابع کر دیں۔ امیر کے فیصلہ کے بعد بھی اگر اختلاف باقی رہتا ہے تو یہ نیک فال نہیں ہے نہ جماعت کو پھر دینی جماعت کہا جا سکتا ہے۔ پھر تو اسے موجودہ زمانہ کی خالص سیاسی جماعتوں کے مثل سمجھنا چاہیئے۔ جماعت مکمل ہم آہنگی کے لئے بنائی گئی ہے اور الحمد للہ یہ چیز اِس وقت موجود ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جماعت میں ایسی جزوی جماعتوں کا وجود نہیں ہے جو ایک دوسرے کی ضد و مخالفت کے درپے ہوں۔ آپ کوشش کریں کہ یہ نعمتِ عظمیٰ باقی رہے۔ اگر آپ سب میں للٰہیت اور تقویٰ ہوگا تو یہ نعمت باقی رہے گی ورنہ اللہ نہ کرے ہم سے چھین لی جائے گی۔ تمام خرابیاں یکے بعد دیگرے تقوے کی کمی یا فقدان سے وجود میں آتی ہیں۔ اجتماعی مفاد بلکہ دین کی ہمہ گیر تحریک کو اضمحلال اور انتشار سے بچانے کی خاطر اپنی انفرادی رائے کو قربان کر دیجئے۔ ماحول کی خاطر قرآن و حدیث کو نہ چھوڑیئے۔ ماحول کے سامنے اپنے آپ کو مجبور نہ سمجھئے۔ بلکہ قرآن و حدیث کے سامنے اپنے کو مجبورِ محض سمجھئے اور اس مجبوری کی وجہ سے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ برضا و رغبت قرآن و حدیث کی حرمت کی خاطر ماحول و معاشرہ کو موڑنے کی کوشش کیجئے۔ کچھ تکلیف بھی اُٹھا لیجئے، کچھ قربانی بھی دیجئے لیکن قرآن و حدیث کو نہ چھوڑیئے۔ بغیر تکلیف اور قربانی کے قرآن و حدیث پر عمل کرنا اور جہاں تکلیف اُٹھانے اور قربانی دینے کا موقع آئے تو قرآن و حدیث کی تعمیل چھوڑ دینا یہ تن آسانی تو ہے اسلام نہیں۔ عذرِ شرعی کو معلوم کرنے کے لئے اپنے دل کو ٹٹولئے۔ اگر ضمیر گواہی دے کہ واقعی آپ مجبور ہیں تو پھر قرآن و حدیث کے مطابق عمل نہ ہونے پر آپ انشاء اللہ معذور رہیں گے۔ مزید ہدایت یہ ہے کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے قرآن و حدیث کو خیرباد نہ کہیئے۔ قرآن و حدیث کو چھوڑنے کیلئے مصلحتیں اور حیلے نہ تلاش کیجئے، سختی سے اتباعِ قرآن و حدیث کیجئے۔

امیر کو مداہنت کی ترغیب نہ دیجئے بلکہ اُسے سختی سے قرآن و حدیث پر عمل کرنے دیجئے اس کام میں اس کی ہمت افزائی کیجئے نہ کہ ہمت شکنی۔ جماعت کی ترقی کے خوشنما اور دلفریب بہانے کے فریب میں آکر ترقی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے قرآن و حدیث کو نہ چھوڑیئے۔ نہ امیر کو اس طرف راغب کیجئے۔ اگر امیر خود راغب ہو تو اس کی اصلاح کی کوشش کیجئے۔ آپ کا کام امیر کی خیر خواہانہ اصلاح ہے نہ کہ بگاڑ۔ یہی کام امیر کا بھی ہے

امیر اور مامور تحریکِ اسلامی کے دو پہیئے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہئیے۔
تلوّن مزاجی چھوڑ دیجئے۔ گھبراہٹ پیدا نہ کیجئے۔ دہشت انگیزی نہ پھیلائیے۔ استقلال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ پائے استقامت میں لغزش نہ آئے۔ سنگلاخ ساحل کی طرح حوادث کی طوفانی موجوں کا مقابلہ کیجئے۔ آگے بڑھیئے۔ قیادت کیجئے۔ لوگوں کو اپنے پیچھے چلائیے۔

دیکھئے آپ کی تبلیغی تحریک میں کمزوری پیدا نہ ہو۔ تحریک کو بے جان ہونے سے بچائیے۔ پوری لگن اور دلسوزی کے ساتھ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کیجئے اور پھر معاشرہ کی اصلاح کے لئے میدان میں نکل آئیے۔ لوگ آپ کا عمل اور کردار دیکھیں گے نہ کہ آپ کا قول اور بیان۔ عمل اور کردار ہی اثر انداز ہوتے ہیں نہ کہ محض باتیں۔ اگر آپ واقعی اسلام کی صحیح معنوں میں تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو مجسّم تبلیغ بن جائیے۔ لوگ آپ کو دیکھکر اپنی اصلاح کریں گے۔

خدمتِ خلق ایک اہم فریضہ ہے۔ اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ تمام صدقات و زکوٰۃ کو ایک جگہ جمع کر کے مناسب طریقہ پر ضرورت مند اصحاب پر خرچ کیجئے۔ بیروزگاروں کی اس طرح امداد کیجئے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔ اگر آپ کے پاس خدمتِ خلق کے لئے مالی وسائل نہ ہوں تو یہ نہ سمجھئے کہ بس اب آپ خدمتِ خلق سے معذور ہیں۔ خدمتِ خلق کے بہت سے شعبے ہیں۔ بغیر روپیہ کے بھی خدمتِ خلق ہو سکتی ہے۔ مثلاً بیماروں کی تیمارداری۔ اگر آپ زیادہ دور نہیں جا سکتے تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ اپنے محلّہ میں جب کوئی بیمار پڑے تو اس کی مزاج پُرسی کیجئے۔ دوا لانے اور تیمارداری کی خدمات پیش کیجئے۔ اسی طرح شادی اور غم کے موقع پر بھی اپنی خدمات پیش کیجئے لیکن شادی میں صرف اس صورت میں کہ آپ کو بُلایا گیا ہو ورنہ آپ کی خدمت یا خدمت کی پیشکش شادی والوں پر اخلاقی بار ہو سکتی ہے اور پھر وہ آپ کو بھی دعوت دینے پر اپنے آپ کو مجبور سمجھ سکتے ہیں ان کے دل میں یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ اپنی خدمات کی پیشکش کسی طمع کی وجہ سے تو نہیں، لہٰذا بدظنی پیدا نہ ہونے دیجئے۔ جو لوگ صرف مالی خدمت کو ہی خدمتِ خلق سمجھتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں۔ جسمانی خدمات بہت زیادہ اہم ہیں۔ ان سے جی چُرانا تو آسانی ہے قربانی نہیں۔ غرض یہ کہ خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنائیے۔ اس کے فوائد تبلیغی اعتبار سے بھی بہت

وقیع ہوتے ہیں ۔ لہٰذا یہ کام تبلیغ اور رضائے الٰہی کے لئے کرتے رہیئے۔ دُنیوی جاہ، تعریف اور شُہرت کے لئے نہیں۔

جماعت کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ قُربانیِ وقت کا فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت میں کارکن حضرات اور رضاکاروں کی بے حد کمی ہے۔ دین کی تبلیغ اور اشاعت کیلئے اپنی رضاکارانہ خدمات کو زیادہ سے زیادہ پیش کیجئے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ رضاکاروں کا ایک باقاعدہ دستہ تیار کیا جائے جو ہر دینی کام کے موقع پر جماعت کا ہاتھ بٹائے لیکن یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ دینی کاموں کو اہمیت دیں اور ان کے لئے وقت کی قربانی دیں۔ جس ذات نے یہ زندگی بخشی ہے۔ یہ لیل ونہار دیئے ہیں اُس کے دین کے لئے بھی اس زندگی کے کچھ اوقات وقف کیجئے۔ معلوم نہیں موت کا فرشتہ کس وقت آجائے اور ہمارے سب اوقات و ساعات کا خاتمہ کر دے۔ اُس نازک وقت میں وہی چیز کام آئے گی جو ہم نے دین کی خدمت کے لئے خرچ کی ہوگی ۔ لہٰذا ضرور کچھ وقت دین کے لئے نکالیئے۔

مختلف اوقات میں پڑھی جانے والی مسنون دُعائیں یاد کیجئے اور ان کو اوقاتِ مقررہ پر سمجھ کر پڑھیئے۔ کسی خاص موقع اور وقت کے لئے کوئی خاص دُعا خود مقرر نہ کیجئے۔

جماعت کے تعلیمی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیجئے۔ ایسے مدارس جن میں دین و دنیا کا امتزاج ہو کھولنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیجئے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں مسلم ہوں اور اسلام کو نافذ کر سکیں۔ جماعت المسلمین کا یہ سب سے زیادہ اہم اور مخصوص منصوبہ ہے لہٰذا اس منصوبہ کی طرف سب سے زیادہ التفات کیجئے۔

اجتماعات اپنی اصلاح اور دوسرے ارکان کی اصلاح کے لئے ہفتہ وار ماہانہ اور سہ ماہی اجتماعات میں شرکت کا اہتمام کیجئے۔ آپس میں ایکدوسرے کو غلطی بتاتے رہیئے نصیحت کرتے رہیئے۔ اگر کوئی آپ کو نصیحت کرے تو بُرا نہ مانیئے بلکہ اُس کا احسان مانیئے کہ اس نے آپ کی خیر خواہی کی۔

جماعت کے تمام اجتماعات میں ہر رُکن کا شریک ہونا لازمی ہے سوائے اس کے کہ کوئی عذرِ شرعی ہو۔ اگر کوئی رُکن اجتماعات میں بغیر اجازت یا بغیر عذرِ شرعی شریک نہیں ہوتا وہ اطاعتِ امیر سے انحراف کرتا ہے۔ جماعت کے ضابطہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ مرکز کے ہفتہ وار اجتماع میں اگر کوئی رُکن شریک نہیں ہوتا بلکہ اپنے محلّے کے ہفتہ وار

اجتماع میں شریک ہوتا ہے تو یہ بھی کافی ہے۔ لیکن ماہانہ وسالانہ مرکزی اجتماع میں سب کا شریک ہونا ضروری ہے۔

تمام اجتماعات میں کھانا بہت سادہ ہونا چاہیئے۔ ہر رکن اپنا سفر خرچ اور دیگر اخراجات خود برداشت کرے کسی پر اپنا بوجھ نہ ڈالے۔

اجتماعات کا مقصد جماعت کے اجتماعات وقت کی قربانی کا سبق دیتے ہیں۔ وقت کی قربانی کی مستقل اور مسلسل تربیت دیتے ہیں۔ گویا وقت کی قربانی کا عادی بناتے ہیں۔ یہ اجتماعات اسلامی ماحول فراہم کرتے ہیں۔ غیر اسلامی معاشرہ سے بچا کر خالص دینی فضا میں سانس لینے کا موقع مہیا کرتے ہیں۔ نیک صحبتیں اور آپس کے رشد و ہدایت نصیحت و خیر خواہی۔ محبت و الفت کے مواقع ان اجتماعات کی جان ہیں۔ جماعت کی رکنیت کے شرائط فی الفور کسی پر نافذ نہیں کئے جاتے لیکن ان صحبتوں اور اجتماعوں کے ذریعہ ارکان کی بتدریج اصلاح کی جاتی ہے۔ اگر کوئی رکن اجتماعات میں شریک نہیں ہوتا تو پھر کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی خاص قسم کی تربیت اور اصلاح حاصل کرسکیگا۔ اجتماعات دلچسپی کے لئے نہیں ہوتے لہٰذا اجتماعات کے دوران ہمہ اوقات دلچسپ تقاریر اور دروس وغیرہ کا ہونا ضروری نہیں۔ جن اوقات میں ایسی تقاریر و دروس وغیرہ نہ ہوں وہ اگرچہ بار تو گذرتے ہیں لیکن اس بار کو ختم کرنا ہی تو اجتماع کا اصل مقصد ہے وقت کی قربانی کے لئے یہی تو اصل تربیت ہے۔ لہٰذا کسی صاحب کو اس بات پر اصرار نہ کرنا چاہیئے کہ اجتماع کا پروگرام ہمہ اوقات دلچسپ ہونا چاہیئے۔ ویسے نفسیاتی احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے اور اعتدال پر عمل کرتے ہوئے اجتماعات کو بالکل خشک بھی نہیں بنایا جاتا۔

شعبۂ خواتین جماعت المسلمین کا شعبۂ خواتین بھی الحمدللہ کافی عرصہ سے قائم ہے۔ اس سلسلہ میں تمام ارکان اور خیر خواہان کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ جماعت کو ایسی خواتین کی نشاندہی فرمائیں جو دینی و دنیوی علوم سے آراستہ ہوں۔ باحیا اور باشرع ہوں۔ خوش مزاج اور خوش اخلاق ہوں۔ تقریر اور تحریر کرسکتی ہوں شعبۂ خواتین کے لئے ایک ناظمہ کا تقرر ہوچکا ہے۔ ناظمۂ شعبۂ خواتین کا یہ فرض ہے کہ وہ خواتین میں تبلیغ کا انتظام کرے۔ خواتین کے اجتماعات کا اہتمام کرے۔

تفقہ فی الدین اور نصاب جماعت علم اور تفقہ فی الدین پیدا کرنے کیلئے

کتب کا مطالعہ کیجئے۔ چند کتابوں کو بطور نصاب کے پڑھنا اور ان پر عبور حاصل کرنا ہر رُکن پر
لازم کر دیا گیا ہے۔ مقرر کردہ کتب نصاب درج ذیل ہیں:۔

(۱) علوم النبیہ :۔ قرآن مجید۔ صحیح بخاری۔ تفسیر قرآن عزیز۔
ایک آیت اور ایک حدیث کا روزانہ گہرا مطالعہ کرنا۔

(۲) تقلید :۔ التحقیق فی جواب التقلید۔ تلاش حق۔

(۳) فتنۂ انکار حدیث: تفہیم اسلام۔ برہان المسلمین۔

(۴) قادیانیت :۔ ذہن پرستی۔

(۵) شیعیت :۔ ذہن پرستی۔

(۶) جماعت المسلمین کے تمام پمفلٹ اور مطبوعات۔

تعلیمی منصوبہ

ہمارے زمانہ میں بعض ایسے مدارس ہیں جہاں صرف دینی تعلیم دی جاتی ہے بعض ایسے مدارس ہیں جہاں صرف دُنیوی تعلیم دی جاتی ہے۔ دینی مدارس بے رونق ہیں معدودے چند طلباء ہوتے ہیں جو ان مدارس میں داخلہ لیتے ہیں اور ان میں بھی کثیر تعداد کند ذہن اور وقت گذارنے والے طلباء کی ہوتی ہے۔ یہاں سے فارغ شدہ علماء دُنیوی علوم سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے دُنیوی مدارس بارونق اور بھرپور نظر آتے ہیں حتیٰ کہ ان مدارس میں داخلہ بھی مشکل سے ملتا ہے۔ ان مدارس سے فارغ شدہ طلباء علومِ دینیہ سے ناآشنا ہوتے ہیں، بلکہ اکثر الحاد کی طرف مائل ہوتے ہیں یا کسی گمراہ فرقہ سے متاثر ہوتے ہیں۔

جماعت المسلمین نے اس صورتِ حال کا جائزہ لیا اور ایسا منصوبہ بنایا جس میں دینی و دُنیوی تعلیم کا حسین امتزاج ہو۔ اس منصوبہ کے تحت ان شاء اللہ ایسے اسکول اور کالج کھولے جائیں گے جن سے فارغ ہونے والے طلباء نہ صرف ایم' اے۔ ایم' ایس سی ہوں گے بلکہ باعمل عالمِ دین بھی ہوں گے۔ وہ اسلام کے ایسے مبلغ ہوں گے جن پر کند ذہن مُلا کی پھبتی نہ کسی جاسکے گی۔

منصوبہ برائے قیامِ معاشرہ اسلامیہ

موجودہ معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ اس کی اصلاح اگرنا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے اور دشوار بھی بے حد وحساب۔ ہر چہار طرف سے فتنے یلغار کر رہے ہیں اور ہم جیسے کمزور ایمان والوں کے ایمان کو چیلنج کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں اپنے ایمان کا دفاع کرنا بھی ہمارے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ چہ جائیکہ ہم معاشرہ کی اصلاح کر سکیں۔ فرقہ بندی عام ہے اور ہر فرقہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر مگن ہے۔ کسی کو تلاشِ حق کی فکر نہیں۔ ایسے فتنوں اور فرقہ بندی کے زمانہ میں احادیث مبارکہ سے جو ہمیں ہدایت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم ایسے معاشرہ سے علیحدہ ہو کر کسی جنگل میں اپنا گھر بسائیں لہٰذا جماعت نے یہ فیصلہ کیا کہ احادیث

مبارکہ کی اس ہدایت پر عمل کرے۔ اور شہری آبادی سے دور کہیں ایسی بستی بسائے جس میں صرف وہی لوگ آباد ہوں جو اس معاشرہ سے تنگ آچکے ہوں اور خالص اسلامی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی گذارنے کا عزم کر چکے ہوں۔ اس بستی میں خالص اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے اور وہاں کسی کو خلافِ شرع کام کرنے کی قطعًا اجازت نہ دی جائے۔ جماعت کا یہ منصوبہ بہت اہم ہے لیکن اس پر عمل بہت دشوار ہے تاہم جماعت اس منصوبہ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں بہت تیزی کے ساتھ غور کر رہی ہے اور ہمیں امید ہے کہ انشاءاللہ جماعت بہت جلد اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھائے گی۔ اللہ تعالیٰ جماعت کی مدد فرمائے آمین

فقط

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نوٹ (۱) جماعت المسلمین کا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیماڑی والے سے کوئی تعلق نہیں۔ جماعت المسلمین ان کے بعض عقائد سے سخت بیزار ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کر کے سخت گستاخی کی ہے۔ جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

نوٹ (۲) کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔ کراچی میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ کسی بھی علاقہ یا محلہ میں نہیں ہے۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اشاعت ۱۱۲ — صفر ۱۴۱۱ھ

حدیث "تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم"

اعتراض اور جواب

اعتراض ان الحدیث یفسر بعضہ بعضاً۔ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ اس اصول پر حدیث "تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم" کی تفسیر بھی دوسری حدیث سے کرنی ہوگی۔ ابوداؤد میں ایک حدیث ہے "ان کان للہ تعالیٰ خلیفۃ فی الارض فضرب ظہرک واخذ مالک فاطعہ" اگر زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ موجود ہو جو تیری پیٹھ پر کوڑے مارے اور تیرا مال چھین لے پھر بھی تو اس کی اطاعت کر۔

یہ حدیث تشریح کرتی ہے کہ "تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم" سے مراد خلیفہ ہے نہ کہ ہر امیر۔

جواب ۱) ابوداؤد کی حدیث صحیح نہیں۔ اس حدیث کا ایک راوی سبیع بن خالد ہے۔ اس راوی کے نام ہی کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کوئی کہتا ہے سبیع بن خالد کوئی کہتا ہے خالد بن خالد، کوئی کہتا ہے خالد بن سبیع کوئی کچھ اور کہتا ہے (تہذیب التہذیب) نام کے اس اختلاف کے باوجود ابن حبان اور عجلی جو متساہلین میں سے ہیں انہوں نے اس کو ثقہ کہدیا لیکن حافظ ابن حجر جو نہ متشددین میں سے ہیں اور نہ متساہلین میں سے انہوں نے ابن حبان اور عجلی کی توثیق پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کو صرف مقبول لکھا ہے (تقریب)۔

اس حدیث کی سند میں قتادہ کا عنعنہ بھی ہے جو اس حدیث کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ الغرض یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔

جب یہ حدیث ہی ضعیف ہے تو یہ کسی دوسری حدیث کی تفسیر کی صلاحیت

ہی نہیں رکھتی۔

۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل دو جملہ روایت کئے گئے ہیں:-

① تلزم جماعة المسلمین وامامھم (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

② ان کان للہ تعالیٰ خلیفة فی الارض ..... فاطعہ (ابوداؤد)

ان دونوں جملوں میں سخت اختلاف ہے۔ اعتراض کرنے والے ہمیں بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک ہی جملہ صحیح ہو سکتا ہے اور وہ وہی ہو سکتا ہے جو صحیح حدیث میں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ دونوں جملے ارشاد فرمائے تھے تو یہ قطعاً بے ثبوت ہے۔ جب تک دونوں جملوں کے بہ یک وقت ارشاد فرمانے کا ثبوت نہ ملے ایک جملہ دوسرے کی تفسیر نہیں کر سکتا۔

۳) ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر اس صورت میں کر سکتی ہے جب

① مختلف صحابیوں نے حدیث کو روایت کیا ہو،

یا

② ایک ہی صحابی نے مختلف اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر حدیث کو روایت کیا ہو،

③ حدیث کی کسی خاص سند میں کوئی لفظ یا کچھ الفاظ زائد ہوں جو کسی مختصر حدیث کی تشریح کرتے ہوں۔

جب حدیث ایک ہی ہو، واقعہ ایک ہی ہو، روایت کرنے والا صحابی بھی ایک ہی ہو لیکن الفاظ میں اختلاف ہو تو ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کیسے کرے گی؟

۴) اگر ابوداؤد کی حدیث کو صحیح مان لیا جائے اور احادیث کے مختلف الفاظ کو بھی صحیح مان لیا جائے تو حدیث مضطرب المتن ہوگی یعنی متناً ضعیف ہوگی۔

۵) باعتبار صحت احادیث کے سات درجے ہیں۔ اوّل درجہ کی وہ حدیث

ہوتی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہو۔ ابوداؤد کی حدیث کو کسی نے صحیح نہیں کہا لہٰذا وہ ساتویں درجہ کی بھی صحیح حدیث نہیں۔ اس کا متن صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے اور ساقط الاعتبار ہے۔

۶) صحیحین کی حدیث میں چاروں زمانوں کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ یکساں الفاظ میں مروی ہے۔ اس حدیث میں چوتھے زمانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے:۔ تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم۔

ابوداؤد کی حدیث جس سے یہ الفاظ "ان کان للہ تعالےٰ خلیفۃ فی الارض" لئے گئے ہیں اس میں چاروں زمانوں کا ذکر وضاحت کے ساتھ نہیں ہے۔ ابوداؤد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ تیسرے زمانے کے متعلق ہیں۔ اگر ان کو چوتھے زمانے کے متعلق مان لیا جائے تو پھر تیسرے زمانے کے ذکر سے حدیث خالی ہے۔ ابوداؤد کی جس روایت میں چاروں زمانوں کا ذکر ہے اس میں "ان کان للہ تعالیٰ خلیفۃ فی الارض" کے الفاظ ہی نہیں۔ یہ چیز ان الفاظ کو مزید مشکوک بنا دیتی ہے۔

خلاصہ: ابوداؤد کی حدیث جس کو بطور تفسیر پیش کیا گیا ہے کئی لحاظ سے متناً معلول ہے اور سنداً مشکوک ہے لہٰذا وہ تفسیر کرنے کے قابل نہیں۔

۷) ذیل میں ہم صحیحین اور ابوداؤد کی احادیث کے متون کا موازنہ کرتے ہیں:۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کا متن	ابوداؤد کی حدیث کا متن
قُلْتُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا اِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ بِاَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ	اِنْ كَانَ لِلّٰهِ تَعَالٰى خَلِيفَةٌ فِي الْاَرْضِ فَضَرَبَ ظَهْرَكَ وَاَخَذَ مَالَكَ فَاَطِعْهُ وَاِلَّا فَمُتْ وَاَنْتَ عَاضٌّ بِجِذْلِ

اَلْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ۔ شَجَرَةٍ۔

ترجمہ

(حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں) : میں نے کہا اگر نہ مسلمین کی جماعت ہو اور نہ امام ہو (تو میں کیا کروں) ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا اگرچہ تمہیں درخت کی جڑ چبانی پڑے پھر تم اسی حالت میں رہنا یہانتک کہ تمہیں موت آئے ۔

ترجمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اگر زمین میں اللہ تعالےٰ کا کوئی خلیفہ ہو جو تمہاری پیٹھ پہ مارے اور تمہارا مال چھین لے تو تم اس کی اطاعت کرنا ورنہ درخت کا تنہ چبا چبا کر مر جانا ۔

صحیحین کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حالات اتنے خراب ہو جائیں کہ کھانے کو کچھ نہ ملے سوائے درخت کی جڑوں کے تو درخت کی جڑیں چبا چبا کر مر جانا چاہیئے لیکن فرقوں کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے ۔

ابو داؤد کی حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حالات اچھے ہوں یا برے اگر خلیفہ نہ ہو تو درخت کا تنہ چبا چبا کر مرجانا چاہیئے ۔

معترضین کو ابو داؤد کی حدیث پر بڑا ناز ہے تو آخر وہ اس حدیث پہ عمل کیوں نہیں کرتے ۔ خلیفہ ہے نہیں تو وہ تنہ چبا چبا کر مرتے کیوں نہیں ۔ فوراً جنگل میں چلے جائیں اور وہیں تنہ چبا چبا کر زندگی کے بقیہ دن گذار دیں ۔

رہے ہم تو ہم تو صحیحین کی حدیث کو حجت سمجھتے ہیں اور ابو داؤد کی حدیث کو سنداً ضعیف اور متناً معلول سمجھتے ہیں ۔ ہم صحیحین کی حدیث پر عمل کر رہے ہیں اور اگر ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ تعالےٰ درختوں کی جڑیں چبا چبا کر بھی اپنی زندگی گذار دیں گے اور مر جائیں گے ۔ صحیحین کی حدیث میں جڑیں چبا چبا کر فوراً مرجانے کا حکم نہیں ہے ۔

فقط

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۱۵ ماہ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

اعتراضات اور ان کے جوابات (قسط ۱)

اعتراض بیعت تو صرف با اقتدار حکمران لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کسی شخص سے بیعت نہیں لی۔

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضماد رضی اللہ عنہ سے مکہ معظمہ میں بیعت لی۔ حضرت ضماد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا هَاتِ يَدَكَ أُبَايِعْكَ عَلَى الْإِسْلَامِ قَالَ فَبَايَعَهُ (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ) آپ اپنا ہاتھ لائیے میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لی۔

اعتراض اسلام پر بیعت لی۔ سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت نہیں لی۔

جواب اسلام پر بیعت سننے اور اطاعت کرنے ہی پر بیعت ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قوم سے فرمایا کرتے تھے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ (الشعراء) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ وہ اس وقت حکمران نہیں ہوتے تھے۔

بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ بھی سمع و اطاعت کی بیعتیں تھیں اور یہی بیعتیں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا تھا "وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ (اپنے گھروں کو قبلہ رو بناؤ اور نماز قائم کرو) کیا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت حکمران تھے۔ ان کے اس حکم کی اطاعت فرض تھی یا نہیں؟ اگر تھی تو اطاعت کے لئے حکمران ہونے کی شرط لغو ہے۔

اعتراض احادیث صحیحہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت المسلمین کبھی ہوگی اور کبھی نہیں یعنی۔ اقتدار خلیفہ کبھی ہوگا اور کبھی نہیں لیکن طائفہ منصورہ ہمیشہ ہوگا۔

جواب طائفہ منصورہ کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے، (۲) لوگوں پر غالب ہوں گے،

(۳) اپنے دشمن پر قاہر ہوں گے، جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (صحیح مسلم)

معترض صاحب بتائیں کہ یہ طائفہ منصورہ مندرجہ بالا صفات کے ساتھ اس دور میں کہاں ہے؟

معترض صاحب نے کمال کیا کہ طائفہ منصورہ کو جماعت المسلمین وامامھم یعنی با اقتدار خلیفہ شمار نہیں کیا۔ طائفہ منصورہ جنگ بھی کر رہا ہے، غالب بھی ہے، دشمن مغلوب و مقہور ہے لیکن بایں ہمہ وہ حکمراں یا خلیفہ نہیں ہے۔ کیا بغیر خلیفہ کے جنگ ہو سکتی ہے؟

اعتراض: حدیث میں نجات یافتہ گروہ کو بھی فرقہ کہا ہے تو فرقہ کا لفظ ایسا نہیں ہے کہ آدمی اس سے نفرت کرے۔

جواب: معترض صاحب ذرا وہ حدیث تو نقل کر دیں جس میں اُسے فرقہ کہا گیا ہے۔ حدیث میں تو اسے جماعت کہا گیا ہے (ابوداؤد)

اگر فرقہ کا لفظ قابل نفرت نہیں ہے تو پھر فرقوں سے علیحدہ رہنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

اگر مان لیا جائے کہ ناجی جماعت کو فرقہ کہا گیا ہے تو یہ بتلایئے کہ لغوی اعتبار سے کہا گیا ہے یا شرعی اعتبار سے۔ کیا شرعی اعتبار سے جو فرقہ ہو گا اس سے بھی آپ نفرت نہیں کریں گے۔ معترض صاحب بات اصطلاح شرع کی ہو رہی ہے نہ کہ لغوی معنی کی، کیوں آپ خلط ملط کرتے ہیں؟

کیا ہم آپ کے گروہ کو فرقہ کہہ سکتے ہیں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گے؟

اگر فرقہ کا لفظ نفرت کے قابل نہیں ہے تو پھر تو خوب فرقے بنا لینے چاہئیں۔ کیا اس طرح قرآن مجید کے احکام کی خلاف ورزی نہیں ہو گی؟

اعتراض: یہ ضروری نہیں ہے کہ خلیفہ کے زمانہ میں فتنے موجود نہ ہوں۔ فتنے ہو سکتے ہیں اور وہ شر کا زمانہ ہو سکتا ہے مثلاً حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتنے تھے۔

جواب: ہم تو نہیں سمجھتے کہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ شر کا زمانہ تھا۔ ہم تو اُسے خیر کا

زمانہ سمجھتے ہیں۔ ہم اُسے تلزم جماعت المسلمین واماحہم کے زمانہ سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ تلزم جماعت المسلمین واماحہم کے زمانہ میں تو لوگ دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلا رہے ہوں گے جو اُن کا کہنا مان لے گا اُسے دوزخ میں دھکیل دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "تلزم جماعۃ المسلمین واماحہم" کے زمانہ کو شر کا زمانہ کہا ہے، کیا آپ واقعی حضرت عثمانؓ کے دور کو شر کا زمانہ سمجھتے ہیں؟

حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا فتنہ انتظامی نوعیت کا تھا۔ دینی نوعیت کا نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس فتنہ کو کچلنے کی طرف توجہ نہیں دی ورنہ ہر خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے اور دین کے خلاف جتنے بھی فتنے اٹھیں ان کا قلع قمع کرے۔ اس انتظامی اختلاف کے فتنے نے حضرت علیؓ کے زمانہ میں دینی فتنہ کی صورت اختیار کر لی تو دیکھئے حضرت علیؓ نے کس طرح اس کا قلع قمع کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں دینی فتنے اٹھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو کچل کر رکھ دیا۔

دینی فتنوں کا اٹھنا اور بات ہے اور ان کا کسی خلیفہ کے زمانہ میں باقی رہنا اور بات ہے۔ خلیفہ کے زمانہ میں فتنے باقی نہیں رہ سکتے

اعتراض حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں مسلمانوں کی بہتات ہو گی اور بقول آپ کے اب صرف ڈیڑھ دو ہزار مسلم رہ گئے ہیں۔

جواب معترض صاحب آخر زمانہ کا تعین آپ کر دیجئے پھر اس اعتراض کا جواب طلب کیجئے۔

معترض صاحب اس زمانہ میں طائفہ منصورہ ہو گا یا نہیں۔ اگر ہو گا تو وہ حدیث کی رو سے مغلوب نہیں ہو گا لیکن آخر زمانہ کی حدیث سے ایمان والوں کا مغلوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کونسی بات صحیح ہے غالب ہونا یا مغلوب ہونا؟

اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میری امت میں دو فرقے ہو جائیں گے اور ان میں ایک فرقہ پیدا ہو گا اور اس فرقہ کو وہ جماعت قتل کرے گی

جوان دو میں سے حق سے زیادہ قریب ہو گی لہٰذا فرقہ ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔

جواب حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ دونوں حق پر ہوں گے تو کیا آپ کے یہ ۷۲ فرقے بھی حق پر ہیں۔ اگر ہیں تو جہنمی کیوں ہیں؟

کیونکہ یہ ۷۲ فرقے حق پر نہیں لہٰذا ان دو فرقوں اور ان ۷۲ فرقوں میں یکسانیت نہیں اور جب یکسانیت نہیں تو حدیث مذکور کا پیش کرنا صحیح نہیں۔

ایک فرقہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور ایک حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھا۔ معترض صاحب یہ بتائیے کہ کیا انہوں نے علیحدہ علیحدہ مذہب بنائے تھے، کیا ان میں دینی اختلاف تھا، کیا انہوں نے دین میں تفریق کر دی تھی؟ اگر نہیں تو پھر وہ اصطلاحِ شرع میں فرقے نہیں ہوئے۔ وہ تو صرف لغوی اور انتظامی اعتبار سے فرقے ہوئے، ان کو آپ کے ۷۲ فرقوں سے کیا نسبت ہے۔

اعتراض کیا طائفہ منصورہ میں بھی انقطاع ہو سکتا ہے۔

جواب ہاں ہو سکتا ہے۔ تسلسل دو قسم کا ہوتا ہے۔ تسلسل بالانقطاع اور تسلسل بلاانقطاع۔ حدیث میں تسلسل بالانقطاع مراد ہے۔ اگر تسلسل بلاانقطاع مانا جائے تو حدیث مذکور کی پیشین گوئی صحیح ثابت نہیں ہو گی۔

تسلسل بالانقطاع کا تاریخی ثبوت موجودہ زمانہ بھی ہے اس لئے کہیں بھی کوئی طائفہ ایسا موجود نہیں جو اپنے دشمن پر غالب اور قاہر ہو۔

اعتراض پوری اسلامی تاریخ میں "جماعۃ المسلمین" نام کی کوئی جماعت نہیں۔

جواب ہماری روشن ترین تاریخ عہدِ رسالت کی تاریخ ہے اور وہی ہمارے لئے نمونہ بھی ہے، اُس عہد مبارک میں یہ نام موجود تھا اور اس نام سے جماعت موجود تھی، صحیح بخاری کتاب العیدین ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض امیر کے بجائے ایک حدیث میں لفظ سلطان آیا ہے جو کہ سیاسی اقتدار کے ہم معنیٰ ہے، یعنی سیاسی اقتدار والی جماعت کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے۔

جواب سلطان کے معنیٰ سیاسی اقتدار کس لغت میں ہے، سلطان کے معنیٰ حجت اور قوت کے ہیں اور امیر اپنی مرکزی حیثیت کی وجہ سے یقیناً ایک قوت ہوتا ہے۔ لوگ اس کے فیصلہ کو حجت مانتے ہیں، اس کے اشارے پر حرکت کرتے ہیں، اس کی سزاؤں اور تادیبی کارروائیوں کو برداشت کرتے ہیں (تفصیل کے لئے ہمارا پمفلٹ "امیر کی اطاعت" ملاحظہ فرمائیں)۔

اعتراض حدیث میں ہے کہ تم مسلمین کو ان ناموں سے پکارو جو نام اللہ عزوجل نے رکھے ہیں یعنی مسلمین، مؤمنین، عباد اللہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمین کے علاوہ اور بھی نام ہیں لہٰذا صرف مسلمین نام پر اصرار کرنا لغو ہے۔

جواب حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ مسلمین کو انہی ناموں سے پکارنا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رکھے ہیں لیکن معترض صاحب آپ کا نام اہلحدیث تو اللہ عزوجل نے نہیں رکھا پھر آپ اس نام سے اپنے کو کیوں پکارتے ہیں۔

مزید برآں صفاتی ناموں سے ہمیں کب انکار ہے ہم تو کہتے ہیں کہ ذاتی نام صرف مسلم ہے اور اس سے آپ کو بھی انکار نہیں تو پھر جھگڑا کیسا؟

ہم صفاتی ناموں کا انکار نہیں کرتے ہم تو فرقہ وارانہ امتیازی ناموں کا انکار کرتے ہیں اور اس کی تائید میں آپ کوئی حدیث پیش نہیں کرتے اور جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ آپ کے خلاف ہوتی ہے۔

اہلحدیث نام اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا تو پھر حدیث مذکور کی روشنی میں اسے معدوم کر دیجئے۔

اعتراض امام البانی پر حدیث کی تصحیح و تضعیف میں مسعود صاحب نے بہت زیادہ اعتماد کیا ہے حالانکہ وہ مسعود صاحب کے نزدیک گمراہ ہیں۔

جواب البانی صاحب یا کسی دوسرے کی تصحیح و تضعیف تو آپ لوگوں کے لئے نقل کی جاتی ہے تاکہ آپ ان کی تصحیح و تضعیف پر اعتماد کریں اور ہماری بات کی تائید کریں۔ اگر ہم اپنی تصحیح یا تضعیف نقل کریں تو شاید آپ تسلیم نہ کریں۔

ہمارے نزدیک البانی صاحب یا کسی دوسرے کی تصحیح یا تضعیف حتمی نہیں ہوتی۔ ہم بعض احادیث کی تصحیح یا تضعیف کے سلسلہ میں ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۰۵ رجب ۱۴۰۶ھ

سلیمان صاحب اور ان کا علم ان کی اپنی تحریرات کے آئینہ میں

سلیمان صاحب خطیب جامع مسجد اہلحدیث سکھر نے جماعت المسلمین کے خلاف چند پمفلٹ شائع کئے ہیں۔ ان پمفلٹوں کا لفظ بہ لفظ جواب دینا تو ہمارا مقصد نہیں اور نہ ہمارے پاس اتنا فاضل وقت ہے کہ ہم تفصیل سے ان کا جواب دیں تاہم اجمالی طور پر ہم ان کی چند تحریرات پیش کر کے قارئین کرام کو بتانا چاہتے ہیں کہ وہ علم و دیانت کے کس مقام پر کھڑے ہیں۔

(۱) سلیمان صاحب لکھتے ہیں :-

جماعت المسلمین کا کوئی مذہب نہیں ۔

اس سرخی کے بعد وہ ہمارے پمفلٹ "تبلیغی نصاب اور شرک" کے صہ۲۲ کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

" جو شخص بھی جماعت المسلمین میں شامل ہوتا ہے وہ صرف مسلم ہوتا ہے۔ نہ اس کا کوئی مسلک ہوتا ہے ، نہ کوئی مذہب ، نہ کوئی مکتب فکر ہوتا ہے اور نہ کوئی فرقہ وارانہ فقہ "

(جماعت المسلمین کی کہانی مصنفہ سلیمان صاحب صہ۴)

جواب سلیمان صاحب نے ہمارے پمفلٹ کی مندرجہ بالا عبارت کے آگے والی عبارت چھوڑ دی جو درج ذیل ہے :-

"اُس کا تو بس دین ہوتا ہے اور وہ دین اسلام ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند اور توحید اور سنت پر گامزن ہوتا ہے۔" (تبلیغی نصاب اور شرک ص۲۲)

قارئین کرام خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ سلیمان صاحب نے مذکورہ بالا عبارت کیوں نقل نہیں فرمائی۔

(۲) سلیمان صاحب اپنے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں :-

۱۳۔ "تَلْزَم کا معنیٰ کیا ہے۔ لازم پکڑو (اشکیر جماعت المسلمین) حالانکہ تلزم واحد مذکر حاضر ہے جس کے معنیٰ ہیں لازم پکڑ تو ایک مرد۔

۱۴۔ فَاعْتَزِل کا معنیٰ کیا ہے کہ علیحدہ رہو (اشکیر جماعت المسلمین) حالانکہ عربی کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے فَاعْتَزِلْ واحد مذکر حاضر ہے جس کے معنیٰ ہیں علیحدہ رہ۔

حدیث نبوی کے ان دونوں لفظوں کا ترجمہ صحیح کر لیا جاتا تو فرد واحد بنتا اور یہ حدیث جماعت پر چسپاں نہ ہوتی اس لئے ارشاد نبوی کے الفاظ کا ترجمہ بدل دیا گیا۔

(ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریفات و تصریفات مصنفہ سلیمان صاحب)

جواب معمولی اردو جاننے والا بھی اس بات کو جانتا ہے کہ اردو میں عموماً واحد مخاطب کے لئے "تُم" ہی استعمال ہوتا ہے نہ کہ تو۔ افسوس ہے کہ سلیمان صاحب اس بات سے ناواقف ہیں اور تحریف کا الزام لگا رہے ہیں۔

سلیمان صاحب سے چند سوال اگر ہزاروں مسلم فرداً فرداً فرقوں سے علیحدہ ہو جائیں تو وہ جماعت بنا کر رہیں یا علیحدہ علیحدہ؟ اگر جماعت بناتے ہیں تو بقول اُن کے حدیث کی خلاف ورزی ہوگی اور اگر نہیں بناتے تو

فرقے قیامت تک دندناتے رہیں گے۔ کیا سلیمان صاحب کو یہ چیز پسند ہے؟ کیا سلیمان صاحب کو اعلائے کلمۃ الحق پسند نہیں؟ کیا اسلام اجتماعی زندگی کا تقاضا کرتا ہے یا بھیڑ بکری کی طرح انفرادی زندگی کا؟

(۳) سلیمان صاحب لکھتے ہیں :۔

مسعود صاحب بحوالہ نسائی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کے بعد لکھتے ہیں : اَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰهِ وَ اَحْسَنُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ (دعوات المسلمین)

حالانکہ نسائی میں یہ دعاء اشهد ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ کے بعد نہیں بلکہ الصلوٰۃ علی النبی (درود شریف) کے بعد ہے۔ نسائی شریف صفحہ ۱۹۳ جلد ۱ مشکوٰۃ صفحہ ۸۸ جلد ۱ یعنی محدثین کے ہاں تشہد پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ تشہد میں درود شریف کے بعد یہ دعاء پڑھی جائے، جس جگہ مسعود صاحب نے یہ دعاء لکھی ہے اس جگہ اس دعاء کو پڑھنے کا محدثین میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ یہ مسعود صاحب کی حدیث نبویؐ میں کھلی تحریف ہے۔ (تحریف احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ سلیمان صاحب صـ)

جواب ہم اس حدیث کو مع باب کے ذیل میں نقل کر رہے ہیں :۔

نوع آخر من الذکر بعد التشهد۔ اخبرنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیٰی عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جابرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یقول فی صلوٰته بعد التشهد: احسن الکلام کلام اللہ واحسن الهدی هدی محمد صلی اللہ علیه وسلم (نسائی مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دہلی سنہ ۱۳۵۰ھ جلد اول صـ۱۴۷)

قارئین کرام باب میں بھی "بعد التشهد" کے الفاظ اور حدیث کے متن میں بھی "بعد التشهد" کے خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں اور فیصلہ فرمائیں کہ یہ دعاء تشہد کے بعد ہے یا درود شریف کے بعد۔ امام نسائی

جیسے محدث نے باب میں نقل کیا کہ یہ دعاء تشہد کے بعد ہے لیکن سلیمان صاحب فرماتے ہیں کہ "محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں"۔ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں تو حدیث کے متن میں تو یہ چیز موجود ہے اور وہی حقیقت میں دلیل ہے۔

قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ اس دعاء کو درود شریف کے بعد لکھ کر تحریف کس نے کی؟

سلیمان صاحب نے اسأل اللہ الجنۃ واعوذ باللہ من النار کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس حدیث کے متعلق امام نسائیؒ کا فیصلہ ہے: "والحدیث خطأ" (نسائی جلد اول ص۱۴۲) کیونکہ بقول امام نسائی یہ حدیث خطأ ہے لہذا ہم نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہم اس کو بھی اپنی دعاء میں شامل کرتے اور ضرور کرتے۔

(۴) سلیمان صاحب لکھتے ہیں کہ ہم نے بعض آیات کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم نے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ کا ترجمہ "اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے" کیا ہے۔ سلیمان صاحب کہتے ہیں: یہ ترجمہ غلط ہے (قرآن مجید کی توہین مصنفہ سلیمان صاحب ص۳)

جواب اہلحدیث کے مسلمہ بزرگ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:۔

"اور اللہ اوپر ہر چیز کے حاضر ہے"

(ترجمہ سورۃ بروج آیت ۵۔ قرآن مجید مترجم پانچ ترجمہ والا مطبوعہ اقبال پرنٹنگ ورکس دہلی ص۷۷۹)

اب معلوم نہیں سلیمان صاحب شاہ رفیع الدین صاحب کے متعلق کیا کہیں گے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ و خدا حاضر است بر آنچہ می کنید

(آل عمران - ۹۸)

سلیمان صاحب بتائیں کیا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی تحریف کی؟

سلیمان صاحب کا کہنا ہے کہ "شہید" کا ترجمہ گواہ ہے نہ کہ حاضر ناظر۔ وہ ذرا غور کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ کسی واقعہ کا گواہ صرف اُسی حالت میں گواہ ہو سکتا ہے جبکہ وہ اس واقعہ کی جائے وقوع پر حاضر ہو اور اُسے دیکھ رہا ہو یعنی اس واقعہ کا ناظر ہو۔

المنجد میں ہے "(الشَہید والشِہید) الشاھد" (المنجد صفحہ ۴۱۷) المنجد ہی میں یہ بھی ہے کہ "الشاھد" شھد یشھد شھودًا سے اسم فاعل ہے۔ "شھدہٗ" کے معنیٰ "حضرہ" (اس پر حاضر ہوا) "شھِدالشّیٔ" کے معنیٰ ہیں "عایَنَہٗ" (اس کو دیکھا) (المنجد ملخصًا)

المنجد سے ثابت ہوا کہ "شاہد" کے معنیٰ "حاضر ناظر" ہیں اور کیونکہ "شاہد" اور "شہید" ہم معنیٰ ہیں لہٰذا "شہید" کے معنیٰ بھی "حاضر ناظر" ہوئے۔

لغت کی دوسری مشہور کتاب محیط المحیط میں ہے :-

شھد المجلس یشھدہٗ شھودًا حضرہٗ واطلع علیہ وعاینہ وشھد الجمعۃ ادرکھا فھو شاھد (صفحہ ۴۸۵) یعنی "شہود" کے معنیٰ حاضر ہونا، مطلع ہونا اور دیکھنا ہیں لہٰذا "شاہد" کے معنیٰ حاضر ناظر ہوئے۔

اسی کتاب میں ہے "الشَہید والشِہید الشاھد والامین فی شھادتہ (صفحہ ۴۸۶) یعنی "شہید" کے معنیٰ شاہد اور شہادت میں امانتدار کے ہیں اور شاہد کے معنیٰ صاحب محیط نے پہلے ہی بتا دیئے ہیں یعنی حاضر ناظر (اوپر بیان کردہ عبارت ملاحظہ فرمائیں)۔ صاحب محیط آگے لکھتے ہیں : الشھید فی الاصل من الشھود ای الحضور او من الشھادۃ ای الحضور مع المشاھدۃ بالبصر او البصیرۃ (محیط المحیط صفحہ ۴۸۶) یعنی "شہید" اصل میں "شہود" سے (نکلا) ہے یعنی حاضر ہونا (سے نکلا ہے) یا "شہادۃ" سے (ماخوذ) ہے یعنی آنکھ کے مشاہدہ یا بالبصیرۃ کے ساتھ حاضر ہونا (سے ماخوذ ہے)۔

قرآن مجید سے "شہید" کے معنی "حاضر" ہونے کا ثبوت

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَ اِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا ۝ (النسآء - ۷۲)

اور تم میں کوئی (کوئی) ایسا (منافق) بھی ہے (جس نے قسم کھالی ہے) کہ (وہ جہاد میں جانے سے) ضرور پیچھے ہٹ رہے گا پھر اگر تم پر (کوئی) مصیبت آپڑے تو کہنے لگے کہ خدا نے مجھ پر (بڑا ہی) احسان کیا کہ میں ان (مسلمانوں) کے ساتھ موجود نہ تھا۔

(مشہور اہلحدیث عالم ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ)

آیت مذکورہ کی خط کشیدہ عبارت کے مزید ترجمے :۔

۱۔ کہ نبودم با ینہا حاضر (ترجمہ شیخ سعدی)

۲۔ چوں نبودم حاضر بایشاں (ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب)

۳۔ نہ ہوا میں ساتھ ان کے حاضر (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب)

۴۔ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ ہوا (ترجمہ اشرف علی تھانوی)

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ (البقرۃ - ۱۳۳)

بھلا کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سامنے موت آکھڑی ہوئی (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد)

آیت مذکورہ کے مزید ترجمے :۔

۱۔ آیا شما حاضر بودید آں ہنگام کہ آمد یعقوب را مرگ او (ترجمہ شیخ سعدی)

۲۔ آیا حاضر بودید آنگاہ کہ پیش آمد یعقوب را موت (ترجمہ شاہ ولی اللہ)

۳۔ کیا تھے تم حاضر جس وقت آئی یعقوب کو موت
(ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب)

۴۔ کیا تم (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا (ترجمہ اشرف علی تھانوی)

الغرض قرآن مجید، شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب وغیرہ کے تراجم اور لغت کی کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ "شہید" کے معنیٰ "حاضر" ہیں۔ سلیمان صاحب کو اس ترجمہ پر غالباً اس لئے اعتراض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر نہیں مانتے، غائب مانتے ہیں۔

واضح رہے کہ ہم نے بعض مقامات پر قرآن مجید کی آیات کو استشہاداً پیش کیا ہے۔ ترجمہ نہیں کیا۔ سلیمان صاحب یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ہم نے ترجمہ غلط کیا ہے۔

(۵) ہماری کسی پرانی تحریر سے سلیمان صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہم نے اہلحدیث کو جماعت حقہ تسلیم کیا ہے (جماعت اہلحدیث کا ثبوت مصنفہ سلیمان صاحب)

جواب اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم پہلے قبر پرست تھے، قبروں کا طواف کرتے تھے اور اس کو حق سمجھتے تھے۔ اب اگر قبر پرست حضرات ہماری پرانی تحریر یا تقریر سے قبر پرست فرقہ کی حقانیت ثابت کریں تو کیا ہم اس فرقہ کی حقانیت کو اب بھی تسلیم کر لیں؟ اگر نہیں تو فرق کی کیا وجہ ہے؟

قارئین کرام تو اس اصول سے بخوبی واقف ہوں گے کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے تائب ہو جاتا ہے تو اس چیز کی موافقت میں اس شخص کی تمام تحریریں اور تقریریں کالعدم ہو جاتی ہیں۔ کاش سلیمان صاحب بھی اس اصول کو تسلیم کر لیتے۔ جب ہم اہلحدیث فرقہ سے تائب ہو گئے اور اُسے ناحق سمجھنے لگے تو اب ہماری پرانی تقریریں اور تحریریں جو فرقہ اہلحدیث کی حمایت و برتری کے سلسلہ میں تھیں کالعدم ہوں گی۔

نمونہ کے طور پر ہم نے سلیمان صاحب کے چند اعتراضات کا جواب

دے دیا ہے۔ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے یہی کافی ہے۔

سلیمان صاحب غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت المسلمین پر چند غلط اعتراض کر کے وہ جماعت المسلمین کو ناحق پر اور جماعت اہلحدیث کو حق پر ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن آخر کب تک؟ وہ جماعت المسلمین کو کچھ عرصہ کے لئے بدنام تو کر دیں گے لیکن وہ جماعت اہلحدیث کو فرقہ داریت کی چھاپ سے نہیں بچا سکتے۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کا نام تو زبان پر ہے لیکن قرآن مجید اور حدیث نبوی سے وہ آج تک اپنے نام کا ثبوت پیش نہیں کر سکے اور نہ متعدد مسائل کا جو اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہیں قرآن مجید اور حدیث نبوی سے ثبوت دے سکے اور انشاء اللہ العزیز آئندہ بھی نہ دے سکیں گے فللہ الحمد۔

انتباہ

۱۔ جماعت المسلمین کا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔ کراچی کے کسی علاقہ یا محلہ میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ نہیں ہے۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الجماعۃ القدیمۃ بجواب الفرقۃ الجدیدۃ

تمہید

جب کتاب " الفرقۃ الجدیدۃ " مصنفہ عبداللہ دامانوی صاحب نظر سے گذری تو میں نے اس کے مندرجات پر اپنے دروس میں تبصرہ کیا۔ میں نے اپنے تبصروں میں بتایا کہ یہ کتاب درحقیقت ہمارے خلاف نہیں بلکہ ہمارے موافق ہے۔ یہ ہمارا علمی محاسبہ نہیں بلکہ اس کے مصنف کا خود اپنا علمی محاسبہ ہے۔ قارئینِ کرام پڑھ کر خود فیصلہ کرلیں گے کہ اس کتاب میں لفاظی، دشنام طرازی اور الزام تراشی کے سوا کچھ نہیں۔ حقائق کو مسخ کیا گیا ہے۔ اقوال الرجال کو دلائل کی حیثیت سے پیش کر کے اس کو نام نہاد علمی محاسبہ کا نام دیا گیا ہے، جگہ جگہ جماعت المسلمین کی تائید کی گئی ہے لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اس کتاب کا تحریری جواب دینے کی ضرورت نہیں، دوسرے یہ کہ ایسے لایعنی محاسبوں کے جواب دینے کی فرصت کسے ہے۔ یہ کام تو وہی کرسکتا ہے جس کے پاس فاضل وقت ہو اور وہ اس وقت کو کام میں لانے کے لئے کوئی مفید کام نہ کرسکے تو غیر مفید کام ہی سے اپنے وقت کو کام میں لاکر اپنا دل بہلائے اور شہرت حاصل کرے۔

چند دن ہوئے کہ عبدالمالک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ پروفیسر محمد یامین صاحب نے ان سے " الفرقۃ الجدیدۃ " کا نام لے کر یہ تاثر دیا کہ اس کتاب نے جماعت المسلمین کی کمر توڑ دی ہے۔ جماعت المسلمین اس کتاب کا جواب دینے سے عاجز ہے اور یہ کتاب اب تک لاجواب چلی آرہی ہے۔

یامین صاحب کے ان تاثرات نے مجھے چونکا دیا اور میں سمجھ گیا کہ ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ہر چیز کو ایک خاص رنگ کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں یا اگر عادی نہیں ہیں تو جان بوجھ کر دوسرے کو نیچا دکھانے یا بدنام کرنے کے لئے غیر اہم چیز کو اہم چیز قرار دیتے ہیں اور شکست کو فتح ظاہر کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ الغرض میں نے فیصلہ کیا کہ اس کا مختصر جواب دے ہی دوں۔ "الجماعۃ القدیمۃ" عبداللہ داماتوی صاحب کی کتاب کا مختصر اور جامع جواب ہے۔

الحمدللہ جماعت المسلمین ترقی کر رہی ہے اور انشاءاللہ العزیز ترقی کرتی رہے گی۔ البتہ جماعت المسلمین کی ترقی سے جو مخالفین بوکھلا گئے ہیں وہ اس کی ترقی کو الزامات لگا کر روکنے کی کوشش میں مصروف ہیں لیکن انشاء اللہ العزیز وہ دن دور نہیں جس دن وہ اپنی مخالفانہ سرگرمیوں پر نادم ہوں گے۔

نوٹ :۔ کتاب الفرقۃ الجدیدۃ کا مقدمہ محمد زبیر علی صاحب نے لکھا ہے۔

خادم الاسلام والمسلمین
مسعُود احمد

سالِ طباعت ——————— ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء

الجماعۃ القدیمۃ بجواب الفرقۃ الجدیدۃ

غلط فہمی | مقدمہ کتاب میں محمد زبیر علی صاحب لکھتے ہیں :۔

"یہ نوزائیدہ فرقہ اپنے علاوہ تمام مسلمین کو گمراہ سمجھتا ہے" (الفرقۃ الجدیدۃ ص۶)

ازالہ | ہم مسلمین کو گمراہ نہیں سمجھتے۔ یہ بہتان ہے۔

غلط فہمی | زبیر صاحب لکھتے ہیں :۔

یہ فرقہ محدثین (اہل الحدیث) کا سخت دشمن ہے۔ (الفرقۃ الجدیدۃ ص۶)

ازالہ | ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ۔ ہم محدثین سے بے حد محبت کرتے ہیں اور ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔

غلط فہمی | محمد زبیر علی صاحب لکھتے ہیں :۔

کراچی کے ایک نوزائیدہ فرقہ نے کافی عرصہ سے اہل الحدیث والآثار کے خلاف تکفیر و تبدیع اور طعن و تشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ (الفرقۃ الجدیدۃ ص۷)

ازالہ | ہم نے کسی کو کافر نہیں کہا۔ یہ ہم پر بہتان ہے۔ زبیر صاحب ہماری تحریر پیش کریں۔

قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :

محدثین کی جماعت کو اہل حدیث کہا جاتا ہے (ص۷)

جواب | ہم بھی محدثین کو اہل الحدیث کہتے ہیں۔ زبیر صاحب کا مذکورہ بالا قول ہماری تائید ہے نہ کہ تردید۔

قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :۔

آج تک کسی مسلم عالم نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ "اہل الحدیث سے مراد محدثین کی جماعت ہے۔" (ص۷)

جواب | یہ بھی ہماری تائید ہے۔ ہم بھی اہل الحدیث سے محدثین ہی مراد لیتے ہیں۔

غلط فہمی | زبیر صاحب لکھتے ہیں :۔

ایک روایت میں ہے کہ: میری امت کا ایک طائفہ یعنی گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ (ص٤)

آگے لکھتے ہیں: "یہ برتری دلائل کے ساتھ ہوگی" (ص٤)

ازالہ زبیر صاحب، حدیث میں تو دلائل کا لفظ نہیں ہے۔ حدیث میں تو یہ الفاظ ہیں:۔

(۱) يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (صحیح مسلم عن جابر بن سمرۃ) مسلمین کی ایک جماعت دین کے لئے لڑتی رہے گی۔

(۲) يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (صحیح مسلم عن معاویۃؓ) قیامت تک حق کے لئے لڑتے رہیں گے (اور) اپنے دشمن پر غالب رہیں گے۔

(۳) يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ (صحیح مسلم عن جابر بن عبداللہؓ) حق کے لئے جنگ کرتے رہیں گے۔

(۴) يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ قَاهِرِيْنَ لِعَدُوِّهِمْ (صحیح مسلم عن عقبہؓ) اللہ کے دین کے لئے لڑتے رہیں گے، اپنے دشمن پر قاہر رہیں گے۔

زبیر صاحب جنگ و جدال کو آپ نے دلائل میں تبدیل کر دیا۔ ہماری مخالفت سے اگر آپ کو ڈر نہیں لگتا تو تحریفِ معنوی کے انجام سے تو ڈریئے۔

زبیر صاحب ہمیں آپ کی مجبوری کا بھی علم ہے، آپ تحریف معنوی نہ کریں تو آخر آپ کیا کریں۔ حدیث کی زد سے اپنے آپ کو بچانے کی آپ کے پاس یہی ایک صورت ہے۔

قولہ زبیر صاحب لکھتے ہیں:۔

امام مسلم نے بھی محدثین کو اہلحدیث کہا (ص٤)

جواب ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ ہماری تائید ہے۔ بلاشبہ محدثین ہی اہلحدیث تھے۔

قولہ زبیر صاحب لکھتے ہیں:۔

طائفہ منصورہ والی حدیث کا مصداق اصحاب الحدیث، اہل العلم، اہلحدیث ہیں (یعنی محدثین ہیں) (صـ۸ـ)

جواب | زبیر صاحب یہ آپ کیا لکھ رہے ہیں. محدثین مثلاً امام بخاریؒ، امام مسلم، امام ابوداؤد وغیرہ نے کہاں اور کب جنگ کی ۔؟

قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :۔

مسعود صاحب کے نزدیک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دین اسلام سے خارج ہیں (صـ۹ـ)

جواب | یہ ہم پر الزام ہے۔ کتاب کا حوالہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کتاب کا مصنف بھی کسی خاص فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :۔

اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا ذاتی نام مسلم ہی ہے۔ (صـ۱۰ـ)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں. فللہ الحمد۔

قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ مسلمین کے اور بھی بہت سے (صفاتی) نام ہیں۔ (صـ۱۱ـ)

جواب | ہماری بحث صفاتی نام سے نہیں۔ صفاتی نام ذاتی نام نہیں بن سکتے. ہمارا دعویٰ اچھی طرح سن لیجئے اور وہ یہ ہے :۔ کسی صفتی نام کو فرقہ وارانہ امتیازی نام کی حیثیت دینا نئے فرقے کو جنم دینا ہے، ہم تو فرقہ وارانہ امتیازی نام کی مخالفت کرتے ہیں۔ عالم کو عالم کہا جا سکتا ہے لیکن وہ اس کا ذاتی و امتیازی نام نہیں بن سکتا۔

قولہ | فرقہ مسعودیہ والے انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ محدثین کی تکفیر کر رہے ہیں (صـ۱۴ـ)

جواب | یہ بہتان عظیم ہے۔

قولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللّٰهِ (ص۱۵)
ترجمہ:- پس پکارو اس اللہ کی پکار کے ساتھ جس نے تمہارا نام مسلمین۔ مؤمنین۔ عباد اللہ رکھا ہے (ص۱۵)

جواب یہ ترجمہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ قرآن مجید میں صرف "هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج - ۷۸) ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ" یا "هُوَ سَمّٰكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ" نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان ناموں سے اللہ تعالیٰ نے پکارا ہے، یہ مسلمین کے صفاتی نام ہیں تو بحث صفاتی نام کی نہیں ہے۔ ذاتی نام کی بحث ہے۔ معاملہ کو الجھا کیوں رہے ہیں۔ مزید برآں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفاتی نام یا القاب بھی وہی ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ الغرض آپ کا نام اس لحاظ سے بھی غلط ہوا کیونکہ یہ نام نہ اللہ تعالیٰ نے رکھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ آپ کو چاہیئے کہ اس حدیث کی روشنی میں اپنے مذہبی نام کو کالعدم کر دیں۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ آپ کی۔

قولہ زبیر صاحب لکھتے ہیں:-
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..... میری امت دو فرقے ہو جائے گی اور ان کے درمیان ایک نکلنے والی جماعت نکلے گی (یعنی مارقہ) اس مارقہ کو (دونوں فرقوں میں سے) جو حق سے زیادہ قریب ہوگا قتل کرے گا۔ (ص۱۶)

جواب اس حدیث کو بلا وجہ پیش کیا گیا ہے۔ ان دو فرقوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے قریب فرمایا تھا لہذا وہ حق پر تھے۔ کیا وہ ۷۲ فرقے بھی حق پر ہیں جن کے متعلق فرمایا تھا "سب دوزخی ہیں"۔ اگر نہیں تو مذکورہ بالا حدیث کو پیش کرنا لایعنی ہے۔ ان دونوں احادیث میں کیا مناسبت ہے۔

اچھا یہ بتایئے لغوی اعتبار سے "فرقہ" اور شرعی اعتبار سے "فرقہ" میں فرق ہے یا نہیں۔ آپ کی پیش کردہ حدیث میں فرقہ کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے، شرعی معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ آپ کی پیش کردہ حدیث میں جن دو فرقوں کا ذکر ہے کیا ان کے علیحدہ علیحدہ مذاہب اور مسالک تھے۔ اگر نہیں تھے تو وہ دینی فرقے نہیں تھے۔ انتظامی امور میں اختلاف سے دو گروہ عارضی طور پر وجود میں آگئے تھے اور وہ بالآخر ختم ہو گئے۔ کیا آپ بھی اپنے فرقوں کو اس حدیث کی روشنی میں ختم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر نہیں تو یہ حدیث آپ کے خلاف ہے اور ہمارے موافق۔

قولہ زبیر صاحب لکھتے ہیں :۔

امت کا ایک طائفہ (یعنی اہل حق کی جماعت) قیامت تک ہمیشہ بغیر انقطاع باقی رہے گا (ص ۱۶)

جواب اس طائفہ کی خصوصیات ص ۔ پر بیان ہو چکی ہیں یعنی وہ طائفہ حق کے لئے لڑتا رہے گا، لوگوں پر غالب ہوگا، دشمن پر قاہر ہوگا۔ زبیر صاحب مہربانی کر کے بتایئے کہ وہ طائفہ آجکل کہاں لڑ رہا ہے اور کون سے دشمن پر غالب اور قاہر ہے۔

قولہ زبیر صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ اگر اس وقت زمین میں کوئی اللہ کا خلیفہ ہو تو "فالزمہ" اس کو لازم پکڑو (ص ۱۷)

جواب صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ

تو اب یہ بتایئے کہ آپ نے مسند امام احمد کے حوالہ سے جو الفاظ لکھے ہیں وہ صحیح ہیں یا وہ الفاظ صحیح ہیں جو متفق علیہ روایت میں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے الفاظ فرمائے تھے۔ حدیث تو ایک ہی ہے تو پھر الفاظ بھی ایک ہی ہونے چاہیئے تھے۔ کیا جو حدیث ساتوں درجوں میں

سے کسی درجہ میں بھی صحیح نہ ہو اس کے ذریعہ آپ محض اپنے مطلب کی خاطر صحیحین کی حدیث کو مضطرب المتن بنا رہے ہیں۔

قولہ زبیر صاحب لکھتے ہیں :۔

اہل الحدیث کا نام ان کے نزدیک بدعت ہوا لہذا بخاری وغیرہ بدعتی ٹھہرے (ص ۱۸)

جواب امام بخاری نے اہل الحدیث کا لفظ محدثین کے لئے استعمال کیا ہے، کسی فرقہ وارانہ گروہ کے لئے استعمال نہیں کیا لہذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بدعتی نہیں ہوئے۔

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

اس جماعت کا لٹریچر اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ اس میں عموماً احادیث صحیحہ کا التزام کیا گیا ہے اور یہ لٹریچر حقیقتاً عوام الناس کے لئے بہت مفید ہے (ص ۲۲)

جواب یہ ہماری تائید ہے۔

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

موصوف خود بھی جماعت المسلمین سے اسلامی حکومت ہی مراد لیتے ہیں چنانچہ انہوں نے منہاج المسلمین میں خلافت کے ضمن میں ایک عنوان جماعت المسلمین کا بھی قائم کیا ہے (ص ۲۶)

جواب ہماری منشاء کے خلاف ہماری تحریر کے معنی کرنا زیادتی ہے ہمارے مضمون کا پورا عنوان یہ ہے :۔

خلافت اور اس کے متعلقات

جماعت المسلمین کا قیام یقیناً خلافت کے متعلقات میں سے ہے کیونکہ جماعت المسلمین ہی خلافت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

امام بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اب یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ موصوف

کو جماعت المسلمین کا امام کس نے بنایا (ص ۲۹)

جواب عبداللہ صاحب آپ کیوں قارئین کو دھوکا دے رہے ہیں۔ جہاں ہم نے یہ لکھا ہے کہ امام بنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہاں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ امام سے مراد وہ امام نہیں جو امیر یا حکمراں ہو بلکہ امام سے مراد وہ امام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منصب امامت پر سرفراز فرمایا ہو، جس کا ہر حکم واجب الاتباع ہو، جس کا ہر فقرہ ضابطۂ حیات ہو، جس کا ہر فعل مشعل ہدایت ہو وغیرہ وغیرہ۔

قولہ عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ تو ہمیں اپنا مسلم (اطاعت گزار) بنا دے (ص ۳۰)

جواب ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دعا کرتے وقت وہ مسلم نہیں تھے اور یہ سراسر باطل ہے۔

صحیح ترجمہ یہ ہے کہ " اے ہمارے رب، ہمیں اپنا مسلم بنائے رکھ یعنی ہمیں توفیق دے کہ ہم آئندہ بھی تیرے مسلم رہیں۔"

قرآن مجید اور احادیث نبوی کا صحیح ترجمہ معلوم کرنے کے لئے جماعت المسلمین کی طرف رجوع کیا کیجئے۔ یہ ہماری چیزیں ہیں اور ہم ہی ان کا صحیح مطلب جانتے ہیں۔

قولہ عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

ایک طرف تو موصوف کسی کو مسلم ماننے کے لئے تیار نہیں اور دوسری طرف ایک غیر اسلامی حکومت سے اپنے آپ کو رجسٹرڈ بھی کروالیا (ص ۳۰)

جواب عبداللہ صاحب کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ غیر اسلامی حکومت سے رجسٹرڈ کرانا حرام ہے۔ حکومت نے اعلان کیا کہ رجسٹرڈ جماعتوں کو زمین دی جائے گی۔ ہم نے ان کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرا دیا اور زمین خرید لی۔ اس میں کوئی قباحت

اچھا عبداللہ صاحب یہ بتایئے نبی کا کسی غیر مسلم حکومت کا وزیر بننا کیسا ہے یا کسی عالم کا سکھ حکومت کا جج بننا کیسا ہے؟

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

موصوف کی جماعت کا نام جماعت المسلمین عربی قواعد کے لحاظ سے بھی غلط ہے کیونکہ عربی میں جماعۃ چھوٹی تاء، تاءِ مدورہ یا تاءِ مدورہ کے ساتھ استعمال ہوتی ہے (ص۳۱)

جواب عبداللہ صاحب بڑی تا اردو زبان میں تو استعمال ہوتی ہے لہذا اردو زبان میں ہم نے اپنا نام صحیح لکھا ہے۔ آپ بتایئے اگر انگریزی زبان میں جماعت لکھا جائے تو آپ T استعمال کریں گے یا ۃ استعمال کریں گے۔ اگر انگریزی میں T سے لکھنا صحیح ہے تو اردو میں ت سے لکھنا صحیح ہے۔ ہم جب عربی زبان میں جماعت لکھتے ہیں تو جماعۃ ہی لکھتے ہیں۔ فرمایئے کیا اعتراض ہے؟

عربی زبان میں ۃ کی جگہ ت بھی استعمال ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ۃ کی جگہ ت استعمال ہوئی ہے۔ ہم ذیل میں ان مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں ۃ کی جگہ ت استعمال ہوئی ہے۔

۱۔ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ (دخان۔۴۳)	۲۔ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ (یوسف۔۵۱)
۳۔ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ (قصص۔۹)	۴۔ امْرَاَتَ نُوْحٍ (تحریم۔۱۰)
۵۔ امْرَاَتَ لُوْطٍ (تحریم۔۱۰)	۶۔ امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ (تحریم۔۱۱)
۷۔ رَحْمَتَ اللّٰهِ (اعراف۔۵۶)	۸۔ رَحْمَتُ اللّٰهِ (ہود۔۷۳)
۹۔ رَحْمَتِ اللّٰهِ (روم۔۵۰)	۱۰۔ رَحْمَتَ رَبِّكَ (زخرف۔۳۲)
۱۱۔ رَحْمَتُ رَبِّكَ (زخرف۔۳۲)	۱۲۔ رَحْمَتَ اللّٰهِ (بقرہ۔۲۱۸)
۱۳۔ رَحْمَتِ رَبِّكَ (مریم۔۲)	۱۴۔ لَعْنَتَ اللّٰهِ (نور۔۷)
۱۵۔ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ (طور۔۲۹)	۱۶۔ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ (لقمٰن۔۳۱)
۱۷۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ (فاطر۔۳)	۱۸۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ (ابراہیم۔۲۸)
۱۹۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ (ابراہیم۔۳۴)	۲۰۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ (آل عمران۔۱۰۳)
۲۱۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ (بقرہ۔۲۳۱)	۲۲۔ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ (نحل۔۷۲)

۲۳۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ (نحل - ۱۱۴) ۲۴۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ (نحل - ۸۳)
۲۵۔ نِعْمَتَ اللّٰه (مائدہ - ۱۱) ۲۶۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ (روم - ۳۰)
۲۷۔ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ (مجادلہ - ۸) ۲۸۔ كَلِمَتُ رَبِّكَ (انعام - ۱۱۶)
۲۹۔ كَلِمَتُ رَبِّكَ (اعراف - ۱۳۷) ۳۰۔ كَلِمَتُ رَبِّكَ (یونس - ۹۶)
۳۱۔ كَلِمَتُ رَبِّكَ (مومن - ۶) ۳۲۔ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (نساء - ۱۱۴)
۳۳۔ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (بقرہ - ۲۶۵) ۳۴۔ بَيِّنَتٍ (فاطر - ۴۰)

قولہ | عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔
عربی زبان کا مرکب (مرکب اضافی) استعمال کرتے ہوئے اگر کوئی اس چھوٹی تاء کی جگہ بڑی تاء لکھ دے تو اس طرح یہ نام عربی قواعد کے لحاظ سے غلط ہوگا (ص۳۱)

جواب | مندرجہ بالا فہرست میں ۳۳ جگہ مرکب اضافی استعمال ہوا ہے تو اب عبداللہ صاحب بتائیں کہ مرکب اضافی کا قاعدہ جو انہوں نے تحریر فرمایا ہے کس حد تک صحیح ہے۔

قولہ | عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔
اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ہمارا ذاتی نام مسلم ہی ہے۔ (ص۳۴)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔

قولہ | عبداللہ صاحب ایک حدیث کا ترجمہ لکھتے ہیں :۔
پس تم مسلمین کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارو کہ جو نام اللہ عزوجل نے ان کے رکھے ہیں (ص۴۹)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔ اہل حدیث نام تو اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا پھر آپ اس حدیث کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہیں؟

قولہ | ص۴۹ پر انہوں نے ایک حدیث کے مختلف اسناد سے آئے ہوئے مختلف الفاظ نقل کئے ہیں اور مختلف ناموں کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

جواب | عبداللہ صاحب یہ بتایئے اگر ایک ہی حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہو تو وہ مضطرب المتن ہوگی یا نہیں اور کیا مضطرب المتن حدیث متناً ضعیف نہیں ہوتی؟

عبداللہ صاحب یہ بتایئے کہ یہ مختلف الفاظ جو مختلف سندوں سے مروی ہیں ان میں سے کس سند کے الفاظ حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔ عبداللہ صاحب آپ ہرگز نہیں بتا سکیں گے تو پھر ایسی حدیث پیش کرنے سے کیا فائدہ؟

قولہ | عبداللہ صاحب نے ص۷۶ سے ص۸۲ تک صفاتی نام تحریر کئے ہیں۔

جواب | عبداللہ صاحب ہمیں صفاتی ناموں سے بحث نہیں۔ ہماری بحث تو ذاتی نام سے ہے اور وہ آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ مسلم ہے۔

ہمارا اعتراض تو فرقہ وارانہ امتیازی نام پر ہے۔ عبداللہ صاحب نے بلاوجہ صفاتی ناموں کی بحث چھیڑ کر قارئین کو دھوکے میں مبتلا کیا ہے۔ ہم صفاتی ناموں کا انکار نہیں کرتے۔ ہم تو فرقہ وارانہ ناموں کا انکار کرتے ہیں۔ عبداللہ صاحب کیوں آپ ہمارے سلسلہ میں لوگوں کو دھوکے میں رکھ رہے ہیں۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لائے گا اور اس کے عقائد اور اعمال کتاب وسنت کے مطابق ہوں گے تو وہ سچا اور حقیقی مسلم ہوگا ورنہ بصورت دیگر وہ صرف نام ہی کا مسلم ہوگا اور مسلمین کی مردم شماری میں اگرچہ اس کا شمار ہو سکتا ہے لیکن عند اللہ وہ مسلم نہیں ہو سکتا (ص۴۵)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اس میں جس امام اور جماعۃ المسلمین کا ذکر ہے اس سے مسلمین کا سلطان یا بادشاہ مراد ہے کیونکہ اس روایت میں ائمہ (حکام) کے الفاظ آئے ہیں۔

جواب ائمہ کا لفظ تو بے شک آیا ہے لیکن اس کا ترجمہ حکام آپ نے کیا ہے۔ امیر کے معنی ہیں امر والا یعنی حکم والا لہٰذا حکام سے بھی امیر بے حکومت مراد ہو سکتا ہے۔ عبداللہ صاحب کوئی ٹھوس دلیل جس سے ثابت ہو کہ امام یا امیر سے مراد خلیفہ ہے پیش کیجئے۔

آپ کا خلیفہ کے بجائے بادشاہ کا لفظ پیش کرنا بھی عجیب ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بادشاہت بھی اسلامی چیز ہے۔

قولہ پہلی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ دوسری حدیث میں جماعت کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا کیا ان دونوں احادیث کو ملا کر پڑھنے سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جماعت سے مراد مسلمین کی امارت و حکومت ہے اور امیر سے مراد مسلمین کا سلطان یا بادشاہ ہے (ص۸۶)

جواب سلطان سے مراد آپ کی بادشاہ سے ہے۔ بہت خوب!

سلطان کے معنی ہیں قوت، حجت۔ امیر ہر حال میں اپنی مرکزی حیثیت کی وجہ سے ایک قوت ہوتا ہے۔ اس کا حکم اور فیصلہ جماعت کے افراد پر حجت ہوتا ہے۔ امیر تادیبی کارروائی بھی کرتا ہے، سزا بھی دیتا ہے اور یہ سب کچھ اس کے عہدۂ امارت کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ آپ کے ہاں امیر کٹ پتلی یا مٹی کی مورت ہوتا ہے لہٰذا آپ اپنی اصطلاح میں امیر کے معنی سوچتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔

عبداللہ صاحب کیا آپ اس خیال میں ہیں کہ مسلمین کی حکومت ہمیشہ قائم رہے گی۔ اگر مسلمین کی حکومت نہیں ہوگی تو کیا اس زمانہ کے لئے

شریعت نے کوئی نسخہ تجویز کیا ہے۔ اگر کیا ہے تو بتایئے۔

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا سے مراد دینی فرقے اور جماعتیں نہیں بلکہ سیاسی جماعتیں اور باغی مراد ہیں (ص۱۰۱)

جواب عبداللہ صاحب! یہ کس دلیل سے ؟ کیا اسلام میں بھی سیاسی جماعتوں کا وجود ہے ؟ اگر ہے تو کیا کوئی سیاسی جماعت ہی حکومت پر قابض ہوگی یا وہ سیاسی جماعت نہیں ہوگی۔ اگر وہ سیاسی جماعت ہوگی تو کیا اس سے چمٹنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ برسر حکومت آگئی ہے۔ اگر برسر حکومت نہ آئی تو اس سے چمٹنا دوزخ میں جانے کے مترادف تھا۔ حدیث میں تو یہ ہے کہ وہ دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوکر لوگوں کو بلائیں گے جو ان کی بات مان لے گا وہ اسے دوزخ میں دھکیل دیں گے۔ عبداللہ صاحب یہ بتایئے کہ سیاسی جماعتیں سیاسی اختلاف کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں یا دینی اختلاف کی بنیاد پر۔ اگر صرف سیاسی اختلاف کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں تو پھر جب کوئی حکومت نہ ہو تو ان سے چمٹ جانے میں کیا حرج ہے۔ سیاسی اختلاف دینی اختلاف نہیں ہوتا تو پھر دوزخ میں جانے کا باعث کیا ہے۔

قولہ منافقین نے جس طرح صحابہ کرام میں غلط فہمیاں پھیلائیں اور ان کو آپس میں لڑایا (ص۱۰۳)

جواب کیا صحابہ کرام آپس میں لڑتے تھے، افسوس ہے کہ آپ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ (مسلم کو برا کہنا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے) (صحیح بخاری) کیا صحابہ کرام کو آپ اس حدیث کی زد سے بچا سکتے ہیں ؟

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

حذیفہ بن یمانؓ کی حدیث تلزم جماعة المسلمين

وامامھم جیسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اس روایت کے صرف ایک ہی طریقہ سے موصوف نے اپنی امامت اور اپنی جماعت کے لئے استدلال کیا ہے اور دوسرے تمام طرق کو نظر انداز کر دیا ہے (ص۱۰۶)

جواب | کیا ان طرق کے الفاظ یکساں ہیں یا مختلف؟ اگر مختلف ہیں تو یہ ثابت کیجئے کہ یہ تمام الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے تھے اور اگر آپ ثابت نہ کر سکیں اور آپ ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے تو پھر حدیث کا متن مختلف ہونے کی وجہ سے مضطرب ہو جائے گا اور حدیث متناً ضعیف ہو جائے گی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لفظ "امام" ہے اور ابوداؤد میں لفظ خلیفہ ہے تو یہ بتلایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ اپنی زبان اقدس سے ادا فرمایا تھا۔ یقیناً وہی لفظ ادا فرمایا ہوگا جس لفظ پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم متفق ہیں۔ ابوداؤد میں یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے لیکن ہر طریق کا متن مختلف ہے۔ جن طرق میں خلیفہ کا نام آیا ہے ان میں چاروں زمانوں کا تعین مفقود ہے اور جس طریق میں چاروں زمانوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے اس میں خلیفہ کا لفظ نہیں ہے۔ الغرض ابوداؤد کی حدیث صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے اور مختلف المتون ہونے کی وجہ سے مضطرب ہے۔ کیا ایسے طرق کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں جن کا متن ہی محفوظ نہیں۔

قولہ | (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: میرے بعد وہ لوگ حاکم ہوں گے جو میری راہ پر نہ چلیں گے (ص۱۰۶)

جواب | عبداللہ صاحب اس حدیث میں "اَئِمَّةٌ" کا لفظ ہے جس کے معنی آپ نے "حاکم" کئے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے بجائے "قَوْمٌ" ہے۔ بتلایئے کون سا لفظ صحیح ہے۔ مزید برآں یہ الفاظ صحیح بخاری

وصحیح مسلم کی روایت کے مطابق خیر کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ اس کو تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم پر منطبق کر رہے ہیں جو کہ چوتھے زمانے یعنی شر کے زمانہ کے لئے آئے ہیں۔

حدیث کے الفاظ زیر بحث تیسرے زمانہ یعنی خیر کے زمانہ کے لئے ہیں لہٰذا " قوم " کا لفظ اس لحاظ سے بھی صحیح ہے۔ اگر خلفاء بھی بقول آپ کے سنّت کے خلاف چلیں گے تو وہ خیر کا زمانہ کیسے ہوگا۔ کیا ترکِ سنت خیر ہے؟

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اے حذیفہ تم پر اس امیر کی اطاعت لازم ہے چاہے وہ تمہاری کمر پر مارے اور تیرا مال بھی چھین لے۔ بتایئے اس سے مسلمین کے سلطان کے علاوہ اور کون مراد ہو سکتا ہے (ص۱۰۷)

جواب | عبداللہ صاحب آپ کی پیش کردہ حدیث میں ابہام ہے معلوم نہیں ہوتا کہ کس زمانہ کے لئے ہیں۔ اوپر میں لکھ چکا ہوں کہ یہ الفاظ تیسرے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ متفق علیہ حدیث کے متن سے ذرا اس کو ملا کر دیکھئے تو صاف ثابت ہوگا کہ یہ الفاظ تیسرے زمانہ یعنی خیر کے زمانہ کے متعلق ہیں۔

اگر یہ الفاظ چوتھے زمانہ کے لئے بھی مان لئے جائیں تب بھی کوئی اشکال نہیں۔ غالباً عبداللہ صاحب کو کمر پر مارنے کے الفاظ سے دھوکا ہو رہا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام تو خلیفہ ہی کر سکتا ہے۔ یہ عبداللہ صاحب کی غلط فہمی ہے۔ کیا انہیں حزب اللہ میں مارا نہیں گیا، کیا خاکسار جماعت کے ارکان کی کمر پر ان کی کسی غلطی کی وجہ سے کوڑے نہیں مارے جاتے تھے، عبداللہ صاحب یہ چیز اگر آپ کو عملاً دیکھنی ہو تو جماعت المسلمین میں بھی آ کر آپ دیکھ سکتے ہیں۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

اِنْ کَانَ لِلّٰہِ تَعَالٰی خَلِیْفَۃٌ فِی الْاَرْضِ فَضَرَبَ ظَھْرَکَ وَاَخَذَ مَالَکَ فَاَطِعْہُ وَ اِلَّا فَمُتْ وَاَنْتَ عَاضٌّ بِجِذْلِ شَجَرَۃٍ	اور اگر اس وقت زمین میں کوئی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہو اور وہ تیری کمر پر مارے اور تیرا مال چھینے تب بھی اس کی اطاعت کر اور اگر (کوئی خلیفہ) نہ ہو تو کسی درخت کی جڑ میں بیٹھ جا اور وہیں مر جا (ص ۱۰۸)

جواب عبداللہ صاحب آپ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ خلیفہ تو ہے نہیں پھر آپ مر کیوں نہیں جاتے۔ کسی درخت کے نیچے بیٹھ جائیں اور مر جائیں۔

نوٹ: حدیث بالا کا ترجمہ ہم نے وہی نقل کیا ہے جو عبداللہ صاحب نے لکھا ہے۔ اگرچہ ہمیں اس ترجمہ سے بھی اختلاف ہے۔

عبداللہ صاحب ہم تو اس پر عمل نہیں کر سکتے اس لئے کہ اس کا متن صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے۔ ابو داؤد نے اس کو کئی سندوں سے نقل کیا ہے لیکن ہر سند کے الفاظ مختلف ہیں ان تمام سندوں میں ایک راوی سبیع مشترک ہے جو کبھی باپ بن جاتا ہے اور کبھی بیٹا۔ ایسا راوی جو اپنا نام اور اپنی ابنیت بدلتا رہے بہت خطرناک ہوتا ہے۔ ہم ایسی معلول اور مضطرب المتن حدیث پر عمل نہیں کر سکتے۔ ہم تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

فَاِنْ لَمْ تَجِدْ یَوْمَئِذٍ خَلِیْفَۃً فَاھْرُبْ حَتّٰی تَمُوْتَ فَاِنْ تَمُتْ وَاَنْتَ عَاضٌّ	پس اگر تو ان دنوں میں کوئی خلیفہ نہ پائے تو (تمام فرقوں سے) بھاگ کھڑے ہونا (ص ۱۰۸)

جواب عبداللہ صاحب نے پوری حدیث کا ترجمہ نہیں کیا اور جس حصہ کا ترجمہ کیا وہ صحیح نہیں کیا۔ صحیح ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اگر تو اس زمانہ میں کسی خلیفہ کو نہ پائے تو بھاگ جانا یہانتک کہ تجھے موت آئے، اگرچہ موت اس حال میں آئے کہ تو (جڑیں) چبانے والا ہو۔"

عبداللہ صاحب، آپ نے پورا ترجمہ کیوں نہیں کیا؟

عبداللہ صاحب، (تمام فرقوں سے بھاگ کھڑے ہونا) یہ ترجمہ کن الفاظ کا ہے۔

عبداللہ صاحب یہ دو حدیثیں جو آپ نے نقل کی ہیں ان احادیث کی روشنی میں آپ کو اب تک مرجانا چاہیئے تھا یا اگر مرتے نہیں تو درخت کی جڑیں تو چباتے رہتے، اسی حالت میں کبھی موت آہی جاتی۔

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

اس لئے یہ انتہائی ضروری تھا کہ اہل حق کا نام ان کے کام کی مناسبت سے اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل الحدیث ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں اور جاں نثاروں کو صحابی یا صحابہ کہا جاتا تھا (ص ۱۱۹)

جواب اس میں کونسا علمی پہلو ہے۔ کیا صحابہ فرقہ وارانہ نام تھا۔ کیا صحابہ کا نام اہلحدیث بھی تھا؟

قولہ مسلمین کا ایک گروہ اگر دشمنوں سے برسر پیکار ہے تو انہیں مجاہدین کا نام دے دیا جاتا ہے (ص ۱۱۹)

جواب کیا خوب مثال ہے! کیا مجاہدین کسی فرقہ کا نام ہوتا ہے؟ کیا مجاہدین کا کوئی خاص مسلک یا مذہب ہوتا ہے یا ان کی کوئی خاص فقہ ہوتی ہے؟

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں دو فرقے ہو جائیں گے اور ان میں ایک (تیسرا) فرقہ پیدا ہوگا اور اس فرقہ کو وہ جماعت قتل کرے گی جو ان میں حق سے زیادہ قریب ہوگی (ص ۱۲۱)

جواب ایک فرقہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور ایک حضرت معاویہؓ کے۔ حدیث کے مطابق یہ دونوں فرقے حق پر تھے۔ عبداللہ صاحب کیا آپ کے یہ

۷۲ فرقے بھی حق پر ہیں۔ اگر نہیں تو پھر اس حدیث سے آپ کے فرقوں کو کیا نسبت؟

عبداللہ صاحب، کیا یہ دینی فرقے تھے، کیا ان کے مذاہب و مسالک الگ الگ تھے، کیا ان کی فقہیں علیحدہ علیحدہ تھیں؟ اگر نہیں تو پھر اصطلاح شرع میں یہ فرقے نہیں ہوئے۔ ان کا اختلاف تاخیر اور عجلت کا اختلاف تھا۔ وہ محض لغوی اعتبار سے فرقے تھے نہ کہ شرعی اعتبار سے۔

عبداللہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فرقہ کا لفظ برا نہیں ہے۔ اگر ہم فرقہ ہیں تو کیا ہوا۔ عبداللہ صاحب آپ مانیں یا نہ مانیں اصطلاح شرع میں تو " فرقہ " کا لفظ برا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگر آپ اچھا سمجھتے ہیں تو اور فرقے بنالیں مگر یاد رکھیئے یہ قرآن مجید کی مخالفت ہوگی۔

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

اور مسلمین کا ایک گروہ برابر حق پر لڑتا رہے گا اور اپنے مخالفوں پر قیامت تک غالب رہے گا (ص ۱۲۹)

جواب عبداللہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کیونکہ جماعت المسلمین ہمیشہ نہیں رہی لہٰذا وہ حق پر نہیں۔ ہم عبداللہ صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس جماعت کی نشاندہی کریں جو اپنے امتیازی نام کے ساتھ ہمیشہ موجود رہی ہو، حق پر جنگ کرتی رہی ہو اور اپنے مخالفین پر غالب رہی ہو۔

عبداللہ صاحب آپ نے استمرار اور تسلسل کو تسلیم تو کیا ہے (ص ۱۲۷) اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ ہم تسلسل بالانقطاع تسلیم کرتے ہیں اور آپ تسلسل بلاانقطاع تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے تسلیم کردہ معنی کے لحاظ سے حدیث کی پیشن گوئی معاذ اللہ صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ کیا آپ کو یہ منظور ہے۔

قولہ طائفۃ من امتی قیامت تک برابر دنیا میں رہیں گے جبکہ جماعۃ المسلمین (مسلمین کی حکومت و امارت) کبھی قائم ہوگی اور کبھی نہ ہوگی (ص ۱۲۹)

جواب عبداللہ صاحب طائفۃ من امتی تو ہمیشہ لڑتا رہے گا، ہمیشہ اپنے

دشمنوں پر غالب اور قاہر رہے گا (صحیح مسلم) تو پھر وہ حکمراں کیوں نہیں ہوگا، وہ جماعت المسلمین کیوں نہیں ہوگا۔ اس علمی نکتہ کو تو عبداللہ صاحب ہی سمجھ سکتے ہیں۔

قولہ صـ۱۳۰ سے صـ۱۴۲ تک عبداللہ صاحب نے اقوال الرجال نقل کئے ہیں اور اہل حدیث کی مدح و ثنا کی ہے۔

جواب ہم بھی اہلحدیث کی مدح و ثناء کے قائل ہیں لیکن ہم اہلحدیث سے محدثین مراد لیتے ہیں، فرقہ اہلحدیث مراد نہیں لیتے۔ مزید بر آں عبداللہ صاحب جب آپ اقوال الرجال کو حجت نہیں مانتے (ملاحظہ ہو آپ کی کتاب کا صـ۱۸) تو ہمارے سامنے اقوال الرجال کو کیوں پیش کرتے ہیں۔ ہم بھی اقوال الرجال کو حجت نہیں مانتے۔

قولہ عبداللہ صاحب سوال کرتے ہیں: کیا ہر مسلم اہلحدیث ہو سکتا ہے (صـ۱۴۲)

جواب جی نہیں۔ ہر مسلم اہلحدیث یعنی محدث یا اہل علم نہیں ہو سکتا۔ محدث ہونے کے لئے حدیث کا وسیع علم ضروری ہے۔ جاہل کو عالم کیسے کہہ سکتے ہیں؟

قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:-

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریگا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آجائیں (بحوالہ سورۂ نساء ـ ۷۰) (صـ۱۴۲)

جواب عبداللہ صاحب آیت مذکورہ بالا سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اہل علم کا رفیق ہے تو وہ بھی اہل علم ہے۔ عبداللہ صاحب ذرا بتائیے کہ جو شخص آیت مذکورہ بالا کے مطابق انبیاء کا رفیق ہوگا وہ خود بھی نبی ہوگا۔ چہ خوب! یہ تو وہی استدلال ہے کہ جو قادیانی اس آیت کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ کاش عبداللہ صاحب آپ اس علمی نکتہ سے توبہ کریں۔ آپ تو قادیانیوں کے ہاتھ میں ہتھیار دے رہے ہیں۔

قولہ جاہل کے اہلحدیث ہونے کے سلسلہ میں ایک دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں :- آدمی اس شخص کے ساتھ ہوگا کہ جس سے اس نے محبت کی (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جواب عبداللہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جو اہلحدیث سے محبت کرے گا وہ اہلحدیث (محدث) ہی ہوگا۔ بہت خوب! عبداللہ صاحب تو ہر شخص کو محدث کی سند دے رہے ہیں۔ یہ سند تو بڑی سستی ہے، بس محبت کرو اور سندِ علم لے لو۔

عبداللہ صاحب ذرا بتائیے کہ جو شخص انبیاء سے محبت کرے وہ آپ کے اصول کے مطابق نبی ہوگا یا نہیں ؟ اگر نہیں تو کیوں ؟

عبداللہ صاحب نے قادیانیوں کے ہاتھ میں ایک اور ہتھیار دے دیا۔ آخر قادیانیوں پر اتنا لطف و کرم کس لئے ؟

قولہ ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اہل حق کے لئے اہل السنۃ والجماعۃ کی اصطلاح اور نام صحابہ کرام کے دور ہی سے مشہور ہوگیا تھا (ص ۱۶)

جواب یہ سب اقوال الرجال ہیں۔ آپ کی طرح ہم بھی اقوال الرجال کو نہیں مانتے۔ آپ قرآن مجید اور احادیث نبوی پیش کریں اور اپنے نام کو انہی دو دلیلوں سے ثابت کریں اور یہ آپ ہرگز نہیں کرسکیں گے تو پھر توبہ کرلیجئے۔

آج کل تو بریلوی اپنے کو اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں۔ کہیئے کیا خیال ہے؟ بریلوی ہوجانے میں کوئی حرج تو نہیں ؟

قولہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طائفہ منصورہ ملک شام اور بیت المقدس کے اطراف غالباً شام اور بیت المقدس کے درمیانی علاقہ میں رہے لہٰذا ان احادیث کی موجودگی میں موصوف کا یہ بے بنیاد دعوٰی بھی بے وقعت ہوکر رہ گیا کہ وہ اور ان کی جماعت ہی حقیقی مسلم اور جماعت المسلمین ہیں (ص ۱۶۳)

جواب حدیث کی رو سے اور عبداللہ صاحب کی تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طائفہ منصورہ ہمیشہ رہے گا بلکہ عبداللہ صاحب تو طائفہ منصورہ کو بلا انقطاع مانتے ہیں تو اب ان کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس وقت طائفہ منصورہ شام میں ہے یا بیت المقدس کے اطراف میں ہے۔ شام میں آجکل بعث پارٹی کی حکومت ہے جو کمیونسٹ ہے اور بیت المقدس اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔ عبداللہ صاحب کی تحریر سے نتیجہ یہ نکلا کہ بعث پارٹی یا اسرائیل طائفہ منصورہ ہے کیونکہ طائفہ منصورہ کا حدیث کی رو سے غالب ہونا ضروری ہے۔

قولہ اس حدیث سے ایک بہت بڑی حقیقت یہ بھی معلوم ہوتی کہ آخری زمانہ میں مسلمین بہت زیادہ تعداد میں ہوں گے جبکہ امام فتنہ کا اعلان ہے کہ دنیا میں ان کے اور ان کی جماعت کے علاوہ کوئی مسلم نہیں (ص ۱۶۷)

جواب عبداللہ صاحب آخری زمانہ کا تعین کر دیں پھر ہم سے جواب لیں۔

قولہ موصوف نے حذیفہ کی روایت کے الفاظ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا (تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا) سے دانستہ طور پر دینی فرقے مراد لئے ہیں جب کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں ثابت کیا ہے کہ اس سے سیاسی فرقے یا حکومت کے باغی مراد ہیں (ص ۱۶۷)

جواب عبداللہ صاحب کا منشاء یہ ہے کہ صرف اس سیاسی پارٹی سے چپٹے رہو جو اقتدار میں ہو اور دوسری سیاسی پارٹیوں یا احزاب اختلاف سے دور رہو۔ اس کا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر دوسری پارٹی اقتدار میں آجائے تو پھر اس کا ساتھ دینا چاہیئے مگر یہ تو وہی پارٹی ہو گی جو پہلے دوزخ میں دھکیل رہی تھی، تو کیا اب اقتدار میں آتے ہی وہ جنت میں داخل کر دے گی یا عبداللہ صاحب کا منشاء یہ ہے کہ کسی سیاسی پارٹی کی حکومت قائم ہوتے ہی دوسری سیاسی پارٹیاں ختم ہو جانی چاہئیں تو عبداللہ صاحب پھر اس اسلامی سیاسی اصول سے آپ لوگوں کو باخبر کیوں نہیں کرتے۔ آج کل تو جمعیت اہلحدیث بھی سیاسی پارٹی ہے اور وہ برسر اقتدار نہیں ہے

توکیا وہ لوگوں کو دوزخ میں دھکیل رہی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو عبداللہ صاحب پھر تو آپ کو مسلک اہلحدیث سے توبہ کر لینی چاہیئے۔

عبداللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ فرقوں سے حکومت کے باغی مراد ہیں۔ عبداللہ صاحب باغی تو جب ہوں گے جب کوئی حکومت ہوگی یعنی بقول آپ کے جب۔ جماعت المسلمین مع اپنے امام کے ہوگی۔ آپ تو جماعت المسلمین سے حکومت مراد لیتے ہیں اور حکم یہ ہے کہ جب جماعت المسلمین یعنی بقول آپ کے حکومت نہ ہو تو فرقوں سے یعنی بقول آپ کے باغیوں سے علیحدہ رہو تو اب یہ بتلایئے کہ جب حکومت ہی نہیں ہوگی تو حکومت کے باغی کہاں سے آئیں گے۔ تعجب ہے آپ فرقوں سے حکومت کے باغی مراد لیتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں حکومت ہوگی ہی نہیں۔ عبداللہ صاحب غور کیجئے آپ نے ہمارا علمی محاسبہ کیا ہے اب آپ دیکھیں یہ ہمارا علمی محاسبہ ہے یا آپ کا اپنا علمی محاسبہ ہے۔ ہم تو کہتے ہیں آپ کی کتاب کی اشاعت ہونی چاہیئے تاکہ لوگ ہماری تائید کریں اور آپ کا علمی محاسبہ کر سکیں۔

قولہ جماعت المسلمین کے ذیلی عنوان کو خلافت اور اس کے متعلقات میں نقل کر کے موصوف نے خود ہی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ وہ جماعت المسلمین سے حکومت یا خلافت ہی مراد لیتے ہیں (ص۱۷۸)

جواب عبداللہ صاحب آپ نے ہماری مراد کو صحیح نہیں سمجھا۔ جماعت المسلمین و امامھم سے ہماری مراد حکومت نہیں ہے ہماری مراد یہ ہے کہ جماعت المسلمین ہی خلافت کا پیش خیمہ ہوتی ہے لہذا اس کا ذکر خلافت اور اس کے متعلقات ہی کے ضمن میں آنا چاہیئے۔

قولہ اس حدیث میں جماعت کے بجائے بادشاہ کے الفاظ اس بات کو غیر مبہم الفاظ کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ اس حدیث میں جماعت سے حکومت و امارت ہی مراد ہے (ص۱۷۹)

جواب کسی حدیث میں بادشاہ یا ملک کا لفظ نہیں ہے۔ عبداللہ صاحب

نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ خلیفہ کی جگہ یا اس کے ساتھ ساتھ بادشاہ کا لفظ استعمال کیا ہے گویا ان کے نزدیک بادشاہت بھی اسلامی چیز ہے۔

قولہ امام محمد ناصر الدین الالبانی موجودہ دور کے عظیم محدث اور فن اسماء الرجال کے ماہر ہیں (ص ۱۸۷)

جواب عبداللہ صاحب البانی صاحب کو کتنی حدیثیں مع سند اور احوال رجال کے زبانی یاد ہیں۔ کیوں آپ مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہیں۔ محدثین تو گذر گئے اب تو وہ لوگ رہ گئے ہیں جو ان کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔

قولہ عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

ایک شخص نے کہا کہ ان (کراچی کی جماعت المسلمین والوں) سے گفتگو کی گئی تو انہوں نے بحث کے دوران کہا کہ علامہ البانی کے علاوہ اس دنیا میں جس قدر علماء ہیں وہ سب کافر ہیں (ص ۱۸۹)

جواب "ایک شخص نے کہا" یہ کون شخص ہے؟ ذرا اس کا نام بتایئے۔ کراچی کی جماعت المسلمین والوں سے گفتگو ہوئی۔ عبداللہ صاحب یہ کون لوگ ہیں۔ ان کا نام بتلایئے۔

وہ شخص بھی مجہول اور یہ لوگ بھی مجہول بتایئے ایسی روایت کو کون مانے گا؟ یہ ہم پر اتہام ہے ہم کسی کو کافر نہیں کہتے۔ عبداللہ صاحب الزام لگا لگا کر آپ جماعت المسلمین کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم بہت محتاط انداز میں بات کرتے ہیں۔ ہم تو حدیث سنا دیتے ہیں نتیجہ آپ خود نکال لیتے ہیں تو اب آپ جانیں اور حدیث جانے۔

قولہ عبداللہ صاحب فرماتے ہیں :۔

افتراق امت والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ کا نام الجماعۃ ہے (ص ۱۹۴)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمارا نام مسلمین رکھا ہے (ص ۱۹۴)

جواب یہ ہماری تائید ہے۔ فرقہ ناجیہ کو اگر لغوی اعتبار سے کوئی فرقہ کہے

تو کہے لیکن حدیث کی رو سے اس کا نام الجماعۃ ہے۔

عبداللہ صاحب یہ بتایئے کہ ۷۲ جہنمی فرقوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو الجماعۃ یعنی جماعۃ المسلمین میں شامل کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ ۷۲ فرقے مسلم نہیں ہوں گے؟

عبداللہ دامانوی صاحب کی کتاب کا خلاصہ

(۱) تائیدی عبارات

۱۔ محدثین کی جماعت کو اہل الحدیث کہا جاتا ہے (صٹ)

۲۔ آج تک کسی مسلم عالم نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ "اہل الحدیث" سے مراد محدثین کی جماعت ہے (صٹ)

۳۔ امام مسلم نے بھی محدثین کو اہل الحدیث کہا (صٹ حاشیہ)

۴۔ اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا ذاتی نام مسلم ہے (ص۱۰)

۵۔ اہل الحدیث کے نزدیک معیارِ حق اور حجت صرف دو چیزیں ہیں :۔
(۱) قرآن مجید
(۲) صحیح احادیث (ص۱۸)

۶۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰے نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے (ص۳۴)

۷۔ اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا ذاتی نام مسلم ہی ہے (ص۳۴)

۸۔ افتراق امت والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ کا نام الجماعۃ ہے (ص۱۹۴)

۹۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں ہمارا نام مسلمین رکھا ہے (ص ۱۹۴)
مندرجہ بالا تمام عبارتیں ہماری تائید میں ہیں۔

ایک سوال اوپر نمبر ۵ میں کہا گیا ہے کہ معیار حق صرف قرآن مجید اور صحیح احادیث ہیں۔ آپ کا نام اہلحدیث ان دونوں حق کے معیاروں میں نہیں ہے تو اب آپ کے نام کو کیا کہا جائے حق یا ناحق۔

② الزامات

۱۔ یہ فرقہ محدثین (اہل الحدیث) کا سخت دشمن ہے (ص ۶)
۲۔ فرقہ مسعودیہ والے انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ محدثین کی تکفیر کر رہے ہیں (ص ۱۴)
۳۔ انہوں نے بھی سلف صالحین پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا ہے (ص ۲۵)
مندرجہ بالا سب بہتان ہیں۔

③ طنز

۱۔ اب وہ صرف اپنے چاہنے والوں ہی کے بے تاج بادشاہ ہوں (ص ۸۳)
۲۔ کیا موصوف کے وہی تیور نہیں ہیں جو خوارج کے تھے (ص ۳۲)
۳۔ اس طرح کا دعویٰ تو وہی کر سکتا ہے جس کے ذہن میں نبی ہونے کا خیال سما گیا ہو (ص ۲۳)
۴۔ اگر موصوف کا ارادہ دعویٰ نبوت کا ہے تو وہ کھل کر سامنے کیوں

نہیں آجاتے (صـ۲۸ـ)

۵۔ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو دنیاوی شہرت حاصل کرنے کے جنون نے اس حد تک اندھا کر دیا ہے کہ وہ عذاب جہنم سے بھی غافل ہو گئے ہیں (ــــ)

۶۔ ممکن ہے کہ کل موصوف اپنے نام مسعود احمد کا بھی انکار نہ کر دیں اور کہنے لگیں کہ "میرا نام اب صرف مسلم ہے لہذا اب مجھے مسعود احمد نہ کہا جائے۔" (صـ۸۳ـ)

۷۔ موصوف نے بھی ضرور سوچا ہو گا کہ وہ بھی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیں (صـ۹۱ـ)

۸۔ موصوف نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا اپنی امامت اور جماعت المسلمین کا نعرۂ مستانہ بلند کر دیا (صـ۹۱ـ)

۹۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ موصوف نے ان تمام اہل علم محدثین کو بھی دائرہ اسلام سے یا کم از کم اپنی جماعت المسلمین سے خارج کر دیا ہو، موصوف کو چاہیئے کہ وہ ہمت سے کام لیں اور ڈاکٹر عثمانی علیہ ما علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان تمام محدثین پر کفر کا فتوے داغ دیں کیونکہ محدثین نے یہ نام رکھ کر موصوف کے نزدیک کھلے کفر کا ارتکاب کیا ہے (صـ۱۳۴ـ)

۱۰۔ اگر انہیں امام یا بادشاہ ہی بننا تھا تو کم از کم تمام اخبارات میں یہ اشتہار دے دیتے "تھا جس کا انتظار وہ امام آگیا۔" (صـ۱۰۹ـ)

تبصرہ مندرجہ بالا عبارات میں کتنا طنز ہے!! قارئین کرام غور فرمائیں۔

(۴) تحریف

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کے

پاس اللہ کا فیصلہ آجائے گا اور وہ غالب ہوں گے (ایک روایت میں ہے کہ میری امت کا ایک طائفہ یعنی گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا، صحیح الجامع الصغیر للالبانی ۷۲۸۹ بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ وقال صحیح)
یہ برتری دلائل کے ساتھ ہوگی (ص۴)

تبصرہ | حدیث میں تو یُقَاتِلُوْنَ ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ جنگ کرتے رہیں گے۔ میدانِ جنگ میں غالب ہوں گے، قَاهِرِيْنَ لِعَدُوِّهِمْ وہ اپنے دشمن پر قاہر ہوں گے۔

قارئین کرام، خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیے یہ تحریف معنوی ہے کہ جنگ کو دلائل میں تبدیل کر دیا۔

⑤ مضحکہ خیز اور عجیب وغریب

۱۔ مختصراً عرض ہے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اس "جماعت" سے مراد مسعود صاحب کی جماعت نہیں ہے بلکہ یا تو امارت وحکومت والی سیاسی جماعت ہے یا پھر صحابہ اور اہلِ حق (یعنی اہل الحدیث) کی جماعت (ص۱۶)

ہمارا دعویٰ ہے کہ اس حدیث میں جماعت سے مراد مسلمین کی امارت و حکومت ہے اور امام سے مراد مسلمین کا خلیفہ ہے (ص۸۵)

تبصرہ | معلوم نہیں ان دونوں عبارتوں میں سے کونسی عبارت صحیح ہے۔ اگر جماعت سے مراد اہل حدیث کی جماعت ہو سکتی ہے حالانکہ وہ حکمران کبھی نہیں ہوئے تو پھر ہماری جماعت المسلمین مراد کیوں نہیں ہو سکتی۔ فرق کی آخر کیا وجہ ہے؟

مزید برآں یہ چیز انہیں بھی تسلیم ہے کہ اہلحدیث کو سیاسی غلبہ

حاصل نہیں ۔ لکھتے ہیں :- اللہ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں ان بہکانے والے شیاطین سے اپنی پناہ میں رکھے اور اہل الحدیث (یعنی محدثین) کو اس دنیا میں سیاسی غلبہ دے کر ان کی جماعۃ المسلمین اور ان کا امام یعنی خلیفہ قائم کر دے (ص ۱۹)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ " جماعۃ المسلمین وامامھم " سے مراد اہلحدیث نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ تو دعاء کر رہے ہیں کہ انکی جماعۃ المسلمین قائم ہو جائے اور اوپر لکھا ہے کہ " جماعت المسلمین وامامھم " سے مراد اہل حق (یعنی اہل الحدیث) کی جماعت (ہے) ۔ معلوم نہیں کونسی عبارت صحیح ہے ۔

حق کی مخالفت ایسے ہی گل کھلاتی ہے ۔

⑥ قبیح القاب

۱۔ مالیخولیا" کا مریض) (ص ۳۰)
۲۔ ڈاکٹر عثمانی کا روحانی بھائی (" ملخصاً) (ص ۲۴) (ص ۱۰۶)
۳۔ احمق (ص ۲۹)
۴۔ آشفتہ سر (ص ۸۳)
۵۔ امام فتنہ (ص ۱۶۷)

⑦ صفاتی نام

صفاتی ناموں پر بڑی طویل بحث کی گئی ہے ۔ کتاب کے صفحے کے صفحے سیاہ کر دئے ہیں دیکھنے والا یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ دلائل کی بھرمار کر دی گئی ہے حالانکہ صفاتی ناموں کا ہم انکار ہی نہیں کرتے ۔ ہم تو کسی صفتی

نام کو فرقہ وارانہ امتیازی نام قرار دینے پر اعتراض کرتے ہیں۔

صفاتی ناموں کا انبار خلط مبحث کے سوا کچھ نہیں۔ عبداللہ صاحب فرقہ وارانہ نام کی دلیل چاہیئے نہ کہ صفتی نام کی۔ ہم تو یہ پوچھتے ہیں کہ اہل ایمان کا اصلی اور ذاتی نام کیا ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں مسلم (ص۲۴) تو پھر اختلاف کیا ہے؟

⑧ اقوال الرجال

اقوال الرجال پر صفحے کے صفحے سیاہ کر دیئے ہیں۔ ہم نے ان اقوال کا کوئی جواب نہیں دیا اس لئے کہ ہم ان اقوال کو حجت ہی نہیں سمجھتے اور ہم ہی کیا حجت نہیں سمجھتے عبداللہ صاحب بھی حجت نہیں سمجھتے (ص۱۸)

عبداللہ صاحب نے صفاتی نام اور اقوال الرجال کو اس کثرت سے نقل کیا ہے کہ کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی ہے۔ اتنی ضخیم کتاب کو دیکھ کر کم علم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت المسلمین کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ لاجواب ہو گئے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ

عبداللہ صاحب دامانوی کی علمی تنگ دامانی

اہل حدیث نام کس نے رکھا؟ اور کب رکھا؟

یہ وہ چبھتے ہوئے سوال تھے جن کا جواب علمائے اہل حدیث نے آج تک نہیں دیا۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام "مسلم" کو اپنانے کے خلاف اہلحدیث حضرات نے وہ طوفان سر پر چڑھایا ہوا ہے کہ "الامان الحفیظ"۔

معاملہ جب علم و عرفان اور اخلاقی اقدار سے ہٹ کر بغض و شنان اور ہٹ دھرمی ہی تک محدود ہو جائے تو آخر کس کس بات کا جواب دیا جائے؟

عبداللہ صاحب دامانوی کو بھی لفظ امیر، مسلم اور مرکب جماعت المسلمین سے چڑ ہے لہٰذا وہ آئے دن پرانے بغض کو نت نئے انداز میں عوام الناس کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں جن کے جوابات بارہا دئے جا چکے ہیں لیکن مطمئن ہو جانے کے بعد پھر سے "نیا جال لائے پرانے شکاری"

کے مصداق کسی بات کو "ISSUE" بنا کر پھر وہی راگ الاپنے شروع کر دیتے ہیں جن سے جہلا مرعوب ہو جاتے ہیں۔

عبداللہ صاحب دامانوی نے ایک نئے عنوان کے تحت پرانے اعتراضات کو ایک بار پھر ایک پمفلٹ کی شکل میں بعنوان: "مسعود احمد بی ایس سی کی حقائق سے چشم پوشی" شائع کیا ہے حالانکہ ان کے اعتراضات کے جوابات دئے جا چکے ہیں لیکن لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان کے اٹھائے گئے اعتراضات اتنے علمی ہیں کہ جماعت المسلمین نے ان کے جوابات نہیں دئے۔

بہرحال ایک بار پھر ان اعتراضات کے جوابات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:

اعتراض | موصوف نے اپنے ہر لٹریچر میں یہ لکھا ہے اللہ نے ہمارا صرف ایک ہی نام رکھا ہے یعنی مسلم اور اس دعوے پر انہوں نے اس قدر شدت اختیار کی کہ مسلم کے علاوہ دوسرے تمام ناموں ہی کا انکار کر دیا۔

موصوف کے دعوے کی سب سے بڑی دلیل یہ آیت ہے۔ هُوَ سَمّٰىكُمُ

الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا (حج - ۷۸) اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلم رکھا ہے (ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم صـ۲)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ نے ہمارا نام مسلم بھی رکھا ہے (مسعود احمد بی ایس سی کی حقائق سے چشم پوشی صـ۲)

جواب | بہتر تو یہ تھا کہ موصوف قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پیش کرتے جو ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ کی ضد ہو یا نعم البدل ہو جب ایسی کوئی آیت نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو ان کا اعتراض بچکانہ اور لغو ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے لہٰذا بقول موصوف کے مذکورہ آیت ہمارے دعوے کی سب سے بڑی دلیل ہے فللہ الحمد۔

اہلحدیثوں پر حیرت ہے کہ مذکورہ آیت کو صرف ہمارے لئے ہی سب سے بڑی دلیل سمجھتے ہیں اپنے لئے نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ نام کو اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام پر فوقیت دیتے ہیں اسے چھوڑنے پر قطعی آمادہ نہیں، بتلایئے اس طرز عمل کو کیا کہا جائے؟

موصوف کی خط کشیدہ عبارت کہ

"اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ نے ہمارا نام مسلم بھی رکھا ہے" معنی خیز ہی نہیں بلکہ انتہا درجہ کی ہٹ دھرمی ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے لفظ "بھی" کا اضافہ کس لئے کیا ہے؟

بہرحال اس آیت سے صرف مسلم نام "ہی" کا ثبوت ملتا ہے "بھی" کا نہیں

اعتراض | لیکن اس آیت میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام صرف مسلم رکھا ہے یا بالفاظ دیگر مسلم نام کے علاوہ دوسرے نام ممنوع ہیں (حوالہ مذکور صـ۳)

جواب | جو نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہی نام اسم علم ہے اور وہی نام ہم نے لکھا ہے۔ رہے صفاتی نام تو اس کا کس نے انکار کیا ہے؟ موصوف کا الزام قطعی جھوٹ ہے۔

اعتراض | عبداللہ دامانوی لکھتے ہیں:۔

اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا نام مسلم ہی ہے اور دنیا میں ہم اسی نام سے متعارف ہیں (حوالہ مذکور صـ۳)

جواب | یہ ہماری تائید ہے فللہ الحمد۔

اعتراض | یہ کوئی دور کی کوڑی نہیں جسے موصوف لے کر آئے ہوں البتہ موصوف جو دور کی کوڑی لائے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارا صرف ایک ہی نام مسلم ہے اور موصوف کی یہ فکر قرآن وحدیث کے سراسر منافی ہے (حوالہ مذکور ص۳)

جواب | ذاتی نام تو صرف مسلم ہے اور یہ بات تو عبداللہ صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا "ذاتی نام مسلم ہے" (الفرقۃ الجدیدہ ص۳)

مسلم نام قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے البتہ اہلحدیث نام قرآن وحدیث کے سراسر منافی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام سے انحراف ہے۔

دور کی کوڑی تو اہلحدیث لائے ہیں جنہوں نے مسلم نام کو چھوڑ کر خود ساختہ نام رکھا ہے اور اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔

عبداللہ صاحب کا اعتراض لفظ "صرف" پر ہے لیکن عبداللہ صاحب خود لکھتے ہیں: ہمارا نام مسلم ہی ہے (حوالہ مذکور ص۳ سطر ۳) "صرف" اور "ہی" میں کیا فرق ہے جو ہم نے لکھا آپ نے بھی لکھا۔ فللہ الحمد۔ مزید برآں ہم "صرف" ذاتی نام کے لئے لکھتے ہیں۔ صفاتی ناموں سے ہمیں انکار نہیں۔ عبداللہ صاحب صفاتی ناموں کی بحث بغیر ضرورت دھوکہ دینے کے لئے لے آئے اور دلیل میں ترمذی اور مسند احمد کی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے مسلمین، کے علاوہ مؤمنین، عباداللہ نام بھی رکھے ہیں۔

اہلحدیث حضرات کی مذکورہ دلیل محض اپنے نام کے دفاع کا شاخسانہ ہے ورنہ ترمذی اور مسند احمد کی حدیثیں جس طرح دوسروں کے لئے بطور حجت پیش کرتے ہیں وہ خود ان پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں اگر وہ ان حدیثوں کو اپنے لئے حجت سمجھتے تو اپنے نام کی قربانی دے کر مؤمنین یا عباداللہ ہوتے یا کہلواتے۔

حیرت ہے اس قول وفعل کے تضاد کے باوصف اور اپنی ہی پیش کردہ حدیثوں کے باوجود یہ حضرات مصر ہیں کہ وہ اہلحدیث ہیں۔ اس حدیث میں تو ہے کہ صرف اللہ کے رکھے ہوئے ناموں یا القاب سے پکارو تو کیا اہلحدیث نام یا لقب اللہ کا رکھا ہوا ہے۔

اعتراض | فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللهِ الَّذِي سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللهِ (رواہ الترمذی کتاب الامثال وصحہ)

یہ حدیث اگر صرف انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہوتی تو ممکن تھا کہ موصوف لوگوں کو دھوکا

دینے میں کامیاب ہو جاتے لیکن الحمدللہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ کتب احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ فَادْعُوا الْمُسْلِمِيْنَ بِأَسْمَائِهِمْ بِمَا سَمَّاهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۳۰ و ۲۰۲ و اسناد صحیح) (حوالہ مذکور ص ۵)

جواب | یہاں بھی معترض کی علمی تنگ دامانی واضح ہے۔ حدیث تو بہرحال ایک ہی ہے مختلف الفاظ سے مروی ہونے کی وجہ سے موصوف دھوکا کھا گئے۔

اب موصوف بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوٰی فرمایا تھا یا اسماء؟ کیا موصوف اس کا جواب دے سکتے ہیں؟

بہرحال ہم نے صحاح ستہ کی کتاب ترمذی پر بھروسہ کیا اور اسماء کو کسی راوی کی غلطی شمار کیا لہٰذا موصوف کا اعتراض ہی بچکانہ ہے۔

مزید برآں موصوف کا بغیر علم کے مسند احمد کی مذکورہ حدیث کو بطور دلیل پیش کرنا ان کے لئے بھی مفید نہیں چہ جائیکہ وہ دوسروں کے لئے اسے حجت قرار دیں۔

اعتراض | موصوف نے اپنے مسلم رسالہ میں سب سے پہلے مسند احمد ہی کی حدیث کو نقل کیا اور اس کا ترجمہ بھی درست کیا البتہ اس حدیث میں انہوں نے لفظ اسماء نقل نہیں کیا تھا یا لکھنے سے رہ گیا تھا (حوالہ مذکور ص ۶)

جواب | یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے ہم نے ترمذی کا حوالہ بھی دیا تھا اور ترمذی ہی کے صحیح متن کو نقل کیا تھا۔ لفظ اسماء کو کیوں نقل نہیں کیا اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔

اعتراض | اس سلسلہ کی ایک اور حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں: وَلٰكِنْ تَسَمَّوْا بِاسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (مسند احمد جلد ۵ ص ۳۴۴ وقال الالبانی واسناد صحیح) (حوالہ مذکور ص ۵)

جواب | پہلے یہ تو بتایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ فرمایا تھا۔ یہی سوال ان سے پہلے بھی کر چکے ہیں لیکن جواب نہیں دیتے اعتراض بدستور موجود ہے۔ ہم پھر سوال کرتے ہیں کہ کیا اہلحدیث نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اگر نہیں رکھا تو اس حدیث کی رو سے اس نام کا رکھنا ناجائز ہے۔

اعتراض | جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم میں موصوف

بتائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان وصیتوں پر کس طرح عمل کیا جائے؟ اگر جماعت المسلمین ہے تو اس میں شامل ہو جائیے نہیں ہے تو بنائیے، نہیں بنا سکتے تو پھر تمام فرقوں سے کنارہ کش ہو جائیے اور اسی حالت میں مر جائیے۔

جب موصوف کی گرفت ہوئی تو انہوں نے "نہیں ہے تو بنائیے، نہیں بنا سکتے" کے الفاظ خاموشی سے غائب کر دیئے اور ان الفاظ کی جگہ ایک لائن چھوڑ دی اور جب موصوف کو بعد میں احساس ہوا..... تو انہوں نے بعد میں خاموشی سے یہ خالی جگہ بھی ختم کر دی۔ (حوالہ مذکور ص۸)

جواب یہ اعتراض بالکل بچکانہ ہے اس اعتراض میں بھی کوئی صداقت نہیں ہے۔

مذکورہ الفاظ محض وقت کی بچت اور مسودہ کاتب کے پاس نہ لے جانے کی وجہ سے کاٹ دیئے تھے اور اس لئے کاٹ دیئے تھے کہ اس وقت جماعت المسلمین بن چکی تھی۔ جب ایک چیز وجود میں آجائے تو "نہیں ہے تو بنائیے" کی تکرار کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔

لہٰذا موصوف کا یہ اعتراض محض پروپگنڈا ہے کہ ہم نے مذکورہ الفاظ کسی کی گرفت کی وجہ سے کاٹ دیئے۔

موصوف اس الزام کا ثبوت پیش کریں ورنہ اپنی غلط بیانی سے رجوع کریں۔

حیرت ہے موصوف کو اتنی معمولی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی اور مسلسل اعتراض کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس لئے کاٹے گئے یہ اس لئے پر کیا یہ اس لئے کیا وہ اس لئے کیا۔ کیا ان کو ہماری نیت کی خبر ہے یہ تو اللہ عالم الغیب ہی جانتا ہے۔

موصوف کو شاید علم نہیں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

مزید برآں کم از کم موصوف کو یہ اعتراض زیب نہیں دیتا کہ وہ جماعت المسلمین کے بارے میں یہ اعتراض کریں کہ نہیں تھی تو بنائی کیوں؟

ہم پوچھتے ہیں کہ انہوں نے جماعت المسلمین تھی تو حزب المسلمین، جماعۃ المسلمین اور پھر چھوٹی تا والی جماعۃ من المسلمین (حقیقی) آخر کس دلیل کی بنیاد پر بنائی؟

اعتراض موصوف نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اضافہ کیا تھا اس کا بھی کوئی جواب موصوف نے اب تک نہیں دیا اور نہ ہی اس جھوٹ اور افتراء پردازی کا جواب ان کے پاس موجود ہے (حوالہ مذکور ص۹)

جواب | اعتراض کیا ہے شاہکار ہے۔ موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ کیا اضافہ کیا ؟
موصوف نے اپنے کتابچہ کے ص۲ پر یہ لکھا ہے کہ
اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ نے ہمارا نام مسلم بھی رکھا ہے۔
کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ لفظ " بھی " محض اضافہ ہے تحریف معنوی بھی ہے ؟

اعتراض | موصوف کے مطابق دنیا میں کہیں بھی جماعت المسلمین موجود نہ تھی تو ایسی صورت میں انہیں مجبوراً دوسرے حکم پر عمل کرنا چاہیئے تھا۔
اس حدیث میں دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر جماعت المسلمین اور اس کا امام موجود نہ ہو تو پھر تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے خواہ درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں۔ (حوالہ مذکور ص۱)

جواب | الحمد للہ ہم نے قرآن مجید و حدیث کی روشنی میں پورا پورا عمل کیا۔ یعنی فاعتزل تلك الفرق کلہا (صحیحین) کے مطابق پہلے فرقوں سے علیحدہ ہوئے اور پھر آیت کریمہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا (آل عمران) کے مطابق اکٹھے ہوئے گویا ہم نے قرآن و حدیث کے تقاضوں کے عین مطابق عمل کیا۔
اب اہلحدیثوں کے بہی خواہ جواب دیں کہ انہوں نے کس آیت یا کس حدیث کو دلیل بنا کر چھوٹی تا دالی جماعت بنائی ؟
اہلحدیث حضرات اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جماعت المسلمین نہیں تھی تو بنائی کیوں اور جماعت المسلمین نے ابوداؤد اور مسند احمد میں وارد حذیفہ بن یمانؓ والی حدیث کے مطابق جنگل میں جا کر درختوں کی جڑیں چبانے پر عمل کیوں نہیں کیا ؟
حذیفہ بن یمانؓ کی وہ حدیث جس میں چاروں زمانوں کا ذکر ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس پر ہم نے عمل کیا۔

اعتراض | عبداللہ صاحب نے کتابچہ کے آخر میں ہمیں مناظرہ کا چیلنج ان سطور کے ذریعہ دیا ہے۔ گویا ایک قسم کی دھمکی دی گئی ہے وہ لکھتے ہیں :
" گذشتہ سطور میں جو حقائق میں نے بیان کئے ہیں اگر موصوف ان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تو میری طرف سے انہیں چیلنج ہے کہ وہ ان نکات پر جہاں اور جس جگہ چاہیں علماء کرام کی موجودگی میں مجھ سے گفتگو کر لیں۔" (حوالہ مذکور ص۱۴)

جواب | موصوف نے کہیں بھی حقائق بیان نہیں کئے ان کی اپنی کوئی تحقیق نہیں وہ صرف

ان ہی اعتراضات کو دہرا رہے ہیں جو اہلحدیث حضرات کی جانب سے اکثر حضرات برپاء کرتے رہے ہیں لہٰذا ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ انہوں نے حقائق بیان کئے ہیں بہرحال حقائق کے نام پر جو کچھ انہوں نے بیان کیا وہ قارئین کے سامنے آچکا وہ خود فیصلہ کرلیں۔

اس کے باوجود موصوف مناظرہ کرنے پر بضد ہیں (تو یہ جانتے ہوئے کہ مناظرہ کے نتائج کبھی فیصلہ کن نہیں ہوتے اور ہمیشہ شکست خوردہ ہی فتح کے بگل ڈھنکے بجاتے ہیں) تو ہم ان کی اس بچکانہ خواہش کو بھی پورا کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ مناظرہ کھلے میدان میں ہو، ثالث کا تقرر مشترکہ رضامندی سے ہو، حکومت سے اجازت لی جائے، تحفظ کا خصوصی اور یقینی انتظام کرایا جائے۔

مناظرہ کا چیلنج بچکانہ ہے، یہ عموماً کم علم لوگوں کی طرف سے ہی دیا جاتا ہے تاکہ ان کی شہرت ہو اور انہیں یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ "بھاگ گئے"، بھاگ گئے"۔

الغرض دلائل تو تحریری صورت میں موجود ہیں وہی اصل چیز ہوتے ہیں باقی زبانی مناظرہ کا چیلنج محض دفع الوقتی ہے۔

عبداللہ دامانوی صاحب نے کتابچہ میں لوگوں کو چونکانے اور جماعت المسلمین کو بدنام کرنے کی غرض سے دو خطوط بھی شائع کئے ہیں ان میں سے ایک خط کسی عرفان بیگ صاحب کا ہے وہ جماعت میں کب آئے اور کب چلے گئے یہ تحقیق طلب ہے۔ دوسرا خط وقار علی صاحب کا ہے ان کو ہم نے ان کے سوالات کا تحریری جواب دے دیا تھا انہوں نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ رجوع کر لیا پھر مزید تحقیق انہوں نے یہ کی کہ ہمارے متعلق ہمارے مخالف علماء سے سوال کیا جنہوں نے ہمیں خارجی قرار دے دیا (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)۔

کیا خوب تحقیق ہے!

محمد یوسف

جماعت المسلمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وقار علی صاحب کا خروج

سری لنکا کے تبلیغی دورے سے قبل وقار علی صاحب چودہ سال کے طویل عرصہ تک جماعت المسلمین کے مخلص اور فعال رکن تھے اور اچھی شہرت کے حامل تھے اور مستقبل کے لئے ان سے اچھی توقعات وابستہ تھیں لیکن افسوس کہ سری لنکا کے دورے ہی کے دوران انہیں شیطان نے بہکایا اور وہاں وہ اپنے اجتہادات وعقائد کا پرچار کرنے لگے۔

واپسی کے بعد مقامی شاخ کے امیر سے مسلسل اختلاف کرتے رہے اور بحث ومباحثہ کرتے رہے اور ارکانِ جماعت کو زک پہنچاتے رہے۔

ان کی سرگرمیوں کی اطلاعات مرکز کو پہنچیں تو ان سے بذریعہ ایک مکتوب جواب طلبی کی گئی انہیں جو مکتوب لکھا گیا اس کے مندرجات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

" امابعد۔ آپ نے میری بیماری کے زمانہ میں جب کہ میں نارتھ ناظم آباد میں تھا تو ایک پرچہ مجھے دیا تھا جس میں آپ کے غلط عقائد تحریر تھے۔

ان عقائد کا چرچا آپ نے سری لنکا میں بھی کیا اور جماعت کو بدنام کیا اور اب سنا ہے کہ یہاں بھی (پشاور میں بھی) کر رہے ہیں۔

آپ نے وہ پرچہ مجھے دیا تھا کہ میں صحیح عقائد اور ان کے دلائل لکھوں۔ آپ کو میرے جواب کا انتظار کرنا چاہیئے تھا لیکن آپ بغیر انتظار کئے ان غلط عقائد کا پرچار کر رہے ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟ آپ فوری طور پر جواب دیں۔"

بہرحال تیر کمان سے نکل چکا تھا بعد کے خطوط سے اندازہ ہوگیا کہ وہ رفتہ رفتہ صراطِ مستقیم سے دور ہٹتے چلے گئے۔ ان کے پاس قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے دلائل ہرگز نہیں تھے اور نہ ہیں۔

اس صورتحال کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں فوری طور پر کراچی طلب کیا گیا۔ ان کے سوالات کے جوابات دئے گئے (ان سوالوں کے جوابات کی تفصیل اگلے صفحات پر انشاء اللہ پیش کی جائے گی) اور ان سے زبانی بات چیت بھی ہوئی جس

میں وہ لاجواب ہو گئے۔ مطمئن ہو جانے کے بعد انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا تو بذریعہ خط وکتابت تسلی کروں گا۔

بظاہر وہ اپنے باطل نظریات سے تائب ہو چکے تھے لہٰذا حسن ظن رکھتے ہوئے انہیں معاف کر دیا گیا۔

صوبائی امراء اور امیر جماعت المسلمین سری لنکا کو درج ذیل سطور کے ذریعہ مطلع کر دیا گیا کہ

"الحمد للہ وقار علی صاحب نے اپنے غلط عقائد سے رجوع فرما لیا ہے اور اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے۔ لہٰذا انہیں جماعت میں واپس لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں ثابت قدم رکھے۔"

یہ امر قابل ذکر ہے کہ وقار علی صاحب نے مکتوب ہذا پر اپنے دستخط کر کے خط وصول کیا۔

بعد ازاں واپس پشاور پہنچ کر امیر صوبہ سرحد کو رجوع کا خط لکھا لیکن کچھ ہی دنوں بعد مقامی علماء کے فتوی "یہ جماعت خارجیوں کی جماعت ہے" کو بنیاد بنا کر جماعت سے خروج کا فیصلہ کر لیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت بغاوت کی باقاعدہ مہم شروع کر دی۔

اس باغیانہ مہم میں انہوں نے خصوصی طور پر امیر جماعت المسلمین کے خلاف بہتان تراشیاں، طنز آمیز جملے، بدگمانیاں اور اوچھے ہتھکنڈوں سے انہیں بدنام کرنے اور ارکانِ جماعت کو توڑنے کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں۔

حتیٰ کہ جماعت المسلمین کے مخالفین کو چھ صفحات پر مشتمل خط کی نقول بھی بھیجنی شروع کر دی ہیں۔

اس سلسلہ میں ان کے ارسال کردہ خط کو عبداللہ صاحب دامانوی نے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر شائع بھی کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ سے جماعت المسلمین کے خلاف جو لابی کام کر رہی ہے (جن کی نشاندہی ہم اکثر کرتے رہتے ہیں) اس نے بالآخر وقار علی صاحب کو بھی اس لابی نے اپنی خدمات کے لئے چن لیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ملاحظہ فرمایئے وقار علی صاحب کے ان غلط عقائد ونظریات کے جوابات جن کو بنیاد بنا کر انہوں نے جماعت سے خروج کیا اور ارکان جماعت کو توڑنے اور انہیں

گمراہ کرنے کی تحریک چلانی شروع کی۔

یہ وہ ٹھوس جوابات ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے رجوع بھی کر لیا تھا اور تائب ہو گئے تھے لیکن بعد میں پھر گمراہ ہو گئے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وقار علی صاحب کی غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

غلط فہمی جماعت المسلمین اور تمام فرقے امت مسلمہ میں شامل ہیں۔

ازالہ امت میں تو بے شک شامل ہیں لیکن امت مسلمہ میں شامل نہیں۔

امت مسلمہ اور جماعت المسلمین ایک ہی چیز ہے۔ امت مسلمہ جماعت المسلمین ہے اور جماعت المسلمین امت مسلمہ ہے۔ یہ دو چیزیں نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک جماعت کو جماعت المسلمین کہا اور باقی سب کو فرقے کہا۔ اگر فرقے بھی جماعت المسلمین یا امت مسلمہ ہوں تو پھر ایک جماعت کو جماعت المسلمین کیوں کہا؟ اگر فرقے بھی جماعت المسلمین ہوں تو پھر متعدد جماعت المسلمین ہو جائیں گی۔ پھر کونسی جماعت المسلمین سے چمٹا جائے گا؟

غلط فہمی ہر مشرک کافر نہیں اور ہر کافر مشرک کافر نہیں۔ فرقہ پرست کفار مکہ و مشرکین مکہ جیسے کافر یا مشرک نہیں ہیں۔

ازالہ لفظی بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کافر اور مشرک کا انجام یکساں ہے۔ اگر انجام یکساں ہے تو لفظی بحث فضول ہے۔

بے شک فرقہ پرست کفار مکہ اور مشرکین مکہ جیسے کافر یا مشرک نہیں۔ یہ کلمہ پڑھتے ہیں، وہ کلمہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ ایمان کا انکار کرتے تھے۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہو لیکن حدیث یا سنت کا انکار کرتا ہو تو وہ کافر ہوگا یا نہیں؟

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہو لیکن غیر اللہ کو عالم الغیب مانتا ہو وہ کافر ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو یہ کفار مکہ جیسا کافر تو یقیناً نہیں ہوگا۔

فرقہ پرستی شرک ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَكُونُوا مِن

المشرکین من الذین فرقوا دینھم۔ اب اگر فرقہ پرست کافر بھی ہو تو فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ کافر اور مشرک کا انجام یکساں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کلمہ گو مشرک ہوتا ہی نہیں تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون" ۔ ایمان لانے والوں کی اکثریت مشرک ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ۔ اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک ماننا شرک ہے۔ اس آیت میں شرک کو کفر کہا گیا ہے۔ (یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے)۔

فرقہ پرستوں سے کہا جائے گا : اکفرتم بعد ایمانکم (کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا) گویا فرقہ پرستی کفر ہوئی (آل عمران - ۱۰۶)

نتیجہ یہ نکلا کہ فرقہ پرستی شرک بھی ہے اور کفر بھی۔

غلط فہمی ۳ | جو شخص جماعت المسلمین کے امیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا وہ کافر نہیں ہے کیونکہ بیعت شرائط ایمان میں شامل نہیں ہے؟

ازالہ | کیا جو چیز شرائط ایمان میں شامل نہیں اس کا انکار کفر نہیں ؟

کلمۂ شہادت پڑھ کر کافر مسلم ہوتا ہے۔ کیا اس کو شرائط ایمان بتائے جاتے ہیں یا صرف کلمۂ شہادت کافی ہوتا ہے۔

من قال لا الہ الا اللہ کے تحت جو شخص لا الہ الا اللہ پڑھ لے جنت میں جائے گا۔ ایمان کے شرائط کہاں غائب ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ (صحیح مسلم) اس حدیث کی رو سے بیعت شرائط ایمان میں سے ہے ورنہ جاہلیت کی موت مریگا یعنی کفر کی موت مریگا۔ کفر کی موت سے بچنے کے لئے بیعت شرط ہے۔ ہمارا حدیث پر ایمان ہے اور بغیر تاویل کے ایمان ہے۔

غلط فہمی ۴ | جو شخص تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن و حدیث پر عمل کرے وہ مشرک نہیں۔ میں اسے مسلم سمجھتا ہوں۔

ازالہ | ایسا شخص نہ قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور نہ حدیث پر۔ قرآن مجید میں ہے : واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ اس کا عمل اس آیت پر نہیں۔ حدیث

ہیں ہے تلزم جماعة المسلمین۔ اس کا عمل اس حدیث پر نہیں تو پھر یہ کہنا کہ وہ قرآن و حدیث پر عمل کرتا ہے صحیح نہیں۔

غلط فہمی ۵ | جو شخص جماعت المسلمین چھوڑ دے وہ مرتد نہیں ہے۔

ازالہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من فارق الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان يراجع (ترمذی۔ صحیح الترمذی) من خرج من الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه حتى يراجعه (رواه الحاكم۔ سنده صحيح)

جماعت چھوڑنے والے نے (پوری طرح نہیں صرف ایک بالشت) جماعت کو چھوڑ دیا تو اس نے اسلام کی رسّی کو اتار دیا۔ اب وہ کیا ہوا؟ اسلام کو چھوڑنے والا کیا ہوتا ہے؟

غلط فہمی ۶ | بدعتی گناہ گار ہے۔ سزا کا مستحق ہے لیکن مرتد نہیں۔

ازالہ | بدعت دین میں اضافہ کا نام ہے۔ دین میں اضافہ کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ شرک فی الدین ہے۔

غلط فہمی ۷ | ابن حجر، سیوطی مسلم تھے۔ البانی اور ابن باز وغیرہ مسلم ہیں۔

ازالہ | ہم کسی کو کافر نہیں کہتے لیکن کفر کو کفر کہہ سکتے ہیں۔ ہم وہی کہتے ہیں جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا تھا۔ علمها عند ربي في كتاب۔ یا یہ کہتے ہیں: تلك امة قد خلت لها ما كسبت۔

غلط فہمی ۸ | فرقہ پرست کو لڑکی دینا یا فرقہ پرست لڑکی لینا دینی طور پر حرام نہیں۔

ازالہ | فرقہ پرستی شرک ہے تو پھر فرقہ پرست کو لڑکی دینا یا فرقہ پرست لڑکی لینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

غلط فہمی ۹ | فرقوں اور طاغوتی حکومت کے مدارس میں بچوں کو پڑھانا جائز نہیں۔

ازالہ | شرک اور کفر کے کاموں سے بچا کر پڑھایا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

غلط فہمی ۱۰ | اجماع صحابہ اور تواتر عملی حدیث کی ایک قسم نہیں۔

ازالہ | قبر میں میت کو کس طرح لٹایا جائے یہ حدیث میں نہیں۔ تواتر عملی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح لٹایا گیا اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لٹایا گیا لہٰذا یہ حجت کیسے نہیں ہو گا۔ نماز میں درود شریف پڑھنے کا محل حدیث

میں منفرد نہیں۔ عملی تواتر ہے کہ التحیات کے بعد پڑھا جائے۔ کیا یہ حجت نہیں ہوگا۔ کیا رکوع میں درود شریف پڑھ کر درود شریف پڑھنے کے حکم پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ کسی دینی فعل پر اجماع صحابہ بھی حجت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کے فعل کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ سرچشمہ سنت ہی ہوسکتی ہے۔

والذین اتبعوھم باحسان اور جنہوں نے مہاجرین اور انصار کی خوبصورتی یا خلوص کے ساتھ پیروی کی۔ (توبہ) اس سے اجماع صحابہ پر استدلال ہوسکتا ہے۔

ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم۔ اور جو شخص مؤمنین کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی پیروی کرتا ہے ہم اس کو ادھر ہی جانے جانے دیں گے جدھر وہ جارہا ہے اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

اجماع صحابہ گویا مؤمنین کا راستہ ہے۔ آیت کے نزول کے وقت مؤمنین صحابہ ہی تھے۔ ان کی پیروی میں نجات ہے گویا اجماع صحابہ حدیث کی ایک قسم ہے ورنہ ان کی پیروی سے نجات کیسے ملتی۔

غلط فہمی ۱۱ | اگر جماعت المسلمین سے نکلنا اسلام سے نکلنا ہے تو اس صورت میں کسی شخص کو جماعت سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

ازالہ | یہ تو صحیح ہے کہ جماعت المسلمین سے نکلنا اسلام سے نکلنا ہے اور یہ آپ کو بھی تسلیم ہے۔ فللہ الحمد۔

دین اور جماعت کے مفاد میں خارج کیا جاسکتا ہے۔ خارج اسی کو کیا جاتا ہے جو بغاوت یا نافرمانی کرکے نکل چکا ہوتا ہے۔" او ینفوا من الارض" جب باغی کو ملک سے نکالا جاتا ہے تو وہ جماعت میں رہتا ہے؟ نہیں۔

جماعت سے خارج کرنے کی کوئی ممانعت نہیں لہٰذا دین اور جماعت کے مفاد میں جماعت سے خارج کردینے میں کوئی خرابی نہیں۔ بالکل جائز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک زہردار عضو کو پورے جسم کے بچانے کی خاطر کاٹا جاسکتا ہے۔ ایسے شخص کو جس کی وجہ سے جماعت تباہ و برباد ہوجائے کس طرح برداشت کیا جاسکتا ہے۔ یہ انتظامی امور میں سے ہے اور انتظامی امور میں امیر کو اختیار ہے۔

غلط فہمی ۱۲ | کسی کا فہم واجب الاتباع نہیں۔

ازالہ | یہ صحیح ہے کہ کسی کا فہم واجب الاتباع نہیں لیکن امیر کی اطاعت ضروری ہے۔ اجتماعی

امور میں اختلاف کو مٹانے کے لئے امیر کا حکم ماننا ہوگا ورنہ جماعت میں انتشار پیدا ہوگا۔

غلط فہمی ۱۳ | تلزم جماعت المسلمین و امامھم سے مراد خلیفہ ہے۔

ازالہ | دلیل دیکھئے۔

شر کے زمانہ میں وہ خلیفہ بنا بیٹھا ہے اور شر کو مٹا نہیں سکتا تو وہ بے حکومت امام کے مثل ہی ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی : اللہ تبارک و تعالیٰ	..	اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	..	فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام	..	فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی : اللہ کا رکھا ہوا نام مسلم	..	فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیادِ محبت	صرف ایک	یعنی : اللہ تعالیٰ سے تعلق	..	دنیوی تعلقات نہیں
وجہِ افتخار	صرف ایک	یعنی : ایمان باللہ العظیم	..	وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔
پمفلٹ مفت طلب فرمائیں۔

جماعت المسلمین
مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی۔
نارتھ ناظم آباد بلاک جی کراچی

جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین اور اہلحدیث میں بنیادی فرق

سلسلۂ اشاعت ۹۵ — ماہ شعبان ۱۳۹۹ھ

عموماً لوگ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ جب جماعت المسلمین اور اہلحدیث میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا اصول ایک ہے، مسلک ایک ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ مل کر کام نہیں کرتے؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ دونوں کا اصول ایک نہیں، دوسرے یہ کہ اہلحدیث کسی خاص مسلک کے پابند ہیں، جماعت المسلمین کسی خاص مسلک کی پابند نہیں۔ جماعت المسلمین کا دین تو ہے، مسلک کوئی نہیں، معلوم نہیں کہ دین کی جگہ مسلک نے کب لی اور یہ لفظ کس کی ایجاد ہے۔

اصول | جماعت المسلمین کے نزدیک اصل دین وہی ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ۔ (الاعراف ـ ۳)

اُس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو۔

منزّل من اللہ صرف قرآن و حدیث ہے لہٰذا صرف قرآن و حدیث ہی

اصل دین ہے کسی شخص کا اجتہاد و قیاس نہ منزل من اللہ ہے اور نہ وہ اصل دین ہے۔

برخلاف اس کے جماعت اہلحدیث کے ہاں اصل دین چار ہیں (۱) قرآن مجید (۲) حدیث (۳) اجماع صحابہ وتابعین اور (۴) قیاس۔ اس کے ثبوت کے لئے ہم مرکزی جمعیت اہلحدیث کے امیر جناب معین الدین صاحب لکھوی کے خطبہ صدارت کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو انہوں نے کل پاکستان اہلحدیث کانفرنس لاہور منعقدہ ۱۲، ۱۳، ۱۴ اپریل ۱۹۷۹ء میں دیا تھا موصوف فرماتے ہیں:

"مسلک اہلحدیث کی بنیاد بھی انہی اصولوں پر ہے جن کو تمام ائمہ نے اسلام کی بنیاد قرار دیا ہے یعنی اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول کی سنت، صلی اللہ علیہ وسلم، بعد اس کے اجماع صحابہ وتابعین اور اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے اجتہادات اور فقہی فیوض جسے کتب اصول میں قیاس کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔" (الاعتصام لاہور ص۸ مورخہ ۲۰ و ۲۷ اپریل ۱۹۷۹ء)

امیر موصوف اس کے آگے فرماتے ہیں:

"اپنے بزرگوں سے ہم نے اپنا مسلک ان الفاظ میں پایا۔

اصل دیں آمد مسلماں را قرآں — پس حدیث سرور پیغمبراں
بعد ازاں اقوال اہل اجتہاد — از صحابہ سید خیر العباد
پس ازاں اقوال جملہ تابعین — رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
زاں پس اقوال قیاسیہ ہماں — شد مقدم بر مقال دیگراں"

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ص۹ مورخہ ۲۰، ۲۷ اپریل ۷۹ء)

مندرجہ بالا اقتباسات میں سے پہلے اقتباس سے ظاہر ہے کہ اہلحدیث

کے نزدیک مجتہدین کا اجتہاد اور قیاس بھی اسلام کی بنیاد ہے گویا اہلحدیث کے نزدیک مجتہدین کا وہ قیاس جس کا صحیح ہونا بھی یقینی نہیں اور جو زیادہ سے زیادہ ایک وقتی ضرورت پورا کرنے کے لئے واقع ہوا تھا مستقل اور دائمی قانون بلکہ ماخذِ قانون سمجھا جاتا ہے۔ جماعت المسلمین کے نزدیک قانون ساز صرف اللہ تعالےٰ ہے، اللہ تعالےٰ کا دین کامل ہے، اس میں اضافہ ناممکن ہے مجتہدین کا اجتہاد و قیاس حجت نہیں۔

دوسرا اقتباس جو چند اشعار پر مشتمل ہے اس میں بھی امیر جمعیت نے اصل دین میں اقوال قیاسیہ کو شامل کیا ہے، قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان اشعار کا مضمون وہی تو ہے جو اہل تقلید پیش کیا کرتے ہیں، لہٰذا اہل حدیث اور اہل تقلید میں فرق ہی کیا ہے۔

مسلک اور فرقہ واریت شاید قارئین کرام یہ خیال فرمائیں کہ مسلک کا لفظ ہم نے خود جماعت اہلحدیث کے ذمہ لگا دیا ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ مندرجہ بالا اقتباسات کو پھر سے ملاحظہ فرمائیں تاکہ ان کی غلط فہمی دور ہو جائے اس سلسلہ میں ہم امیر موصوف کا ایک اور اقتباس پیش کرتے ہیں، امیر موصوف فرماتے ہیں:

"اس اجتماع کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ کسی فرقہ وارانہ تعصب کو ہوا دی جائے اور پھر اس سے کوئی سیاسی مفاد حاصل کیا جائے بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ مسلکِ اہلحدیث سے اپنے ہم وطنوں کو روشناس کرایا جائے تاکہ مختلف مکاتبِ فکر کی مسلک کے متعلق غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ (حوالہ مذکور ص۳)

مندرجہ بالا اقتباس سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) امیر جمعیت نے "فرقہ وارانہ تعصب" کے الفاظ استعمال کر کے اپنے

فرقہ ہونے پر مہر ثبت کر دی۔

(۲) "دینِ اسلام" کے بجائے "مسلکِ اہلحدیث" کے الفاظ استعمال کئے۔

(۳) "مسلکِ اہلحدیث" کے متعلق غلط فہمیاں دور کرنا اجتماع کا اصل مقصد تھا، اسلام کی دعوت دینا مقصد نہیں تھا۔

برخلاف اس کے جماعت المسلمین کوئی فرقہ نہیں، جماعت المسلمین کا دین اسلام ہے اور اس کے اجتماعات کا مقصد تبلیغ اسلام ہے۔

فرقوں کے ساتھ اختلاط امیر جمعیت صاحب آگے فرماتے ہیں:

"اس طریقہ سے فرقہ وارانہ تعصب ختم کیا جا سکے اور ملک و ملت کی خدمت کے لئے ایک ساتھ مل کر کام کرنے کی راہ ہموار ہو سکے۔" (حوالہ مذکور)

اسی خطبہ میں امیر جمعیت صاحب ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"اسلام میں فرقہ بندی ایک لعنت ہے۔" (حوالہ مذکور)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ثابت ہوا کہ فرقہ بندی کو لعنت ماننے کے باوجود جماعت اہلحدیث کو تمام فرقوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی خواہش ہے، قارئین غور فرمائیں کہ فرقوں کے ساتھ یہ مفاہمت کس حد تک مناسب ہے، جماعت المسلمین اس مفاہمت کی قائل نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا — ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جماعت المسلمین اس حکم کی تعمیل میں تمام فرقوں سے علیحدہ ہے، جماعت المسلمین میں فرقوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں پایا جاتا۔

ائمہ حدیث اور فقہاء اسی خطبہ میں امیر جمعیت صاحب آگے فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک تمام ائمہ حدیث اور فقہاء قابل احترام ہیں۔" (حوالہ مذکور ص۹)

ائمۂ حدیث اور فقہاء عموماً خاص اصطلاحوں میں استعمال ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو "سیرۃ النعمان"، "حسن البیان" وغیرہ) مندرجہ بالا اقتباس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو اہلِ تقلید کے ہاں مانا جاتا ہے یعنی ائمہ حدیث فقیہ نہیں ہوتے، ائمہ حدیث عطار ہوتے ہیں اور فقہاء حکیم، لہٰذا فقہاء کا درجہ ائمہ حدیث سے زیادہ ہے۔ اس سلسلہ میں جماعت المسلمین کا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ حدیث ہی فقیہ ہوتے ہیں، جو ائمہ حدیث نہیں وہ فقیہ بھی نہیں۔

ہم جملہ اہلِ حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ فقہاء بھی آپ کے نزدیک قابلِ احترام ہیں جنہوں نے متعدد موضوع حدیثیں اپنی کتابوں میں بطور احتجاج پیش کیں، جنہوں نے ایسے ایسے ناممکن الوقوع مسائل گھڑے کہ حیات امام ابوحنیفہ کے مصنف علامہ ابوزہرہ بھی چیخ اٹھے۔ جنہوں نے ایسے ایسے حیا سوز اور خلافِ اسلام مسائل تخریج کئے کہ سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں، ان مسائل کی اگر ایک جھلک دیکھنی ہو تو مولوی محمد صاحب جوناگڑھی کی کتاب "سیفِ محمدی" ملاحظہ فرمائیں۔ کیا فقہاء کے یہی وہ اجتہادات ہیں جن کے متعلق امیرِ جمعیت صاحب فرماتے ہیں:

"انکے اجتہادات اور فقہی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"۔ (حوالہ مذکورہ)

جماعت المسلمین ایسی رواداری کی قائل نہیں۔

نام | ہم میں اور جماعتِ اہلحدیث میں ایک بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ ہمارا نام مسلمین ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا (سورۃ الحج ۷۸، و صحیح بخاری کتاب العیدین و کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ) برخلاف اس کے جماعتِ اہلحدیث کا یہ نام نہ اللہ تعالیٰ نے رکھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اہلحدیث حضرات کوشش کرتے ہیں کہ اپنے نام کی وجہ تسمیہ بیان کریں، ہم ان سے

وجہ تسمیہ نہیں پوچھتے، ہم تو یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کا یہ نام کس نے رکھا اور کب رکھا؟

اہلِ حدیث حضرات کہا کرتے ہیں کہ ہم نے پہلے امتیاز کے لیۓ اہلِ سنّت نام رکھا تھا لیکن جب ان میں برائی آئی تو امتیاز کے لئے ہم نے اہل حدیث نام رکھ لیا، ہم سوال کرتے ہیں کہ اب اہلحدیث میں بھی برائیاں آگئیں تو کیا اسی وجہ تسمیہ کی بنیاد پر امتیاز کے لئے کسی نئے نام کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر مسلم نام کی موجودگی میں بھی کسی اور نام کی ضرورت نہیں۔

تقلید اہلحدیث میں تقلید موجود ہے، وہ بھی دلیل کے طور پر اپنے علما کے قول وفعل کو پیش کرتے ہیں، مثلاً جب ان سے کہا جاتا ہے کہ "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ" کے جواب میں "اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا" کیوں پڑھتے ہو اس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں تو جواب یہی ملتا ہے کہ بڑے بڑے علما پڑھتے آئے ہیں۔

جماعت المسلمین، الحمد للہ تقلید سے بالکل مبرا ہے، ہم وہی کام کرتے ہیں جو سنّت سے ثابت ہیں، ہمارے ہاں قیاس ورائے سے مسئلے نہیں بنتے لہذا انشاء اللہ تقلید کا گذر نہیں ہو سکتا۔

فتوے علمائے اہلحدیث بعض مواقع پر بالکل بے دلیل فتوے دیتے ہیں، بعض مواقع پر اپنے فتوے کی تائید میں ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں اور یہ تک نہیں بتلاتے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض مواقع پر اپنی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں پیش کرتے ہیں گویا انہیں بھی حجت سمجھتے ہیں (ملاحظہ ہو کتب فتاویٰ اہلحدیث) برخلاف اس کے جماعت المسلمین میں ایسا کوئی نہیں کرتا۔ ہم ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کرتے، نہ ہمارا فرقہ وارانہ فقہ سے کوئی تعلق ہے، بلکہ فرقہ وارانہ فقہ کو حجّت شرعیہ سمجھنا ہمارے نزدیک شرک ہے۔ ہمارا کام قرآن وحدیث کو من وعن پہنچانا ہے نہ کہ اپنے اجتہادات کی اشاعت۔

جماعت المسلمین کی بعض خصوصیات | مندرجہ ذیل باتیں جماعت المسلمین کی خصوصیات میں سے ہیں :

(۱) ہمارے نزدیک ترکِ سنّت گناہ اور موجبِ لعنت ہے۔

(۲) ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم نہیں کرتے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ آپ کسی کام کا حکم دیکر خود اس کے خلاف کام کرتے رہتے تھے یا جس کام سے دوسروں کو منع کرتے تھے خود وہی کام کرتے رہتے تھے۔ یہ عقیدہ نبوت پر کھلی چوٹ ہے کسی شریف آدمی کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوتا چہ جائیکہ نبی کے قول و فعل میں تضاد ہو۔ اگر آپؐ کا کوئی فعل آپ کے کسی قول کے خلاف ہوگا تو وہ فعل آپکے لئے مخصوص ہوگا یا اس قول کے پہلے واقع ہوا ہوگا نہ کہ بعد میں۔

(۳) ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہر حکم واجب التعمیل ہے، ہم آپکے حکم کو استحباب یا زیادہ سے زیادہ وجوبِ استحبابی کے خانہ میں نہیں ڈالتے۔

گذارش | ہم اپنے سوال کرنے والوں اور قارئین کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے علمائے سے پوچھیں کہ کیا انکے بھی یہی عقائد ہیں، اگر نہیں تو پھر جماعت المسلمین اور ان فرقوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب اہلحدیث کی حقیقت

سلسلہ اشاعت ۹۸ ماہ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

ہمارے ایک پمفلٹ بعنوان "جماعت المسلمین اور اہلحدیث میں بنیادی فرق" کے جواب میں ہفت روزہ الاعتصام میں ایڈیٹر صاحب الاعتصام کا ایک مضمون نظر سے گذرا۔ اس کا جواب لکھنے کا کوئی ارادہ تو نہیں تھا اس لئے کہ اس میں عموماً ہماری تائید ہے، لیکن غلط فہمی سے بعض اہلحدیث حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ جماعت المسلمین کو مسکت جواب دیا گیا ہے، لہٰذا ان حضرات کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے کچھ معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

(نوٹ: ہم نے اپنی معروضات ایڈیٹر صاحب الاعتصام کو بغرض اشاعت بھیجی تھیں انہوں نے اسے الاعتصام میں شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً ہم اپنے جواب کو ضروری ترمیم اور اختصار کے ساتھ اس پمفلٹ میں شائع کر رہے ہیں، قارئین اس جواب کو پڑھتے وقت محولہ بالا الاعتصام سامنے رکھیں)۔

(۱) جناب ایڈیٹر صاحب الاعتصام تحریر فرماتے ہیں: "ابتدائی ساتھیوں میں سے بیشتر علیحدہ ہو چکے ہیں۔" (الاعتصام مورخہ ۱۷ رمضان ۱۴۰۰ھ صفحہ ۵)

جواب:۔ (الف) ابتدائی ساتھیوں میں سے صرف تین ساتھی علیحدہ ہوئے تھے جن کے عقائد یہ تھے:۔

۱۔ درس قرآن مجید گناہ ہے۔ تیرہ سو سال سے یہ گناہ ہو رہا ہے۔

۲ - نبی کسی خاص شعبے میں نااہل ہو سکتا ہے۔
۳ - نبی کی اطاعت اس وقت تک فرض نہیں جب تک وہ حکمران نہ ہو۔

مزید برآں وہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو THE THREE DEVILS کہتے تھے۔

کیا کوئی صاحب ایسے ساتھیوں کو اپنی جماعت میں برداشت کر سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو تین نہیں ایسے تین کروڑ ساتھی بھی ساتھ چھوڑ جائیں تو ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا بلکہ مسرت ہوگی۔

(ب) بعد کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی جماعت کے سخت شرائط کی وجہ سے عملاً جماعت کا ساتھ نہ دے سکے لیکن ہماری جماعت کے حق میں وہ اب بھی مخلص اور خیر خواہ ہیں۔

(۲) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں "ایک مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہر زبان کا ایک خاص اسلوب ہے ..... کسی زبان کی اصطلاحات بھی مفہوم کی ادائیگی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔" (حوالہ مذکور صلا)

جواب: اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے دینی اصطلاح "دین اسلام" کی جگہ لسانی اصطلاح "مسلک اہلحدیث" کو اختیار کیا! بہت خوب!

اہلحدیث کیونکہ امتیازی فرقہ وارانہ نام ہے لہذا "مسلک اہلحدیث" سے فرقہ واریت عیاں ہے۔ برخلاف اس کے "دین اسلام" کے الفاظ میں فرقہ واریت کا نام و نشان نہیں۔ اس فرق کو انصاف کے ساتھ سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔

(۳) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں "ان ہی اہلِ تقلید سے اپنے کو ممیز

کہنے کے لئے اہلحدیث کا وہ لقب اختیار کرنا پڑا جو اہلِ اسلام کے لئے بعض صحابہ کرام نے بھی استعمال کیا ہے۔" (الاعتصام مورخہ ۱۸ رمضان ۱۴۰۴ھ ص ۶)

جواب :- یہ ہماری تائید ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ "اہلحدیث نام بعد میں اختیار کیا گیا، یہ اللہ تعالےٰ کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا ہوا نام نہیں ہے۔

"اہلحدیث" نام کے سلسلے میں تین سوال کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) اہلحدیث نام کس نے رکھا؟

(۲) کب رکھا؟ اور

(۳) کیوں رکھا؟

ہم ہمیشہ پہلے دو سوال کرتے ہیں لیکن ہمارے سوالات کو بدل کر ہمیں اپنی طرف سے وضع کردہ تیسرے سوال کا جواب دیا جاتا ہے گویا پہلے دو سوالوں کا اہلحدیث کے پاس کوئی جواب نہیں۔

رہا ایڈیٹر صاحب کا یہ تحریر فرمانا کہ بعض صحابہ کرام نے بھی اہلحدیث کا لقب استعمال کیا ہے تو ایڈیٹر صاحب سے جواباً گذارش ہے کہ براہِ کرم یہ چیز صحیح سند سے ثابت کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ جو دو ایک حدیثیں پیش کی جاتی ہیں وہ جعلی و بناوٹی ہیں، مزید برآں ان میں اہلحدیث کو محدّث کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ کیا ہر اہلحدیث محدث ہوتا ہے؟

(۴) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں "باطل فرقوں سے امتیاز کے لئے صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لئے اہلِ سنت والجماعت کی اصطلاح استعمال ہونی شروع ہوئی۔" (حوالہ مذکور ص ۶)

ایڈیٹر صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں "پھر جب آگے چل کر" اہلِ سنّت" کہلانے والوں میں تقلیدی سلسلے قائم ہوئے ..... تو ..... اہلحدیث میدان میں آئے"۔ (حوالہ مذکور ص۶)

جواب :۔ اگر یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا تو کہاں جا کر رکے گا؟ کہاں تک امتیازی نام رکھے جائیں گے؟ بتلایئے اگر اہل حدیث کا اسلام جو بقول ایڈیٹر صاحب ابھی تک خالص ہے آئندہ کسی زمانہ میں ملاوٹی ہو گیا تو سچے اہلحدیث اس وقت کیا کرینگے؟ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اہلِ حدیث کا اسلام ملاوٹی ہو چکا ہے۔ اس میں تصوف و پیری مریدی آ چکی ہے، علماء کی تقلید آ چکی ہے، بدعات آ چکی ہیں، بدعتیوں میں شادی بیاہ جاری ہے، بدعتیوں کے پیچھے نمازیں پڑھی جاتی ہیں تو اب بتایئے کوئی اور امتیازی نام رکھ لیا جائے یا نہیں؟ ہماری دعوت یہ ہے کہ اب آپ امتیازی نام "مسلم" رکھ لیجئے اور پھر اسے قیامت تک نہ بدلیئے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے۔

(۵) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں "یہ مسلک کا لفظ اچھا نہیں لگتا تو اسے منہاج کہہ لیں"۔ (حوالہ مذکور ص۶)

جواب :۔ کتنی بے بسی کا عالم ہے، خود ساختہ چیزوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ ایڈیٹر صاحب ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ "منہاج" کہہ لیں، جواباً عرض ہے کہ ہمیں کیا ضرورت اور ہمیں کیا اختیار ہے کہ "دینِ اسلام" کی جگہ "مسلک اہلحدیث" یا "منہاج اہلحدیث" کی اصطلاحیں اختیار کریں اور جب کوئی اعتراض کرے تو کہدیں: "اچھا یہ نہیں تو یہ نام رکھ لیجئے"۔

(۶) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں: "موصوف نے جماعت المسلمین کا جو اصول سطورِ بالا میں بیان فرمایا ہے یہی اصول اہلحدیث کا ہے"۔ (حوالہ مذکور ص۶)

جواب :- ایڈیٹر صاحب کی اس تحریر سے ثابت ہوا کہ لکھوی صاحب کا قول صحیح نہیں اور یہ ہماری تائید ہے۔

(۷) ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں " لکھوی صاحب ایک تنظیم کے سربراہ ہیں، پوری جماعت اہلحدیث کے غیر مشروط امیر و مطاع نہیں، اولاً ایک تنظیم کے سربراہ کے بیان کو پوری جماعت کے مسلک کی نمائندگی قرار دینا صحیح نہیں"۔ (حوالہ مذکور ص۴)

جواب :- یہ ہماری تائید ہے، ایڈیٹر صاحب نے تسلیم کر لیا کہ لکھوی صاحب کا بیان صحیح نہیں۔ اچھا یہ بتلایئے کہ جب امیر، جماعت کی نمائندگی نہیں کر سکتا تو وہ کون شخص ہے جو جماعت اہلحدیث کی ترجمانی کا اہل ہے، اس کا نام ہمیں معلوم ہونا چاہیئے تاکہ ہم آئندہ اس سے رجوع کریں۔

اس کے بعد ایڈیٹر صاحب نے لکھوی صاحب کی صفائی میں ایک طویل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

ایڈیٹر صاحب ہمیں اس صفائی کی ضرورت نہیں۔ آپ تو لکھوی صاحب کے بجائے بس جماعت اہلحدیث کی وکالت کیجیئے اور اس کے لئے آپ کی مندرجہ بالا عبارت ہی کافی ہے۔

(۸) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں " خالص اور بے آمیز اسلام کی نشاندہی کرنے کے لئے اگر مسلک اہلحدیث کی اصطلاح استعمال کر لی جائے جو ٹھیٹھ اسلام کے ہم معنی ہے تو اس میں حرج کی کیا بات ہے؟" (حوالہ مذکور ص۱)

جواب :- حرج یہی ہے کہ اس اصطلاح کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تو دین کا نام اسلام رکھا تھا۔ آپ نے اللہ تعالےٰ کے رکھے ہوئے نام کو بدل کر خود ساختہ نام رکھ لیا، مزید برآں بقول آپ کے کسی زمانہ میں مسلک اہل سنت

بھی تو ٹھیٹھ اسلام کے مترادف سمجھا جاتا تھا تو کیا جو حشر اس کا ہوا اس اصطلاح کا نہیں ہو سکتا۔ ہر فرقہ اپنے مسلک کو ٹھیٹھ اسلام کہتا ہے تو پھر مسلک اہلحدیث کی اصطلاح میں کونسی خصوصیت باقی رہی

(۹) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں "خود اللہ تعالےٰ نے اپنے فرماں بردار و اطاعت شعار بندوں کو کہیں اولیاء اللہ کہا، کہیں حزب اللہ:" (حوالہ مذکور ص۱)

جواب :- لیکن افسوس ہے تو یہ کہ کہیں اہلحدیث نہیں کہا، مزید برآں اولیاء اللہ، حزب اللہ، محسنین یا صابرین یہ سب مسلمین کے صفاتی القاب ہیں، کسی فرقہ کے فرقہ دارانہ امتیازی نام نہیں ہیں۔ ایڈیٹر صاحب نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں "یہ سب وہ امتیازی نام ہیں جو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے انکے اوصاف خصوصی کی بناء پر قرآن میں ذکر کئے ہیں" (حوالہ مذکور ص۱۳)

ایڈیٹر صاحب کی یہ عبارت ہماری تائید میں ہے یعنی یہ مسلمین کے اوصاف ہیں نہ کہ فرقہ دارانہ نام۔

(۱۰) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں "جب نظریات میں بعد المشرقین ہو تو ظاہر ہے کہ وہاں اتحاد و اشتراک عمل ممکن ہی کیونکر ہے؟" (حوالہ مذکور ص۱۳)

جواب :- ایڈیٹر صاحب کی یہ عبارت بھی ہماری تائید میں ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عمل بھی اسی کے موافق ہے؟ کیا دیوبندیوں اور بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان میں شادی بیاہ کرنا اس کی تائید کرتا ہے؟

(۱۱) لکھوی صاحب نے لکھا تھا "ہمارے نزدیک تمام ائمہ حدیث اور فقہاء قابل احترام ہیں" اس قول پر ہم نے تنقید کی تو ایڈیٹر صاحب نے جواباً لکھا کہ "..... لکھوی اور.... مسعود صاحب دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور دونوں ہی باتیں صحیح ہیں" (الاعتصام شمارہ عید الفطر، مورخہ ۲ شوال ۱۴۰۱ھ ص۱۱)

جواب :- یہ بھی ہماری تائید ہے اگرچہ ایڈیٹر صاحب نے بلاوجہ لکھوی صاحب کی صفائی کی ہے۔

(۱۲) اہلحدیث نام کی وکالت کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں "یہ ایک امتیازی اور وصفی نام ہے جس کی گنجائش قرآن و حدیث ہی سے نکلتی ہے۔" (حوالہ مذکور صلا)

جواب :- یہ بھی ہماری تائید ہے یعنی اہلحدیث نام قرآن و حدیث میں نہیں ہے، صرف گنجائش نکلتی ہے۔

مزید برآں یہ گنجائش بھی ایڈیٹر صاحب کے نزدیک نکلتی ہے، ہمارے نزدیک تو گنجائش بھی نہیں نکلتی، البتہ قرآن و حدیث کی رُو سے یہ نام مزید تفریق و فرقہ بندی کا ذمہ دار ہے۔

(۱۳) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں :"مسعود صاحب نے قیاس و رائے کے مقابلے میں قرآن و حدیث کے ماہرین و عاملین کو" ائمہ حدیث" کے لقب سے کیوں یاد کیا ؟ انہیں ائمہ مسلمین کیوں نہیں کہا؟ ماھو جوابکم فھو جواب لنا" (الاعتصام شمارہ عیدالفطر ۱۴۰۰ھ صلا)

جواب :- پورے مضمون میں ایڈیٹر صاحب نے صرف یہی ایک دلیل دی ہے لیکن یہ دلیل بھی حقیقی نہیں الزامی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے "ائمہ حدیث" کو فرقہ وارانہ نام کی حیثیت سے استعمال نہیں کیا، ہمارے نزدیک پوری امت مسلمہ کا نام ائمہ حدیث نہیں ہے، یہ صرف علماء کا لقب ہے، برخلاف اس کے اہلحدیث حضرات اہلحدیث نام کو فرقہ وارانہ نام کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں ان کے نزدیک اہلحدیث صرف علماء کے لئے مخصوص نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا نام ہے۔ ایڈیٹر صاحب بتائیں کیا یہی جواب ان کا بھی ہے جو ہم نے دیا ہے، اگر نہیں تو ان کا یہ جملہ

" ماهو جوابکم فھو جواب لنا" کس حد تک صحیح ہے ؟

(۱۴) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں :" الحمد للہ اہلحدیث کا دامن تقلید سے بالکل پاک ہے، وہ کسی عالم کی تقلید نہیں کرتے، اگر ان کے ہاں تقلید ہوتی تو اہلحدیثوں میں کئی گروہ ہوتے۔ تنظیمی حیثیت سے مختلف طریق کار اختیار کرنا بالکل ہی دوسری چیز ہے)۔" (الاعتصام شمارہ عید الفطر سنہ ۱۴۰۱ھ ص۱۲)

<u>جواب</u> :- ایڈیٹر صاحب کا تقلید سے انکار کرنا غالباً لاعلمی پر مبنی ہے، ہم اپنے علم اور تجربہ کی بنیاد پہ کہتے ہیں کہ اہلحدیث میں تقلید موجود ہے۔ کئی گروہ بھی اہلحدیثوں میں موجود ہیں جن کے مابین عقائد میں بھی اختلاف ہے، کوئی تعویذ گنڈے کو جائز ہی نہیں بلکہ اس کا کاروبار کرتا ہے اور کوئی اسے شرک کہتا ہے، کوئی پیری مریدی کرتا ہے اور کوئی اسے بدعت کہتا ہے، کوئی تصوف کے ساتھ مسنون کا لفظ لگا کر تصوف کو مسنون قرار دیتا ہے اور کوئی اسے خلاف شرع سمجھتا ہے، کوئی امامت کا داعی اور کوئی امامت کا منکر، کسی کے ہاں ذکر کے حلقے اور کوئی اس کا منکر۔ غزنویہ، ثنائیہ، روپڑیہ، غرباء یہ تنظیمی نام نہیں ہیں بلکہ مکتب فکر کے خاندانی نام ہیں۔ جیسے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، مجددیہ یا حنفیہ، شافعیہ وغیرہ۔

(۱۵) ہم نے لکھا تھا کہ اہلحدیث " ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم " کے جواب میں " اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَسِيرًا " پڑھتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ " بڑے بڑے علماء پڑھتے آئے ہیں "۔ اس کے جواب میں ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں " لیکن ہمارے خیال میں یہ جواب کوئی اہلحدیث نہیں دیتا، بلکہ اہلحدیث تسلیم کرتے ہیں کہ اس جواب کی صراحت حدیث میں نہیں ہے۔" (حوالہ مذکور ص۱۲)

<u>جواب</u> :- ایڈیٹر صاحب کا خیال ہے اور ہمارا علم اور مشاہدہ ہے۔ " إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا "۔

(۱۶) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں "یہ دعائیہ کلمات بطور خاص اس آیت پر پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں"۔

جواب :۔ یہ ہماری تائید ہے۔

(۱۷) ہم نے لکھا تھا کہ "علمائے اہلحدیث بعض مواقع پر بالکل بے بنیاد فتوے دیتے ہیں"۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں: "بالکل بے بنیاد فتویٰ دینے کا الزام بالکل غلط ہے"۔ (حوالہ مذکور ص۱۳)

جواب :۔ وقت میں گنجائش نہیں ورنہ ہم اس کی مثالیں دیتے۔

(۱۸) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں "جب کسی مسئلے میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو، البتہ ضعیف حدیث موجود ہو تو ایسے موقع پر ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فتویٰ دینا کوئی جرم نہیں ہے یہ اصول محدثین میں مسلّم چلا آرہا ہے"۔ (حوالہ مذکور ص۱۳)

جواب :۔ ضعیف حدیث مشکوک ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا دین مشکوک نہیں، محفوظ ہے، لہٰذا ضعیف حدیث اللہ تعالیٰ کے دین کا جزء نہیں بن سکتی۔ محدثین کی طرف اس اصول کو منسوب کرنے کے خلاف خود الاعتصام میں ایک مضمون شائع ہو چکا ہے۔

(۱۹) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں "یہی خصوصیات اہلحدیث کی بھی ہیں وہ بھی ان باتوں کے قائل ہیں۔ وہ بھی ترکِ سنّت کو گناہ سمجھتے ہیں اور قول و فعلِ رسولؐ میں تضاد کے قائل نہیں"۔ (شمارہ عید الفطر ۱۴۰۰ھ ص۱۳)

جواب :۔ اگر واقعی ایڈیٹر صاحب کے یہ عقائد ہیں تو ایڈیٹر صاحب جماعت المسلمین کے بہت قریب آگئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایڈیٹر صاحب کے ذاتی عقائد ہیں، جماعت اہلحدیث کے عقائد نہیں۔ اگر ایڈیٹر صاحب کا بیان صحیح ہے تو براہ کرم اہلِ حدیث کے تمام فرقے غزنویہ، ثنائیہ، روپڑیہ اور صدریہ (غرباء) کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے اس پر دستخط کرا دیں ورنہ اگر ہمیں وقت ملا تو انشاء اللہ علمائے

اہلحدیث کے تحریری بیانات سے ثابت کریں گے کہ اہلحدیث کے نزدیک ترکِ سنت گناہ نہیں اور یہ کہ اہل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم کرتے ہیں۔

(۲۰) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں: "ان کے نزدیک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ اِلّا یہ کہ آپؐ کے کسی حکم کو وجوب پر محمول کرنا متعذر ہو ...... غالباً ...... مسعود صاحب کے ذہن میں کوئی صورت ایسی نہیں بنتی جہاں وجوب متعذر ہو" (الاعتصام شمارہ عید الفطر ۱۴۰۲ھ ص۱۳ و ص۱۴)

جواب :۔ یہ ہماری تائید ہے تاہم ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ ایڈیٹر صاحب کا ذاتی عقیدہ ہے، اگر وقت ملا تو انشاء اللہ پھر کبھی ہم ایسی مثالیں پیش کریں گے جن میں قرائن صارفہ کی عدم موجودگی اور قرائن موجبہ کے پائے جانے کے باوجود اہلحدیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نفل مانا ہے۔ قرینۂ صارفہ کی عدم موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو فرض نہ ماننا بے دینی ہے۔ اسے علمی اختلاف کہہ کر ٹالنا قطعاً صحیح نہیں۔ ترکِ سنت کو جائز سمجھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بغیر کسی قرینۂ صارفہ کے استحباب پر محمول کرنا (اگرچہ ذاتی طور پر ایڈیٹر صاحب اس کے قائل نہ ہوں) اور فرقہ وارانہ نام رکھنا یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ہم اہلحدیث سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہیں۔

(۲۱) اس سلسلے میں ہم ایڈیٹر صاحب کو ماہنامہ محدث کے دو اقتباسات کی طرف توجہ دلاتے ہیں:۔

جناب عزیز زبیدی صاحب لکھتے ہیں: "یہ تلمیحی نام ایسی شے نہیں ہے کہ اس سے کوئی بدکے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی فرقہ اپنے اپنے فرقہ کی شخصی نسبتوں سے

دستبرداری کے لئے ہم سے اس جائز نسبت کے ایثار کا مطالبہ کرتا ہے تو ہم اسے بھی خوش آمدید کہیں گے۔" (ماہنامہ محدث لاہور بابت ماہ جمادی اوّل والآخرۃ سنہ ۱۴۰۰ھ صـ ۲۲۶)

جناب عزیز زبیدی صاحب اسی ماہنامہ میں اسی صفحہ پر ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔
"گو اہلحدیث اکوئی شخصی نسبت نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے فرقوں کی بات ہے تاہم اگر اس نسبت کی قربانی دے کر دوسری فرقہ وارانہ نسبتوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے تو ذاتی طور پر مجھے اہلحدیث کہلانے پر اصرار نہیں ہے۔"

اہلحدیث حضرات! کیا یہی ہے اہلحدیث نام کی قدر و قیمت؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ "مسلم" نام کی بھی یہی قدر و قیمت ہے؟ کیا "مسلم" نام کو بھی اتفاق و اتحاد کی بھینٹ چڑھایا جا سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر مسلم اور اہلحدیث کا فرق ظاہر ہے۔ جناب ایڈیٹر صاحب الاعتصام کے ذاتی عقائد کی بنیاد پر ہم میں اور ان میں بہت کم فاصلہ رہ گیا ہے۔ کاش وہ اہلحدیث نام کی قربانی دے کر جماعت المسلمین میں شامل ہو جائیں۔

(۲۲) ہم اہلحدیث کو فرقہ سمجھتے ہیں، مولوی عزیز زبیدی صاحب بھی ہماری تائید کرتے ہیں۔ زبیدی صاحب فرماتے ہیں۔
"جیسا کہ اب موجودہ جماعت اہلحدیث کا حال ہے کہ اب وہ تحریک کے بجائے ایک فرقہ بن کر رہ گئی ہے۔" (ماہنامہ محدث بابت ماہ جمادی الاولیٰ و الآخرۃ سنہ ۱۴۰۰ھ صـ ۲۲۶)

زبیدی صاحب کی مذکورہ بالا تائید کی روشنی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم " فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا (صحیح بخاری وصحیح

مسلم) کی تعمیل میں ہم فرقۂ اہل حدیث سے علیحدہ ہونا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ایڈیٹر صاحب الاعتصام آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو فرض سمجھتے ہیں، لہٰذا اس عقیدہ کا عملی ثبوت پیش کرتے ہوئے آپ بھی فرقہ اہلحدیث سے علیحدہ ہو جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ کی تعمیل میں جماعت المسلمین میں شامل ہو جائیں، گھبرائیں نہیں، اللہ تعالےٰ پر بھروسہ رکھیں، اللہ تعالےٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

چلتے چلتے ہم ایڈیٹر صاحب اور قارئین کرام کی توجہ مندرجہ ذیل اقتباس کی طرف بھی مبذول کراتے ہیں۔ مولوی ابو الاشبال شاغف صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ نام منجانب اللہ ہمیں دربارِ رسالت سے ملا ہے، صحابہ رضؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سب اہلِ حدیث کہتے کہلاتے تھے"

(الاعتصام مورخہ ۵ محرم ۱۴۰۱ھ صنا)

جواب :۔ سنتے اور پڑھتے آئے ہیں کہ پہلے زمانہ میں بعض دشمنانِ اسلام نے حدیثیں گھڑیں، لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس زمانہ میں بھی حدیثیں گھڑی جا رہی ہیں۔ کیا ایڈیٹر صاحب ہفت روزہ الاعتصام وہ حدیث پیش فرمائیں گے جس میں دربارِ رسالت سے اس نام کا ثبوت ملتا ہے یا صحابہ کرامؓ سے۔

آگے چل کر شاغف صاحب لکھتے ہیں :

"جب تقلیدی نسبتوں نے زور پکڑا تو اس سے امتیاز کرنے

کے لئے جماعت اہلحدیث نے اپنا وہ نام جو بذریعہ وحی خفی ملا تھا مشہور کیا۔" (الاعتصام مورخہ ۵ محرم ۱۳۸۱ھ صنا)

کیا شاغف صاحب یا ایڈیٹر الاعتصام جناب صلاح الدین صاحب جنہوں نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ یہ مضمون شائع کیا ہے اس وحی خفی کا حوالہ دیں گے۔ کیا اب بھی یہ کہنا غلط ہے کہ اہلحدیث علماء بھی دوسرے فرقوں کے علماء سے پیچھے نہیں۔

(۲۴) ہم کہتے ہیں اہلحدیث مقلد ہیں، ایڈیٹر صاحب اس کا انکار کرتے ہیں اور عام اہلحدیث بھی بگڑ جاتے ہیں، لہٰذا ہم انہی کے ایک محقق عالم کا قول پیش کرتے ہیں، سنیئے۔ مولوی ابوعمر عبدالعزیز صاحب نورستانی مدرس الجامعۃ الاثریہ پشاور تحریر فرماتے ہیں۔

"جب کسی فعل کا ثبوت نماز کے اندر ثابت نہیں ہے اس کو نہیں کرنا چاہیئے لیکن ہمارے اہلحدیث بعض وقت ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ مقلدین سے بھی ان کی تقلید بدتر ہوتی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (کتاب الوتر ص۱۱۵)

(۲۵) جب ہم اہلحدیث کی کسی بدعت وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں تو بعض حضرات اور خود ایڈیٹر صاحب الاعتصام یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ انفرادی غلطیاں ہیں۔ اس کو پوری جماعت کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں، ہم کہتے ہیں کہ جب اہلحدیث عوام کی اکثریت بلکہ علماء بھی اس بدعت میں مبتلا ہوں تو ہم کیوں نہ اس کو پوری جماعت کی طرف منسوب کریں۔ ہمیں تو تعجب ہے کہ بعض اہلحدیث حضرات جو بدعت کو بدعت تسلیم کرتے ہیں پھر کیسے وہ ان بدعتیوں کو اہلحدیث بھی سمجھتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے رہتے ہیں اور ان کے خلاف کوئی آواز بھی نہیں اٹھاتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

سلسلہ اشاعت ۹۹ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

انتباہ

محقق صاحب نے (جن کا تعارف آگے آرہا ہے) محض الفاظ کی گرفت اور مفہوم سے صرف نظر کر کے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ ہم نے جماعت کی بنیاد ۱۳۸۵ھ میں ڈالی تھی اور یہ کہ ہمارا اُسی جماعت سے تعلق ہے حالانکہ یہ ایک الزام ہے، وہ جماعت ختم ہو چکی، ہمارا اُس جماعت سے کوئی تعلق نہیں، وہ ایک فرقہ کی ذیلی جماعت تھی اور اب ہم فرقہ واریت سے تائب ہو کر مسلم ہو چکے ہیں۔ جس پمفلٹ کا محقق صاحب نے حوالہ دیا ہے وہ فرقہ واریت کے زمانہ کا پمفلٹ ہے لہٰذا کالعدم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم ۱۳۹۵ھ میں اللہ تعالیٰ کی بنیاد ڈالی ہوئی جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے، مسلم بنتے رہے اور جماعت ترقی کرتی رہی۔

تمہید

جمعیت اہلحدیث بھاولپور نے ایک کتابچہ "مسعود بی ایس سی کی جماعت المسلمین پر ایک نظر" کے عنوان سے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ یہ کتابچہ خود ساختہ فرقہ وارانہ نام کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام کی مخالفت کا شاہکار ہے۔ اسے ایک محقق صاحب نے تحریر کیا ہے جنہوں نے اپنے نام کو پردۂ خفا میں رکھا ہے۔ غالباً اس لئے کہ ان کی شہرت کو بٹہ نہ لگے، کیونکہ ہر سنجیدہ آدمی اس کتابچہ کے مضمون کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا اور لکھنے والے کے متعلق بری رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا۔ کاش محقق صاحب پردہ میں بیٹھنے کے بجائے سامنے آتے۔

ہم مناظرہ میں الجھنا نہیں چاہتے اس لئے کہ اس سے ٹھوس کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ بعض نوجوانوں نے ہمیں مجبور کیا کہ اس کتابچہ کا جواب لکھا جائے لہٰذا ہمیں جواب کے لئے قلم اٹھانا پڑا، تاہم ہم نے اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے تفصیلی جواب سے گریز کیا ہے، مختصر جواب دیدیا ہے تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں۔

ہم اپنے اس مضمون میں محقق صاحب کے اعتراض کو "غلط فہمی" کے عنوان سے ذکر کریں گے اور اپنے جواب کو "ازالہ" کے عنوان سے۔ وباللہ التوفیق۔

محقق صاحب کی غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

غلط فہمی محقق صاحب اپنی جماعت یعنی اہلحدیث کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"یہی اہل حق ہیں جن کو جو کبھی لڑائی لڑنی پڑتی ہے، کبھی اس محاذ پر اور کبھی اس محاذ پر" (کتابچہ صہ ۳ سطر ۲)

ازالہ لیکن جماعت المسلمین کے محاذ پر انہیں بہت بڑی شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اپنے فرقہ کو فرقہ واریت کی چھاپ سے نہ بچا سکے اور نہ اپنے فرقہ وارانہ نام کا ثبوت قرآن و حدیث سے دے سکے۔ فللہ الحمد۔

محقق صاحب نے جماعت اہلحدیث کو اہل حق کہا ہے، ان کے اس دعوے کے ابطال کے لئے ہم قارئین کرام کی توجہ بطور نمونہ مندرجہ ذیل اقتباس کی طرف مبذول کراتے

ہیں:۔

"یہ نام منجانب اللہ ہمیں دربار رسالت سے ملا ہے، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سب اہلِ حدیث کہلاتے تھے"۔

(الاعتصام۔ مورخہ ۵ محرم ۱۴۰۱ھ صفحہ ۱۰)

محقق صاحب، کیا اس عبارت میں حق بیان کیا گیا ہے؟ کیا اس نام کو دربارِ رسالت کی طرف منسوب کرنا افترا نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو محقق صاحب براہ کرم جماعت اہلحدیث کے ترجمان "الاعتصام" کی صفائی میں وہ حدیث پیش فرمائیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام دیا ہو، ہمیں معلوم ہے کہ محقق صاحب ایسی حدیث پیش نہیں کر سکیں گے اور ہرگز پیش نہیں کر سکیں گے تو اپنے کو اہلِ حق کہنے کے بجائے کچھ اور کہیں تو مناسب ہے۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"وہ نام قرآن وحدیث کا لیتے ہیں لیکن مخالفت اہلحدیث کی کرتے ہیں"۔

(کتابچہ صفحہ ۳ سطر ۱۱)

ازالہ ہم قرآن وحدیث کا نام بھی لیتے ہیں اور اس کی موافقت بھی کرتے ہیں مثلاً ہم فرقوں کی مخالفت کرتے ہیں اس لئے کہ قرآن وحدیث میں فرقوں کی مذمت آئی ہے۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"ترقی کرکے تو آدمی اہلِ حدیث بنتا ہے، اہلِ حدیث سے ترقی کرکے وہ پھر کدھر جا سکتا ہے"۔

(کتابچہ صفحہ ۴ سطر ۳ تا ۴)

ازالہ محقق صاحب کے ان الفاظ سے تعلّی اور فخر کا اظہار ہوتا ہے جس کا انہوں نے ہمیں الزام دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو کتابچہ صفحہ ۳۰ سطر ۹)

فرقہ واریت سے تائب ہوکر آدمی مسلم بنتا ہے، یہ ترقی نہیں تو اور کیا ہے؟

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"اگر جماعۃ المسلمین کا لفظ حدیث لیشہدن جماعۃ المسلمین (عورتیں جماعۃ المسلمین کے ساتھ عیدگاہ جائیں) میں اسی معنی میں ہوتا جس معنی میں مسعود صاحب نے کر ایک نیا فرقہ کھڑا کر دیا ہے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عورتوں کو ہی حکم دیتے کہ وہ جماعت المسلمین کے ساتھ عیدگاہ جائیں، مردوں کو حکم نہ دیتے کہ وہ

بھی جماعت المسلمین کے ساتھ عید پڑھیں، کسی اور فرقہ کے ساتھ نہ جائیں، کیا جماعت المسلمین صرف عورتوں کے لئے ہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ہی حکم دیا"۔
(کتابچہ صفحہ ۵، سطر ۲ تا ۷)

ازالہ افسوس محقق صاحب نے صحیح بخاری کو دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔
"فیشھدن جماعۃ المسلمین" تو ان عورتوں کے متعلق کہا جا رہا ہے جو اذیت ماہانہ کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتی تھیں، ان کو غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ وہ اس فطری عذر کی بنا پر عیدگاہ نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی متوقعہ غلط فہمی کو دور کر دیا، فرمایا:۔

فَاَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب اعتزال الحیض المصلی)

رہیں وہ عورتیں جو اذیتِ ماہانہ میں ہوں تو وہ بھی جماعت المسلمین کے ساتھ (عیدگاہ میں) حاضری دیں اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں لیکن ان کی نماز پڑھنے کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔
"سب سے پہلے محدثین جماعت المسلمین کی بنیاد رکھتے"۔
(کتابچہ صفحہ ۵ سطر ۸)

ازالہ محدثین کے زمانہ میں تو جماعت المسلمین موجود تھی اور وہ اُس جماعت المسلمین میں شامل تھے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے رکھی تھی اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلسل چلی آ رہی تھی۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔
"رسول کریمؐ نے اُسی جماعت المسلمین کے بارے میں تو فرمایا تھا لا تزال طائفۃ من امتی کہ وہ ہمیشہ رہے گی...... مسعود صاحب یا تو اپنی جماعت کا اس نام کے ساتھ ہر زمانہ میں موجود ہونا ثابت کریں ورنہ تسلیم کریں کہ وہ جماعت المسلمین آپ والی جماعت نہیں بلکہ وہ جماعت المسلمین اہلحدیث ہی ہے جو شروع زمانے میں اپنے اصلی نام سے موسوم تھی"۔

(کتابچہ صفحہ ۶ و ۷)

ازالہ ناظرینِ کرام خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں، محقق صاحب لکھتے ہیں کہ وہ جماعت المسلمین اہلحدیث ہی ہے جو شروع زمانہ میں اپنے اصلی نام سے موسوم تھی"۔

اصلی نام سے مُراد جماعت المسلمین کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، محقق صاحب نے تسلیم کر لیا کہ شروع زمانہ میں جماعت المسلمین موجود تھی اور بقول محقق صاحب اپنے اصلی نام کے ساتھ موجود تھی، اب ہمیں شروع زمانہ میں جماعت المسلمین کا وجود ثابت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب یہ محقق صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ شروع زمانہ میں اہلحدیث نام کی کسی جماعت کا وجود ثابت کریں ورنہ اس جماعت کو چھوڑ دیں جو شروع زمانہ میں نہیں تھی۔

رہا محقق صاحب کا یہ فرمانا کہ "لاتزال طائفۃ من امتی" کے بموجب جماعت المسلمین کا ہمیشہ پایا جانا ضروری ہے تو بالکل اسی بنیاد پر ہر زمانہ میں اہلحدیث جماعت کا پایا جانا ضروری ہے اور بالکل انہی صفات کے ساتھ جو احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ صفات درج ذیل ہیں:-

① ظاهرين على الحق	وہ حق پر غالب ہوں گے، جو انہیں چھوڑ دیگا
لا يضرهم من خذلهم (صحيح مسلم عن ثوبان رض)	وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔
② ظاهرين على الناس (صحيح مسلم عن مغيرة رض)	وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔
③ لن يبرح هذا الدين قائما يقاتل عليه عصابة من المسلمين (صحيح مسلم عن جابر بن سمرة رض)	یہ دین اسی طرح قائم رہے گا، اس دین کیلئے مسلمین کی ایک جماعت جنگ کرتی رہے گی۔
④ يقاتلون على الحق (صحيح مسلم عن جابر بن عبد الله رض)	وہ حق پر جنگ کرتے رہیں گے۔
⑤ هُمْ ظاهرون على الناس (صحيح مسلم عن معاوية رض)	وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔
⑥ ولا تزال عصابة من المسلمين يقاتلون على الحق (صحيح مسلم عن معاوية رض)	مسلمین کی ایک جماعت ہمیشہ حق کے لئے جنگ کرتی رہے گی۔
⑦ لا تزال عصابة من امتي يقاتلون على امر الله قاهرين	میری اُمت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے امر کے لئے جنگ کرتی رہے گی، وہ اپنے

لعدوهم (صحیح مسلم عن عبداللہ بن عمرو رض) — دشمن پر قاہر ہوں گے۔

مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جماعت المسلمین کی ایک جماعت ہوگی، وہ جماعت ہمیشہ جنگ کرتی رہے گی اور اپنے دشمن پر قاہر و غالب ہوگی۔ محقق صاحب ذرا بتائیں کہ تاریخ کے گذشتہ ادوار میں وہ کونسی جماعت اہلحدیث تھی جو ان صفات پر پوری اُترتی ہو اور وہ ہر زمانہ میں مسلسل رہی ہو۔

محقق صاحب "لا تزال" سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ جماعت ہمیشہ رہے گی کبھی منقطع نہیں ہوگی تو کیا پھر اہلحدیث جماعت کا یہی حال رہا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور کبھی منقطع نہیں ہوئی۔ جماعت اہلحدیث کچھ عرصہ قبل ہندوستان میں بنی، اس سے پہلے وہ کہاں تھی؟ محقق صاحب، کیا آپ صدیوں کے اس خلاء کو پُر کر سکتے ہیں، دوسرے ممالک کے لوگ نہ تو اپنے کو اہلحدیث کہتے ہیں اور نہ اس جماعت کو پہچانتے ہیں، البتہ ماضی قریب میں آمد و رفت و ربط و ضبط زیادہ ہو جانے کے باعث بعض ممالک میں کچھ تعارف ہو گیا ہے۔

"لا تزال" سے ہمیشہ رہنا اور منقطع نہ ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ (المائدۃ-۱۳) — (اے رسولؐ) آپ بنی اسرائیل کی طرف سے ہمیشہ کسی نہ کسی خیانت کی خبر سُنتے رہیں گے۔

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر وقت و ہر آن مسلسل خیانت کی خبریں نہیں آتی تھیں بلکہ وقفے کے ساتھ آتی تھیں، لہٰذا "لا تزال" سے غیر منقطع ہونے کا استدلال صحیح نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ (صحیح بخاری کتاب الادب وصحیح مسلم کتاب البر) — جبریل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ وہ اس کو وارث قرار دیدینگے۔

اس حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ (مازال) سے تسلسل بلا انقطاع مراد نہیں بلکہ جبریل کی وصیت وقفوں کے ساتھ جاری رہتی تھی۔

چلتے چلتے ہم ایک اہلِ زبان سے (لا تزال) کے مفہوم بالا انقطاع کا عملی ثبوت بھی پیش کرتے ہیں:۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:۔

أقعد فاشرب فشربت ثم قال اشرب فشربت ثم قال اشرب فشربت فلم ازل اشرب ويقول اشرب حتى قلت والذي بعثك بالحق ما اجد له مسلكا (رواه الحاكم على شرط الشيخين ووافقه الذهبي، المستدرك كتاب الهجرة جزء ۳ ۱۵)	بیٹھ جاؤ اور (دودھ) پیو، میں نے پیا، آپ نے فرمایا اور پیو، میں نے (اور) پیا، آپ نے فرمایا اور پیو، میں نے (اور) پیا، میں برابر پیتا رہا اور آپ فرماتے رہے اور پیو۔ یہاں تک کہ میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اب میں اس کے لئے جگہ نہیں پاتا۔

دودھ کا پینا وقفوں کے ساتھ جاری تھا نہ کہ مسلسل بلا انقطاع، لہٰذا ثابت ہوا کہ "لم ازل" سے یہاں بھی مسلسل بلا انقطاع مراد نہیں ہے۔

مندرجہ بالا آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ "لا تزال" سے ہمیشہ مسلسل بلا انقطاع (CONTINUOUS) ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ مسلسل بالانقطاع (CONTINUAL) بھی مراد ہوتا ہے اور حدیث "لا تزال طائفة من امتي" میں یہی مراد ہے یعنی وقفوں کے ساتھ جاری رہنا اور یہ چیز حدیث سے بھی ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ.	تم جماعت المسلمین اور اس کے امیر سے چمٹے رہنا۔

حضرت حذیفہؓ نے پوچھا:۔

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟	اگر مسلمین کی نہ جماعت ہو اور نہ امام (تو کیا کروں)؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا.	پھر بھی تم ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث سے بالبداہت ثابت ہوا کہ جماعت المسلمین کا تسلسل بالانقطاع ہوگا، اس کے وجود میں وقفے آتے رہیں گے، اگر محقق صاحب کو یہ وقفے منظور نہیں تو یہ چیز خود ان کے بھی خلاف پڑیگی، محقق صاحب بتائیں کہ اس زمانہ میں جماعت

اہلحدیث کس مقام پر جنگ کر رہی ہے؟ یا آج سے دس بیس سال پہلے کس مقام پر جنگ کر رہی تھی؟ اور وہ کونسے دشمن تھے جن پر وہ غالب وقاہر تھی۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"رسول کریم ؐ نے جہاں گمراہ فرقوں کا ذکر کر کے ایک ناجی فرقے کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے جماعت المسلمین کا نام نہیں لیا....... بلکہ ما انا علیہ و اصحابی کہا:

(کتابچہ ص۸، سطر ۳ تا ۶)

ازالہ محقق صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں ایک حدیث نقل کی ہے" ما انا علیہ و اصحابی"۔ محقق صاحب اس حدیث کو صفحہ ۶، سطر ۱۹ میں بھی پیش کر چکے ہیں، وہاں محقق صاحب لکھتے ہیں:" کہ ان کا مذہب اہل سنت والجماعت ہوگا"۔ قارئین کرام غور فرمائیں کیا یہ تحریف معنوی نہیں ہے؟ الفاظ کچھ، ترجمہ کچھ۔ اہلحدیث کو چاہیئے کہ اب کتاب و سنت کا استعمال چھوڑ دیں اور یہی اصطلاح استعمال کریں جو محقق صاحب نے تجویز کی ہے۔

محقق صاحب نے تحقیق نہیں کی اور افسوس ہے کہ اس حدیث کو پیش کر دیا۔ یہ حدیث ضعیف ہے اور حجت کے قابل نہیں ہے اور صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے، علامہ محمد ناصر الدین الالبانی لکھتے ہیں" علته عبد الرحمٰن بن زیاد الافریقی وهو ضعیف" (مشکوٰة مع تعلیقات للالبانی جزء اوّل ص۶۱) اس کی علت عبد الرحمن بن زیاد افریقی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ اس سلسلہ کی صحیح حدیث یہ ہے:۔

حضرت معاویہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إنّ هذه الملة ستفترق على ثلث وسبعين، ثنتان و سبعون في النار و واحد في الجنة وهي الجماعة (ابوداؤد. كتاب السنة جزء ۲ ص۲۸۳)	اس ملت کے ۷۳ حصے ہو جائیں گے، ۷۲ دوزخ میں (جائیں گے) اور ایک جنت میں اور وہ (حصہ) جماعت ہوگی۔

یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے۔ علامہ الالبانی لکھتے ہیں:" وسندهما صحيح" (مشکوٰة مع تعلیقات للالبانی جزء اوّل ص۶۱)۔

دیکھیئے اس حدیث میں جماعت کا لفظ موجود ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث میں جماعت المسلمین نہیں ہے، صرف جماعت ہے تو

سوال یہ ہے کہ آخر وہ جماعت کن لوگوں کی ہوگی، ظاہر ہے کہ وہ جماعت، مسلمین ہی کی ہوگی خصوصاً ایسی حالت میں کہ دوسری احادیث میں جماعت کا مضاف الیہ "المسلمین" موجود ہے، وہ احادیث صحیح بخاری کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہیں۔ ایک حدیث اور ملاحظہ فرمایئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

ثلاث لا یغل علیھن قلب مؤمن: اخلاص العمل للہ، والطاعۃ لذوی الامر، ولزوم جماعۃ المسلمین (رواہ الحاکم وصححہ علی شرط البخاری و مسلم ووافقہ الذھبی۔ المستدرک جز اول ص۸۸)

تین باتیں ایسی ہیں کہ جن کے معاملہ میں مؤمن کا قلب خیانت نہیں کرتا: عمل کو خالص اللہ کے لئے کرنا، امراء کی اطاعت کرنا اور جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث کی روشنی میں محقق صاحب کا دل کیا کہتا ہے، محقق صاحب اگر تحقیق کا حق ادا کرنا چاہیں تو انہیں یہ مضاف الیہ اور بھی حدیثوں میں مل سکتا ہے۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں :-

"کوئی اچھا لقب رکھنا بھی گمراہی ہے"۔

(کتابچہ ص۸، سطر۹)

ازالہ کسی اچھے لقب کو فرقہ وارانہ امتیازی نام کی حیثیت سے رکھنا گمراہی ہے۔ اچھا لقب تو اہل قرآن بھی ہے تو کیا آپ اس لقب سے اپنی جماعت کو موسوم کرنے کے لئے تیار ہیں؟

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا" لا یبقی من الاسلام الا اسمہ"

(کتابچہ ص۹ سطر۶)

ازالہ محقق صاحب نے تحقیق نہیں کی، یہ حدیث بھی ضعیف ہے، اس میں ایک راوی بشر بن الولید القاضی ضعیف ہے۔

(مشکوٰۃ مع تعلیقات للالبانی جزء اوّل ص۹۱)

اہل حدیث کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ انکے ہاں محقق بھی یہ نہیں دیکھتے کہ

جو حدیث وہ پیش کر رہے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں، حدیث کے نام سے جو کچھ ملا لکھنے سے مطلب۔ مخالف مانے یا نہ مانے قارئین تو مرعوب ہو جائیں گے۔

غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"آپ دونوں نے سلف و خلف کو مشرک، گمراہ اور فرقہ پرست قرار دیدیا"
(کتابچہ ص۱۳، سطر ۲)

ازالہ | یہ جماعت المسلمین پر الزام ہے۔

غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"آپ کوئی ایسی دلیل پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلم کے علاوہ کوئی اور نام جائز نہیں"

ازالہ | نام تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رکھا البتہ مسلم کے وصف بیان کئے جا سکتے ہیں لیکن کسی وصف کو فرقہ وارانہ امتیازی نام کی حیثیت دینا فرقہ واریت کو جنم دینا ہے۔

غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"اگر مذہب صحیح ہو تو مذہب کی مناسبت سے کئی نام ہو سکتے ہیں، ناموں کو اتنی اہمیت نہیں"
(کتابچہ ص۱۵، سطر ۲۰)

ازالہ | نام کی جگہ وصف کیسے لے سکتا ہے؟ نام نام ہے اور وصف وصف ہے۔ ہمارا اعتراض تو یہ ہے کہ کسی وصفی نام کو فرقہ وارانہ امتیازی نام بنا لینا کہاں تک صحیح ہے، محقق صاحب اصل سوال کے جواب سے اعراض کر رہے ہیں جس سے قارئین کو دھوکا ہونے کا امکان ہے۔

محقق صاحب اگر آپ کا مذہب صحیح ہے تو پھر آپ کی جماعت کے فرقے کیسے بن گئے۔ ایک فرقہ کہتا ہے "مقلد مشرک ہے، اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی" دوسرا کہتا ہے "مقلد مشرک نہیں، اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے"۔ ایک فرقہ امامت کا قائل، ان کے نزدیک ان کے امام کو نہ ماننے والا جاہلیت کی موت مریگا، دوسرا اس کا منکر۔ ایک تعویذ گنڈے کو شرک کہتا ہے، دوسرا اسے حلال و طیب سمجھتا ہے، یہ سب اہلحدیث ہیں تو بتائیے کونسا مذہب صحیح ہے، اگر ناموں کو اتنی اہمیت حاصل نہیں تو آپ اپنے

کو غیر باد اہلحدیث کیوں نہیں کہتے۔

مزید برآں اگر یہ صحیح ہے کہ ناموں کو اتنی اہمیت نہیں تو پھر اہلحدیث نام کو اتنی اہمیت کیوں دی جارہی ہے؟ اگر اہلحدیث نام غیر اہم ہے تو اسے اتحاد کے عظیم مقصد کی خاطر خیر باد کیوں نہیں کہتے، اہلحدیث کے ایک محقق عالم نے کیا خوب تحریر فرمایا ہے:۔

"اگر اہلحدیث کوئی شخصی نسبت نہیں ہے جیسا کہ دوسرے فرقوں کی بات ہے تاہم اگر اس نسبت کی قربانی دے کر دوسری نسبتوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے تو ذاتی طور پر مجھے اہلحدیث کہلانے پر کوئی اصرار نہیں ہے"

(ماہنامہ محدث لاہور، بابت جمادی الاولیٰ والآخرۃ ۱۴۰۲ھ)

محقق صاحب مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں اتحاد کی طرف قدم بڑھائیے۔ اہلحدیث شخصی نسبت نہ سہی فرقہ وارانہ نام تو ضرور ہے، فرقوں کو ختم کرنے کے لئے فرقہ وارانہ ناموں کو پہلے ختم کرنا ہوگا۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"بقول آپ کے مسلم اس کا اصلی نام ہے یعنی علم ہے۔ اہلحدیث اس کا وصفی نام ہے یعنی لقب ہے" (کتابچہ ص۱۷، سطر ۱۲)

ازالہ لیکن کسی وصفی نام یا لقب کو فرقہ وارانہ نام کی حیثیت نہیں دی جا سکتی، اہلحدیث فرقہ وارانہ نام ہے ورنہ وصفی لحاظ سے تو احناف اور شیعہ وغیرہ بھی اپنے کو اہلحدیث کہنے سے انکار نہیں کرتے۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ..... الخ اگر مسلم علم ہوتا تو انداز بیان یہ نہ ہوتا" (کتابچہ ص۱۸، سطر ۱۰ و ۱۱)

ازالہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے "هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ" (الحج-۷۸) اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا، لہٰذا مسلم نام علم ہوا لیکن محقق صاحب فرماتے ہیں کہ مسلم علم نہیں۔ بتائیے کس کی مانیں؟ اللہ تعالیٰ کی یا محقق صاحب کی؟

اس آیت میں آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمین کے اوصاف نقل کئے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان اوصاف میں بھی "اہلحدیث" کا ذکر نہیں۔

اگر بقول محقق صاحب مسلم بھی وصفی نام ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے صرف ایک

صفت کو نام کا درجہ دیا، کسی اور صفت کو نام کا درجہ کیوں نہیں دیا، اللہ تعالےٰ نے کیوں نہیں فرمایا "هُوَ سَمّٰكُمُ الصَّابِرِيْنَ" "هُوَ سَمّٰكُمُ الْخٰشِعِيْنَ"، "هُوَ سَمّٰكُمْ اَهْلَ الْحَدِيْث"؟ آخر مسلم نام میں اور دوسرے وصفی القاب میں کچھ تو فرق ہے۔

غلط فہمی محقق صاحب فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح اپنے آپ کو مسلم کہنا اور جماعت المسلمین بنانا جائز نہیں"۔
(کتابچہ صہ ۱۸، سطر ۱۵ و ۱۶)

ازالہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُوْلُوْا ..... نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ کہو ..... ہم اللہ کے مسلم ہیں۔
(البقرۃ۔ ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ ..... نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ کہہ ..... ہم اللہ کے مسلم ہیں۔
(آل عمران ۔ ۸۴)

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران۔ ۶۴)

اگر وہ منہ موڑیں تو ان سے کہہ دو کہ "گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝
(حٰمٓ السجدۃ ۔ ۳۳)

بات کے لحاظ سے اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے، عمل صالح کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ تو فرمائے کہ مسلم کہو اور محقق صاحب فرماتے ہیں کہ مسلم کہنا جائز نہیں، محقق صاحب اگر تحقیق فرماتے تو قرآن مجید سے ہی ان کی تمام اُلجھنیں دُور ہو جاتیں۔

غلط فہمی محقق صاحب فرماتے ہیں:۔

"میں کہتا ہوں اس سمّاکم کے "کم" سے کون لوگ مراد ہیں، کیا صرف صحابہ یا بعد والے بھی، اگر بعد والے بھی تو پھر کیا آپ اس "کم" میں شامل ہیں یا نہیں"۔
(کتابچہ صہ ۲۰ سطر ۱۷ و ۱۸)

ازالہ سوال کیلئے شاہکار ہے، قارئین کرام بتائیں کہ وہ اس "کم" میں شامل ہیں یا نہیں، اگر نہیں ہیں تو کیا پھر وہ مسلم نہیں ہیں۔

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"آپ نے اپنے مطلب کے لئے اس کا ترجمہ یوں کیوں کیا کہ میرے ساتھ سرکشی نہ کرو اور مسلم بن کر میرے پاس آجاؤ: مسلمین کا لفظ یہاں بالکل اپنے لغوی معنوں میں تھا یعنی مطیع و فرمانبردار لیکن آپ نے ترجمے میں مسلم لکھ کر صرف اپنا پوائنٹ بنایا۔"
(کتابچہ ص ۳۱، سطر ۵ تا ۷)

ازالہ انبیاء علیہم السلام پہلے اسلام کی دعوت دیتے ہیں یا پہلے اپنی سلطنت کو بڑھاتے ہیں؟ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ملکہ کو اسلام کی دعوت دی اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آتے ہی اسلام قبول کرلیا اور کہا "اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (النمل - ۴۴) میں نے سلیمانؑ کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لئے اسلام قبول کیا، یہ نہیں کہا کہ میں آپ کی مطیع بن کر آئی ہوں۔ یہ آیت اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلی آیت میں مسلم کے لغوی معنیٰ مراد نہیں ہیں۔

اس آیت کے علاوہ بھی محقق صاحب نے الزام لگایا ہے کہ ہم نے آیتوں کا ترجمہ غلط کیا ہے، یہ ان کا اپنا خیال ہے جو کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اگر ان کو اپنی بات پر اصرار ہے تو وہ بتائیں کہ کیا انہوں نے مندرجہ ذیل آیتوں کا ترجمہ صحیح کیا ہے:۔

① انی امرت ان اکون اول من اسلم — جونہی اللہ کا حکم آئے سب سے پہلے فرمانبرداری تو کر۔
(کتابچہ ص ۲۴)

خط کشیدہ عبارت کن الفاظ کا ترجمہ ہے؟

② اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ — اے نبیؐ پہلے نبیوں کی لائن میں رہیئے۔
(کتابچہ ص ۱۳)

محقق صاحب نے ہم پر تو غلط ترجمہ کا الزام لگایا ہے اور خود ص ۲۳ پر قرآن مجید کی آیت بھی غلط نقل کی ہے "رَبِّ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا" ان الفاظ کے ساتھ یہ آیت قرآن مجید میں کہاں ہے؟

غلط فہمی محقق صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"سارے قرآن مجید میں اللہ نے ایک دفعہ بھی ہمیں اس نام سے نہیں پکارا.....
ثابت ہوا کہ مسلم نام تو ضرور ہے لیکن زندگی کوئی اس نام کا مستحق نہیں۔"
(کتابچہ صـ۲۲ ، سطر ۱۲ تا ۱۴)

ازالہ آدمی جب اپنا تعارف کراتا ہے تو اپنا نام (عَلَم) ہی لیتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کا نام زاہد ہے اور وہ حافظ بھی ہے تو جب وہ اپنا نام بتائے گا تو زاہد ہی بتلائے گا ، زاہد ہی لکھے گا اور زاہد ہی دستخط کرے گا ، دوسرے آدمی اگر اس سے چھوٹے درجہ کے ہیں تو اُسے احتراماً حافظ صاحب کہیں گے اور اگر بڑے درجے کے ہیں تو اعزازاً حافظ صاحب کہیں گے ، مثلاً اگر ہم کسی حافظ کو اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے ملازم رکھ لیں تو باوجود اس کے کہ وہ ہمارا ملازم ہے ہم اُسے اعزازاً حافظ صاحب ہی کہیں گے ، اسی طرح گھر کے خادم کو اعزازاً "بڑے میاں" اور خادمہ کو "بڑی بی" کہنے کا رواج ہے۔
قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نام لیکر نہیں پکارا بلکہ منصب نبوت و رسالت سے پکارا اور آپ کی اُمت کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا کہ نام لے کر نہیں پکارا بلکہ وصفی القاب سے پکارا لیکن جب ہم خود اپنا تعارف کرائیں گے تو اپنا نام مسلم ہی لیں گے ، وصفی القاب اور قابلیت کا ذکر فخر و تعلّی میں شمار ہوگا جو محقق صاحب کو بھی ناپسند ہے۔ (ملاحظہ ہو کتابچہ صـ۳ ، سطر ۹)

غلط فہمی محقق صاحب لکھتے ہیں:۔

"زندگی زندگی کوئی اس نام کا مستحق نہیں کیونکہ فرمانبرداری مکمل ہونے سے پہلے یہ نام رکھا ہی نہیں جا سکتا۔"
(کتابچہ صـ۲۲ ، سطر ۱۴)

"مسلم ہونے کی ڈگری زندگی نہیں ملتی۔"
(کتابچہ صـ۲۳ ، سطر ۱۳ و ۱۴)

ازالہ محقق صاحب کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو زندگی بھر اپنے کو "مسلم" کہنے کا حق نہیں ، محقق صاحب بتائیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں بار بار کہا کہ اپنے کو "مسلم" کہو اور اہلِ کتاب کو بھی اپنے "مسلم" ہونے کا گواہ کرلو ، یہ آیات گذشتہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔
محقق صاحب یہ تو بتلائیے کہ اگر ہم اپنے کو مسلم نہیں کہہ سکتے تو کیا "غیر مسلم" کہیں؟ براہ کرم جواب قرآن مجید یا حدیثِ صحیح سے دیجئے۔

غلط فہمی محقق صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"یوسف علیہ السلام نے بھی موت کے وقت مسلم ہونے کی دعار کی، رَبِّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا۔ اللہ مجھے مسلم ہونے کی حالت میں موت دینا یعنی مسلم بناکر مارنا" ......" موت سے پہلے کوئی آدمی مکمل مسلم نہیں ہوتا"

(کتابچہ صـ۲۳، سطر ۱۸-۲۰)

"جب انبیار موت تک مسلم ہونے کی دعار کرتے رہے تو آپ کا زندگی میں مسلم ہونے کا دعویٰ کرنا اور مسلمین کہلانا، جماعت المسلمین نام کی جماعت بنانا بچکانہ حرکت نہیں تو اور کیا ہے"

(کتابچہ صـ۲۴، سطر ۱۵ تا ۱۷)

ازالہ محقق صاحب کی عبارتوں سے ظاہر ہے کہ انبیار علیہم السلام بھی زندگی میں مکمل مسلم نہیں تھے، محقق صاحب تو پھر ان انبیار علیہم السلام سے تو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے مسلم ہی اچھے رہے کہ انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ ہم مسلم ہیں :-

وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۔ آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلم ہیں۔

(آل عمران - ۵۲)

بلکہ ان انبیار علیہم السلام سے تو جنات ہی اچھے رہے کہ وہ کہتے ہیں :-

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ (جن ۱۴) ہم میں سے بعض مسلم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اہل کتاب جو مومن ہوئے انہوں نے صاف صاف اعلان کیا :-

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم تھے۔

(قصص - ۵۳)

اشکال اگر یہ اشکال ہو کہ پھر انبیار علیہم السلام مسلم بننے کی دعار کیوں کرتے تھے اور اس طرح کیوں دعار کرتے تھے کہ ہمیں بحالت مسلم موت دے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مسلم بننے کی دعار نہیں کرتے تھے بلکہ مسلم بنائے رکھنے کی دعار کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ موت کے وقت تک ہم مسلم رہیں اور یہ چیز بغیر توفیق الٰہی کے نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعار کرتے تھے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صراطِ مستقیم پر نہیں تھے، ضرور تھے لیکن صراطِ مستقیم پر استقامت اور منزلِ مقصود تک پہنچ جانا یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے اور

اور اسی توفیق کی آپ دعا کرتے تھے اور کلمہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

انتباہ آخری

کتابچہ کی بعض باتوں کا ہم نے اس لئے جواب نہیں دیا کہ یا تو وہ علمیت کا شاہکار ہیں مثلاً "اس نام کی جماعت بنانا شرعاً بالکل ناجائز ہے" (ص ۳۱) یا دوسرے لفظوں میں وہی باتیں بار بار دوہرائی گئی ہیں۔ قارئین کرام خود ہی فیصلہ کرلیں۔

انتباہ

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیماڑی والے سے جماعت المسلمین کا کوئی تعلق نہیں جماعت المسلمین ان کے بعض عقائد سے سخت بیزار ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کر کے سخت گستاخی کی ہے جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

- ــ کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔
- ــ کراچی میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ کسی بھی علاقہ یا محلہ میں نہیں ہے قارئینِ کرام ہوشیار رہیں۔

مسعود احمد

امیرِ جماعت المسلمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجماعۃ

مدیر "تکبیر" محمد صلاح الدین صاحب کے مختلف مضامین میں کئے جانے والے شکوک و شبہات کا مکمل و محققانہ جواب۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

جماعت المسلمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجماعة

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

حال ہی میں ہفت روزہ "تکبیر" کے مدیر جناب محمد صلاح الدین صاحب کا ایک مضمون دو قسطوں میں رسالہ "تکبیر" میں شائع ہوا۔ یہ مضمون جہاں جماعت المسلمین کی شہرت کا باعث بنا وہاں مذہب اور فرقہ پرستوں کے لئے مخالفت برائے مخالفت کا خوشنما بہانہ بھی بن گیا۔

جناب صلاح الدین صاحب کا مضمون جو ایک طرف مذہب و مسلک کی حفاظت اور اس کی تائید تھا تو دوسری طرف جناب مسعود احمد صاحب کا جوابی مضمون خالص دینی نوعیت کا حامل تھا۔ ان مباحث میں ہر طالبِ حق و صداقت کے لئے ایک جان نواز راہِ عمل کھل کر سامنے آگئی اور اب وہ دونوں مضامین کو سامنے رکھ کر بہ آسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ حق و صداقت کا علمبردار کون ہے؟

صلاح الدین صاحب نے ہر قسم کے اختلاف کے باوجود اپنے حالیہ مضمون میں مسعود احمد صاحب کے متعلق جو تعارفی تبصرہ تحریر فرمایا ہے وہ گویا ایک مثال ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس حقیقت بیانی کے باوجود صلاح الدین صاحب کے سامنے وہ کون سے محرّکات تھے جن کی بناء پر وہ امیر جماعت المسلمین کے خلاف بلا جواز ایک محاذ کھڑا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں:

مسعود احمد صاحب انتہائی متقی، وسیع المطالعہ، کثیر التصنیف اور دین کے ساتھ گہری و مخلصانہ وابستگی رکھنے والے بزرگ ہیں۔ ان کی یہ خواہش اور شدید تمنا قابل قدر ہے کہ ہر مسلمان کی زندگی قرآن و سنّت کے مطابق اور اسوۂ رسول ؐ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ وہ اپنے حسن نیّت کا پورا اجر اپنے رب سے پائیں گے۔ ویسے بھی بخاری کی پہلی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے مطابق ہماری جزا و سزا کا اصل انحصار ہماری نیتوں پر ہے، ظاہری اعمال پر نہیں۔

مجھے مسعود احمد صاحب کی "تفسیر قرآن عزیز" ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب "دو اسلام" کے جواب میں لکھی جانے والی حجیتِ حدیث پر گرانقدر تصنیف "تفہیم الاسلام"، "تاریخ الاسلام والمسلمین" اور دوسری متعدد تصانیف کے مطالعہ کا موقعہ ملا ہے۔

ان کے ہاں قرآن و حدیث سے قریب تر رہنے اور دوسروں کو رکھنے کا غیر معمولی جوش و جذبہ اور اس کے لئے مخلصانہ عرق ریزی کا قابل تحسین شوق و انہماک پایا جاتا ہے"۔ (تکبیر شمارہ ۱۸؍ فروری صلا کالم ۲)

بلا شک و شبہ جناب مسعود احمد صاحب ان تعریفی و توصیفی کلمات سے بالا تر دین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ان سے شدید ترین اختلاف رکھنے والے بھی ان کی دینی خدمات کے تہ دل سے معترف ہیں۔

عصرِ حاضر کی تمام تحریکوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسعود احمد صاحب اس زمانے کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مذہب و مسلک سے وابستگیاں قائم رکھ کر دین اسلام کا احیاء نہیں کیا انہوں نے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" کے حکم ربی ذی الجلال والاکرام اور حکمِ مربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "فاعتزل تلک الفرق کلھا" کی اصل روح اور اسکے تقاضوں کے عین مطابق عمل کیا اور فرقہ دارانہ مذاہب سے اسلام کو علیحدہ کیا۔

یہ قدرتی امر تھا کہ فرقوں سے بیزار لوگوں کو فرقوں سے نجات کی ایک عملی شکل نظر آئی اور اس طرح "جماعت المسلمین" کو استحکام حاصل ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مذہب اور مسلک کی حمایت و وکالت کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ کیا اس طرح فرقہ بندی ختم ہو سکتی ہے؟ کیا مذہب اور مسلک اور اپنے خود ساختہ نظریات پر جمے رہنا اتنا ضروری ہے کہ فضول تاویلوں کو اسلام کی شرح قرار دیا جائے؟ کیا صحافت اسی کا نام ہے کہ دوسرے پر جتنی چاہے کیچڑ اچھال دی جائے اور اس کو صفائی کا موقع بھی نہ دیا جائے؟ یہ تکبیر ہے یا تکبّر؟

المختصر محمد صلاح الدین صاحب کے قیاسی دلائل اور جناب مسعود احمد صاحب کے شرعی دلائل کا تقابلی مطالعہ کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ گمراہی کا دلدل کس طرف ہے۔

محمد یوسف۔ مدیر "المسلم"

۵ شوال ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الجماعۃ"

مؤقر جریدہ "تکبیر" شمارہ ۴۷ مؤرخہ ۱۹ ار نومبر ۱۹۹۲ء اور شمارہ ۵۰ مؤرخہ ۱۰ ار دسمبر ۱۹۹۲ء میں جناب محمد صلاح الدین صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے : "اسلامی ریاست میں فرد اور جماعتوں کے باہمی تعلقات"۔ انہوں نے اس مضمون میں چند باتیں ایسی تحریر فرمائی ہیں جن میں کلام کرنے کی کافی گنجائش ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ چند باتیں اس مضمون میں ایسی آگئی ہیں جو حقائق کے خلاف ہیں اور جن کی نشان دہی ضروری ہے۔ جناب صلاح الدین صاحب سے گزارش ہے کہ وہ مزید غور فرما کر متلاشیانِ حق کی تسلی فرمائیں۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"یہ وہ آیات اور احادیث ہیں جو ایک مسلم معاشرے میں جماعت سازی کے لئے بطور جواز پیش کی جاتی ہیں اور انہی کی بنیاد پر بعض جماعتوں کے بانی رہنما مسلمانوں کے لئے اپنی پسند کی کسی نہ کسی جماعت سے وابستگی کو فرضِ عین قرار دیتے ہیں اور اس کے وجوب ولزوم کا فتوٰی صادر کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں تنظیم اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور جماعت المسلمین کے بانی جناب مسعود احمد صاحب سرِفہرست ہیں۔ دوسری تمام جماعتیں بھی جن میں احرار، خاکسار، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت اہلحدیث اور دوسری دینی جماعتیں شامل ہیں اپنے اپنے لٹریچر میں انہی آیات اور احادیث کو اپنے قیام کے جواز میں پیش کرتی ہیں لیکن ان کے ہاں وہ شدت نہیں جو ڈاکٹر اسرار احمد اور جناب مسعود احمد کے مؤقف میں پائی جاتی ہے۔ مولانا سید ابواعلیٰ مودودی بھی اگرچہ ایک ہمہ گیر اسلامی انقلابی جماعت کے بانی ہیں لیکن وہ جماعتی زندگی کی ضرورت واہمیت پر غیر معمولی زور دینے کے باوجود اسے شرائط ایمان میں شامل نہیں کرتے۔" (تکبیر شمارہ ۴۷ صفحہ ۹ کالم ۲)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ جناب صلاح الدین صاحب نے تنظیم اسلامی اور

جماعت المسلمین کی طرف اس بات کو منسوب کیا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں ان کی اپنی جماعت میں شمولیت کو شرط ایمان سمجھتی ہیں یعنی یہ دونوں جماعتیں اس شخص کو کافر سمجھتی ہیں جو ان کی جماعت میں شامل نہ ہو۔ معلوم نہیں صلاح الدین صاحب نے یہ بات کس بنیاد پر لکھی ہے۔ ذیل میں تنظیم اسلامی کے سربراہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر کا ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے جس سے ڈاکٹر صاحب کا موقف کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں :-

فتنے کیسے اٹھتے ہیں

"ہمارے ملک کے دینی کام کرنے والے لوگوں نے مسلمانوں میں کام کرنے کے لئے جماعتوں کی تشکیل کی ہے، ہم نے بھی تنظیم اسلامی قائم کی لیکن ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ جو تنظیم میں ہے وہ مسلمان ہے اور جو تنظیم سے باہر ہے وہ کافر۔ جو لوگ اس انتہا پسندی کو پہنچ جاتے ہیں وہ بہت بڑے فتنے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں" (ندائے خلافت جلد ا شمارہ ۲۰ مورخہ ۸ رجون ۱۹۹۲ء اشاعت کی تاریخ ۸ رجولائی ۱۹۹۲ء)

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوا کہ جناب صلاح الدین صاحب نے تنظیم اسلامی کی طرف جو بات منسوب کی ہے وہ صحیح نہیں۔

جماعت المسلمین کی طرف بھی صلاح الدین صاحب نے وہی عقیدہ منسوب فرمایا ہے جو تنظیم اسلامی کی طرف منسوب کیا ہے، کیا صلاح الدین صاحب بتا سکتے ہیں کہ جماعت المسلمین کی کس کتاب میں یا کس کتابچہ میں یہ عقیدہ تحریر ہے۔ جماعت المسلمین کسی کو کافر نہیں کہتی ہاں فعل کفر کو کفر ضرور کہتی ہے۔ جماعت المسلمین کا تو بس اتنا قصور ہے کہ وہ آیت یا حدیث نقل کر دیتی ہے۔ جماعت کے مخالفین اس آیت یا حدیث سے خود ہی منطقی طور پر نتیجہ نکال لیتے ہیں اور اس نتیجہ کو جماعت کی طرف منسوب کر کے جماعت کو بدنام کرتے ہیں۔ جماعت المسلمین نے وہ حدیث جس پر دبیز پردے ڈال دئے گئے تھے سامنے لا کر رکھ دی تاکہ اس کی روشنی میں فرقوں کو ختم کر دیا جائے اور ایمان والوں کی صرف ایک جماعت ہو جس کا نام جماعت المسلمین ہو۔

وہ حدیث جس کی بنیاد پر جماعت کو بدنام کیا جاتا ہے مختصراً و ملخصاً درج ذیل ہے :-

" فتنوں کے ایک خاص زمانے کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :-

"تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ" جماعت المسلمین اور اس کے امام سے چمٹ جانا (صحیح بخاری

وصحیح مسلم) ۔صحابی پوچھتے ہیں : اگر جماعت المسلمین اور اس کا امام نہ ہو تو کیا کروں ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا ۔ ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا " (صحیح بخاری وصحیح مسلم) یعنی اگر جماعت المسلمین نہ ہو تب بھی فرقوں میں شامل نہ ہونا ۔

صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

" ان (آیات واحادیث) کا مخاطب ہر کلمہ گو مسلمان ہے خواہ وہ کسی جماعت کے اندر ہو یا اس سے باہر وہ بہر حال " الجماعت " کے دائرے میں ہے " (تکبیر شمارہ ۲۲ منٹ کالم ۱)

صلاح الدین صاحب بتائیں کہ مندرجہ بالا احادیث میں جس جماعت المسلمین کا ذکر ہے وہ " الجماعۃ " ہے یا نہیں ۔ اگر ہے اور یقیناً ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو " الجماعۃ " کے علاوہ کسی اور جماعت سے چمٹنے کا حکم دے ہی نہیں سکتے تو پھر صلاح الدین صاحب بتائیں کہ " الجماعۃ " کے علاوہ جو فرقے ہیں جن سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہیں ؟ مسلم ہیں یا کچھ اور ؟ اگر وہ مسلم ہیں تو پھر وہ فرقے بھی جماعت المسلمین ہوئے ایسی صورت میں کونسی جماعت المسلمین سے چپٹا جائے اور حدیث مذکور پر کس طرح عمل ہو ؟ اگر وہ مسلم نہیں ہیں جیسا کہ مخالفین ، حدیث کے مضمون سے منطقی نتیجہ نکالتے ہیں تو آخر پھر وہ کیا ہیں ؟

مسلمانوں میں کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں گذرا اور نہ اس وقت موجود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا انکار کرتا ہو یا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی " الجماعۃ " سے نکلنے کا اقرار کرتا ہو تو پھر بقول صلاح الدین صاحب وہ تمام فرقے " الجماعۃ " کا جزء ہوئے اور جب وہ " الجماعۃ " کا جزء ہوئے تو پھر بقول صلاح الدین صاحب وہ مسلم ہوئے تو پھر ان کی جماعت کو " جماعت المسلمین " کیوں نہیں کہا گیا ، کیوں ان سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ؟

اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

ان هذه الملة (وفی نسخة الامة) ستفترق علی ثلث وسبعین ، ثنتان وسبعون فی النار وواحد فی الجنة وهی الجماعة (ابوداؤد کتاب السنة باب شرح السنة ۔ سنده صحیح ۔ مرعاة شرح مشکوٰة وتعلیقات للالبانی علی المشکوٰة)

یہ امّت ۷۳ اجزاء میں تقسیم ہو جائے گی ۔ ۷۲ دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنّت میں اور وہ (جزء) " الجماعۃ " ہوگا ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت کے ۷۲ اجزاء دوزخ میں جائیں گے اور صرف ایک جزء جنت میں جائے گا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ۷۲ اجزاء "الجماعۃ" میں شامل نہیں ہوں گے لیکن صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں کہ تمام اجزاء "الجماعۃ" میں شامل ہیں، کوئی بھی الجماعۃ سے خارج نہیں اس لئے کہ وہ الجماعۃ میں ہونے کے تمام شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جبریہ، قدریہ، مرجئہ، خوارج، شیعہ وغیرہ سب الجماعۃ کے اجزاء ہیں۔ صلاح الدین صاحب شاید یہ فرمائیں گے" الجماعۃ" سے ان کی مراد "اہل السنّت والجماعت" ہے تو پھر وہ یہ بتائیں کہ جماعت المسلمین کے افراد تو "اہل السنّت والجماعت" میں شامل نہیں ہیں وہ کہاں جائیں گے؟ وہ مسلم ہیں یا نہیں؟

الغرض حدیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ۷۲ اجزائے امّت یعنی ۷۲ فرقے الجماعت یعنی جماعت المسلمین میں شامل نہیں ہیں۔ اب جو شخص جو نتیجہ نکالنا چاہے نکال لے۔

صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں تو یہاں تک کہہ اور لکھ چکا ہوں کہ آج کوئی حنفی اگر حنبلی بن جائے یا کوئی مالکی شافعی مسلک اختیار کرلے یا چاروں مسالک کو چھوڑ کر غیر مقلد بن جائے، اہلحدیث کا مسلک اختیار کرلے یا ایک معاملہ میں ایک امام کی اور دوسرے میں کسی اور کی رائے پر عمل کرے تب بھی اس کا ایمان کہیں نہیں جاتا" (تکبیر شمارہ نمبر ۵ ص ۹ کالم ۳ اور صفحہ ۱۰ کالم ۱)

مطلب یہ ہے کہ فقہی اختلافات کی بنیاد پر بننے والے فرقے "الجماعۃ" میں شامل ہیں اور سب مسلم ہیں، سب کا دین اسلام ہے تو سوال یہ ہے کہ جب سب کا دین اسلام ہے تو ایک اسلام کے ۵ اسلام کیسے بن گئے۔ کسی کے ہاں کوئی چیز حلال ہے تو وہی چیز کسی دوسرے کے ہاں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:۔

اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ ۔ دین قائم کرو اور دین میں تفرقہ بازی نہ کرو۔

(الشوریٰ ـ ۱۳)

حلال وحرام کا فرق تفرقہ بازی ہے یا نہیں؟ فتووں کے ذریعہ حلال یا حرام کرنا دین سازی ہے یا نہیں؟ دین میں فتووں کو شامل کرنا شرک فی الدین ہے یا نہیں؟ دین میں اضافہ کرنا "اکملت لکم دینکم" کے منافی ہے یا نہیں؟ دین میں آمیزش کرنا "الا للہ الدین الخالص (الشوریٰ)" کی ضد ہے یا نہیں؟ "اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جن باتوں کو ماننے اور جن باتوں کو نہ ماننے پر ایمان کا مدار رکھا ہے ان میں بعد کے کسی امام کا ماننا نہ ماننا شامل نہیں" (تکبیر شمارہ نمبر ۵ صفحہ ۱۰ کالم ۱)

تو پھر کیوں نہ سب ان اماموں کو چھوڑ کر صرف ایک امام کو مان لیں اور ایک جماعت بن کر" ولا تفرقوا" پر عمل کریں۔ جماعت المسلمین اس کے سوا اور کیا کہتی ہے۔ فرقہ بندی کو ختم کرنے کے لئے سب ہی کہتے رہتے ہیں لیکن عملی قدم کوئی اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا۔ جماعت المسلمین اسی لئے بری ہے کہ اس نے اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھایا ہے اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان سب سے الگ ہو گئی ہے اور ان کو کالعدم کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

سیاسی، فلاحی اور دینی جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے صلاح الدین صاحب نے ان تمام جماعتوں کو قابل برداشت سمجھا ہے لیکن دوسری طرف ان جماعتوں کو دین کے لئے نقصان دہ بھی ثابت کیا ہے اور ان کو تفرقہ پردازی کا مجرم بھی قرار دیا ہے۔ صلاح الدین صاحب سید مودودی صاحب کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ قوم (مسلمان) تو پہلے ہی سے ایک جمیت ہے۔ اس جمیت کے اندر کوئی الگ جمیت الگ نام سے بنانا اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی وردی یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق وامتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر گروہ بندیوں اور فرقوں کی عصبیتیں پیدا کرنا دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں ہے بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ یہ تنظیم نہیں تفرقہ پردازی اور گروہ بندی ہے۔" (تکبیر شمارہ ۲۷ ص ۹ کالم ۲)

مودودی صاحب کے مندرجہ بالا فرمودات سے جماعت المسلمین سو فیصدی متفق ہے اور جناب صلاح الدین صاحب بھی متفق ہیں تو پھر وہ جماعت المسلمین سے کیوں ناراض ہیں؟ جماعت المسلمین سے کیوں الگ ہیں؟ مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ کسی خاص نام (مثلاً حنفی، اہلحدیث، جماعت اسلامی وغیرہ) کسی خاص مسلک (مثلاً حنفی مسلک، اہلحدیث مسلک وغیرہ) مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں (مثلاً جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت وغیرہ میں) تقسیم کرنا تفرقہ پردازی ہے۔ یہ مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ کمزور کرنا ہے تو پھر یہ سب کچھ کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے اور کیوں انہیں برداشت کیا جا رہا ہے، کیوں ان کے خلاف قدم نہیں اٹھایا جاتا! سیدھی سی بات ہے کہ سب کے نزدیک برا بننا کوئی نہیں چاہتا۔ خود مودودی صاحب نے پارٹی بنائی اور اپنے حنفی ہونے کا اقرار کیا۔ کیا یہ قول و فعل کا تضاد نہیں ہے۔ امید ہے کہ جناب صلاح الدین صاحب تو اپنی حد تک اس تضاد کو ختم کریں گے۔

رشتہ داریاں، دوستیاں اور ذاتی مفادات یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان حق

کو قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :۔

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (العنکبوت ۔ ۲۵)

اور (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے یہ بھی) کہا : تم جو اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو تو صرف دنیاوی زندگی میں آپس کی محبت (و میل ملاپ) کے لئے۔

یہی آجکل ہو رہا ہے۔ کون رشتہ داروں اور دوستوں کی مخالفت مول لے، کون خود کو مصیبت میں ڈالے، کون سب کا دشمن بنے اور نقصان اٹھائے۔ کیوں نہ مرنجان مرنج بنے اور سب کی دوستی اور محبت سے فائدہ اٹھائے۔

سید مودودی صاحب کی تحریر کی روشنی میں صلاح الدین صاحب بتائیں : کیا "الجماعۃ" کا نقصان کرنے والے "الجماعۃ" کے وفادار ہو سکتے ہیں ؟ کیا "الجماعۃ" سے غداری یا بے وفائی کرنے والے "الجماعۃ" میں شامل ہو سکتے ہیں۔ صلاح الدین صاحب غالباً یہ جواب دیں گے کہ یہ ان کی نادانی ہے۔ ان کی نیت "الجماعۃ" کو نقصان پہنچانے کی نہیں ہے۔ صلاح الدین صاحب جب تفرقہ پردازی کا نتیجہ سامنے ہے، اظہر من الشمس ہے تو نیت کے مطابق عمل میں تبدیلی کیوں نہیں آتی۔ مزید برآں نادانی تو آپ کہہ رہے ہیں وہ تو اسے نادانی نہیں سمجھتے۔ آپ نادانی کہہ کر ان کے جرم کو ہلکا کر رہے ہیں۔

اگر دینی فرقے "الجماعۃ" میں شامل ہیں، اسلام سے خارج نہیں ہوئے تو پھر ایک جماعت سے نکل کر کسی دوسری جماعت میں شامل ہونے پر کھلبلی کیوں مچ جاتی ہے اور دوسری طرف مسرت و انبساط کے ساتھ کیوں اعلان کیا جاتا ہے کہ آج فلاں شخص نے حنفی مذہب چھوڑ کر اہلحدیث مذہب اختیار کیا یا فلاں شخص نے مسلک اہلحدیث کو چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کیا۔ لطف یہ کہ وہ سب ایک دوسرے کو مسلم ہی سمجھتے ہیں۔ اگر کافر سمجھتے تو ایک دوسرے کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے، ایک دوسرے کو بیٹی کیوں دیتے ؟ کیا کوئی مسلم کسی کافر کو اپنی بیٹی دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ الغرض یہ سب جماعتیں یا فرقے ایک دوسرے کو مسلم سمجھتے ہیں تو پھر رنج یا خوشی کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص پہلے کسی خاص جماعت میں تھا تب بھی وہ مسلم تھا اور بعد میں کسی اور جماعت میں شامل ہو گیا تب بھی مسلم ہی رہا تو نہ خوشی کی ضرورت ہے اور نہ رنج کا موقع ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ ہر دو جماعتوں میں مسلم رہا تو پھر بلا وجہ دوسری جماعت میں کیوں شامل ہوا ؟ ضرور اس کی کوئی خاص وجہ ہے اور وہ ہے حق و ناحق کا امتیاز۔

ان فقہی گروہوں میں شامل کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ جو شخص اس کے مسلک یا مذہب کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ مثلاً کوئی اہلحدیث نہیں کہتا کہ جو شخص ہمارے مسلک کا انکار کرے وہ کافر ہے اور نہ کوئی حنفی یہ کہتا ہے کہ جو شخص ہمارے مسلک کا انکار کرے وہ کافر ہے لیکن یہ سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ جو شخص اسلام کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے مذاہب یا مسالک اسلام نہیں ہیں ورنہ ان کا انکار بھی کفر ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایسے مسلک کو کیوں مانا جائے جس کا انکار کفر نہیں۔ حق کا انکار کفر ہوتا ہے۔ ان کے مسالک کا انکار کفر نہیں تو پھر وہ حق نہیں ہوئے۔ ایسی صورت میں اُس چیز کو کیوں نہ مانا جائے جس کا انکار کفر ہے یعنی صرف اسلام کو کیوں نہ مانا جائے۔ اس طرح سب ایک ہو جائیں گے اور پھر ترقی کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی۔

ان فرقوں کا تو یہ حال ہے کہ آیت کچھ کہے، حدیث کچھ کہے لیکن یہ اپنے مذہب پر اڑے رہتے ہیں۔ کیا یہ ایمان ہے؟ مثلاً قرآن مجید میں ہے:-

(۱) " حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرۃ - ۲۳۳)
یعنی مدت رضاعت پورے دو سال ہے لیکن مذہب میں ہے کہ ڈھائی سال ہے۔

(۲) " وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ " (المدثر - ۴) اپنے کپڑوں کو پاک رکھو لیکن فقہ میں ہے کہ کپڑے پر اگر درہم سے کم نجاست غلیظہ لگی ہوئی ہو تو نماز ہو جائے گی۔

(۳) وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (الاعراف - ۲۰۴) جب قرآن مجید پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو لیکن مذہب میں ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھتے رہو۔ کیا یہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہیں ہے؟

(۴) خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف - ۳۱) ہر نماز کے وقت زینت کی چیزیں پہن لیا کرو لیکن ہوتا یہ ہے کہ زینت کی چیزیں اتار دی جاتی ہیں۔ کیا یہ اسلام ہے؟

(۵) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر - ۵) گندگی سے دور رہو لیکن مذہب یہ ہے کہ اگر دو بڑے مٹکوں کے برابر پانی ہو تو اگر اس میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک رہے گا جب تک اس کا رنگ یا بو یا مزا نہ بدلے۔ کیا اسلام کو ایسی طہارت مطلوب ہے؟

حدیث میں ہے کہ

(۱) جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو عصر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے (صحیح مسلم) ان کے ائمہ ثلاثہ بھی یہی کہتے ہیں (ہدایہ) لیکن مذہب یہ ہے کہ جب سایہ دو مثل ہو جائے تو عصر کی نماز کا

وقت شروع ہوتا ہے۔ کیا مذہب حدیث سے بالاتر ہے؟

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ائمہ عظام سے زبان کی نیت ثابت نہیں (کبیری) پھر بھی زبان سے نیت کرنا مستحسن ہے (ہدایہ) بدعت نہیں۔

اگر "الجماعۃ" کی یہی خصوصیات ہیں تو ایسی "الجماعۃ" سے اللہ کی پناہ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ اسلام کے متوازی، خودساختہ، قرآن مجید کے خلاف اسلام بنانے والے کون لوگ تھے اور کیا اب ان متوازی خودساختہ اسلاموں کو ماننا ہی حق ہے (واضح رہے کہ ائمہ دین نے نہ یہ مذاہب بنائے اور نہ یہ فرقے بنائے۔ یہ بعد کی چیزیں ہیں جو بعد والوں نے ان کی طرف منسوب کر دی ہیں)۔

صلاح الدین صاحب مودودی صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"اس قوم کو اگر کوئی چیز راس آسکتی ہے تو ایک ایسی جمہوری تحریک ہے جو پوری قوم کو ایک انجمن سمجھ کر شروع کی جائے۔" (تکبیر شمارہ ۲۷ ص ۹ کالم ۱ و ۲)

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جمہوریت نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ یہ قطعاً صحیح نہیں۔ اسلام میں شورائیت ہے، جمہوریت نہیں۔ شورائیت میں بھی جمہور شریک نہیں ہوتے بلکہ چند ذی علم اور ذہین اشخاص شریک ہوتے ہیں جن کو خلیفہ منتخب کرتا ہے، جمہور منتخب نہیں کرتے۔ مزید برآں خلیفہ مشورہ تو لیتا ہے لیکن مشورہ کا پابند نہیں ہوتا۔ جمہوریت کا دارومدار اکثریت پر ہے اور اکثریت کا جو حال ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ — لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

(یوسف۔ ۴۰ و الروم۔ ۳۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام۔ ۱۱۶) — اور (اے رسول) اگر آپ نے دنیا میں (بسنے والے انسانوں) کی اکثریت کا کہنا مان لیا تو یہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔

کیونکہ جمہوریت میں مسلم اور کافر کا امتیاز نہیں ہوتا لہٰذا مندرجہ بالا آیات جمہوریت پر پوری طرح منطبق ہوتی ہیں۔ اگر جمہوریت کو صرف مسلمانوں کی حد تک محدود کر دیا جائے تب بھی جمہوریت صحیح نہیں ہوگی۔ ایمان والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ — اور اکثر لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ اللہ پر ایمان

مُّشْرِكُوْنَ ٥ (یوسف - ۱۰۶) . رکھنے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں۔

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ ایمان والوں کی اکثریت شرک کی مرتکب ہوتی ہے تو کیا ایسے لوگوں کی جمہوریت ایسا قانون نہیں بنا سکتی جو شرک یا کفر ہو۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ نے کیا ایسا قانون نہیں بنایا جس نے ایک حرام فعل کو جائز قرار دے دیا۔ موجودہ مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جو شرک کے بہت سے عقائد اور اعمال کو شرک نہیں سمجھتے یا جنہوں نے ایک اسلام کے پانچ اسلام بلکہ اس سے بھی زیادہ اسلام بنا رکھے ہیں۔ صلاح الدین صاحب کے نزدیک سب "الجماعۃ" میں شامل ہیں تو ان لوگوں کی جمہوریت سے جو حکومت بنے گی وہ شرک اور کفر کا معجونِ مرکب ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے بجائے فرقوں کی رضا جوئی کا لحاظ ہوگا۔ موجودہ شریعت ایکٹ سے اس کی بھرپور تائید ہوتی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ "الجماعۃ" مشرکانہ عقائد رکھنے والے، الحاد کی باتیں کرنے والے اور فرقہ وارانہ مذاہب کے ماننے والے لوگوں سے پاک ہوتی ہے۔ صلاح الدین صاحب کی "الجماعۃ" کے علی الرغم ایسی خالص "الجماعۃ" کا احیاء کرنا ہوگا اور اس کے بغیر چارہ نہیں۔ الحمد للہ جماعت المسلمین نے ایسی "الجماعۃ" کا احیاء کر دیا ہے اور وہ آپ اور دنیا کے تمام انسانوں کو دعوت دیتی ہے کہ شرک و کفر سے مبرّا اور فرقہ واریت سے پاک "الجماعۃ" کے ساتھ شریک ہو کر "الجماعۃ" کا ہاتھ بٹائیں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جد و جہد کریں۔

ذیل میں اسلام اور جمہوریت کا ایک موازنہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اسلام کیا ہے اور جمہوریت کیا ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے۔

نمبر	اسلام	جمہوریت
۱	اسلام میں حکومت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔	جمہوریت میں حکومت عوام کی ہوتی ہے۔
۲	اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔	جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔
۳	اسلام میں قانون ساز اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔	جمہوریت میں قانون ساز اسمبلی ہوتی ہے۔
۴	اسلام میں عالم اور جاہل کی رائے ہم وزن نہیں ہوتی۔	جمہوریت میں عالم اور جاہل کی رائے کا وزن برابر ہوتا ہے۔
۵	اسلام میں ایسا نہیں ہوتا کہ ۵۱ جاہلوں کی	جمہوریت میں ۵۱ جاہلوں کی رائے ۴۹ علماء

	رائے ۹ہم علماء کی رائے پر بھاری ہو۔	کی رائے پر بھاری ہوتی ہے۔
۶	اسلام میں خود کو کسی عہدہ کے لئے پیش کرنا جائز نہیں۔	جمہوریت میں عہدہ کے لئے خود کو پیش کرنا جائز ہے۔
۷	اسلام میں افتراق واختلاف کی سخت ممانعت ہے۔	جمہوریت میں سیاسی پارٹیوں کا افتراق واختلاف ناگزیر ہے۔
۸	اسلام میں اپنی مدح اور دوسروں کی برملا تنقیص کی اجازت نہیں۔	جمہوریت میں اپنی مدح کی یا کرائی جاتی ہے اور دوسروں کی علی اعلان برائی کی جاتی ہے۔

صلاح الدین صاحب غالباً یہ کہیں گے ہم اسمبلی کو پابند کردیں گے کہ وہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف کوئی قانون نہ بنائے۔ جی ہاں، آئین کے لحاظ سے تو آپ پابند کردیں گے لیکن کیا عملاً بھی آپ اُسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ آپ لاکھ چیختے رہیں کہ یہ قانون شرک ہے۔ وہ کہیں گے عین اسلام ہے۔ آئین میں یہ شق تو اب بھی موجود ہے لیکن کیا اس پر عمل ہو رہا ہے۔ شریعت ایکٹ ہی کو آپ دیکھ لیجئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رعایت زیادہ ہے یا فرقوں کی۔

صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"مولانا روم، اقبال، شیخ سعدی یا مولانا مودودی نے کسی رسمی اور ادارتی ..... مشاورت کے بغیر جو رائے دی وہ ہزاروں لاکھوں کی انفرادی اور اجتماعی رائے پر بھاری ہے۔" (تکبیر شمارہ نمبر ۵۰ صنہ کالم ۳)

صلاح الدین صاحب آپ کی مندرجہ بالا تحریر جمہوریت کی تردید ہے پھر بھی آپ جمہوریت کے قائل ہیں؟

صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ الجماعت کیا ہے؟ انبیاء کرام کی قائم کردہ جماعتوں کے سلسلہ کی وہ آخری اور اختتامی جماعت ہے جسے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا اور منظم کیا اور جو قیامت تک "مسلم" یا امت مسلمہ کے نام سے شناخت کی جاتی رہے گی۔" (تکبیر شمارہ ۴۷، ص ۹ کالم ۳)۔

صلاح الدین صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جماعت تھی وہ واقعی "الجماعة" تھی، وہ خالص جماعت تھی، اس میں فرقے شامل نہیں تھے لہٰذا آپ اپنی جماعت کو "الجماعة" نہیں کہہ

سکتے۔ پہلے تمام فرقوں اور جماعتوں کو ایک کیجئے پھر اُسے "الجماعۃ" کہیئے۔ جماعت المسلمین یہی کام تو کر رہی ہے اور آپ بھی اسی کے خواہاں ہیں تو پھر اس بُعد کی کیا وجہ ہے؟

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"سیدھی سی بات ہے کہ جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا اور جس زمانۂ نبوت میں حضور اکرم ؐ مسلمانوں سے مخاطب تھے اور آپ کے ارشادات بصورتِ حدیث روایت یا رقم کئے جا رہے تھے اس وقت اللہ اور رسول ؐ کے سامنے ایک ہی جماعت تھی۔ قرآن اور پیغمبر قرآن کا منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی تفرقہ نہ ہو، ان میں کامل وحدت و یکجہتی ہو اور وہ ایک جماعت بن کر رہیں۔" (تکبیر ۴۳ ۲ کالم ۱)۔

صلاح الدین صاحب! جماعت المسلمین، صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق کوشش کر رہی ہے کہ سب ایک جماعت بن کر رہیں، ان میں کامل وحدت و یکجہتی ہو اور آپ بھی غالباً یہی چاہتے ہیں تو پھر آپ کا جماعت المسلمین سے دور رہنا ناقابلِ فہم ہے۔

صلاح الدین صاحب ایسی جماعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق ہو اگر آپ کے علم میں نہیں یا یہ فرض کر لیجئے کہ ایسی جماعت موجود نہیں تو پھر کیا ایسی جماعت کا احیاء ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری ہے تو اس ضرورت کو الحمد للہ جماعت المسلمین نے پورا کر دیا۔

صلاح الدین صاحب آپ نے "الجماعۃ" کے متعلق لکھا ہے کہ یہ جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک "مسلم" یا امتِ مسلمہ کے نام سے شناخت کی جاتی رہے گی۔ صلاح الدین صاحب آپ بچ بچ کر کیوں قلم رکھ رہے ہیں۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں "الجماعۃ" کی شناخت "جماعت المسلمین" کے نام سے ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب العیدین) اور بعد کے زمانوں میں بھی "الجماعۃ" کی شناخت "جماعۃ المسلمین" نام ہی سے ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی (صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے کہ "جماعت کے بغیر اسلام نہیں اور امارت کے بغیر جماعت نہیں۔" (تکبیر شمارہ ۴۳ ۲ کالم ۱)

صلاح الدین صاحب "الجماعۃ" تو بقول آپ کے موجود ہے لیکن اس "الجماعۃ" کا کوئی امیر نہیں تو پھر یہ "الجماعۃ" کیسے ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کردہ مندرجہ بالا قول کے مطابق

تو "الجماعة" موجود نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی واحد امیر نہیں ہے اور جب "الجماعة" نہیں رہی تو حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق اسلام نہیں رہا۔ یہ حضرت عمرؓ کے قول کا منطقی نتیجہ ہے اور کیونکہ آپ نے خود یہ قول پیش کیا ہے لہٰذا آپ یقیناً اس بات کے قائل ہوں گے کہ آجکل اسلام کہیں نہیں۔

حضرت عمرؓ کی طرف جو قول منسوب ہے مضمون زیر غور کے لحاظ سے اس کے پورے الفاظ یہ ہیں :۔

انه لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة (سنن دارمی جزء اوّل ص۷۹)

بغیر جماعت کے اسلام نہیں، بغیر امارت کے جماعت نہیں اور بغیر اطاعت کے امارت نہیں۔

حضرت عمرؓ کے قول کا منشاء صاف ہے۔ صلاح الدین صاحب کی "الجماعة" امیر سے محروم ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ فی زمانہ اسلام ناپید ہے اور جب اسلام ناپید ہے تو پھر مسلم کہاں سے آئیں گے۔ ایسی صورت میں ناگزیر ہے کہ اسلام کو برپا کیا جائے۔ جماعت مع امیر کے قائم کی جائے اور اس امیر کی اطاعت کی جائے۔ الحمد للہ جماعت المسلمین نے اس کام کی ابتداء کر دی ہے۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"ایسی متعدد احادیث اور بھی ہیں، انہیں مربوط کر کے دیکھا جائے تو یہ سب واضح طور پر اسلامی ریاست کے امیر کی اطاعت سے متعلق نظر آتی ہیں کیونکہ اوامر و نواہی کا تعلق ریاست کی قوت نافذہ ہی سے ہو سکتا ہے" (تکبیر ۲۷ ص۱ کالم ۲)

صلاح الدین صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :۔

(۱) اسلامی ریاست کے امیر کی اطاعت ضروری ہے۔ بے حکومت امیر کی اطاعت ضروری نہیں۔

(۲) اوامر اور نواہی کا تعلق ریاست کی قوت نافذہ یعنی حکومت ہی سے ہو سکتا ہے۔

پہلے نتیجہ پر غور کیجئے۔ اس وقت امیر یعنی خلیفہ کوئی نہیں تو پھر صلاح الدین صاحب کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ "الجماعة" موجود نہیں ہے اور جب الجماعة نہیں ہے تو اسلام موجود نہیں ہے۔ کیا صلاح الدین صاحب کو اپنے اصول کی روشنی میں جس کو انہوں نے حضرت عمرؓ کے قول کے حوالہ سے تسلیم کیا ہے یہ نتیجہ تسلیم ہے؟ اگر تسلیم ہے اور تسلیم کرنا پڑیگا تو پھر احیائے اسلام کے لئے ایک خالص توحید پر قائم ہونے والی جماعت کی جس میں کامل وحدت ہو ضرورت ہے یا نہیں؟ یقیناً ضرورت ہے۔ الحمد للہ جماعت المسلمین نے

اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ جماعت المسلمین فرقہ وارانہ مذاہب کو جو اسلام کے متوازی بنالئے گئے تھے دریابرد کرنے اور اسلام کا احیاء کرنے کے سلسلہ میں اپنی پوری قوت سے جد وجہد کر رہی ہے۔

دوسرے نتیجہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آجکل کیونکہ ریاست کی قوت نافذہ موجود نہیں ہے لہذا امر ونہی کا کام جو افراد اور جماعتیں کر رہی ہیں لاحاصل اور لایعنی ہے۔

صلاح الدین صاحب کیا یہ نتائج شدت اور انتہا پسندی کے آئینہ دار ہیں۔ اگر ہیں تو پھر شکایت کیسی۔ یہ تو قرآن مجید اور آپ ہی کی تحریر کا خلاصہ ہیں۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"بیعت عامہ کے ذریعہ خلیفہ کے انتخاب کی روایت اگر چہ خلافت راشدہ سے شروع ہوئی تھی"۔
(تکبیر شمارہ ۲۷ ص ۱۰ کالم ۳)

خلیفہ کے انتخاب کے لئے بیعت عامہ کبھی نہیں ہوئی۔ اسلام میں جمہوریت جیسے شرک کا وجود ہی نہیں تو خلیفہ کے انتخاب کے لئے جمہور سے رائے کیسے لی جاسکتی ہے۔ بیعت انتخاب کے لئے نہیں ہوتی بلکہ خلیفہ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ خلافت راشدہ کے دور میں خلیفہ کے انتخاب کے لئے جمہور سے کبھی رائے طلب نہیں کی گئی بلکہ عموماً نامزدگی پر ہی عمل ہوتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اشارۃً خلیفہ نامزد کر دیا۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو نامزد کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کر دیا، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کو نامزد کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کو نامزد کر دیا البتہ دار الخلافہ کے خاص خاص آدمیوں کو مشورہ میں شامل کر لیا۔ جمہور امت سے کوئی رائے نہیں لی گئی۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے بھی پوری مملکت اسلامیہ کے مسلمین سے کوئی رائے نہیں لی گئی، چند آدمیوں نے نامزد کر دیا۔ حضرت حسنؓ کی خلافت کے لئے بھی جمہور سے رائے نہیں لی گئی۔ حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو نامزد کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے امیر یزیدؒ کو نامزد کر دیا۔ بنو امیہ کے دور میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ الغرض تاریخ اسلام میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں خلیفہ کے انتخاب کے لئے جمہور مسلمین نے رائے دی ہو اور پھر اکثریت کی بنیاد پر خلیفہ بنایا گیا ہو۔

صلاح الدین صاحب نے بلوۂ جمل اور بلوۂ صفین کو جنگیں بنا دیا۔ اگر یہ جنگیں تھیں اور ان میں صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے تو پھر مندرجہ ذیل حدیثوں کی رو سے صحابہ کرامؓ کو کیسے بچایا جاسکتا ہے :۔

(۱) جب دو مسلم تلواریں لے کر لڑنے لگیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں (صحیح بخاری)۔

(۲) مسلم کو برا بھلا کہنا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے (صحیح بخاری وغیرہ)
(۳) میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو (صحیح بخاری وغیرہ)

صلاح الدین صاحب ایک حدیث تحریر فرماتے ہیں :۔

"جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہ ہو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی" (مسلم) (تکبیر شمارہ ۴۷ ، ص۹ کالم ۱)

صلاح الدین صاحب اس بیعت کو ریاست کے امیر کی بیعت قرار دیتے ہیں یعنی ان کے نزدیک جو شخص خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"بیعت کے جس قلادے کا حدیث میں ذکر ملتا ہے وہ سیاسی بیعت ہے" (تکبیر شمارہ ۴۷ ص۱۱ کالم ۲ و ۳)

لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں :۔

"جماعت سے علیحدہ ہونے کی پہلی مثال حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہے جنہوں نے کسی خلیفہ سے بیعت نہ کی" (تکبیر شمارہ ۴۷ ص۱۰ کالم ۱)

مندرجہ بالا عبارت کا منشا یہ ہے خلیفہ کی بیعت بھی ضروری نہیں۔ صلاح الدین صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کے سلسلہ میں کئی باتیں غور طلب ہیں :۔

(۱) یہ کس کتاب میں ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کی بیعت نہیں کی اور اس کی سند کیسی ہے؟

(۲) حضرت ابوبکرؓ تو خلیفہ تھے تو پھر حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ان کی بیعت کیوں نہیں کی؟ کیا حضرت ابوبکرؓ بے حکومت امیر تھے؟

(۳) صلاح الدین صاحب کے نزدیک جاہلیت کی موت وہ مرتا ہے جو باحکومت امیر کی بیعت نہ کرے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی موت کیسی ہوئی؟

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی مثال سے صلاح الدین صاحب کا یہ مؤقف معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کی بیعت نہ کرنے والا بھی جاہلیت کی موت نہیں مرے گا، نہ اس کے ایمان میں کوئی کمی آئے گی۔

(۴) کیا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں "الجماعۃ" نہیں تھی؟ کیا حضرت ابوبکرؓ "الجماعۃ" کے امیر نہیں تھے۔ اگر تھے اور یقیناً تھے تو پھر ان کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامتؓ

جاہلیت کی موت کیوں نہیں مرے؟ کیا ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا قانون بدل جائے گا؟

⑤ صلاح الدین صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باحکومت امیر کے ہاتھ پر بھی اگر بیعت نہ کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں تو پھر یہ حدیث کہ "جس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں وہ جاہلیت کی موت مرے گا" کس قسم کی بیعت نہ کرنے والے سے تعلق رکھتی ہے؟

حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بیعت نہ کرنے کی روایت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے سلسلہ میں خلیفہ اور بے حکومت امیر یکساں ہیں یعنی بیعت کی کوئی اہمیت نہیں۔ حدیث کچھ کہتی ہے، صلاح الدین صاحب کچھ کہتے ہیں۔ کس کی مانیں؟ ہمارا ایمان تو حدیث پر ہے۔ ہم باحکومت امیر اور بے حکومت امیر کی بیعت میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لئے کہ حدیث میں "حکومت" کی شرط نہیں بیان کی گئی۔ بے حکومت امیر کے بغیر باحکومت امیر کا وجود میں آنا تقریباً ناممکن ہے۔

بالفرض محال اگر حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیعت نہیں کی تو کیا جاہلیت کی موت مرنے کا قانون بدل جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ قانون قانون ہی رہے گا۔ بیعت نہ کرنے کے فعل کو صحابی کی غلطی تصور کیا جائے گا۔

صحابی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں بطور مثال کے ذیل میں دو واقعے نقل کئے جا رہے ہیں :-

پہلا واقعہ ایک بدری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فیصلہ کے متعلق کہا: "کیوں نہ ہو آخر تو وہ آپ کے پھوپی زاد بھائی ہیں" یعنی پھوپی زاد بھائی ہونے کی وجہ سے آپ نے میرا حق ان کو دے دیا۔ یہ ان بدری صحابی کی غلطی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ناانصافی کو منسوب کر دیا۔ کیا وہ صحابی حق پر تھے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ انہوں نے بڑی سخت گستاخی کی۔ انہوں نے ایمان کے منافی کام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے ان بدری صحابی سے کچھ نہیں کہا لیکن اللہ تعالیٰ خاموش نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرما کر اس صحابی کے ایمان کی نفی کر دی :-

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا	(اے رسول) آپ کے رب کی قسم لوگ اسوقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام اختلافات میں آپ کو حَکَم نہ مان لیں پھر جو کچھ آپ فیصلہ

تَسْلِيمًا ۝ (النسآء ۔ ۶۵)

کریں، اس سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ برضا و رغبت اسے تسلیم کریں۔ (صحیح بخاری)

دوسرا واقعہ بدری صحابی حضرت حاطبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فوجی راز ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کی وجہ تو دریافت کی لیکن اُن سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا نہ عتاب فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ خاموش نہیں رہا۔ سورۂ الممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور حاطبؓ پر سخت خفگی کی گئی بلکہ یہاں تک فرمادیا :۔

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (الممتحنۃ ۔ ۱) تم میں سے جو شخص ایسا کرے وہ صراط مستقیم سے بھٹک گیا۔

پہلے واقعہ میں ایمان کی نفی کردی، دوسرے واقعہ میں صراط مستقیم یعنی اسلام کی نفی کردی۔

الغرض صحابی کی غلطی بھی غلطی ہے۔ اس کو مثال نہیں بنایا جاسکتا۔ اصل اہمیت تو قانونِ الٰہی کی ہے یعنی اصل اہمیت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی ہے۔ عمل تو قانونِ الٰہی پر ہوگا۔ نتیجہ اللہ تعالےٰ کے فرمان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نکالا جائے گا۔

غلطی کوئی بھی کرے غلطی ہے۔ اس غلطی پر اس کو تنبیہ کی جائے گی نہ کہ اس کی غلطی کو راہِ عمل سمجھا جائے گا۔ صلاح الدین صاحب خود بھی اسی اصول کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"کوئی فرد جماعتی زندگی گزار رہا ہو یا انفرادی اپنے اپنے اعمال اور اس کے نتائج کے لحاظ سے آخرت میں اس کی مسؤلیت انفرادی ہے مثلاً بہتان اگر ایک برائی ہے تو اس کا مرتکب مجرم ہی قرار دیا جائے گا خواہ وہ کسی جماعت کے اندر ہو یا اس سے باہر۔" (تکبیر شمارہ نمبر ۵ صفحہ ۱ کالم ۲)

الغرض حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیعت نہ کرنا اگر ثابت ہو جائے تو یہ اُن کی غلطی ہوگی۔ غلطی کرنے کا جواز اس سے نہیں نکالا جائے گا۔

حضرت عبادہ بن ثابتؓ کے بیعت نہ کرنے کا ثبوت تو نہیں ملتا البتہ حضرت سعدؓ کا بیعت نہ کرنا اور حضرت علیؓ کا چھ مہینے تک بیعت نہ کرنا ضرور مشہور ہے لیکن اس کی بھی حقیقت کچھ نہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت سعدؓ اور بیعت

حضرت سعدؓ کا بیعت کرنا یا بیعت نہ کرنا اس سلسلہ میں تاریخ میں دونوں چیزیں ملتی ہیں۔ بیعت نہ کرنا بھی تاریخ میں ملتا ہے اور بیعت کرنا بھی تاریخ میں ملتا ہے۔ دونوں قسم کی روایتیں درج ذیل ہیں :-

I - حضرت سعدؓ کا بیعت نہ کرنا

(۱) سقیفۂ بنو ساعدہ میں حضرت سعدؓ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ نہ جماعت سے نماز پڑھتے تھے اور نہ حضرت ابوبکرؓ سے ان کے انتقال کے وقت تک کبھی ملاقات کی (تاریخ ابن خلدون عربی بقیہ جزء ثانی صفحہ ۶۴، تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ حصہ اول صفحہ ۲۲۱ و تاریخ طبری عربی جلد ۲ صفحہ ۴۵۹ ملخصاً)

(۲) حضرت سعدؓ نے کہا: میں ہرگز بیعت نہیں کروں گا جب تک اپنے نیزے کو تمہارے خون سے نہ رنگ لوں، اپنی تلوار سے وار نہ کروں اور اپنے حواریوں کو لے کر تم سے جنگ نہ کر لوں۔ (طبری عربی جلد ۲ صفحہ ۴۵۹ و طبری اردو جزء ۲ صفحہ ۷۰) (ملخصاً)

(۳) مہاجرین نے حضرت سعدؓ سے کہا: اگر تم نے اطاعت سے ہاتھ کھینچا یا جماعت میں تفرقہ ڈالا تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے (تاریخ طبری عربی جلد ۲ صفحہ ۴۶۰)

یہ تین روایتیں ہیں جن سے ثبوت ملتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیعت نہیں کی لیکن یہ تینوں روایتیں خود پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ پہلی دو روایتوں کا راوی ابو مخنف ہے جو مشہور کذاب ہے۔ یہ ہالک، محترق، شیعہ ہے۔ متروک ہے (لسان المیزان، میزان الاعتدال، ابن عدی، کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم)

تیسری روایت کو عبید اللہ بن سعید روایت کرتا ہے۔ یہ راوی موضوعات روایت کرتا ہے۔ سند کا دوسرا راوی سیف بن عمر ہے۔ یہ بھی موضوعات روایت کرتا ہے۔ امام ابو حاتم اور امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ راوی متروک ہے۔ واقدی کے مثل ہے (یعنی جھوٹا ہے) [تہذیب التہذیب]۔

الغرض تینوں روایتیں جھوٹی ہیں۔

II - حضرت سعدؓ کا بیعت کرنا

(۱) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اے سعدؓ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

کہ قریش اس امر کے والی ہیں۔ حضرت سعدؓ نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ ہم وزراء ہیں اور آپ امراء (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ صفحہ ۲۴۷ بحوالہ مسند احمد)

(۲) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں: عمرؓ نے انصار کو یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو امام بنایا تھا۔ (یہ سنتے ہی تمام) انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ صفحہ ۲۴۷ بحوالہ مسند امام احمد)

ان دونوں روایتوں کی سندیں صحیح ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیعت کر لی تھی۔

حضرت علیؓ اور بیعت

حضرت علیؓ کے سلسلہ میں بھی دونوں قسم کی روایتیں ہیں۔

I۔ حضرت علیؓ کا بیعت نہ کرنا

(۱) بنو ہاشم میں سے کسی نے حضرت فاطمہؓ کی وفات تک حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ {مروج الذہب (تاریخ مسعودی) جزء ۲ صفحہ ۳۰۱}۔ یہ روایت بے سند ہے لہٰذا جھوٹی ہے۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: علیؓ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی (صحیح بخاری۔ ملخصاً)

II۔ حضرت علیؓ کا بیعت کرنا

(۱) حضرت علیؓ نے فرمایا: ابوبکرؓ صاحبِ غار ہیں۔ ہم ان کے شرف کو پہچانتے ہیں۔ ہم ان کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز کے لئے امام بنایا تھا (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ صفحہ ۲۵۰ و جلد ۶ صفحہ ۳۰۲۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں یہ سند جید ہے اور یہی حضرت علیؓ کی شان کے لائق ہے۔ چھ مہینے بعد جو بیعت انہوں نے کی تھی وہ تو بیعت ثانیہ تھی (البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۰۲)

امام ابن کثیر کے مندرجہ بالا بیان کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

(۲) جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی تھی تو اس مجلس میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کو نہیں دیکھا تو انہیں بلوایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا: تم مسلمین میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ، ایسی تو کوئی بات نہیں

ہے۔ پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور بیعت کرلی۔ (البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر عربی جلد ۵ صفحہ ۲۴۹ و جلد ۶ صفحہ ۳۰۲ بحوالہ بیہقی)۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں یہ سند صحیح ہے اور محفوظ ہے (حوالہ مذکور) گویا حضرت علیؓ نے پہلے یا دوسرے ہی دن بیعت کرلی۔ لیکن غالباً اس بیعت کا علم حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اکثر صحابۂ کرام کو نہ ہو سکا لہٰذا چھ مہینے بعد انہوں نے علی الاعلان بیعت کی۔

الغرض صحابۂ کرام میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے بیعت نہ کی ہو فللہ الحمد۔ جن روایتوں میں بیعت نہ کرنے کا ذکر ہے وہ روایتیں یا تو لاعلمی پر مبنی ہیں یا جھوٹی ہیں اور دشمنانِ اسلام کی سازش کی آئینہ دار ہیں۔ یہی نہیں اس قسم کی بے شمار روایتیں ہیں جو دشمنانِ اسلام نے وضع کیں اور وہ تاریخ کی کتابوں میں شامل ہو گئیں لہٰذا تاریخ کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جب تک جانچ پڑتال کے بعد ان کی سندیں صحیح نہ ثابت ہو جائیں۔

تاریخ کی کتابوں میں سچ اور جھوٹ، تاریک اور روشن پہلو دونوں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر سقیفہ بنو ساعدہ میں انتخابی مجلس کے تاریک اور روشن دونوں مناظر درج کئے جا رہے ہیں تاکہ قارئین کرام آئندہ تاریخ کی روایتوں سے دھوکا نہ کھائیں:۔

I - تاریک منظر

(۱) انصار کے ایک خطیب حضرت حبابؓ نے تلوار نکال لی۔ حضرت عمرؓ نے ان پر حملہ کیا۔ حضرت حبابؓ کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ حضرت عمرؓ نے تلوار اٹھالی اور حضرت سعدؓ پر حملہ کیا۔ دوسرے لوگ بھی حضرت سعدؓ پر جھپٹے۔ عہدِ جاہلیت کا منظر دیکھنے میں آیا۔ حضرت سعدؓ کچلتے کچلتے رہ گئے۔ کسی نے کہا: تم نے سعدؓ کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ انہیں قتل کرے، وہ منافق ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان پر تلوار ماری۔ تلوار پتھر سے ٹکرائی، پتھر ٹوٹ گیا (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۴۵۹) (ملخصاً)

(۲) حضرت عمرؓ نے کہا: سعدؓ کو قتل کر دو، اللہ اسے قتل کرے۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت سعدؓ کے سرہانے جا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہیں روند ڈالوں۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم اگر ڈاڑھی کا ایک بال بھی ٹوٹ گیا تو تمہارے منہ میں سامنے کا ایک دانت بھی سلامت نہیں رہے گا (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۴۵۹) (ملخصاً)

(۳) حضرت حبابؓ نے کہا: مہاجرین کو ان شہروں سے نکال دو (تاریخ طبری عربی جلد ۲ صفحہ ۴۵۹) (ملخصاً)۔

کیا یہ روایتیں صحابہ کرام کے کردار کا وہی نقشہ پیش کرتی ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے "رحماء بینھم۔ آپس میں بڑے رحیم ہیں (الفتح - ۲۹) یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا۔ اللہ کی رضا اور اس کا فضل تلاش کرتے رہتے ہیں۔ (الفتح - ۲۹) مثلھم فی التورٰتہ ومثلھم فی الانجیل۔ ان کے اوصاف توریت اور انجیل میں مذکور ہیں (الفتح - ۲۹) والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا واھلھا۔ اللہ نے تقوی کی بات کو ان سے چمٹا دیا ہے اور وہ اس کے حقدار بھی ہیں اور اہل بھی (الفتح - ۲۶) کیا ایسے لوگ دنیا دار، مکار اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ صحابہؓ کرام کو بدنام کر کے منافقین نے نبوت پر بالواسطہ چوٹ کی ہے۔ مندرجہ بالا تینوں روایتیں جھوٹی ہیں۔ پہلی روایت سیف بن عمر نے گھڑی اور باقی دو روایتیں ابو مخنف کی وضع کردہ ہیں۔

II۔ سقیفہ بنو ساعدہ کا روشن منظر

(۱) انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اے انصار، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں تو تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھے۔ انصار نے کہا: ہم اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں کہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھیں (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۶ و صفحہ ۲۴۷ بحوالہ مسند امام احمد والنسائیؒ) (ملخصاً)

(۲) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: پھر میں نے جلدی کی کہ ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑ لوں لیکن ایک انصاری (حضرت بشیر بن سعدؓ) نے مجھ پر سبقت کی اور (مجھ سے پہلے) بیعت کر لی، پھر میں نے بیعت کی پھر لوگوں نے لگاتار بیعت کی (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ صفحہ ۲۴۷ بحوالہ نسائیؒ وابن سعد) (ملخصاً)

(۳) انصار کے خطیب نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے اور اب ہم جیسے ان کے انصار تھے ان کے خلیفہ کے انصار ہیں .... حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی اور تمام مہاجرین اور انصار نے بیعت کی (راوی نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا) (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۶ صفحہ ۳۰۶ بحوالہ بیہقی والحاکم)۔

مندرجہ بالا تینوں روایتیں صحیح ہیں اور کتب احادیث سے ماخوذ ہیں گویا احادیث نے بھی صحابہؓ کرام کے کردار کو شاندار بتایا ہے۔

کتب تواریخ نے دونوں قسم کی روایتیں پیش کر دیں۔ جو روایات صحابہ کرام کے شایانِ شان نہیں تھیں انہیں بھی نقل کر دیا اور جو روایتیں صحابہ کرام کے شایانِ شان تھیں انہیں بھی نقل کر دیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ سوائے عماد الدین ابن کثیر کے ان میں سے کسی نے محاکمہ نہیں کیا۔ صحیح اور غلط دونوں قسم کی روایتوں کو پیش کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے۔ مزید افسوس اس بات کا ہے کہ صدیوں سے جو روایات مشہور چلی آرہی ہیں وہ روایات ہیں جو جعلی ہیں جن میں صحابہ کرام کی شان کو گھٹایا گیا ہے۔ ہر شخص کی زبان پر الا ماشاء اللہ بس یہی روایات ہیں۔ صحابہ کرام کے شایانِ شان جو روایتیں ہیں اکثریت ان سے ناواقف ہے۔

تاریخ کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ میں سچ اور جھوٹ سب کچھ ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"اگر کوئی ایسی خبر آئے جس میں عقلی استخراج یا فکری استنباط سے کام نہیں لیا گیا جو ہم نے اگلوں سے نقل کی ہے اور جس کو تسلیم کرنے سے قاری ابا کرے یا وہ سامع کو بری لگے .... قاری یا سامع کہے کہ اس میں صداقت نہیں ہے تو جان لو کہ اس میں صداقت تو پہلے ہی نہیں ہے . ... ہم تک جس شکل میں پہنچی ہم نے ویسے ہی نقل کر دیا۔" (طبری عربی جلد اوّل ص۵) (ملخصاً)

تاریخ کی بحث ذرا طویل ہو گئی وجہ اس کی یہ ہے کہ صلاح الدین صاحب نے فرمایا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور ملامت زدہ قرار نہیں دیئے گئے لہذا بیعت لازمی نہیں۔ تاریخ کے سلسلہ کی طویل بحث سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اگر بالفرض محال تاریخ کی کسی کتاب میں ایسا مل بھی جائے جس میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بیعت نہ کرنے کا ذکر ہو تو اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔

الغرض حضرت علیؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کے متعلق کوئی روایت ثابت نہیں کہ انہوں نے بیعت نہیں کی۔ "الجماعۃ" کے امیر کی بیعت لازمی ہے۔ بیعت نہ کرنے والے کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ "الجماعۃ" سے مراد وہ جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت المسلمین کے مشابہ ہو، اس میں کامل وحدت ہو، فرقوں اور

جماعتوں کا مرکب نہ ہو، اس کا نام بھی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور کام بھی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا یعنی اس خالص اور کامل اسلام پر عمل کرنا جو آسمان سے نازل ہوا تھا۔ الحمد للہ جماعت المسلمین ان تمام شرطوں کو پورا کرتی ہے۔

مسعود احمد
۲۸ رجمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ
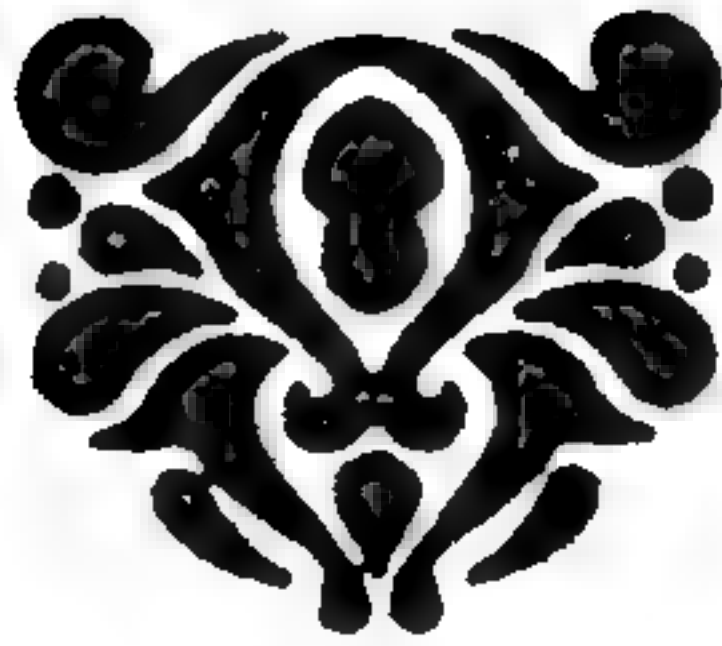
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضمیمہ ①

① مؤخر جریدہ تکبیر شمارہ ۴۷ مؤرخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۹۲ء اور شمارہ ۵۰ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۲ء میں جناب محمد صلاح الدین صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا "اسلامی ریاست میں فرد اور جماعتوں کے باہمی تعلقات"۔ اُن کے مضمون میں چند باتیں ایسی تھیں جو حقائق کے خلاف تھیں ہم نے ایک مضمون (صفحات ۳ تا ۲۴) میں جس کا کچھ حصہ تکبیر کے شمارہ ۶ مورخہ ۱۱ر فروری ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا موصوف سے گزارش کی کہ ان باتوں پر جو حقائق کے خلاف ہیں مزید غور فرما کر متلاشیان حق کی تسلی فرمائیں۔ انہوں نے ہمارے مضمون کا جواب لکھا جو تکبیر کے شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۹۳ء میں بعنوان "مسلمان کون ہے، کون نہیں" شائع ہوا۔ ہم نے جو باتیں اپنے مضمون میں لکھی تھیں بڑے اخلاص اور محبت سے لکھی تھیں، انہوں نے اس کا جواب طنز اور تمسخر کے انداز میں دیا ہے۔ اس کتابچہ میں ہم ان کے مضمون کا تجزیہ پیش کرتے ہیں :-

② جناب صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ طیبہ کے اساس پر جس جماعت کی بنیاد رکھی تھی وہ "الجماعت" ہے" (تکبیر ۷ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۹۳ء ص ۹ کالم ۱)

المسلم | ہمیں اس سے کامل اتفاق ہے۔

صلاح الدین صاحب آگے لکھتے ہیں :-

"اور ان کے بعد آج تک مسلمانوں نے جتنی بھی وقتی اور مقامی جماعتیں بنائی ہیں وہ سب "الجماعت" کا جزو تو ہیں" (حوالہ مذکور)

المسلم | مندرجہ ذیل حدیث کی رُو سے یہ صحیح نہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

یہ امت ۷۳ اجزاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ ۷۲ (اجزاء) دوزخ میں (جائیں گے) اور ایک جنت میں (جائے گا) اور وہ جزء "الجماعت" ہوگا۔ (ابوداؤد۔ سندہ صحیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ۷۲ فرقے امت میں تو شامل ہوں گے یعنی امت کا جزء تو ہونگے

لیکن "الجماعۃ" کا جزء نہیں ہوں گے۔

واضح رہے کہ "جماعت المسلمین" نہ وقتی ہے اور نہ مقامی۔ "جماعت المسلمین" اور "الجماعۃ" میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ایک میں جماعت کا مضاف الیہ مذکور ہے اور دوسری میں محذوف ہے۔ صلاح الدین صاحب بھی جماعت المسلمین اور الجماعۃ کو ایک ہی مانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

(۳) "اب میرا مؤقف تو یہ ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان الجماعت میں یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "جماعت المسلمین" میں شامل ہے (حوالہ مذکور کالم ۲)

المسلم | ہم نے لکھا تھا:-

"جماعت المسلمین کسی کو کافر نہیں کہتی ہاں فعلِ کفر کو کفر ضرور کہتی ہے" (تکبیر ۶ مورخہ ۱۱ر فروری ۱۹۹۳ء ص۸ کالم ۱)

ہمارے اس جملہ پر گفتگو کرتے ہوئے صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:-

"وہ ابتداء میں جس بات کی تردید کر رہے ہیں بتدریج اسی کی تائید و حمایت میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں" (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۹۳ء ص۹ کالم ۱)

المسلم | اس دعویٰ کی تائید و حمایت میں انہوں نے ہمارے مضمون سے چند اقتباسات پیش کئے ہیں:-

پہلا اقتباس | الغرض حدیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ۷۲ اجزائے امت یعنی ۷۲ فرقے "الجماعت" یعنی جماعت المسلمین میں شامل نہیں ہیں، اب جو شخص جو نتیجہ نکالنا چاہے نکال لے (تکبیر شمارہ ۶ مورخہ ۱۱ر فروری ۱۹۹۳ء ص۸ کالم ۲)

المسلم | اس عبارت میں کہیں بھی نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہیں ہے وہ کافر ہے۔ اس عبارت میں حدیث کا مفہوم ہے اور بس۔ نتیجہ صلاح الدین صاحب نے خود نکالا ہے۔

دوسرا اقتباس | مودودی صاحب کے مندرجہ بالا فرمودات سے جماعت المسلمین سو فیصدی متفق ہے اور جناب صلاح الدین صاحب بھی متفق ہیں تو پھر وہ جماعت المسلمین سے کیوں ناراض ہیں؟ جماعت المسلمین سے کیوں الگ ہیں؟ .... مودودی صاحب نے اپنی پارٹی بنائی اور اپنے حنفی ہونے کا اقرار کیا۔ کیا یہ قول و فعل کا تضاد نہیں۔ امید ہے کہ جناب صلاح الدین صاحب تو اپنی حد تک اس تضاد کو ختم کر دیں گے (حوالہ مذکور کالم ۳)

المسلم | مندرجہ بالا عبارت میں بھی یہ نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔

ہماری مندرجہ بالا عبارت میں مودودی صاحب کے جس تضاد کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسلک کی بنیاد پر بنائی جانے والی جماعتوں اور مسلمانوں کی مختلف پارٹیوں کو تفرقہ پردازی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی اصل عبارت درج ذیل ہے :۔

"یہ قوم (مسلمان) تو پہلے ہی سے ایک جمعیت ہے۔ اس جمعیت کے اندر کوئی الگ جمعیت الگ نام سے بنانا اور مسلمان مسلمان کے درمیان کسی وردی یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر گروہ بندیوں اور فرقوں کی مصیبتیں پیدا کرنا یہ دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ یہ تنظیم نہیں تفرقہ پردازی اور گروہ بندی ہے" (تکبیر ۴۲ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء ص۹ کالم ۲)

المسلم | مودودی صاحب کا پہلا تضاد تو یہ ہے کہ وہ کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنے کو تفرقہ پردازی کہتے ہیں پھر بھی وہ اپنے کو حنفی کہتے ہیں۔ دوسرا تضاد یہ ہے کہ وہ مختلف پارٹیوں کو اچھا نہیں سمجھتے، ان کو بھی تفرقہ پردازی کہتے ہیں لیکن پھر بھی انہوں نے ایک پارٹی بنائی جس کو انہوں نے جماعت اسلامی کا نام دیا۔

صلاح الدین صاحب تو مختلف مسلکی جماعتوں اور سیاسی اور فلاحی پارٹیوں کو "الجماعۃ" میں شامل سمجھتے ہیں لیکن مودودی صاحب اس کو تفرقہ پردازی سمجھتے ہیں۔ تفرقہ پردازی قرآن مجید کے الفاظ: "وَلَا تَفَرَّقُوْا" کے لحاظ سے قطعی حرام ہے تو کیا صلاح الدین صاحب بھی اس تفرقہ پردازی کو حرام سمجھتے ہیں۔ صلاح الدین صاحب بتائیے حرام کو جائز کہنے والا کون ہوتا ہے اور کیا حرام کو جائز کہنے والا "الجماعۃ" میں شامل ہو سکتا ہے۔

تیسرا اقتباس | (صلاح الدین صاحب) آپ اپنی جماعت کو "الجماعۃ" نہیں کہہ سکتے۔ پہلے تمام فرقوں اور جماعتوں کو ایک کیجئے پھر اسے "الجماعۃ" کہیئے۔ جماعت المسلمین یہی کام تو کر رہی ہے اور آپ بھی اسی کے خواہاں ہیں تو پھر اس بُعد کی کیا وجہ ہے (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص۹ کالم ۲)

المسلم | مندرجہ بالا اقتباس میں بھی یہ نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔

چوتھا اقتباس | صلاح الدین صاحب، جماعت المسلمین صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق کوشش کر رہی ہے کہ سب ایک جماعت بن کر رہیں، ان میں کامل وحدت دکھائی دے اور آپ بھی

غالباً یہی چاہتے ہیں تو پھر آپ کا جماعت المسلمین سے دور رہنا ناقابل فہم ہے (حوالہ مذکور کالم ۳)

المسلم | اس اقتباس میں بھی کہیں نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔

پانچواں اقتباس | احیائے اسلام کے لئے ایک خالص توحید پر قائم ہونے والی جماعت کی جس میں کامل وحدت ہو ضرورت ہے یا نہیں؟ یقیناً ضرورت ہے۔ الحمد للہ جماعت المسلمین نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ جماعت المسلمین فرقہ وارانہ مذاہب کو جو اسلام کے متوازی بنائے گئے تھے دریا برد کرنے اور اسلام کا احیاء کرنے کے سلسلہ میں اپنی پوری قوت سے جدوجہد کر رہی ہے۔ (حوالہ مذکور کالم ۳)

المسلم | اس اقتباس میں بھی یہ چیز نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔

چھٹا اقتباس | "الجماعۃ" کے امیر کی بیعت لازمی ہے۔ بیعت نہ کرنے والے کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ "الجماعۃ" سے مراد وہ جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت المسلمین کے مشابہ ہو، اس میں کامل وحدت ہو، فرقوں اور جماعتوں کا مرکب نہ ہو، اس کا نام بھی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور کام بھی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا یعنی اس خالص اور کامل اسلام پر عمل کرنا جو آسمان سے نازل ہوا تھا۔ الحمد للہ جماعت المسلمین ان تمام شرائط کو پورا کرتی ہے" (حوالہ مذکور کالم ۳)

المسلم | اس اقتباس میں بھی یہ نہیں ہے کہ جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔

الغرض صلاح الدین صاحب نے ہمارے مضمون سے چھ اقتباس پیش کئے۔ ان میں کسی اقتباس میں وہ یہ پیش نہیں کر سکے کہ جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔ لہٰذا ان کا یہ فرمانا کہ "وہ ابتداء میں جس بات کی تردید کر رہے ہیں بتدریج اسی کی تائید و حمایت میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں" (حوالہ مذکور کالم ۱) کس حد تک صحیح ہے؟ انہوں نے ہم پر جو الزام لگایا تھا اُسے وہ ثابت نہیں کر سکے۔ فللہ الحمد۔

(۴) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:-

> "بعض امراض ایسے ہیں جو معمولات زندگی برقرار نہیں رہنے دیتے اور بعض وہ ہیں جن کی موجودگی سے ان معمولات میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ عقائد اور افکار اور اخلاقی و روحانی امراض کا معاملہ بھی کم و بیش ایسا ہی ہے۔ ان میں بگاڑ کی سطح ہلکی اور اسفل السافلین کے درجہ پر پہنچا دینے والی انتہائی پست بھی ہو سکتی ہے۔

مسعود احمد صاحب کے ہاں ایسی کوئی درجہ بندی نہیں۔ آدمی مسلم ہوگا یا کافر اور مشرک" (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء صفحہ ۱ کالم ۳)

المسلم | ہمارے ہاں بھی ایک لحاظ سے درجہ بندی ہے۔ صلاح الدین صاحب کا بیان صحیح نہیں بلکہ اتہام ہے۔ ہمارے ہاں کفر اور شرک، کبیرہ گناہ اور صغیرہ گناہ تینوں کی درجہ بندی موجود ہے۔ ہم گناہ صغیرہ یا کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں کہتے، مسلم ہی کہتے ہیں لیکن یہ صحیح ہے کہ آدمی یا تو مسلم ہوگا یا اگر مسلم نہیں ہوگا تو کافر ہوگا۔ بیچ کا درجہ کونسا ہے کہ نہ مسلم ہو، نہ کافر؟

(۵) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:

"مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کھلم کھلا اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں وہ یقیناً ملحدین کے گروہ میں شامل ہیں لیکن جو اسلام کے کسی جزء کا انکار نہیں کرتے، اس پر پختہ یقین رکھتے ہیں مگر غیر شعوری طور پر بعض غیر اسلامی عقائد و اعمال کی بیماری میں مبتلا ہیں وہ کافر اور مشرک قرار نہیں دئے جا سکتے۔"...
.... مسعود احمد صاحب کے ہاں اس فرق و امتیاز کی گنجائش نظر نہیں آتی"
(حوالہ مذکور کالم ۳)۔

المسلم | یہ بھی اتہام ہے۔ دونوں میں فرق ہے البتہ اگر دوسرا شرک یا کفر کا مرتکب ہو تو یہ فرق بہت کم رہ جائے گا۔

(۶) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"صرف مڑنے تڑنے اور میلا ہو جانے سے نوٹ کی قیمت کم نہیں ہوتی البتہ خستگی کی ایک کیفیت ایسی آجاتی ہے جہاں یہ اپنی قیمت کھو دیتا ہے" (حوالہ مذکور)

المسلم | ہمیں اس سے اتفاق ہے۔ خستگی کی یہ کیفیت جب ہی آئے گی جب کوئی مسلم شرک یا کفر کا مرتکب ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس کا ایمان اپنی قیمت کھو دیگا۔

صلاح الدین صاحب! ہم ایسی مثالوں سے مرعوب نہیں ہوتے اور نہ انہیں دلیل کا درجہ دیتے ہیں۔ ہم دلیل تو صرف آیت یا حدیث کو مانتے ہیں تاہم ہم نے آپ کی عقلی دلیلوں کو تسلیم کر کے ان کا معقول جواب دے دیا ہے۔

(۷) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"اللہ کا رسول تو اس معاملہ میں اتنا محتاط تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے

نفاق کا علم ہونے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑا ہو گیا تا وقتیکہ اللہ نے بذریعہ وحی اسے روک نہ دیا" (حوالہ مذکور)

المسلم صلاح الدین صاحب! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک ہے۔ دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک، یہ ہمدردی اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ عالم ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ مکارم اخلاق کے بہت ہی بلند مقام پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بالآخر گواہی دی:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ (نٓ ۔ ۴)

اور (اے رسول) آپ عظیم (الشان) خلق پر (فائز) ہیں۔

کافروں کے ساتھ بھی آپ کی ہمدردی کا یہی عالم تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ○ (الکھف - ۶)

اگر کافر اس کلام پر ایمان نہیں لاتے تو ہو سکتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے افسوس کرتے کرتے اپنی جان کو ہلاک کر دیں۔

صلاح الدین صاحب، آپ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغالطے تھے۔ یہ احتیاط کس لئے تھی؟ کیا آپ کو شبہ تھا کہ کہیں عبداللہ بن ابی مسلم نہ ہو۔ ہرگز نہیں۔ احتیاطاً آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ اپنے بے پناہ اخلاقِ کریمانہ اور شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمدردی کے جذبہ سے نماز جنازہ پڑھی لیکن بایں اخلاق کریمانہ اور جذبۂ ہمدردی حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ ہم بھی کسی قدر ہمدردی کا جذبہ تو رکھتے ہیں لیکن آیاتِ ربانی اور احادیث نبوی کی روشنی میں اصل حقیقت کو واضح کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ہم صحیح مفہوم کے ساتھ آیاتِ ربانی اور احادیثِ نبوی کو پیش کر دیتے ہیں اور نتیجہ کو احتیاطاً قارئین کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

(۸) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس معاملہ میں قرآن کا حکم اور رسولؐ کا فیصلہ واضح ہو اس میں کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا" (حوالہ مذکور ص۱۱ کالم ۱)

المسلم صلاح الدین صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ اگر کوئی ایسا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لَا یُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ اِلَّا

اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے علاوہ دس

فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ (صحیح بخاری کتاب المحاربین و صحیح مسلم کتاب الحدود) — سے زیادہ کوڑے نہ مارے جائیں۔

فقہ میں ہے :-

والتعزیر اکثرہ تسعۃ وثلثون سَوْطاً (ہدایہ، کتاب الحدود باب فصل فی التعزیر) — تعزیر میں زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے (مارے جاسکتے) ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کتنا واضح ہے پھر بھی اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ ایسا کرنے والے کو کیا کہا جائے؟ کیا یہ تفقہ ہے یا بغاوت؟

(۹) جناب صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں :-

"لیکن جہاں کوئی گنجائش یا اشتباہ موجود ہو وہاں مآخذِ قانون کی منشاء کے مطابق قانون سازی کی جاسکتی ہے" (حوالہ مذکور ص۱۱ کالم ۲)

المسلم | کیا یہ قانون دین میں شامل ہوگا؟ اگر شامل ہوگا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دین کامل نہیں، ناقص ہے۔ دین یقیناً کامل ہے۔ اس میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔ یہ فیصلہ قانون کی شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ ضرورتاً اس کو وقتی فیصلہ تو کہہ سکتے ہیں، قانون نہیں کہہ سکتے۔ قانون وہ ہوتا ہے جس کے خلاف فیصلہ نہ کیا جائے، وقتی فیصلہ کسی وقت بھی رد کیا جاسکتا ہے۔

صلاح الدین صاحب اوپر حدیث میں جس تعزیر کا ذکر تھا اس میں کونسا اشتباہ تھا کہ اس کے خلاف فیصلہ کیا گیا اور اس غلط فیصلہ کو قانون کا درجہ دیا گیا۔ یہ تو دین سازی ہے اور دین سازی شرک ہے۔

(۱۰) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"ان (اماموں) میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے خود کو قرآن و سنّت سے بالاتر سمجھا ہو" (حوالہ مذکور ص۱۱ کالم ۲)

المسلم | یہ صحیح ہے۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن کیا ان کے مقلدین نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے۔ مصروفیت بہت ہے ورنہ بیسیوں مثالیں پیش کرتا۔ اوپر دس کوڑوں کی تعزیر کے سلسلہ میں جو مثال دی گئی ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ کیا اس مثال میں سنّت کو بالاتر سمجھا گیا ہے؟

(۱۱) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" اخلاص موجود ہو تو مجتہد کی غلطی بھی اجر و ثواب کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اس کا پیروکار اپنی کم علمی کے باعث اس کے علم پر اعتماد ہی کو سلامتیٔ فکر کا محفوظ راستہ سمجھتا ہے " (حوالہ مذکور صـ۱۱ کالم ۲)

المسلم | مجتہد کی غلطی بشرطیکہ وہ حاکم ہو (کیونکہ حدیث میں حاکم کا لفظ ہے) یقیناً اجر کا باعث ہے۔ حاکم کا اجتہاد وقتی فیصلہ ہوتا ہے۔ عالم کا اجتہاد دائمی قانون ہوتا ہے۔ عالم تو دین سازی کرتا ہے لہٰذا اجر و ثواب تو کجا اس کے حصہ میں تو کچھ اور ہی آتا ہے۔

(۱۲) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" غلطی واضح ہونے پر رجوع اور اصلاح کی روش اختیار کی جانی چاہیئے " (حوالہ مذکور صـ۱۱ کالم ۳)

المسلم | لیکن کیا ایسا ہوتا ہے ؟

(۱۳) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"مسعود احمد صاحب قرآن اور حدیث دونوں کو یکساں درجہ دیتے ہیں (حوالہ مذکور صـ۱۱ کالم ۳)۔

المسلم | واجب الاتباع اور حجت ہونے کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں، صلاح الدین صاحب بھی اس کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

" اللہ کے رسول کا ثابت شدہ قول یا عمل ہو وہ بھی دین میں حجت اور واجب الاتباع ہے " (حوالہ مذکور صـ۱۱ کالم ۳)

اتباع اور حجیت کے علاوہ قرآن مجید کا مرتبہ ہر لحاظ سے بہت زیادہ بلند ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ بالکل صحیح ہے۔ اس پر اعتراض لغو ہے۔

(۱۴) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" انکارِ حدیث ایک علیحدہ مسئلہ ہے اور اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہے "۔
(حوالہ مذکور صـ۱۱ کالم ۳)۔

المسلم | صلاح الدین صاحب، وہ دائرہ اسلام سے کیوں خارج ہے ؟ اس کا اللہ پر ایمان ہے، توحید کا وہ قائل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ رسول مانتا ہے اور آخری

نبی مانتا ہے۔ قرآن مجید کو منزل من اللہ کتاب مانتا ہے پھر وہ دائرہ اسلام سے خارج کیوں؟ آخر کوئی تو وجہ ہے؟ ایسی ہی کوئی وجہ ہمارے پاس ہوتی ہے جس کی بنیاد پر ہم کسی کے فعل کو شرک یا کفر کہہ دیتے ہیں، کافر پھر بھی نہیں کہتے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول یا فعل کو مانتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ یقیناً صحیح ہے۔ اس پر جو تنقید کرتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے۔

(۱۵) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"آیت تو کسی سے ایک بھی نہ گھڑی جا سکی لیکن موضوع احادیث کا انبار لگ گیا اور ڈھائی سو سال بعد امام بخاری جب صحیح اور غلط روایات کی چھان بین کا عظیم الشان کام کرنے بیٹھے تو ۶ لاکھ احادیث میں سے وہ ۶ ہزار یعنی صرف ایک فی صد پر مطمئن ہو سکے۔" (حوالہ مذکور ص۱۲ کالم ۱)

گھڑی ہوئی آیت کی مثال دیکھنی ہو تو محمود الحسن صاحب کی کتاب "ایضاح الادلہ" المسلم مطبوعہ مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند بماہ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ کا ص۹۷ ملاحظہ فرمائیں جس پر مندرجہ ذیل موضوع آیت ملے گی :-

" فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ "

صلاح الدین صاحب ذرا تلاش کر کے بتائیے یہ آیت قرآن مجید میں کس جگہ ہے۔

ڈھائی سو سال کا شاخسانہ بالکل فرضی ہے۔ امام بخاری نے جو احادیث چھوڑیں وہ اس لئے نہیں چھوڑیں کہ وہ سب ضعیف تھیں۔ نہیں، انہوں نے بہت سی صحیح حدیثوں کو کتاب کی ضخامت کی وجہ سے چھوڑ دیا یا اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ وہ ان کے سخت سندی معیار پر پوری نہیں اترتی تھیں۔ تفصیل کے لئے فتح الباری، تفہیم الاسلام، برہان المسلمین وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۶) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"مسعود احمد صاحب کے پورے لٹریچر میں عقائد و افکار پر زیادہ زور ہے۔ اعمال اور بالخصوص معاملات پر کم۔ میرا شعور ایمان اور تصور آخرت دوسرے پہلو کو

زیادہ اہمیت دینے پر خود کو مجبور پاتا ہے" (حوالہ مذکور صـ۱۲ کالم ۱)

المسلم | یہ الزام ہے۔ صلوٰۃ المسلمین، صوم المسلمین، زکوٰۃ المسلمین، حج المسلمین اور بالخصوص منہاج المسلمین اور تفسیر قرآن عزیز اس الزام کی تردید کے لئے کافی ہیں۔

اگر عقائد پر زیادہ زور ہے تو کوئی قابل اعتراض بات بھی نہیں اس لئے کہ عقائد کی خرابی تو کافر کر دیتی ہے۔ اعمال کی خرابی سے کافر نہیں ہوتا۔ اعمال کی قبولیت کے لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ "وَهُوَ مُؤْمِنٌ" کی شرط ہے یعنی عقیدہ اگر صحیح ہوگا تو اعمال فائدہ دیں گے ورنہ نہیں۔

(۱۷) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری تحریر کے جس اقتباس کی بنیاد پر مسعود احمد صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد کے مؤقف کے حوالے سے ان کی اور اپنی جانب سے تردید فرمائی ہے اس میں" اپنی پسند کی کسی نہ کسی جماعت "کے الفاظ کو" ان کی اپنی جماعت "سے بدل دیا گیا ہے یوں مفہوم کچھ سے کچھ ہو گیا ہے"۔ (حوالہ مذکور صـ۱۲ کالم ۳)

المسلم | ہم یہاں صلاح الدین صاحب کے مضمون کا متعلقہ اقتباس پیش کرتے ہیں۔ اس اقتباس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ مفہوم میں کوئی فرق نہیں آیا۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

"انہی (آیات و احادیث) کی بنیاد پر بعض جماعتوں کے بانی رہنما مسلمانوں کے لئے اپنی پسند کی کسی نہ کسی جماعت سے وابستگی کو فرض عین قرار دیتے ہیں اور وجوب و لزوم کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں تنظیم اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور جماعت المسلمین کے بانی جناب مسعود احمد صاحب سرِفہرست ہیں۔ دوسری جماعتیں بھی جن میں احرار، خاکسار، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت اہلحدیث اور دوسری دینی جماعتیں شامل ہیں اپنے اپنے لٹریچر میں انہی آیات اور احادیث کو اپنے قیام کے جواز میں پیش کرتی ہیں لیکن ان کے ہاں وہ شدت نہیں جو ڈاکٹر اسرار احمد اور جناب مسعود احمد کے موقف میں پائی جاتی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی اگرچہ ایک ہمہ گیر اسلامی انقلابی جماعت کے بانی ہیں لیکن وہ جماعتی زندگی کی ضرورت و اہمیت پر غیر معمولی زور دینے کے باوجود اُسے شرائط ایمان میں شامل نہیں کرتے" (تکبیر

شمارہ ۴۷ مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۹۲ء صفحہ ۹ کالم ۲)

المسلم | اقتباس بالا میں خط کشیدہ عبارت "اپنی پسند کی" سے مراد عوام کی اپنی پسند مراد ہے تو پھر شدت کی شکایت صحیح نہیں اور اگر شدت کی شکایت بجا ہے تو "اپنی پسند کی" سے مراد "ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اپنی پسند کی جماعت" کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

دوسری خط کشیدہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "تنظیم اسلامی" میں شامل ہونا شرط ایمان ہے۔ کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جو شخص "تنظیم اسلامی" میں شامل نہ ہو وہ مؤمن ہے۔ ڈاکٹر صاحب پر جو الزام صلاح الدین صاحب نے لگایا تھا اب اس کا تاویل کے ذریعہ انکار فرما رہے ہیں۔ ہم اپنے مضمون میں ثابت کر چکے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جو شخص تنظیم اسلامی میں شامل نہ ہو وہ کافر نہیں۔

(۱۸) ڈاکٹر صاحب کی جس شدت کا ذکر اوپر گذرا اس شدت میں بقول صلاح الدین صاحب جماعت المسلمین بھی شریک ہے یعنی جماعت المسلمین میں شرکت فرض عین واجب، لازم اور شرطِ ایمان ہے۔ دوسرے لفظوں میں جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔

ہم نے جناب صلاح الدین صاحب سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ہماری کتاب سے ثابت کریں کہ "جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے" وہ ہماری کسی ایسی تحریر کا حوالہ نہیں دے سکے اور تقلید کی بحث چھیڑ بیٹھے اور "التحقیق فی جواب التقلید" سے چند اقتباسات پیش کر کے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ "مقلد" کافر ہے۔ صلاح الدین صاحب "مقلد کافر ہے" اور "جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے"۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ مسئلے ہیں۔ ایک کے ثبوت سے دوسرا ثابت نہیں ہوگا۔ پہلے جملہ کا اثر صرف ان لوگوں پر پڑتا ہے جو تقلید کرتے ہیں۔ دوسرے جملہ کا اثر تمام لوگوں پر پڑتا ہے خواہ وہ تقلید کریں یا تقلید نہ کریں۔

صلاح الدین صاحب ہم نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ ہم فعلِ کفر کو کفر تو ضرور کہتے ہیں لیکن کسی کو کافر نہیں کہتے۔ تقلید کے سلسلہ میں جو اقتباسات صلاح الدین صاحب نے نقل کئے ہیں ان میں بھی یہ نقیبہ ملتا ہے۔ ہم نے تقلید کو کفر تو کہا لیکن مقلد کو کہیں بھی کافر نہیں کہا۔ صلاح الدین صاحب یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ہم نے کافر کہا۔ ہم نے فعلِ تقلید کو کفر کہا۔ صلاح الدین صاحب نے نتیجہ خود نکالا کہ "مقلد کافر ہے"۔ رہی شرک کی بحث تو یہ ایسی کوئی چیز نہیں جو ہماری ایجاد ہو۔ ایمان کے ساتھ شرک تو قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ٥ (یوسف - ۱۰۶)

اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں۔

یعنی صرف کافر ہی مشرک نہیں ہوتے، ایمان والوں کی اکثریت بھی مشرک ہوتی ہے۔
اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے :۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ٥ (الانعام - ۸۳)

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی اُن کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں۔

نوٹ :۔ اس آیت میں ظلم کے معنیٰ شرک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔ (صحیح بخاری)

الغرض مندرجہ بالا آیتوں سے ثابت ہوا کہ اکثر کلمہ گو بھی مشرک ہوتے ہیں۔ اب ان کا کیا حشر ہوگا اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ہم تو قرآن مجید کی روشنی میں بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ شرک بخشا نہیں جائے گا۔

(۱۹) صلاح الدین صاحب التحقیق سے ہمارے مضمون کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہے :۔

"(احکام الٰہی کی) شرح بھی وہی حجت ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملے گی اور جو شرح رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ نہ پہنچے بلکہ خود ساختہ ہو تو وہ شرح اللہ کی شرح کے مقابلہ میں واقع ہوگی اور اسی لئے شرک ہوگی۔ شارع بھی اللہ اور شارح بھی اللہ۔ اگر امام کو آپ شارح سمجھتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے۔"
(تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۹۳ء ص۱۳ کالم ۲)

یہ اقتباس نقل کرنے کے بعد صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"یہاں اللہ اور رسول اور قرآن اور حدیث کے مساوی الحیثیت ہونے کا وہی تصور کارفرما ہے جس کی جانب تمہید میں اشارہ کیا گیا تھا۔" (تکبیر ۷ مؤرخہ ۱۸ر فروری ۱۹۹۳ء ص۱۳ کالم ۲)

المسلم صلاح الدین صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ قصداً لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے ہمیں بدنام کر رہے ہیں۔ ہمارے مندرجہ بالا اقتباس سے یہ نتیجہ نکالنا

کہ :" اللہ اور رسول کی مساوی حیثیت ہے اور قرآن مجید اور حدیث نبوی مساوی الحیثیت ہیں" انصاف کا خون کرنا ہے ۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی حجیت اور اتباع کے لحاظ سے یکساں ہیں نہ کہ ہر لحاظ سے یعنی احکام الٰہی اور احکام رسول واجب الاطاعت ہونے کے لحاظ سے یکساں ہیں ۔

(۲۰) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

" مسعود احمد صاحب نے غضب یہ کیا کہ اپنی جماعت کا نام " جماعت المسلمین" رکھا اور یہ سمجھ لیا کہ اس حدیث میں جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی ان کی قائم کردہ جماعت ہے ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنا نام " محمد" یا " احمد" رکھ لے اور خود کو اصل محمد یا احمد کے متبادل قرار دے ڈالے" (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ار فروری ص۱۳ کالم ۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب نے کیا خوب نتیجہ نکالا ہے اس کی داد تو قارئین کرام ہی دیں گے ۔ کم علم علماء کی طرح یہ پھبتی صلاح الدین کو زیب نہیں دیتی ۔ صلاح الدین صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ہم " جماعت المسلمین" کے علاوہ کوئی اور نام رکھتے ۔ ہم پوچھتے ہیں کیوں رکھتے ؟ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کی جماعت کا نام رکھ چکے تو اس کے بجائے دوسرا نام کیوں رکھیں ۔ ہمارے مخالفین تلملا اٹھے ہیں کہ افسوس یہ سعادت ہمیں نصیب نہیں ہوئی ۔ اب حسد اور تعصب میں کیسے کیسے طنز ہم پر کر رہے ہیں ۔

(۲۱) عجیب وغریب ۔ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

" اللہ کی صفت رحم وکرم کا تو یہ عالم ہے کہ وہ غیر مسلموں کو بھی ایمان اور اعمال صالح پر اجر وانعام کی بشارت دیتا ہے " (حوالہ مذکور ص۱۳ کالم ۲ و ۳)

المسلم | کیا غیر مسلموں کو غیر مشروط بشارت دی گئی ہے یا کوئی شرط بھی رکھی گئی ہے ۔ شرط تو یقیناً ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح کی ۔ کیا اس شرط کو پورا کرنے کے بعد بھی وہ غیر مسلم رہیں گے ۔ اگر نہیں رہیں گے تو پھر وہ مسلم ہوں گے اور مسلم بن کر اللہ کے رحم وکرم کے مستحق ہوں گے ۔ اس سے کس کو انکار ہے ؟

(۲۲) طرفہ تماشا ۔ صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں :۔

"یہاں صرف تین بنیادی باتوں پر جن میں سے دو کا تعلق عقیدے سے اور ایک کا عمل سے ہے (اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان اور نیک عمل) اجر اور بخشش کی نوید دی جا رہی ہے اور آخری نبیؐ کو ماننے کی شرط بھی سرے سے ساقط کر دی گئی ہے۔"
(حوالہ مذکور صہ ۱۳ کالم ۳)

المسلم | لیجئے صلاح الدین صاحب کے نزدیک نجات کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا شرط نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَىٰةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ
(المائدہ ۔ ۶۸)

(اے رسول) کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں (یعنی تم ہدایت پر نہیں) جب تک تم توریت، انجیل اور اس کتاب کو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے قائم نہیں کرو گے۔

اس آیت میں قرآن مجید پر ایمان لانے کو شرط قرار دیا گیا ہے اور قرآن مجید پر کوئی شخص اسی وقت ایمان لا سکتا ہے جب وہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر ایمان لائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكَٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝
(النساء ۔ ۱۵۰ و ۱۵۱)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور بیچ میں ایک راستہ نکالنا چاہتے ہیں یہ لوگ حقیقی کافر ہیں۔ ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ یقیناً کافر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف - ۱۵۸)

اے رسول، کہہ دیجئے اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے ۔

الغرض اس قسم کی متعدد آیتیں ہیں ۔ ایمان والوں کے لئے تو ایک ہی آیت کافی ہے ۔ مزید برآں کوئی عمل صالح نہیں ہوسکتا جب تک سنّت کے مطابق نہ ہو ۔ سنّت کے خلاف جو عمل بھی ہوگا وہ صالح نہیں ہوگا اور سنّت کے مطابق عمل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان لانے کو مستلزم ہے لہٰذا آیت زیر بحث سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی شرط ساقط نہیں ہوتی ۔

(۲۳) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" آخری نبیؐ کو نہ ماننے والوں کے لئے بھی اللہ کی طرف سے محض اپنی ذات پر اور آخرت پر ایمان رکھنے اور نیک عمل کرنے کی بناء پر اجر کی بشارت اور خوف ورنج سے تحفظ کی ضمانت " (تکبیر، مورخہ ۱۸ فروری صـ۱۳ کالم ۳)

المسلم | علمائے کرام کے لئے تبلیغ سے چھٹی کی بشارت صلاح الدین صاحب نے دیدی ہے اب انہیں صلاح الدین صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے ۔

(۲۴) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی سب مسالک ہیں فرقے نہیں ۔ اساسیاتِ دین پر ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ۔ فرقہ کی مثال تو معتزلہ جیسی ہے جنہوں نے قرآن کو مانا تو ضرور مگر اس کے متن کو کلام الٰہی کے بجائے مخلوق کا درجہ دیدیا " (حوالہ مذکور صـ۱۳ کالم ۳) ۔

المسلم | صلاح الدین صاحب یہ مسلک کیا چیز ہے ؟ کیا عہدِ رسالت میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے ؟ مزید برآں یہ بھی بتائیں کہ کلام الٰہی کو غیر مخلوق ماننا کیا ایمانیات میں شامل ہے ۔ اگر ہے تو قرآن مجید یا احادیث میں ایمانیات کی فہرست میں اس عقیدہ کا کہیں ذکر ملتا ہے ۔ اگر ملتا ہے تو بتائیں ۔

نوٹ :۔ مندرجہ بالا سوالات کا یہ مطلب نہیں کہ ہم قرآن مجید کو مخلوق مانتے ہیں۔
صلاح الدین صاحب ذرا یہ تو بتائیے کہ اساسیات دین کون کون سے ہیں جن میں یہ سب متفق ہیں۔ ہمیں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ عقائد میں بھی ان کے تین گروہ ہیں :۔ اشاعرہ، ماتریدیہ اور حنابلہ پھر یہ اساسیاتِ دین میں متفق کیسے ہوئے ؟

(۲۵) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگر مسعود احمد صاحب معلم قرآن و سنّت کا منصب سنبھال کر اپنے پیرو کاروں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا کام انجام دے سکتے ہیں اور ان کے علم پر اعتماد رکھنے والے پیرو کاران سے یہ سمجھ کر استفادہ کر سکتے ہیں کہ کوئی دوسرا ان کی رائے میں ان کا ہمسر یا ہم پلّہ نہیں تو پھر امت مسلمہ کے اندر یہی طرز عمل دوسروں کے لئے ممنوع اور حرام کیوں ہے" (حوالہ مذکور ص۱۴ کالم ۱)

المسلم | مسعود احمد کا کوئی پیرو نہیں، سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں۔
مسعود احمد اپنی کوئی رائے دیتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ کسی کو بھی دینِ الٰہی میں رائے دینے کا اختیار نہیں۔ مسعود احمد مبلغ ہیں، شارع نہیں ہیں۔

(۲۶) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"مسالک کو دریا برد کرنے کا اختیار انہیں کس اتھارٹی نے عطا فرمایا ہے (حوالہ مذکور ص۱۴ کالم ۱)

المسلم | اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان نے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ (صحیح مسلم کتاب الایمان)	جو شخص تم میں سے کوئی بری بات دیکھے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے اُسے بدل دے۔

منکر کی مثال اس سے بڑی اور کیا ہوگی کہ ایک اسلام کے کئی اسلام بنا لئے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ حدیث میں دس کوڑے سے زیادہ کی ممانعت ہے لیکن فقہ میں اجازت ہے۔ کیا اسی کا نام اسلام ہے۔

(۲۷) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"حضرت امیر معاویہؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان

خلافت کے مسئلہ پر نزاع کیوں رہا، تلواریں کیوں نکلیں، خون کیوں بہا۔" (حوالہ مذکور صـ۱۴ کالم ۲)

المسلم | تاریخ کے ان افسانوں میں سے سچائی کی کشید جوئے شیر لانے کے مانند ہے۔ انتظامی امور یا نصبِ خلیفہ پر اختلاف تھا۔ دینی فرقے نہیں بنے تھے۔ اگر بنے ہوتے تو آج حنفی، شافعی کی طرح کوئی معاویائی ہوتا، کوئی حسینی اور کوئی زبیری ہوتا۔ صلاح الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اگر صحیح ہے تو اسے اچھا کون کہتا ہے، جو کچھ ہوا برا ہوا۔ صحابہ کرام کے درمیان تلواریں چلنے کی روایتیں جعلی ہیں۔

(۲۸) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"قرآن و سنت پر حضرت عمر فاروق رضؓ کی بھی پوری نظر تھی اور حضرت علی رضؓ بھی ان سے کم نہیں، کچھ آگے ہی تھے" (حوالہ مذکور صـ۱۴ کالم ۲)

المسلم | مجموعی حیثیت سے علم میں حضرت علی رضؓ کو حضرت عمر رضؓ پر فوقیت دینا صحیح نہیں۔ اس میں شیعیت کی جھلک پائی جاتی ہے۔

(۲۹) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"حضورؐ نے حج کے دوران نماز قصر کی۔ حضرت عثمان رضؓ نے ہمیشہ پوری نماز ادا کی کیونکہ وہ مکہ میں خود کو مسافر نہیں سمجھتے تھے" (حوالہ مذکور صـ۱۴ کالم ۲)

المسلم | اس میں کونسا اختلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مقیم ہوتے تھے تو چار پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان رضؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے کو مقیم کیوں تصور کیا اس کی وجہ انہوں نے بتادی تھی۔ وہ وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں نہیں تھی۔

فہم کے اختلاف سے اجتہادی اختلاف ایک فطری چیز ہے لیکن حق کے واضح ہوجانے کے بعد اپنے اجتہاد پر قائم رہنا بہت بری بات ہے اور ہم اسی کی برائی بیان کرتے ہیں۔ حق مل جانے کے بعد اجتہاد کی غلطی ظاہر ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر آدمی رجوع کر لیتا ہے (جیسا کہ بقول صلاح الدین صاحب حضرت عمر رضؓ نے کیا) تو بہت خوب اور اگر نہیں کرتا تو پھر یہ بہت قبیح فعل ہے۔ امت کا اختلاف اجتہادی نہیں، تقلیدی ہے اور اسی تقلیدی اختلاف نے امت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اب کوئی رجوع نہیں کرتا، جو جس ڈگر پر چلا جا رہا ہے چلا جا رہا ہے۔ اختلاف

اگرچہ فطری چیز ہے لیکن اختلاف پرجم جانا، بحث مباحثہ کرنا، اختلاف کو ہوا دینا اور فرقے بنا لینا قطعاً حرام ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

وَلَا تَخْتَلِفُوْا (صحیح بخاری) اختلاف نہ کیا کرو۔

بہرحال اگر صحابہ کرام میں وقتی اور عارضی اختلاف ہو بھی گیا تو نہ کوئی ابوبکری بنا اور نہ کوئی عمری بنا۔ دین کتاب وسنت ہی میں مرکوز رہا۔

لوگوں کے سامنے حق واضح ہو گیا ہے کہ ایمان والوں کا نام "مسلمین" ہے پھر بھی اڑے ہوئے ہیں کہ اہلحدیث نام درست ہے۔ اسے کیا کہا جائے۔

صلاح الدین صاحب نے صحابہ کے اختلاف کی بعض ایسی مثالیں بھی دی ہیں جو محض انتظامی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو دینی اختلاف کی مثال میں پیش کرنا صحیح نہیں۔

(۳۰) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"حضرت امیر معاویہ رضؓ سے حضرت امام حسنؓ نے بیعت نہیں کی، حضرت امام حسینؓ نے نہیں کی اور نوبت جدال وقتال تک پہنچی" (حوالہ مذکور کالم ۳)

المسلم | صلاح الدین صاحب اس کا ثبوت دیجئے۔

(۳۱) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگر رائے اور مسلک کے واضح اختلافات اور ان میں سے کسی کی حمایت یا مخالفت کے باوجود پورے گروہ صحابہ کا ایمان سلامت رہا تو بعد میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام حنبل کے لئے یا ان کے پیروکاروں کے لئے حرام کیوں ہو گیا۔"

المسلم | صحابہ کا محولہ بالا اختلاف اور حمایت یا مخالفت تنظیمی امور میں تھی۔ اگر دینی امور میں بھی تھی تو عارضی۔ نہ انہوں نے اختلاف کو ہوا دی اور نہ کوئی فرقہ بنایا۔ ائمہ اربعہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ ہم ان میں سے کسی کو برا نہیں کہتے۔ ہم تو ان کو برا کہتے ہیں جنہوں نے اختلافات کو ہوا دی، اپنے یا اپنے کسی بزرگ کے اجتہاد پر جم گئے، پھر اس اجتہاد کے دفاع کے لئے اصول بنائے اور آیت یا حدیث کو اس اصول کی روشنی میں مسترد کر دیا، فرقے بنائے اور فرقوں کی حفاظت کے لئے یہ اصول وضع کیا کہ ان چار کے باہر حق نہیں، مثال کے طور پر دو اصول ملاحظہ فرمایئے :۔

ابوالحسن عبیداللہ کرخی لکھتے ہیں :۔

ان کل خبر یجئی بخلاف قول — بے شک ہر اس حدیث کو جو ہمارے اصحاب

اصحابنا فانه یحمل علی النسخ او علی انه معارض بمثله ثم صار الی دلیل اٰخر او ترجیح فیه بما یحتج اصحابنا من وجوہ الترجیح او یحمل علی التوفیق۔
(اصول کرخی اصل ۲۹)

(یعنی فقہائے حنفیہ) کے خلاف ہوگی نسخ پر محمول کیا جائے گا یا یہ سمجھا جائے گا کہ یہ اُس جیسی کسی دوسری حدیث کے خلاف ہے پھر کوئی اور ایسی دلیل یا وجہ ترجیح ان وجوہ ترجیح میں سے جن کی بنیاد پر ہمارے اصحاب حجت قائم کرتے ہیں لائی جائے گی یا اُسے تطبیق پر محمول کیا جائے گا۔

اس اصول نے مفروضہ پر مفروضہ قائم کرکے کس طرح صحیح حدیث کو تسلیم نہ کرنے کی تربیت دی ہے۔

یہ اصول صرف احادیث ہی تک محدود نہیں بلکہ قرآن مجید کی آیات بیّنات بھی اسی جیسے اصول کے تحت تسلیم نہیں کی جاتیں۔ ابوالحسن کرخی لکھتے ہیں :۔

ان کل آیۃ تخالف قول اصحابنا فانھا تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التاویل من جھۃ التوفیق
(اصول کرخی اصل ۲۸)

بے شک ہر وہ آیت جو ہمارے فقہاء کے قول کے خلاف ہوگی اُسے یا تو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور اولیٰ یہ ہے کہ اُس آیت کو تاویل پر محمول کیا جائے تاکہ توافق ظاہر ہو جائے۔

صلاح الدین صاحب بتائیے کیا یہی وہ اسلام ہے جس کا آپ دفاع کر رہے ہیں۔ ائمہ اربعہ کا تو ہم بھی دفاع کرتے ہیں لیکن ان اصولوں اور ان اصولوں پر بنائے گئے مذہب اور فرقہ بندی کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ ان کو دریا برد کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ صحیح اسلام آئے جو ان اصولوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

(۳۲) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"رسول اللہ ؐ کے زمانہ میں جس جماعت کے لئے "الجماعۃ" اور "جماعت المسلمین" کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی کیا صحابہ کرام رض اختلافِ رائے اور متعدد مواقع پر باہمی نزاع کے باعث اس سے خارج بھی تھے۔" (حوالہ مذکور ص۱۵ کالم ۱)

المسلم | صحابہ کرام اور موجودہ فرقوں کے اختلاف کی نوعیت یکساں نہیں ہے اور یہ ہم پہلے

ثابت کر چکے ہیں لہٰذا اُن کا "الجماعۃ" سے اخراج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم پھر اپنی بات کو دوہراتے ہیں کہ ان میں نہ فرقے تھے، نہ دینی نزاع کبھی ہوا، رہا دنیاوی نزاع تو اس کی حیثیت بھی افسانے سے زیادہ نہیں (تاریخ مطول کا انتظار کیجئے)۔

(۳۳) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"جماعت کے بغیر اسلام نہیں کا مطلب یہ نہیں کہ عقیدۃً کے طور پر اس کی نفی ہو گئی ..

...... یہ نفی اور اثبات کا پیرایہ اظہار نہیں کسی چیز کی اہمیت واضح کرنے کا ایک مؤثر اور دلنشین اسلوب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے صحت کے بغیر زندگی نہیں یہاں زندگی کے لئے صحت کی اہمیت پر زور دینا مقصود ہے" (حوالہ مذکور ص۱۵ کالم ۱)

المسلم صحت کے بغیر زندگی نہیں یہ تو ایک محاورہ ہے لیکن کیا امیر کے بغیر جماعت نہیں یہ بھی ایک محاورہ ہے۔ اگر امیر نہ ہو تو یقیناً جماعت نہیں ہوگی بھیڑ ہوگی۔ صلاح الدین صاحب کی جماعت یقیناً امیر سے محروم ہے لہٰذا اسے "الجماعۃ" کہنا ہی صحیح نہیں۔

(۳۴) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"آغاز صلاح الدین کی "الجماعۃ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ) کے ذکر سے ہوا تھا، وہ اپنے امیر (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے محروم ہے"۔ (حوالہ مذکور ص۱۵ کالم ۳)

المسلم صلاح الدین صاحب نے شکست کا اعتراف کر لیا۔ اس وقت "الجماعۃ" کا امیر کوئی نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر ہیں، اس طرح انہوں نے امیر کی کمی کو پورا کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت اگر جہاد ہو تو کس کی قیادت میں ہوگا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں گے کونسا دستہ کس طرف جائے، کس وقت جائے۔ وہ جماعت جو بغیر امیر کے ایک بھیڑ ہے کس کی اطاعت کرے تاکہ یکجہتی باقی رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امارت کیا وقتی امیر کی ضرورت سے بے نیاز کر سکتی ہے۔

(۳۵) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کی اس وقت ۵۰ آزاد ریاستیں ہیں اور قوت نافذہ انہی کے ہاتھوں میں ہے پھر الجماعۃ معدوم اور اسلام ناپید کیسے ہو گیا" (حوالہ مذکور ص۱۵ کالم ۲)

المسلم | صلاح الدین صاحب کا مطلب یہ ہے کہ یہ ریاستیں "الجماعۃ" ہیں اور ان کے فرمانروا قوت نافذہ کے مالک ہیں یعنی خلیفہ ہیں۔ ایسی "الجماعۃ" اور ایسے خلیفہ ان کو مبارک ہوں۔ جہاں فرمانروا اور انتظامیہ کیمونسٹ ہو، ملحد ہو، اسلام کا مذاق اڑاتی ہو، بیشاب سے پاکیزہ چیزیں لکھتی ہو وہاں "الجماعۃ" کا وجود ہمیں تو تسلیم نہیں۔ کوئی ایک ملک تو بتا دیجئے جہاں کا فرماں روا دل سے اسلام کی ترقی کا خواہشمند ہو، اسلام کا سچا وفادار ہو۔ سیاسی طور پر اسلام کا نام لینے اور سیاسی طور پر عید کی نماز پڑھنے سے اگر کوئی دہریہ خلیفہ بن سکتا ہے تو ایسے خلیفہ کو صلاح الدین صاحب ہی شرعی معنی میں خلیفہ تسلیم کر سکتے ہیں۔

(۳۶) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"مسلمان نہ حکومت کی سطح پر معدوم ہوئے اور نہ اصلاحی اور عوامی سطح پر پھر مسعود احمد صاحب کا اخذ کردہ نتیجہ کیسے تسلیم کیا جائے" (حوالہ مذکور ص۱۵ کالم ۳)

المسلم | حکومت کی سطح پر جو لوگ ہیں وہ اسلام کے وفادار نہیں۔ وہ ہر اسلامی تحریک کو کچلنے والے تو ضرور ہیں اسلام کے خیر خواہ نہیں لہذا حکومت کی سطح پر مسلم یقیناً معدوم ہیں۔ اصلاحی اور عوامی سطح پر اگر کچھ کام ہوا ہے تو خالص اسلام کے لئے شاید ہی کوئی کام ہوا ہو۔ ایسی صورت میں ہمارا نتیجہ بالکل صحیح ہے۔ ہم شرک کو اسلام نہیں کہہ سکتے۔ اگر صلاح الدین صاحب کے نزدیک جلوس اور جلسوں کا نام اسلام ہے تو پھر بے شک عوام میں اسلام موجود ہے۔

(۳۷) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"میرا موقف یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں اولی الامر ہی کی اطاعت کی جائے گی"

(حوالہ مذکور ص۱۵ کالم ۳)

المسلم | بالکل صحیح ہے۔ اگر اسلامی ریاست نہ ہو تو پھر جماعت کے اس امیر کی اطاعت کی جانی چاہئے جو جماعت 'اسلامی ریاست' کو قائم کرنے کے لئے کوشش کر رہی ہو۔ ایسے امیر کی اطاعت کئے بغیر اسلامی ریاست کا قیام ناممکن ہے۔ جس اطاعت کے بغیر اسلامی ریاست قائم نہ ہو سکے بھلا وہ ضروری کیوں نہ ہو گی۔ اولوالامر میں ہر قسم کا امیر شامل ہے۔ حکومت کی قید خود ساختہ ہے۔ صلاح الدین صاحب بھی بے حکومت امیر کی اطاعت کو ضروری سمجھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے "بے حکومت امیر کی اطاعت کی جائے گی" (حوالہ مذکور کالم ۳ سطر ۲۰ اور سطور ۴۳ و ۴۴)

(۳۸) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"اسلامی ریاستیں بھی موجود ہیں اور ان کے امیر بھی" (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۲)

المسلم اسلامی ریاستوں کے امیر سے صلاح الدین صاحب کی مراد ان ریاستوں کے بادشاہ یا صدر ہیں۔ ان میں سے تقریباً سب عقیدتاً نہیں تو عملاً ضرور اسلام سے بیزار ہیں۔ ان کو امیر یا خلیفہ کا لقب دینا اس لقب کی توہین ہے۔ عوام کی اکثریت بدعات، مشرکانہ رسوم، جلسے اور جلوس، اسلام کے متوازی خود ساختہ جعلی اسلام کے متبع ہیں۔ پھر بھی صلاح الدین صاحب کے نزدیک وہ ریاستیں اسلامی ریاستیں ہیں۔ سعودی عرب کے متعلق شاید صلاح الدین صاحب حسن ظن رکھتے ہوں گے لیکن وہ خود جا کر دیکھ لیں کہ وہاں کیسا اسلام ہے۔ ابھی حال ہی میں سودی حکومت کے کفر پر عربی زبان میں ایک کتاب شائع ہوئی۔ بہرحال ان ریاستوں کے جیسے امیر ویسی ہی رعایا۔ گر ہمیں مکتب و ہمی ملا۔ کار طفلاں تمام خواہد شد۔ اصلاحی تحریکوں میں بھی یہ کہیں نہیں ہے کہ اصل اسلام کی طرف آؤ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اصلاحی تحریکیں بھی مصلحت کا شکار ہیں۔ وہ اصل اسلام کی دعوت کے نتائج کا پہلے سے اندازہ لگا کر اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

(۳۹) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"جب ریاست ہی نہیں بلکہ "ریاستیں" موجود ہیں تو ان کی قوت نافذہ بھی موجود ہے"
(حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۱)

صلاح الدین صاحب ایک اور شمارہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اوامر و نواہی کا تعلق ریاست کی قوت نافذہ ہی سے ہو سکتا ہے" (تکبیر ص۴۷ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء کالم ۲)

المسلم ان ریاستوں کی قوت نافذہ جو کچھ کر رہی ہے اور اسلام کی بیخ کنی کے سلسلہ میں جو کچھ ہو رہا ہے صلاح الدین صاحب ہم سے زیادہ ہی واقف ہیں۔ اوامر و نواہی تو کجا جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس فریضہ کی ضد ہے پھر بھی بقول صلاح الدین صاحب یہ اسلامی ریاستیں ہیں اور ان کے سربراہ امیر ہیں۔ صلاح الدین صاحب ہمیں مسلم امیر چاہئے، محض مسلم نام کا امیر نہیں چاہئے۔

(۴۰) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"امر و نہی کا جو کام افراد اور جماعتیں کر رہی ہیں اور تاریخ کے ہر عہد میں مسلسل

کرتی رہی ہیں ان کا مقصد ریاست اور اس کی قوت نافذہ کو تابعِ شریعت کرنا اور قیادت کو بہتر بنانا ہے۔ اس لئے یہ کام لاحاصل اور لایعنی نہیں انتہائی اہم اور قابل قدر ہے" (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۱)

المسلم صلاح الدین صاحب لکھ چکے ہیں کہ اوامر و نواہی کا تعلق ریاست کی قوت نافذہ ہی سے ہوسکتا ہے اور اب یہاں یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ کام جماعتیں اور افراد بھی کررہے ہیں اور قوت نافذہ کو تابع شریعت بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں گویا قوت نافذہ تابع شریعت نہیں اور نہ وہ اوامر و نواہی کے فریضہ کو انجام دے رہی ہے پھر بھی ان جماعتوں اور افراد کا کام لاحاصل نہیں۔ یہی ہمارا کہنا ہے یعنی قوت نافذہ موجود ہو یا نہ ہو جماعتوں کو امر و نہی کے فریضہ کو ادا کرنا چاہیئے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ان کے امیروں کی اطاعت کی جائے خصوصاً ایسی صورت میں کہ قوتِ نافذہ یعنی خلیفہ موجود ہی نہ ہو تو خلافت کے قیام کے لئے کام کرنے والی جماعت کے امیر کی اطاعت اسی طرح لازمی ہوگی جس طرح خلیفہ کی۔ اگر ایسے امیر کی اطاعت نہ کی جائے تو قیام خلافت کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

(۴۱) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"مسعود احمد صاحب جس طرح بیمار مسلمان کو معدوم بنا دیتے ہیں اسی طرح وہ غیر معیاری مسلم ریاستوں کو بھی وجود سے عدم میں پہنچا دیتے ہیں۔ ان کا انداز فکر یہ ہے کہ ہر شے معیار مطلوب کے ساتھ موجود تسلیم کی جائے گی اور معیار کی معمولی پستی کے ساتھ ہی وہ معدوم ہوجائے گی" (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۱)

المسلم صلاح الدین صاحب آپ مثالوں اور عقلی دلائل سے ہمیں لاجواب نہیں کرسکتے۔ بہرحال ہم آپ کے عقلی دلائل کا بھی تجزیہ کرتے ہیں۔ ہر وہ خلیفہ یا امیر جس کی حکومت میں اسلامی قانون نافذ ہو، وہ خود آکر مسجد میں نماز پڑھاتا ہو اگر خلفائے راشدین کے مقابلہ میں پست مقام پر ہو تو ہم اُسے برداشت کرلیں گے اور اس کو خلیفہ ہی مانیں گے، اس کی اطاعت کو لازم سمجھیں گے لیکن جو خلیفہ معیار میں صفر کے مقام سے بھی گر کر منفی مقام پر پہنچ جائے تو پھر اس کے لئے معیار کی پستی کا سوال ہی نہیں ہوگا۔ وہ معیار کے کسی بھی مقام پر ہونا تو کجا وہ تو معیار کی ضد ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی خلیفہ غلطی ہی نہیں کرتا بلکہ غلطی ہی کی حمایت کرتا ہے، دین کے فروغ کے لئے کام نہیں کرتا بلکہ بے دینی پھیلاتا ہے اور دین کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے تو ایسے خلیفہ کو ہم کھُلا

درجہ کا خلیفہ بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اسلام کا دشمن خواہ وہ عقیدتاً ہو یا عملاً خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے کام کفر بواح ہوں اور ہم اُسے خلیفہ تسلیم کریں، ہرگز نہیں۔ اسلامی لحاظ سے اس کے وجود کو کالمعدوم سمجھا جائے گا۔

(۴۲) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"مسعود احمد صاحب کا ارشاد ہے کہ" خلیفہ کے انتخاب کے لئے بیعت عامہ کبھی نہیں ہوئی۔ اسلام میں جمہوریت جیسے شرک کا وجود ہی نہیں"

"سیکولر جمہوریت کے حوالے سے جس میں مقتدر اعلیٰ عوام ہیں ان کی بات درست ہے لیکن وسیع تر اور حقیقی مفہوم میں ہر وہ نظام جمہوری ہو جاتا ہے جہاں براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کی بعثت اور ان کی امارت ملوکیت کے اصول وراثت یا جابرانہ آمریت اور غاصبانہ عسکری قبضے سے ہٹ کر کوئی بھی ایسا طریق انتخاب اختیار کیا جائے جس میں عوام کو اپنے حکمراں کے انتخاب میں شرکت کا موقع مل جائے" (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۲)

المسلم اسلام میں عوام کو اپنا حکمراں خود منتخب کرنے کا حق یا اختیار نہیں ہے اور نہ ایسا کبھی ہوا۔ بیعت خلیفہ منتخب کرنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ منتخب خلیفہ کی اطاعت اور وفاداری کے لئے ہوتی ہے۔

(۴۳) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"حکمرانوں کا انتخاب عوام **یا** ان کے معتمد اہل الرائے کرتے ہیں" (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۲)

المسلم صلاح الدین صاحب نے "یا" لگا کر اپنے اصول کی کمزوری کو تسلیم کر لیا۔ یہ معتمد اہل الرائے مختلف پارٹیوں کے ہوں گے یا ایک مسلم قوم کے۔ اگر مختلف پارٹیوں کے ہوں گے تو خلیفہ کا انتخاب تو نہیں ہو سکے گا البتہ جھگڑا اور فساد ہوگا اور اگر مختلف پارٹیوں کے وجود کو قانوناً تسلیم نہیں کیا جائے گا تو پھر اس کو جمہوریت کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ جمہوریت میں مختلف پارٹیوں کا وجود ممنوع نہیں۔ عوام کو حق انتخاب دینے کے معنی ہی یہ ہیں کہ مختلف پارٹیاں لازماً وجود میں آئیں گی، نتیجۃً انتخاب نہیں ہو سکے گا جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔

مزید برآں یہ معتمد اہل الرائے آئیں گے کہاں سے؟ اگر عوام انہیں منتخب کریں گے تو پھر

وہی جھگڑے کی صورت پیش آئے گی۔ اکثریت کی بنیاد پر عموماً نااہل منتخب ہو جائیں گے۔ انہیں معتمد علیہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ عوام سب متقی ہوں گے، وہ نااہل کو ہرگز منتخب نہیں کریں گے تو یہ خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اہل الرائے نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ یہ صحیح نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً ان کو نامزد کر دیا تھا، اہل الرائے نے اسی نامزدگی کی بنا پر انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: "اے انصار کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں تو تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ ابوبکرؓ سے آگے بڑھے۔ انصار نے کہا: ہم اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ سے آگے بڑھیں" (مسند احمد۔ سندہ صحیح۔ بلوغ الامانی جزء ۲۳ ص۶)

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نامزدگی جسے سب نے قبول کیا۔ اس کے بعد نامزدگی ہی چلتی رہی۔ نہ کبھی خلیفہ کا عوام نے براہ راست انتخاب کیا اور نہ ان کے معتمد علیہ اہل الرائے نے۔ الغرض اسلام میں نامزدگی ہی نامزدگی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

(۴۴) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"انہوں نے (یعنی حضرت عمرؓ نے) فرد کی بجائے افراد کا پینل نامزد کر کے مسلمانوں کو ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار دیا۔" (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۲)

المسلم | صلاح الدین صاحب براہ کرم بتائیں کہ مسلمانوں کو اختیار دینے کا ذکر کس کتاب میں اور کس سند سے ہے؟

(۴۵) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۳)

المسلم | یہ کس کتاب میں ہے اور اس کی سند کیسی ہے؟

(۴۶) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"جنگ کی جگہ بلوہ استعمال کرنے کے باوجود مسعود احمد صاحب کی بیان کردہ ہر حدیث میں "تلوار"، "لڑائی"، "قتل"، "برا بھلا کہنے اور گردن کاٹنے کا ذکر موجود ہے

اور بلوۂ جمل اور بلوۂ صفین میں یہ سب صورتیں موجود ہیں" (حوالہ مذکور صـ۱۶ کالم ۳)

المسلم | یہ ضروری نہیں کہ بلوہ میں صحابہ کرام ان تمام کاموں کے فاعل تھے۔ فاعل تو وہ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضؓ کو شہید کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مصالحت برقرار رہے اور ہم قتل کئے جائیں۔ مار دھاڑ کرنے والے وہی لوگ تھے نہ کہ صحابہ کرام۔

(۴۷) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"صحابہ کرام .... کا اصل محرک ان کا تصور حق و باطل یا قیامِ عدل اور استیصالِ ظلم کی نیت تھا اس لئے ان کی تلواروں پر ان احادیث کا اطلاق نہیں ہوتا جن کا حوالہ مسعود احمد صاحب نے دیا ہے" (حوالہ مذکور صـ۱۶ کالم ۳)

المسلم | اگر واقعی ان کی نیت اچھی تھی تو وہ مل بیٹھ کر مسائل کو حل نہیں کر سکتے تھے۔ کیا مسائل کو حل کرنے کا یہی طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے تلواریں چلیں اور صحابہ قتل ہوں ؟ دونوں استیصالِ ظلم کی نیت سے لڑ رہے تھے یعنی دونوں ایک دوسرے کو ظالم سمجھ رہے تھے ؟ وہ تو دونوں ایک دوسرے کو ظالم سمجھ رہے تھے اور صلاح الدین صاحب ان کی صفائی پیش فرما رہے ہیں۔ جس طرح آپ ان کی نیک نیتی کی بنیاد پر ان کی صفائی پیش کر رہے ہیں ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو نیک نیت کیوں نہیں سمجھا ؟

مثل مشہور ہے" ثبت العرش ثم انقش" پہلے تخت کا وجود تو ثابت کرو پھر نقش و نگار بنانا۔ پہلے یہ تو ثابت کیجئے کہ صحابہ کرام آپس میں لڑتے تھے پھر نیک نیتی کی بنیاد پر ان کی صفائی پیش کیجئے۔ وہ لڑے ہی نہیں لہٰذا نیک نیتی یا بدنیتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا غیر مسلم بھی ان کو نیک نیت سمجھ کر ان کو معذور سمجھے گا اور اگر وہ غیر مسلم منافق ہوگا تو کیونکہ وہ بلاواسطہ تو نبوت پر چوٹ نہیں کر سکتا، صحابہ کے کردار کے ذریعہ بالواسطہ نبوت پر چوٹ کرے گا۔ وہ یہ تاثر دے گا کہ جس کے فیضِ صحبت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے وہ خود کیسا ہوگا۔ آپ تو بھول پن سے کہہ دیتے ہیں کہ وہ نیک نیت تھے کیا دشمن بھی یہی کہے گا۔ افسوس ایسے بھول پن پر !

(۴۸) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"بیعت کے قلادے والی حدیث کا مفہوم بھی وہ نہیں جو مسعود احمد صاحب نے اخذ کیا ہے جیسا کہ سطور بالا میں لکھ چکا ہوں۔ بیعت قبولیتِ قیادت اور اس کی حمایت

کا عملی اظہار ہے یہ براہ راست ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی ہو سکتی ہے، خاموش رہ کر دل کی قبولیت کے ساتھ بھی" (حوالہ مذکور ص۱۶ ص۱۸ بالترتیب کالم ۲ اور ۱)

المسلم | دل کی قبولیت کے ساتھ اگر بیعت ہو سکتی ہے تو پھر اس کو نفیٔ بیعت کیوں کہا جائے؟ صلاح الدین صاحب یہ بتائیے کہ نہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرے، نہ دل سے بیعت کرے بلکہ جب بیعت کے لئے کہا جائے تو یا تو انکار کر دے یا رُوپوش ہو جائے اس کا کیا حشر ہوگا؟ مزید برآں جب دل سے بیعت ہو سکتی ہے تو پھر آپ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے متعلق کیوں لکھا کہ وہ جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

"جماعت سے علیحدہ ہونے کی پہلی مثال حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہے جنہوں نے کسی خلیفہ سے بیعت نہ کی لیکن ان کی روش باغیانہ نہیں تھی" (تکبیر ص۴۲ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء ص۱ کالم ۳)

المسلم | سوال یہ ہے کہ جب حضرت عبادہ بن صامتؓ نے دل سے بیعت کر لی تھی تو وہ جماعت سے علیحدہ کہاں ہوئے اور اگر جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے تو دل سے بیعت کہاں ہوئی؟ وہ تو (اگر روایت صحیح ہو) تو نہ حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، نہ ان کی وفات تک ان سے ملے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بیعت دل سے بھی نہیں تھی تو اب ان کے متعلق کیا کہا جائے؟

نوٹ :۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے صلاح الدین صاحب کی مراد سعد بن عبادہ ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے وہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہی متعلق ہے لیکن وہ روایت جھوٹ ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

(۲۹) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"بیعت کی دوسری ایجابی صورت یہ ہے کہ کسی فاسق و فاجر اور ظالم حکمران سے نجات دلانے کے لئے کوئی بندۂ حق اٹھ کھڑا ہو اور میں اس کی قیادت میں نظامِ باطل کے خلاف جدوجہد میں شرکت کے لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کروں یا دور رہتے ہوئے بھی اس کی تائید و حمایت میں سرگرم ہو جاؤں۔ یوں بیعت عادل حکمران سے اور ظالم حکمران کے خلاف لڑنے والے مردِ حق سے کی جا سکتی ہے۔" (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص۱۸ کالم ۱)

المسلم | جماعت المسلمین کے امیر کے ہاتھ پر بیعت نظامِ باطل کے مٹانے کے لئے ہی کی جاتی ہے تو پھر

یا تو ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیعت کر لیجیے یا دور رہتے ہوئے بھی اس کی تائید و حمایت میں سرگرم ہو جایئے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اس وقت نظام باطل ہے کہاں تو پھر ہم سوائے انا للہ پڑھنے کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

نوٹ :۔ صلاح الدین صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں " فاسق و فاجر اور ظالم" کے بجائے یہ ہونا چاہیے :" کفر بواح کا مرتکب یا تارک الصلوٰۃ"

(۵۰) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت سعدؓ کے بیعت نہ کرنے کا واقعہ بہت تفصیل سے طبقات ابن سعد جلد سوم ص ۶۱۵ تا ص ۶۱۷ ، ابن حجر کی الاصابہ جلد دوم ص ۳ (صحیح ص ۳۰ ہے) حافظ ابن عبدالبر کی الاستیعاب جلد دوم صفحہ ۴۰ طبری کی جلد سوم ص ۲۲۳ ، اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲ پر ملاحظہ کیا جائے" (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۱)

المسلم

ابن سعد کی روایت میں محمد بن عمر کذاب ہے ، الاصابہ کی روایت بے سند ہے، طبری کی روایت میں ابو مخنف کذاب رافضی ہے اور البدایہ والنہایہ کی روایت بے سند ہے ۔ حضرت سعدؓ کی بیعت نہ کرنے کا واقعہ کسی کتاب میں بھی تفصیل سے نہیں ہے۔ البدایہ والنہایہ کا حوالہ دینے پر ہمیں سخت تعجب ہے ۔ ابن کثیر نے ابن عبدالبر کے حوالہ سے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کے واقعہ کو بے سند نقل کیا اور پھر مسند امام احمد کے حوالہ سے اس کی تردید کی ۔ ابن کثیر تو تردید کر رہے ہیں اور صلاح الدین صاحب انہیں معترف ثابت کر رہے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کے بیعت نہ کرنے کا واقعہ جھوٹ ہے لہٰذا ان کے جاہلیت کی موت مرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صلاح الدین صاحب کے نزدیک بیعت نہ کرنے کا واقعہ تو صحیح ہے لیکن وہ لکھتے ہیں :۔

"میں ان بدری صحابی کے بارے میں جاہلیت کی موت تسلیم کرنا تو کجا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔" (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۲)

ہم کہتے ہیں حضرت سعدؓ کی ذات بیعت نہ کرنے کے الزام سے پاک ہے لہٰذا وہ جاہلیت کی موت سے مبرا ہیں ۔ صلاح الدین صاحب کہتے ہیں الزام تو صحیح ہے لیکن وہ جاہلیت کی موت سے پھر بھی مبرا ہیں ۔ معلوم نہیں کیوں ؟

(۵۱) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"مسعود احمد صاحب تو صحابیوں کی غلطی گنوا رہے ہیں میں نبیؐ کے سہو اور بذریعہ وحی اس کے ازالہ کا ذکر کر چکا ہوں" (حوالہ مذکور ص۱ کالم ۲)

المسلم صلاح الدین صاحب کے نزدیک "سہو" بھی غلطی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا ڈاکٹر عثمانی نے کہا تھا: صحابی عمرو بن العاص کے بحران پر حیرت کی کوئی بات نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو بحران ہوا تھا (ملخصاً) نعوذ باللہ من ذٰلک۔ الغرض صلاح الدین صاحب نے تسلیم کر لیا کہ صحابی غلطی کر سکتا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا اس کی غلطی کو نمونہ بنایا جا سکتا ہے؟

(۵۲) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

"قرآن حکیم کے حوالے سے جن دو صحابیوں کی غلطی کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں سے ایک بشر نامی یہودی منافق تھا" (حوالہ مذکور کالم ۲)

المسلم صلاح الدین صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ اپنی اس تحقیقات کا حوالہ دیں اور سند بیان کریں۔

(۵۳) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

"تاریخ میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا کہ حضرت حاطبؓ کو منافق یا کافر قرار دے کر صحابہ کی صف سے نکال دیا گیا ہو" (حوالہ مذکور ص۱ کالم ۲)

المسلم مشکل یہ ہے کہ صلاح الدین صاحب نے غالباً صرف تاریخ کا مطالعہ کیا قرآن مجید اور حدیث شریف کا انہیں علم نہیں۔ سب سے پہلے تو حضرت حاطبؓ کے غلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ "حاطب ضرور دوزخ میں داخل ہوگا" (صحیح مسلم) حضرت عمرؓ نے کہا: "اے اللہ کے رسول، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵۴) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

"حضرت حاطبؓ کا بیان سن لینے کے بعد حضورؐ نے انہیں معاف فرما دیا تھا اور وہ حالت ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے" (حوالہ مذکور ص۱ کالم ۲)

المسلم ہم بھی اسی کے قائل ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں معاف نہ فرماتے تو کیا وہ بحالت ایمان دنیا سے رخصت ہوتے۔ نہ شرفِ صحابیت کام آتا اور نہ شرفِ خدمت۔ یہی چیز ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے حضرت حاطبؓ اور دوسرے

مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا :-

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (الممتحنة - ۱)

اور (اے ایمان والو) جو شخص تم میں سے ایسا کرے تو وہ راست سے بھٹک گیا۔

وہ تو خیر ہو گئی کہ انہوں نے توبہ کر لی، معافی مانگ لی ورنہ اس آیت کا مصداق ہوتے۔

(۵۵) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"افسوس! مسعود احمد صاحب نے ایک صحابی کو بھی غیر مسلم بنا دیا" (حوالہ مذکور کالم ۳)

المسلم | یہ اتہام ہے۔ حضرت حاطبؓ کو معاف کر دیا گیا اور وہ صحابی ہی رہے۔ دوسرے واقعہ میں جس میں صلاح الدین صاحب نے "بشر نامی یہودی" کا نام لیا ہے (حالانکہ وہ شخص بدری صحابی تھے۔ صحیح بخاری) ہم حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی توبہ کر لی ہو گی۔ اگر وہ توبہ نہ کرتے تو کیا وہ پھر بھی مسلم رہتے۔ ایسا عقیدہ آیاتِ قرآنیہ کے خلاف ہے۔

(۵۶) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"اب حضرت سعد بن عبادہؓ کا معاملہ تو چھوڑیئے" (حوالہ مذکور کالم ۳)

المسلم | کیوں چھوڑیئے۔ حضرت ابوبکرؓ جیسے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا (اگر ثابت ہو جائے) تو یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اسے نظر انداز کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے ہی ہم نے اس واقعہ کے پرخچے اڑا دئے اور حضرت سعدؓ کو اس جرم سے بری ثابت کر دیا۔

(۵۷) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی، حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت نہیں کی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ نے یزید سے بیعت نہیں کی، حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے دورِ فتن میں کسی سے بیعت نہیں کی" (حوالہ مذکور ص۱ کالم ۳)

المسلم | صلاح الدین صاحب نے خود ہی "دورِ فتن" کہہ کر بیعت کے نہ کرنے کے عذر کو بیان کر دیا۔ اب ہم کیا لکھیں مگر ہم صلاح الدین صاحب سے اتنا ضرور پوچھتے ہیں کہ اگر دورِ امن ہوتا اور بیعت عامہ ہو گئی ہوتی پھر بھی یہ لوگ بیعت نہ کرتے تو کیا معذور ہوتے؟

حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی۔ صلاح الدین صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس چیز کو مع حوالہ اور صحت سند کے ساتھ بیان کریں حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے قصاص کیوں طلب کر رہے تھے۔ قصاص کی فریاد تو خلیفہ ہی سے کی جاتی ہے۔

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کی بیعت کیوں کرتے کیا حضرت معاویہؓ خلیفہ تھے۔

حضرت امام حسینؓ تو یزید کی بیعت کرنے کے لئے دمشق جا رہے تھے کہ راستے میں شہید کر دیئے گئے (نوٹ :۔ کربلا کوفہ اور دمشق کے درمیان ہے)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ایسے حالات میں کہ دمشق میں کسی خلیفہ کا انتخاب نہیں ہوا تھا اپنی خلافت کا اعلان کر چکے تھے تو بعد میں ہونے والے خلیفہ کی بیعت وہ کیوں کرتے۔ (تفصیلات کے لئے ہماری "تاریخ مطول" کا انتظار کیجئے)۔

صلاح الدین صاحب غلط، جعلی واقعات اور دورِ پرفتن کے الجھے ہوئے حادثات سے اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کی کوشش کوئی مستحسن فعل نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں خلیفہ کی بیعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ کیا آپ اس کی اہمیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں؟

(۵۸) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس دور میں" جماعۃ المسلمین " کا قائد کون تھا؟ جن لوگوں نے اس کی بجائے کسی اور سے بیعت کی اس کے اور اس کے پیرووں کے ایمان کا مسئلہ کیسے طے ہوگا" تکبیر مورخہ ۱۸ فروری سنہ ۱۹۹۳ء صـ۱۷ کالم ۳)

المسلم | " جماعت المسلمین " کا قائد خلیفہ تھا۔ جن لوگوں نے کسی اور کی بیعت کی ان کا مسئلہ اللہ تعالٰے اپنی مشیت کے مطابق طے کرے گا۔

(۵۹) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

" ائمہ اربعہ کے مسلکوں کو چھوڑیئے .... اگر اپنے اختلافات اور قرآن و سنت کی موجودگی میں نزاعات کے باوجود وہ سب حق پر تھے، " الجماعۃ " سے وابستہ تھے اور ان کی اجتماعی شناخت " جماعۃ المسلمین " کے نام سے ہوتی تھی تو آج بھی متحارب اور متصادم مسلمانوں کو الجماعۃ میں شامل سمجھئے " (تکبیر ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء صـ۱۷ کالم ۲)

المسلم | ان کا اختلاف دینی اختلاف نہیں تھا۔ وہ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ کا مصداق

نہیں تھے۔ ان کا اختلاف صرف انتظامی امور میں تھا۔ برخلاف اس کے ائمہ اربعہ کی طرف منسوب کردہ مسلکوں کا اختلاف دینی اختلاف ہے۔ کسی کے ہاں کوئی چیز فرض ہے تو دوسرے کے ہاں وہی چیز حرام ہے۔ کسی کے ہاں کوئی فعل سنت ہے، دوسرے کے ہاں سنت نہیں ہے۔ موجودہ زمانے کے لوگ " اَقِیْمُوا الدِّیْنَ " پر عمل نہیں کرتے بلکہ "وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" کا مصداق ہیں۔ حدیث کی رُو سے فرقے الجماعۃ میں شامل نہیں ہوتے۔ ہمارا ایمان حدیث پر ہے۔

(۶۰) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

" مرض کو دور کرنے کی بجائے مریض کو دور نہ کیجئے " (حوالہ مذکور ص۱ کالم ۳)

المسلم | صلاح الدین صاحب ہم آپ کی نصیحت کو خوش آمدید کہتے لیکن کیا کریں آپ کی نصیحت فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم " فَاعْتَزِلْ تِلْكَ فِرَقَ كُلَّهَا " اور دعائے قنوت کے الفاظ " نَخْلَعُ وَ نَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ " کے خلاف ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ مریض کے لئے ہمارے دل میں ہمدردی بھی ہے، دردمندی اور دل سوزی بھی ہے۔

(۶۱) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

" آپ اپنی بیعت اور اپنی جماعت میں شمولیت پر اصرار کو شرائط ایمان بنائے رکھیں گے تو خود ایک فرقہ کے بانی بن کر رہ جائیں گے اور تاریخ کس ستم ظریفی کے ساتھ یہ واقعہ رقم کرے گی کہ تمام مسلکوں اور فرقوں کو دریا برد کر کے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک واحد جماعت بنانے کا عزم لے کر اٹھنے والا اپنے پیچھے مزید ایک فرقہ چھوڑ گیا "

(حوالہ مذکور ص۱ کالم ۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب آپ کی یہ عبارت " اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا " کی مصداق ہے۔ اس عبارت میں بڑی جاذبیت ہے لیکن حقیقت سے معرّیٰ ہے۔

مزید ایک فرقہ چھوڑ گیا۔ کیا یہ حقیقت ہے۔ وہ فرقہ بھی عجیب ہوگا کہ نام اس کا " جماعت المسلمین "، کام اس کا براہ راست قرآن مجید اور حدیث شریف سے ماخوذ ہوگا۔ جماعت المسلمین تو اصل نام ہے اور عہدِ رسالت سے چلا آرہا ہے۔ فرقہ تو علیحدہ امتیازی فرقہ وارانہ نام سے بنتا ہے۔ اس کے نظریات بھی " جماعت المسلمین " سے نکلنے کے بعد ملحدانہ، باغیانہ، مشرکانہ، کافرانہ اور جماعت المسلمین کے نظریات کے خلاف ہوتے ہیں۔ ہمارا فرقہ نہ جماعت المسلمین یا الجماعۃ سے نکلا، نہ اس کے عقائد بدلے اور نہ اس نے اپنا نام بدلا۔ سب کچھ وہی تو پھر وہ فرقہ کیسے ہوگا۔

آپ ہمیں فرقہ کہہ رہے ہیں چلیئے ہم اسے فرقہ ہی مان لیتے ہیں۔ یہ فرقہ سترہ اٹھارہ سال پہلے وجود میں نہیں تھا جیساکہ آپ کو تسلیم ہے لیکن اس فرقے کے وجود کی بہت بڑی ضرورت تھی اس لئے کہ وہ فرقے تو موجود تھے جو "الجماعۃ" سے نکل چکے تھے وہ فرقہ نہیں تھا جو "الجماعۃ" تھا۔ یہ تو عجیب و غریب بات ہوتی کہ ۷۲ فرقے تو ہوتے اور تہتر واں ناجی فرقہ نہ ہوتا۔ گراہ فرقے تو ہوتے، اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ فرقہ نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ فرقے کا احیاء کریں۔ ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ توفیق کے بعد وہ ہمیں اس کا اہل بھی بنائے۔

(۶۲) جن سوالات کے جوابات صلاح الدین صاحب نے نہیں دیئے وہ درج ذیل ہیں:-

۱۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کہاں لکھا ہے کہ جو شخص تنظیم اسلامی میں شامل نہیں وہ کافر ہے۔ صلاح الدین صاحب نے جو جواب دیا ہے وہ دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں۔

۲۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ ہماری کسی کتاب سے ثابت کریں کہ "جو شخص جماعت المسلمین میں نہیں ہے وہ کافر ہے" صلاح الدین صاحب نے تقلید کی بحث چھیڑ دی اور ہمارے سوال کا جواب نہیں دے سکے۔

۳۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ "الجماعۃ" کے علاوہ جو فرقے ہیں وہ کیا ہیں؟ مسلم ہیں یا کچھ اور۔ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔

۴۔ اگر وہ فرقے بھی مسلم ہیں تو پھر وہ "جماعت المسلمین" ہوئے۔ ایسی صورت میں کونسی جماعت المسلمین سے چمٹا جائے اور حدیث "تلزم جماعۃ المسلمین" پر کس طرح عمل ہو۔ اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۵۔ مسلمانوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں گذرا اور نہ اس وقت موجود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا رہا ہو یا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی "الجماعۃ" سے نکلنے کا اقرار کرتا ہو تو پھر بقول صلاح الدین صاحب وہ تمام فرقے "الجماعۃ" کا جزء ہوئے اور مسلم بھی ہوئے تو پھر ان کی جماعت کو "جماعت المسلمین" کیوں نہیں کہا گیا۔ کیوں ان سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا۔ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔

۶۔ اگر وہ مسلم نہیں ہیں جیسا کہ ہمارے مخالفین ہماری پیش کردہ حدیث سے منطقی نتیجہ اخذ کرتے ہیں تو آخر پھر وہ کیا ہیں؟ اس سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔
اگر وہ منطقی نتیجہ غلط ہے تو پھر وہ اُس غلط نتیجہ کو ہماری طرف کیوں منسوب کرتے ہیں۔ نتیجہ غلط خود اخذ کریں اور اُسے ہماری طرف منسوب کریں۔ یہ بھی خوب ہے۔ اگر وہ منطقی نتیجہ صحیح ہے تو پھر ہمارا کیا قصور ہے؟

۷۔ ابوداؤد کی ۷۳ فرقے والی حدیث کے حوالہ سے ہم نے لکھا تھا کہ ۷۲ اجزاء الجماعۃ میں شامل نہیں ہوں گے۔ صلاح الدین صاحب نے لکھا کہ تمام اجزاء "الجماعۃ" میں شامل ہوں گے کیونکہ وہ "الجماعۃ" میں شامل ہونے کے تمام شرائط پورے کرتے ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ جبریہ، معتزلہ، قدریہ، خوارج، شیعہ وغیرہ سب "الجماعۃ" کے اجزاء ہیں۔
ہم نے لکھا اگر "الجماعۃ" سے مراد ان کی اہل سنّت والجماعت سے ہے تو جماعت المسلمین کے افراد کہاں جائیں گے؟ کیونکہ وہ تو فرقہ اہل سنّت والجماعت میں شامل نہیں۔ اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۸۔ صلاح الدین صاحب کے نزدیک فقہی اختلافات کی بنیاد پر بننے والے فرقے "الجماعۃ" میں شامل ہیں، سب مسلم ہیں، سب کا دین اسلام ہے۔ ہم نے سوال کیا کہ سب کا دین اسلام ہے تو ایک اسلام کے ۵ اسلام کیسے بن گئے؟ کسی کے ہاں کوئی چیز حلال ہے تو وہی چیز دوسرے کے ہاں حرام ہے۔ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ۔۱۳) یعنی دین کو قائم کرو اور دین میں تفرقہ بازی نہ کرو۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ
حلال و حرام کا فرق تفرقہ بازی ہے یا نہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا۔

۱۰۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ فتووں کے ذریعہ حلال و حرام کرنا دین سازی ہے یا نہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا۔

۱۱۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ دین میں فتووں کو شامل کرنا شرک فی الدین ہے یا نہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۱۲۔ دین میں اضافہ کرنا " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ " (آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا) کے منافی ہے یا نہیں۔ اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۱۳۔ دین میں آمیزش کرنا " اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ " (الزمر۔۳) (خبردار ہو جاؤ، اللہ کا تو خالص دین ہے) کی ضد ہے یا نہیں۔ صلاح الدین صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۱۴۔ صلاح الدین صاحب نے تحریر فرمایا تھا:۔

" اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جن باتوں کو ماننے اور جن کو نہ ماننے پر ایمان کا مدار رکھا ہے ان میں بعد کے کسی امام کا ماننا نہ ماننا شامل نہیں ہے" (تکبیر شمارہ ۵۰ مورخہ ۱۰ ار دسمبر ۱۹۹۲ء صفحہ ۱ کالم ۱)

ہم نے ان کی مندرجہ بالا تحریر کی روشنی میں سوال کیا تھا کہ پھر کیوں نہ بعد کے اماموں کو چھوڑ کر صرف ایک امام مان لیں اور

۱۵۔ ایک جماعت بن کر " وَلَا تَفَرَّقُوْا " پر عمل کریں۔ صلاح الدین صاحب نے ان سوالوں کا جواب نہیں دیا۔

۱۶۔ مودودی صاحب کی تحریر "کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کرنا .... تفرقہ پردازی اور گروہ بندی ہے " کی روشنی میں ہم نے سوال کیا تھا کہ پھر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟

۱۷۔ کیوں انہیں برداشت کیا جا رہا ہے؟

۱۸۔ کیوں ان کے خلاف قدم نہیں اٹھایا جاتا؟

صلاح الدین صاحب نے ان سوالات کا بھی جواب نہیں دیا۔

۱۹۔ مودودی صاحب نے خود ایک پارٹی بنائی اور اپنے حنفی ہونے کا اقرار کیا۔ کیا یہ قول و فعل کا تضاد نہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۲۰۔ مودودی صاحب کی تحریر کی روشنی میں ہم نے سوال کیا تھا کہ " کیا الجماعۃ کا نقصان کرنے والے " (یعنی اس کو کمزور کرنے والے) " الجماعۃ " کے وفادار ہو سکتے ہیں۔؟ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔

۲۱۔ جب تفرقہ پردازی کا نتیجہ اظہر من الشمس ہے تو نیک نیت لوگوں کے عمل میں اُن کی نیت کے مطابق تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔

۲۲۔ ہم نے سوال کیا تھا: ایسے مسلک کو کیوں مانا جائے جس کا انکار کفر نہیں۔ ایسی صورت

میں اس حق کو کیوں نہ مانا جائے جس کا انکار کفر ہے؟ صلاح الدین صاحب نے لکھا ہے کہ "ان کا مسلک بجائے خود دین نہیں ہے، دین تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے، ان کی منزل تو مشترک ہے" (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۱۱ کالم ۲) ہمارا سوال ہے کہ جب منزل مشترک ہے اور وہ منزل دین ہے تو پھر سب ایک ہی بات کیوں نہیں کہتے۔ مختلف باتیں، مختلف فتوے کیوں ہیں۔ حلال و حرام کا فرق کیوں ہے؟

۲۳۔ ہم نے قرآن مجید کی چند آیات اور احادیث نبوی میں سے چند احادیث پیش کر کے سوال کیا تھا کہ جن لوگوں کا مذہب ان آیات یا احادیث کے خلاف ہے تو کیا یہ ایمان ہے۔ صلاح الدین صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔ (یہ آیات اور احادیث ص ۹ و ۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

۲۴۔ صلاح الدین صاحب نے مودودی صاحب کے حوالہ سے لکھا تھا:۔

"اس قوم کو اگر کوئی چیز راس آسکتی ہے تو ایک ایسی جمہوری تحریک ہے جو پوری قوم کو ایک انجمن سمجھ کر شروع کی جائے" (تکبیر شمارہ ۴۷ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء ص ۹ کالم ۲ و ۳)

ہم نے اس اقتباس کی روشنی میں لکھا تھا کہ اسلام میں جمہوریت نام کی کوئی چیز نہیں۔ صلاح الدین صاحب نے جواب دیا کہ "جمہوریت" سے مودودی صاحب کی مراد "نظام جمہوریت" نہیں۔ یہ جواب بھی دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں۔

جمہوریت کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا تھا جناب صلاح الدین صاحب نے اسے اپنے جریدہ میں شائع نہیں کیا۔ ہماری تحریر ص ۱۱ و ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔ تاریخ کی غلط بیانیوں کے متعلق جو کچھ ہم نے لکھا تھا وہ بھی صلاح الدین صاحب نے شائع نہیں کیا۔ ہماری تحریر ص ۱۹ تا ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۶۳) استہزاء اور تمسخر کی مثالیں

اب ہم صلاح الدین صاحب کے مضمون کے وہ اقتباسات پیش کرتے ہیں جن میں انہوں نے استہزاء اور تمسخر کے ذریعہ نفسیاتی اثر ڈال کر قارئین کو اپنے موقف کا موید بنانے کی کوشش کی ہے۔ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

۱۔ "یہاں پھر وہی اصرار ہے کہ جناب مسعود احمد صاحب کی قائم کردہ جماعت المسلمین میں شامل ہوئے اور ان سے بیعت کئے بغیر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی "الجماعۃ" میں شامل نہیں یعنی دائرہ اسلام سے خارج" (تکبیر ۶ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۹۳ء ص ۹ کالم ۳)

۲۔ "اب نبی ؐ کے جانشین ہونے اور اس کی قائم کردہ "الجماعت" کی متبادل جماعت فراہم کر دینے کے تصور کی انتہا مضمون کے افتتاحی پیراگراف میں ملاحظہ فرمائیے" (حوالہ مذکور ص ۹ کالم ۳)

۳۔ "اب جائے رفتن نہ پائے ماندن، جسے مسلمان رہنا ہے وہ فوراً جناب مسعود احمد امیر جماعت المسلمین کی بیعت کرے" (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۱)۔

۴۔ "ان کا اور ان کی جماعت کا وجود بجائے خود حق ہے، باقی سب باطل اور غیر اسلام" (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۱)

۵۔ "مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلی ہوئی مسلم دنیا اور پورے کرۂ ارض پر پھیلے ہوئے مسلمانوں میں سے جو بھی مسعود احمد صاحب کی قائم کردہ جماعت المسلمین میں یا ان کی سند یافتہ اس کی معلوم شاخ میں شامل نہیں وہ مسلمان نہیں" (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۱)

۶۔ "خدانخواستہ تاریخ کے کسی عہد میں" جماعت المسلمین" کے قیام کی توفیق کسی کو میسر نہ آئی ہو تو پھر اس عہد کے تمام مسلمان کفار اور مشرکین ہی میں شمار کئے جائیں گے" (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۱)

۷۔ "وہی واحد جماعت حق ہے۔ "الجماعۃ" کا متبادل اور اس کے مشابہ ہے اور اس کا امیر .... قلم منطقی نتیجہ کے اخذ و اظہار سے اللہ کی پناہ کرتا ہے" (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۱)۔

تنظیمی امور کی سربراہی کے علاوہ اگر اور کوئی مشابہت مراد ہے تو ہمارا قلم بھی اس کے اظہار سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہے۔

کتنا بڑا طنز ہے جس کو صلاح الدین صاحب نے ڈیش لگا کر چھپا دیا ہے۔

۸۔ "مسعود احمد صاحب ائمہ اربعہ کو متوازی اسلام کا بانی اور ان کے مقلدین کو کسی نئے دین کا پیروکار قرار دے کر انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔" (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۲)۔

ہم نے ائمہ کو اس چیز سے پہلے ہی بری الذمہ قرار دیا ہے (تکبیر ۶ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۹۳ء ص ۹ کالم ۳)۔

لہٰذا مذکورہ بالا اقتباس میں تمسخر بھی ہے اور ہماری وضاحت کے باوجود الزام بھی ہے۔

۹۔ "مسعود احمد صاحب قرآن اور حدیث کو دونوں کو یکساں درجہ دیتے ہیں" (حوالہ مذکور ص۱۱ کالم ۳)

اس الزام کا جواب گزر چکا ہے۔ ص پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۔ "مسعود احمد صاحب نے غضب یہ کیا کہ اپنی جماعت کا نام "جماعت المسلمین" رکھا" (حوالہ مذکور ص۱۲ کالم ۲)۔

ہم پوچھتے ہیں کہ پھر کیا "جماعت الکافرین" نام رکھنا چاہیئے تھا۔

۱۱۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنا نام "محمد" یا "احمد" رکھ لے اور خود کو اصل محمد یا احمد کے متبادل قرار دے ڈالے (حوالہ مذکور ص۱۲ کالم ۱)

کتنا بڑا طنز اور تمسخر ہے۔ یہ صلاح الدین صاحب کی قطعی شایان شان نہیں بہرحال اس سے ان کے دلی بغض کا اظہار ہوتا ہے۔ صلاح الدین صاحب ان اوچھے ہتھیاروں سے آپ "جماعت المسلمین" کی ترقی کو روک نہیں سکتے۔ وہ الحمد للہ ترقی کر رہی ہے اور انشاء اللہ ترقی کرتی رہے گی اور انشاء اللہ العزیز آپ کی فرقوں بھری "الجماعۃ" کو توڑتی رہے گی۔ صلاح الدین صاحب کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو نادم ہونا پڑے۔

۱۲۔ "اب وہ (یعنی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب) بھی جب تک اپنی تنظیم کو توڑ کر مسعود احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی "جماعت المسلمین" میں شامل نہ ہوں، ان کا ایمان معتبر نہیں"

۱۳۔ "یہاں مسعود احمد صاحب پھر اپنی "جماعت المسلمین" کو رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ جماعت المسلمین تسلیم کرانے کے لئے قلم کا زور لگاتے دکھائی دیتے ہیں" (حوالہ مذکور ص۱۵ کالم ۱)

کتنا زبردست طنز ہے۔ ہماری جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ جماعت المسلمین کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے لیکن درجہ میں نہیں، صرف نام کے لحاظ سے مشابہ ہے اور کیونکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروی پر مامور ہیں لہٰذا ہم پر ان کی پیروی میں انہی کے طرز و نام کی ایک جماعت بنانی ضروری تھی۔ ہم نے اس فرض کو پورا کر دیا ہے فللہ الحمد۔

لیجئے امیر غائب، اسلام ناپید اور مسلم معدوم، اب مسئلہ ان سب کو زندہ کرنے کا پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی ایک صورت الحمد للہ پیدا ہو گئی ہے۔ امیر مسعود احمد صاحب ہیں

"الجماعۃ" جماعت المسلمین ہے۔ اب رہ گیا سوال مسلمانوں کے کہیں سے آنے کا سو جو بھی امیر کے ہاتھ پر بیعت کرتا اور اس کی جماعت میں شامل ہوتا جائے "مسلم" بنتا جائے گا اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ کا مفہوم اب سمجھ میں آیا۔!" (حوالہ مذکورہ ص۵ کالم ۲)

کتنا بڑا طنز ہے۔ "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد" تو طنز و تمسخر کا شاہکار ہے اور یہ جملہ شیعیت کا بھی غماز ہے۔ کربلاء کے واقعہ کے بعد تو ہمیں کہیں اسلام زندہ ہوتا نظر نہیں آیا۔ جو کیفیت تھی وہ بدستور جاری رہی۔ بقول کسی کے کافروں کا ہی راج رہا۔ ہمارے نزدیک تو یہ جملہ اس طرح ہونا چاہیئے :۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر بدر و حنین کے بعد۔

۱۵۔ "مسعود احمد صاحب کا ایک دلچسپ طریقۂ بحث یہ بھی ہے کہ وہ نام یا عنوان کی تبدیلی کے ذریعہ حقائق کی صورت بدل ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے اپنی جماعت کا نام "جماعت المسلمین" رکھ کر انہوں نے "الجماعۃ" قائم کر دی اور اُسے حضورؐ کی قائم کردہ جماعت کا درجہ دے ڈالا" (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۳)

صلاح الدین صاحب مثال دے کر بھی اپنے نظریہ کو نہیں سمجھا سکے۔ ان کا خط کشیدہ جملہ الزام بھی ہے اور تمسخر بھی۔

۱۶۔ "افسوس! مسعود احمد صاحب نے حضورؐ کے بخشے ہوئے صحابی کو بھی نہ بخشا، اُسے غیر مسلم بنا دیا" (حوالہ مذکور ص۱۶ کالم ۲)۔

اگر صلاح الدین صاحب اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی لیتے تو بجا تھا۔ وہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں جن میں ایمان کی یا صراط مستقیم کی نفی تھی۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ انہوں نے توبہ کر لی وہ بخش دیئے گئے۔ ہم تو شانِ صحابیت کی حفاظت کرتے ہیں لیکن بایں ہمہ شانِ رسالت کو اتنا بلند درجہ دیتے ہیں کہ اگر صحابی بھی اس شان کی ذرا سی بھی تنقیص کرے تو اس کی صحابیت معدوم ہو جائے گی۔ بہر حال صلاح الدین صاحب کا مندرجہ بالا تبصرہ بہت بڑا الزام، بہت بڑا طنز اور نہایت افسوسناک تمسخر ہے۔

ضمیمہ (۲)

ابھی ہمارا یہ کتابچہ طبع کے منازل طے کرنے نہیں پایا تھا کہ صلاح الدین صاحب کا ایک اور مضمون نظر سے گذرا جو تکبیر کے شمارہ ۹ مؤرخہ ۴ مارچ ۱۹۹۳ء کے صفحات ۱۰ تا ۱۲ میں طبع ہوا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے پھر یہی دعویٰ دوہرایا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ ہم بھی اپنا مطالبہ دوہرانے ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ کو صحیح سند سے ثابت کریں۔ اگر ثابت نہ کرسکیں تو اپنی غلطی تسلیم کریں۔

دوسری چیز جس کا ذکر انہوں نے اس مضمون میں کیا ہے وہ ان کی تفسیری غلطی ہے جو انہوں نے اپنے سابق مضمون میں کی تھی یعنی :

> "اللہ کی صفت رحم و کرم کا تو یہ عالم ہے کہ وہ غیر مسلموں کو بھی ایمان اور اعمالِ صالح پر اجر و انعام کی بشارت دے رہا ہے .... آخری نبیؐ کو ماننے کی شرط بھی سرے سے ساقط کر دی گئی ہے" (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص۱۳ کالم ۲ و ۳)

صلاح الدین صاحب نے اپنی غلطی کو تسلیم کرلیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "میں مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر کو درست مانتے ہوئے اپنے سہو کو تسلیم کرتا ہوں" (تکبیر شمارہ ۹ مؤرخہ ۴ مارچ ۱۹۹۳ء ص۱۰ کالم ۳)

تعجب ہے کہ صلاح الدین صاحب کی اصلاح تفسیروں سے ہوئی اگر وہ قرآن مجید کا مطالعہ کرتے یا صحیح بخاری کتاب الایمان یا صحیح مسلم کتاب الایمان کا مطالعہ کرتے تو کسی تفسیر کو دیکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر کا حوالہ بھی خوب ہے جو اپنی تفسیر میں قرآن مجید کی کسی آیت کی تشریح میں شاید ہی کوئی حدیث لائے ہوں۔ وہ اور کتابوں کے مندرجات کے حوالے تو جا بجا دیتے ہیں لیکن اس مضمون کی حدیث کو نقل نہیں کرتے۔ امام بخاری اور صحیح بخاری کی تنقیص میں وہ خاصی مہارت رکھتے ہیں۔

اگر واقعی صلاح الدین صاحب نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہوتا تو ان کو ایسی آیت بھی جس میں نجات کے لئے یوم آخرت اور عمل صالح کی شرط بھی ساقط ہے مل جاتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ   بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ (الاحقاف ۔۱۳) پرجم گئے ان کو نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

اگر ہم کسی ایک آیت کو لے کر بیٹھ جائیں اور اس سے نتائج اخذ کرنے شروع کردیں تو سوائے غلطی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ عالم کو چاہیئے کہ ہر آیت کی تشریح کرتے وقت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر گہری نظر رکھے اور تمام آیات اور احادیث کے مجموعی نتیجہ کو اپنا رہنا بنائے۔

(۱) صلاح الدین صاحب نے اپنے مضمون کے ساتھ کفایت اللہ صاحب کے ایک خط کا بھی کچھ حصہ شائع کیا ہے۔ خط بالکل بچکانہ ہے تاہم اس کا شائع کرنا ثابت کرتا ہے کہ اب صلاح الدین صاحب مخالفت برائے مخالفت پر اتر آئے ہیں اور ہمارے خلاف ہر مضمون کو خواہ وہ معیاری ہو یا نہ ہو اپنے رسالہ میں شائع کر سکتے ہیں۔

(۲) کفایت اللہ صاحب کا قصہ یہ ہے کہ وہ چند سال پہلے عید کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے سیدھے ریلوے اسٹیشن پہنچے اور کراچی آئے۔ بوقت ملاقات ان کو منجملہ اور اشیاء کے پتیلے دہی میں پڑی ہوئی پھلکیاں کھانے کے لئے پیش کی گئیں۔ وہ انہیں انگلیوں سے کھاتے رہے۔ پھلکیاں ہاتھ میں رہ جاتی تھیں اور دہی پیالے میں گرجاتا تھا۔ انہوں نے چمچہ استعمال نہیں کیا۔ دوسری مرتبہ جب وہ ملاقات کو آئے تو پھر کوئی ایسی ہی چیز پیش کی گئی۔ انہوں نے چمچہ پھر استعمال نہیں کیا۔ اسی اثناء میں ان سے سوال کیا گیا: آپ ریل میں آئے یا اونٹ پر۔ کہنے لگے: ریل میں۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً چمچہ اٹھایا اور اس کے ذریعہ کھانے لگے۔

(۳) کفایت اللہ صاحب نے سوال کیا ہے کہ ہم نے " تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ إِمَامَهُمْ " کے کئی ترجمے کئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا ہے؟

تمام ترجموں کا مفہوم ایک ہی ہے لہذا اعتراض لایعنی ہے۔ " هُمْ " کا ترجمہ اگر "اُن" کیا ہے تو عربی متن کے لحاظ سے اور اگر "اُس" کیا ہے تو اردو کے قواعد اور محاورہ کے لحاظ سے اس لئے کہ " هُمْ " کا مرجع " جماعة " اور وہ اردو کے لحاظ سے واحد ہے۔ عربی زبان میں اسم جمع کے لئے عموماً مذکر اور جمع کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:-

وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ (هُوْد ۔ ۹۳) اور اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرو۔

اس جملہ میں " اِعْمَلُوْا " اور " كُمْ " دونوں جمع مذکر کے صیغے ہیں جو " قوم " کے لئے

استعمال ہوئے ہیں۔

مولوی عبدالستار خاں صاحب لکھتے ہیں :- عبارت میں اُن کا استعمال عموماً جمع کی طرح ہوگا:
قَوْمٌ صَالِحُوْنَ (تسہیل الادب فی لسان العرب المعروف بہ عربی کا معلّم جدید حصّہ اول ص۳۱)

الغرض متن کے لفظی ترجمہ کے لحاظ سے "اُن" صحیح ہے اور اردو کے قواعد کے لحاظ سے "اُس" صحیح ہے۔

"تاریخ الاسلام والمسلمین" کے آخر سے حدیث "تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم" ہم نے نہیں نکالی۔ یہ کاپی جوڑنے والے کی غلطی ہے کہ اُس نے دو جگہ "جماعت المسلمین" کی دعوت کی قلم لگادی۔

(۴) کفایت اللہ صاحب پوچھتے ہیں : آپ جماعت المسلمین کا ترجمہ "مسلمین کی جماعت" کیوں نہیں کرتے (ملخصاً۔ تکبیر شمارہ ۹ مورخہ ۴ر مارچ ۱۴۱۳ء ص۱۱ کالم ۲)

اردو میں عربی کے سیکڑوں مرکبات استعمال ہوتے ہیں لہٰذا ترجمہ کرتے وقت مرکب کو توڑنے کی ضرورت نہیں۔ کفایت اللہ صاحب تو اس لئے توڑ رہے ہیں کہ مرکب "جماعت المسلمین" باقی نہ رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اردو میں باقی نہ رہے گا تو عربی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں تو باقی رہے گا اور یہی مطلوب ہے۔ جو الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے تھے آخر ان سے کیا چڑ ہے؟

(۵) کفایت اللہ صاحب پوچھتے ہیں :- آپ سنن ابوداؤد کی کتاب الفتن کی احادیث اس حدیث تلزم جماعۃ المسلمین کی تشریح میں کیوں پیش نہیں کرتے (حوالہ مذکور ص۱۱ کالم ۲)

ان احادیث کی سندوں میں اختلاف ہے۔ راوی کا نام بدلتا رہتا ہے۔ وضاحت کے ساتھ چار زمانوں کا ذکر نہیں ہے۔ متن کے لحاظ سے وہ یکساں نہیں ہیں۔ مزید برآں ان کا متن صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث کے خلاف ہے لہٰذا وہ معلول ہیں اور قابل حجت نہیں۔

(۶) کفایت اللہ صاحب پوچھتے ہیں :- "ہمیں وہ تاریخی موڑ بتایا جائے جہاں پہنچکر "جماعت المسلمین" کا وجود اچانک ہی مٹ گیا ہو" (حوالہ مذکور ص۱۱ کالم ۳)

اس کا جواب کفایت اللہ صاحب نے خود دے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "وگرنہ مسلمانوں کی جماعت یا ملت تو ہمیشہ رہی ہے" (حوالہ مذکور)

کفایت اللہ صاحب "جماعت المسلمین" کا ترجمہ مسلمانوں کی جماعت کر کے "جماعت المسلمین" کو مٹانا چاہتے ہیں۔" جماعت المسلمین" اچانک نہیں مٹا کرتی۔ اس کے لئے ایک فطری وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مزید برآں "جماعت المسلمین" عموماً عقائد کی تبدیلی سے مٹتی ہے اور عقائد نظر نہیں آتے لہذا جماعت المسلمین کا مٹنا بھی نظر نہیں آتا۔ جماعت المسلمین کا مٹنا بتدریج ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے مٹنے کا نقشہ بہت اچھا کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

انهم اطمأنوا بالتقليد و دبّ التقليد فى صدورهم دبيب النمل وهم لا يشعرون۔ فنشأت بعدهم قرون على التقليد الصرف لا يميزون الحق من الباطل ولا اقول ذٰلك كليا مطرداً فان لله طائفة من عباده لا يضرهم من خذ لهم وهم حجة الله فى ارضه و ان قلوا ولم يأت قرن بعد ذٰلك الا وهو اكثر فتنة و اوفر تقليداً و اشد انتزاعاً للامانة من صدور الرجال حتى اطمأنوا بترك الخوض فى امر الدين وبان يقولوا : اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ وَالى الله المشتكى وهو المستعان وبه الثقة وعليه التكلان (الانصاف)

لوگ تقلید پر مطمئن ہو گئے اور تقلید ان کے دلوں میں اس طرح داخل ہوئی جس طرح چیونٹی چلتی ہے اور انہیں خبر بھی نہیں ہوئی۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جو تقلید محض کے پرستار تھے، باطل سے حق کو میز نہ کر سکتے تھے اور یہ بات میں تمام لوگوں کے متعلق نہیں کہہ رہا کیونکہ اللہ کے بندوں میں سے ایک جماعت اللہ کی بھی ہوتی ہے جن کو کسی کی مخالفت نقصان نہیں پہنچاتی اور وہ اللہ کی زمین اللہ کی حجت ہوتے ہیں اگر چہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہوں پھر اس کے بعد جو قرن بھی آیا فتنہ زیادہ ہوتا گیا، تقلید کی فراوانی ہوتی چلی گئی اور لوگوں کے قلوب سے امانت شدت کے ساتھ نکلتی چلی گئی یہاں تک کہ لوگوں نے دینی معاملات میں غور کرنا چھوڑ دیا اور اس آیت کا مصداق بن گئے: "ہم نے اپنے آباء کو اس طریقہ پر پایا اور ہم تو انہیں کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے" اللہ ہی سے شکایت ہے، وہی مددگار ہے، اسی پر اعتماد ہے اور اُسی پر توکل۔

⑦ کفایت اللہ صاحب سوال کرتے ہیں "کیا آپ اپنے دعوے کے مطابق وہ حدیث دکھا سکتے ہیں جس میں امیر جماعت المسلمین کے الفاظ ہوں"۔ (حوالہ مذکور ص۱۱ کالم ۳)

"جماعت المسلمین" حدیثوں میں موجود ہے۔ امیر کا لفظ حدیثوں میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ پھر جماعت المسلمین کا امیر "امیر جماعت المسلمین" ہی ہوگا۔ کفایت اللہ صاحب کا یہ سوال ہمارے اس سوال کا کہ "اہلحدیث" نام حدیث میں دکھاؤ کا الزامی جواب ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ "اہلحدیث" کی جگہ "مسلمین" کا لفظ قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہے لہٰذا "اہلحدیث" کی جگہ "مسلمین" نام ہونا چاہیئے۔ اب اگر کفایت اللہ صاحب "امیر جماعت المسلمین" کی جگہ آیت یا حدیث سے دوسرا نام بتادیں تو ہم اُسے یقیناً رکھ لیں گے۔ ہم نہیں اڑیں گے جس طرح اہلحدیث حضرات اپنے بے ثبوت نام پر اڑے ہوئے ہیں۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :۔

"ان سوالات اور وضاحتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسعود احمد صاحب کے موقف کی پوری عمارت حدیث کے غلط ترجمہ پر مبنی ہے" (حوالہ مذکور ص۱۲ کالم ۲)

ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ ترجمہ بالکل صحیح ہے لہٰذا ہمارا نام "جماعت المسلمین" بالکل صحیح ہے۔ فللہ الحمد۔ صلاح الدین صاحب کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلاح الدین صاحب کو جماعت المسلمین اور اس کے امیر سے بڑا بغض ہے۔

ضمیمہ ③

ایک صاحب نے محمد صلاح الدین صاحب کے مضمون " مسلمان کون ہے، کون نہیں " پر اپنا تبصرہ لکھ کر موصوف کو روانہ فرمایا اور اس تبصرہ کی ایک نقل ہم کو ارسال کی۔ ہم ان کے تبصرے کو اپنے کتابچہ " الجماعۃ " میں بطور ضمیمہ ۳ شائع کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

① آپ نے لکھا ہے کہ " ہر کلمہ گو مسلمان محمد رسول اللہؐ کی " جماعت المسلمین " میں شامل ہے " نیز یہ کہ " حضورؐ کی قائم کردہ " الجماعۃ " کبھی معدوم نہیں ہوگی اور اس کا بانی، ہادی و راہنما دائمی امیر ہے۔ " یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اگر ہر کلمہ گو " جماعت المسلمین " میں شامل ہے تو پھر وہ ۷۲ فرقے کون سے ہیں جن کو جہنمی کہا گیا۔ کلمہ گو تو وہ فرقے بھی ہیں۔ دوم یہ کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب ہوگا کہ " تم تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا خواہ اس صورت میں تم کو درختوں کی جڑیں چبانی پڑیں اور اسی حالت میں تم کو موت آجائے۔ " سوم یہ کہ اگر " جماعت المسلمین " یا " الجماعۃ " کبھی معدوم نہ ہوگی تو پھر صحابیٔ رسول کا یہ سوال کہ " اگر مسلمین کی جماعت ہو نہ امام ہو " بے معنی ہو جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان صحابیؓ کی تصحیح کرتے ہوئے یہ نہ فرمایا کہ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی وقت مسلمین کی جماعت نہ ہو بلکہ آپ نے صحابیؓ کے سوال کا یہ جواب دیا کہ اگر ایسی صورت پیش آئے کہ مسلمین کی جماعت اور امام نہ ہو تو اس صورت میں تم تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا۔ صحابیؓ کے سوال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ " الجماعۃ " یا " جماعت المسلمین " کے کسی وقت میں معدوم ہونے کا امکان ہے۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ " الجماعۃ کبھی معدوم نہ ہوگی اور اس کا بانی دائمی امیر ہے۔ " محل نظر ہے۔

② اگر تمام فرقے " الجماعۃ " کا جزو ہیں تو ان سے علیحدگی کیسے ہو سکتی ہے؟

③ آپ نے لکھا ہے کہ " مسعود احمد صاحب کے ہاں ایسی کوئی درجہ بندی نہیں۔ آدمی مسلم ہوگا یا کافر اور مشرک۔ " میرے خیال میں آپ کا مفہوم کچھ واضح نہیں۔ ویسے اس سلسلے میں مسعود احمد صاحب

کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی یہی ہے کہ "حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں"۔ (سورہ یونس : ۳۲) اس لئے جو آدمی حق پر نہ ہوگا وہ گمراہ ہوگا۔ جو مسلم نہ ہوگا وہ کافر ہوگا۔ ہاں مسلم کے درجات ہو سکتے ہیں۔ کوئی سابق بالخیرات ہوگا کوئی گنہگار ہوگا۔ کوئی اعلیٰ درجے کا مسلم ہوگا کوئی ادنیٰ درجے کا مسلم ہوگا لیکن جو ادنیٰ درجے کا مسلم ہے، مسلم تو وہ بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بات سہواً لکھ دی ہے یا اس سے آپ کی مراد کچھ اور ہے۔ اس کی وضاحت آپ خود ہی کر دیں تو بہتر ہے۔

(۴) آپ نے لکھا ہے "مسعود احمد صاحب ائمہ اربعہ کو متوازی اسلام کا بانی قرار دیتے ہیں"۔ آپ کی یہ بات صحیح نہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی توجہ ۱۱ فروری کے تکبیر ص۴ کالم ۳ کی طرف دلانا چاہوں گا جہاں مسعود احمد صاحب نے لکھا ہے کہ "ائمہ دین نے نہ یہ مذاہب بنائے اور نہ یہ فرقے بنائے۔ یہ بعد کی چیزیں ہیں جو بعد والوں نے ان کی طرف منسوب کر دی ہیں"۔ اس وضاحت سے معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

(۵) آپ نے لکھا ہے کہ "امام بخاریؒ جب صحیح اور غلط روایات کی چھان بین کرنے بیٹھے تو ۶ لاکھ احادیث میں سے ۶ ہزار پر یعنی صرف ایک فیصد پر مطمئن ہو سکے"۔ یہ بات صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت امام بخاریؒ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے بہت سی صحیح حدیثیں صحیح بخاری میں اس لئے درج نہیں کیں کہ یہ کتاب بہت ضخیم نہ ہو جائے۔ (مقدمہ ترجمہ صحیح بخاری مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

(۶) آپ نے لکھا ہے کہ "مسعود احمد صاحب قرآن اور حدیث دونوں کو یکساں درجہ دیتے ہیں اور ان کے نزدیک دونوں مبنی بر وحی اور منزل من اللہ ہیں"۔ میرا خیال ہے کہ یہ عقیدہ تو علمائے احناف کو بھی تسلیم ہے۔ مثال کے طور پر حکیم احمد اللہ ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ "سنت بھی وحی ہے، وحی الٰہی کی قسموں میں ایک پورا قرآن مجید ہے اور دوسری قسم سنت نبوی ہے جس کی طرف قرآن کی یہ آیت ناطق ہے" وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ سنت بھی وحی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے"۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے اپنی دلیل میں ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت پیش کی ہے۔ اس کے بعد حضرت حسان بن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت جبریلؑ سنت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نازل ہوتے تھے جس طرح قرآن لے کر آپؐ کے پاس اترتے تھے اور آپؐ کو سنت کی ویسی ہی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی تعلیم آپؐ کو دیتے تھے۔ (تاریخ حدیث و محدثین مطبوعہ انجمن اشاعت قرآن

عظیم۔نیوٹاؤن جامع مسجد کراچی)۔ دوسرے عالم شیخ الحدیث ابوالزاہد محمد سرفراز حنفی خطیب جامع مسجد گکھڑ ضلع گوجرانوالہ اپنی کتاب "شوقِ حدیث" میں لکھتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے بھی (بہت سی اشیاء کا) حرام ہونا بیان کیا ہے سو وہ ویسا ہی حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (ترمذی و مستدرک وابن ماجہ دمشکوٰۃ) اور ان کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا خبردار بے شک مجھے کتاب اللہ دی گئی ہے اور (استدلال واحتجاج میں) اس کی مثل بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے (وہ حدیث وسنت ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ اور جو اللہ نے تم پر کتاب وحکمت اتاری۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے کتاب منزل من اللہ ہے اسی طرح حکمت بھی منزل من اللہ ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۱۸۱ اور اس پر سلف کا اتفاق ہے کتاب الروح ص۱۲ (شوق حدیث ص۱۸) حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں ایک باب باندھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسے مسئلے کے بارے میں پوچھا جاتا جس کے متعلق آپؐ پر وحی نازل نہ ہوئی ہوتی تو آپؐ فرماتے تھے "میں نہیں جانتا یا آپ جواب ہی نہ دیتے تھے اور رائے اور قیاس سے جواب نہ دیتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ اس بارے میں وحی نازل ہوئی (صحیح بخاری شریف مطبوعہ تاج کمپنی ج ۹ ص۳۳۶)

(۷) آپ نے لکھا ہے کہ" قرآن میں سند روایت کا مسئلہ سرے سے موجود نہیں جبکہ احادیث کی درجہ بندی اسی پر مبنی ہے"۔ یہ مسلم کہ احادیث کی صحت کا مدار ان کی اسناد پر ہے لیکن جب کسی حدیث کی صحت ثابت ہو جائے اور یہ یقین حاصل ہو جائے کہ واقعی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس کے واجب الاتباع ہونے میں کوئی اختلاف ہو سکتا ہے؟

(۸) آپ نے لکھا ہے" مسعود احمد صاحب کے پورے لٹریچر میں عقائد وافکار پہ زیادہ زور ہے اعمال اور بالخصوص معاملات پر کم"۔ مسعود احمد صاحب کا لٹریچر میری نظر سے بھی گذرا ہے اور اکثر ان کی جماعت کے اجتماعات میں بھی شرکت کا موقع ملا ہے۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ وہ اعمال پہ بہت زور دیتے ہیں۔ سنت کی اہمیت ان کے لٹریچر میں جابجا واضح ہے۔ ایسی سنتیں جن کو اکثر علماء کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ مسعود احمد صاحب ان سنتوں پہ خود بھی بڑی سختی سے عمل کرنے میں اور دوسروں سے بھی کرواتے ہیں مثلاً ہر چیز کو سیدھے ہاتھ سے لینا سیدھے ہاتھ سے دینا۔ جوتی پہنتے وقت

پہلے دائیں پیر میں پہننا، اتارنے وقت پہلے بائیں پیر سے اتارنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کا لٹریچر تو اتباعِ سنت کی تاکید سے بھرا ہوا ہے حتیٰ کہ وہ تارکِ سنت کو ملعون کہتے ہیں بمطابق حدیثِ نبوی کہ: "چھ آدمی ہیں جن پر میری بھی لعنت ہے اور اللہ کی بھی"۔ تفسیر قرآن عزیز میں تو ہر باب کے آخر میں انہوں نے "عمل" کا مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود یہ کہنا کہ ان کے لٹریچر میں اعمال پر زور کم ہے بعید از انصاف بات ہے۔ رہی یہ بات کہ "عقائد" اور "اعمال" میں سے کونسی چیز زیادہ اہم ہے تو ظاہر ہے عقائد کی اہمیت زیادہ ہے اور یہ بات خود قرآن مجید (سورۃ توبہ: ۱۹) سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ بات بھی غلط نہیں ہے۔

(۹) آپ نے لکھا ہے کہ "اللہ کی صفت رحم و کرم کا تو یہ عالم ہے کہ وہ غیر مسلموں کو بھی ایمان اور عمل صالح پر اجر و انعام کی بشارت دے رہا ہے"۔ یہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کوئی شخص ایمان لانے کے بعد بھی غیر مسلم کیسے رہ سکتا ہے۔ اس سے آگے آپ نے لکھا ہے: "آخری نبیؐ کو ماننے کی شرط بھی سرے سے ساقط کر دی گئی ہے"۔ یہ تو آپ نے بہت بڑی بات لکھ دی! اس لحاظ سے تو قادیانی بھی اللہ تعالیٰ کے اجر و انعام کے مستحق قرار پائیں گے جبکہ وہ تو بزعم خود آخری نبیؐ کو بھی مانتے ہیں۔

جہاں تک میرے ناقص علم کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانا لازمی ہے۔ جو آپ پر ایمان نہ لائے گا وہ نہ مؤمن ہوگا نہ مسلم جبکہ قرآن مجید میں اجر و انعام کی جو بشارتیں ہیں وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لئے ہیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی شامل ہے اور یہ بات خود فرمانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہے جب قبیلہ عبد القیس کا وفد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا۔ آپ نے ان کو اللہ اکیلے پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا "کیا تم جانتے ہو کیلے اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟" انہوں نے کہا "اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا: "(اللہ اکیلے پر ایمان لانا یہ ہے کہ) گواہی دینا اس بات کی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (صحیح بخاری شریف۔ کتاب الایمان باب اداء الخمس

من الایمان) پس ثابت ہوا کہ اللہ پر ایمان لانے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔

(١٠) آپ نے لکھا ہے کہ "ائمہ اربعہ سے استفادہ کی صورت وہی ہے جو جماعت المسلمین کے ارکان اپنے امام سے بیعت کرنے کے بعد اختیار کئے ہوئے ہیں۔" ائمہ اربعہ سے استفادہ کی بات کچھ صحیح نہیں۔ اس کے لئے صحیح لفظ "تقلید" ہی ہے اور ائمہ اربعہ کے مقلدین اپنے امام کے قول یا فتوے کو حجتِ شرعیہ مانتے ہیں جبکہ جماعت المسلمین کے ارکان اپنے امام کے قول کو حجت نہیں سمجھتے۔ اس کے برعکس ان کے ہر قول کے ثبوت کے لئے کسی دلیل یعنی قرآن یا حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لہٰذا تقلید اور استفادہ کی ان دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے۔

۲۷ رشعبان ۱۴۱۳ھ بمطابق ۲۰ رفروری ۱۹۹۳ء

مولانا

کیا اس نام کا استعمال غیر اللہ کے لئے جائز ہے؟

سلسلۂ اشاعت نمبر ٥٦ — سنہ ١٣٩٦ھ

لفظ " مولیٰ " کثیر المعانی ہے ، لہٰذا کسی شخص کو مولیٰ کہنے سے کہنے والے کی مختلف نیتیں ہو سکتی ہیں لیکن اس کا اکثر استعمال مالک و آقا کے معنوں میں ہوتا ہے اور کیونکہ ہمارا مالک صرف اللہ تعالےٰ ہے لہٰذا ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے اس لفظ کا استعمال جائز نہیں ۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

(١) لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَ اَمَتِيْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ وَفَتَايَ وَفَتَاتِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ اِسْقِ رَبَّكَ .... وَلَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ رَبِّيْ وَلْيَقُلْ سَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ ۔
(صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب عن ابی ہریرۃ)

تم میں سے کوئی شخص (کسی کو) ہرگز یہ نہ کہے "میرا بندہ"، "میری بندی"۔ تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں سب اللہ کی بندیاں ہیں بلکہ یہ کہے "میرا لڑکا"، "میری لڑکی" "میرا بچہ" "میری بچی"۔ اور تم میں سے کوئی شخص (کسی سے) یہ نہ کہے "اپنے رب کو پانی پلا" .... اور نہ تم میں سے کوئی شخص کسی کو یہ کہے "میرا رب"، بلکہ یہ کہے "میرا سردار" ——— اور "میرا مولیٰ"

لیکن دوسری حدیث میں بڑی وضاحت سے اس کی ممانعت کی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

(٢) وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهٖ مَوْلَايَ فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ۔ (حوالہ مذکور عن ابی ہریرۃ رض)

کوئی غلام اپنے آقا کو "میرا مولیٰ" نہ کہے اس لئے کہ تم سب کا مولیٰ اللہ عزّ وجلّ ہے۔

بعض چیزیں ایک عرصہ سے رائج ہونے کی وجہ سے اس قدر راسخ ہو جاتی ہیں کہ ان کا ترک یا انکار فطرتاً طبیعت پر بار گذرتا ہے ۔ ان چیزوں کے عدم جواز پر جب دلائل دئے جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اُن کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے اُن پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں اُن کی مختلف قسم کی تاویلیں کی جاتی ہیں اور اس طرح جواز کو برقرار رکھا جاتا ہے ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لفظ " مولانا " کے استعمال کے سلسلہ میں بھی اعتراضات کئے جائیں گے ۔ احادیث کی تاویلیں کی جائیں گی لہٰذا حفظ ماتقدم کے طور پر ہم ان تمام اعتراضات اور تاویلات کو ذکر کر کے ان کا جواب

دیتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

اعتراضات و تاویلات

اعتراض نمبر ۱ :- یہ دو حدیثیں ہیں، پہلی سے اجازت نکلتی ہے، دوسری سے ممانعت، لہٰذا جواز و ممانعت میں شک پیدا ہو گیا۔

جواب نمبر ۱ :- اگر یہ مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ پابندیاں آہستہ آہستہ ہی لگائی گئیں، لہٰذا اجازت کی حدیث پہلے کی ہے اور ممانعت کی بعد کی۔ دوسری حدیث نے مولیٰ کے استعمال کی اجازت کو منسوخ کر دیا۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ جہاں اجازت و حرمت دونوں کی دلیل ملتی ہو وہاں حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ مشکوک چیز کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا اس اصول کے لحاظ سے بھی مولیٰ کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

اعتراض نمبر ۲ :- یہ دو حدیثیں نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں مل کر ایک ہی حدیث ہے، لہٰذا تقدم تاخر کالعدم ہے۔

جواب نمبر ۲ :- اس صورت میں متن حدیث میں جو الجھاؤ پیدا ہوگا وہ ظاہر ہے — "تم سب کا مولیٰ اللہ عزوجل ہے" بے معنی ہو جائیگا اور یہ قطعاً باطل ہے۔

اعتراض نمبر ۳ :- دوسری حدیث میں مَوْلَاکُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ زائد ہے۔ یہ پہلی حدیث میں نہیں ہے لہٰذا مشکوک ہے۔

جواب نمبر ۳ :- اگر یہ دو حدیثیں ہیں تو زائد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر بقول معترض یہ دونوں حدیثیں مل کر ایک ہی حدیث ہے تب بھی یہ جملہ مشکوک نہیں اس لئے کہ ثقہ راوی کی زیادتی اہل علم کے نزدیک مستند سمجھی جاتی ہے۔

نوٹ :- دونوں حدیثوں کو ایک ماننے کی صورت میں جو الجھاؤ پیدا ہوگا اس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

اعتراض نمبر ۴ :- یہ دو حدیثیں ہیں اور دونوں میں سے ایک بھی منسوخ نہیں۔

جواب نمبر ۴ :- اس صورت میں احادیث میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع بھی فرمائیں اور اجازت بھی دیں یہ بعید از عقل ہے۔

اعتراض نمبر ۵ :- دوسری حدیث منسوخ ہے اور پہلی ناسخ۔

جواب نمبر ۵ :- ممانعت کے بعد اجازت اس طرح ہونی چاہیئے "میں نے تمہیں پہلے منع کیا تھا، اب اجازت دیتا ہوں" اس کی مثالیں احادیث میں ملتی ہیں۔ مزید برآں ممانعت کی جو وجہ تھی یعنی "تم سب کا مولیٰ اللہ عزوجل ہے" یہ کبھی زائل نہیں ہو سکتی لہٰذا ممانعت کا نسخ ناممکن ہے۔

اعتراض نمبر ۶ :- لفظ "مولیٰ" قرآن اور حدیث میں انسانوں کیلئے استعمال ہوا ہے لہٰذا ہمارے لئے بھی اس کا انسانوں کیلئے استعمال کرنا جائز ہے۔

جواب نمبر ۶ :- قرآن مجید میں لفظ "رب" بھی انسانوں کیلئے استعمال ہوا ہے، مثلاً فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ

ذکر ربہ {یوسف ۴۲} پھر شیطان نے اُس کو بھلا دیا کہ وہ اپنے رب سے (یُوسف علیہ السلام کا) ذکر کرے"۔

بتائیے کیا اس آیت کی رُو سے رب کا استعمال انسانوں کیلئے جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ {نور ۳۲} "تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہوں اُن کا نکاح کرا دیا کرو اور تمہارے بندے اور تمہاری بندیوں میں سے جو نیک ہوں اُن کا بھی نکاح کرا دیا کرو"۔

اس آیت میں "عبد" کی اضافت انسانوں کی طرف ہے، کیا ہم بھی کسی انسان کو دوسرا انسان کا عبد کہہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

احادیث میں بھی ایسے لفظوں کا استعمال "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" کے مصداق من جانب اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو لفظ چاہے استعمال کرے جس کو چاہے اپنے علاوہ سجدہ کرنے کا حکم دیدے، بندوں کو اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول و فعل کی بنیاد پر ممنوعہ الفاظ استعمال کریں یا کسی انسان کو دوسرا انسان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۚ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۔ (الحج ۷۸)

اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو، وہی تمہارا مولا ہے تو وہ اچھا مولا ہے اور اچھا مددگار۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو مولانا کہنا جائز نہیں۔

(اے اللہ) "اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝"

جماعت المسلمین

۵۹۱/۲، منصورہ۔ کراچی ۳۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۰۷ ماہ شعبان ۱۴۰۷ھ

شریعت بِل
اسلام کے مطابق نہیں

متحدہ شریعت محاذ کی طرف سے اسمبلی میں ایک بِل پیش کیا گیا ہے جس کا نام شریعت بِل ہے۔

شریعت سے مراد اللہ تعالےٰ کا وہ قانون اور ضابطۂ حیات ہے جو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا۔ شریعت کا نفاذ حتی الامکان ہر مسلم پر اس کے دائرہ اختیار میں فرض ہے لہٰذا جس مسلم نے اپنی ذات پر شریعتِ اسلامیہ کو نافذ کر لیا ہو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ عوام الناس، ارکانِ اسمبلی اور حکومت کو امر معروف کے تحت شریعت کے نافذ کرنے کا حکم دے یا نافذ کرنے کی نصیحت کرے۔ امر بالمعروف فرض ہے اور جسکو امر بالفرائض کیا جائے اُس کو اس امر کا مان لینا فرض ہے۔ اُسے اختیار نہیں کہ ملنے یا نہ مانے۔ اگر وہ مان لے اور اُسے مان ہی لینا چاہیئے تو بہت اچھا ہے۔ اگر نہیں مانتا تو گنہگار ہوگا اور اگر انکار کرتا ہے تو کفر کے حدود میں داخل ہو جائے گا۔

اسمبلی میں کسی چیز کی منظوری کے لئے بِل کا پیش کرنا ایک قسم کی تجویز ہے۔ تجویز کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ ارکانِ اسمبلی جن کو وہ تجویز پیش کی جا رہی ہے اُن کو اُس تجویز کا مان لینا لازمی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسمبلی سینکڑوں بِل نامنظور کر دیتی ہے لیکن شریعت نامنظور کرنے کی چیز نہیں اور نہ کسی کو اختیار ہے کہ وہ اُسے نامنظور کرے۔ اگر کوئی شخص یا چند اشخاص شریعت کو

نامنظور کرنے کے اختیار کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ اپنے ایمان کی نفی کرتے ہیں۔
شریعت کو نامنظور کرنا کھلا کفر ہے لٰہذا کسی مسلم کے لئے جائز نہیں کہ شریعت کو بطور تجویز پیش کرے اور یہ جانتے ہوئے پیش کرے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ تجویز پیش کی جا رہی ہے وہ اُسے نامنظور کرنے کا بھی اختیار رکھتے ہیں۔
شریعت کو نامنظور کرنا اللہ تبارک وتعالےٰ، ذوالجلال والاکرام کی حاکمیت کا انکار کرنا ہے۔ شریعت کو منظور کرنے یا نامنظور کرنے کا اختیار رکھنے کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ذوالجلال والاکرام کی حاکمیت اسمبلی اور صدر کی منظوری کی محتاج ہے۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ عزّ وجلّ حاکم اعلیٰ ہے تو اللہ عزّ وجلّ حاکمِ اعلیٰ ہے ورنہ نہیں۔ اس لحاظ سے تو حاکمیت اسمبلی اور صدر کی ہوئی نہ کہ اللہ تعالےٰ کی۔

شریعت بل اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے۔ اس بل کے ذریعہ ارکانِ اسمبلی سے درخواست کی جا رہی ہے کہ وہ شریعت کو منظور کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی شریعت اُس کے ناچیز بندوں کی منظوری کی محتاج ہے۔ یہ طرزِ عمل ایمان کے قطعاً منافی ہے۔

الغرض شریعت بل اللہ تبارک وتعالیٰ، عزّ وجلّ، ذوالجلال والاکرام جل جلالہ و اعظم شانہ کی شان کے بالکل منافی ہے۔

یہ بل جمہوریّت کا غماز ہے۔ یہ جمہوریت ہی ہے جس نے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بھی عوام کا محکوم بنا دیا۔ جمہوریت لعنت ہی نہیں بلکہ ایک قسم کا شرک ہے جس میں اللہ تعالےٰ کی حکومت نہیں ہوتی، عوام کی حکومت ہوتی ہے۔

قانون سازی | ارکان متحدہ شریعت محاذ لکھتے ہیں :-

"**لٰہذا حسب ذیل قانون بنایا جاتا ہے**"

(شریعت بل صـ۲ـ، سطر ۲ـ)

قانون ساز اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (الشوریٰ - ۱۳)
اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کی شریعت بنائی۔

بندے قانون نہیں بنا سکتے۔ بندوں کا کام قوانین الٰہیہ پر ایمان لانا اور اُن پر عمل کرنا ہے۔ بندوں کا قانون بنانا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ۔ (الشوریٰ - ۲۱)
کیا انہوں نے (اللہ کے) شریک بنا لئے ہیں جو ان کے لئے دینی معاملات میں شریعت سازی کرتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شریعت سازی یا قانون سازی شرک ہے۔ اس شرک کو شرک فی الدین یا شرک فی التشریع کہتے ہیں۔

الفاظ زیرِ تبصرہ کے بجائے مندرجہ ذیل الفاظ ہونے چاہئیں :۔

"لہٰذا نفاذِ شریعت کے لئے حسب ذیل لائحہ عمل بنایا جاتا ہے"

بل کی شق ۱ (ج) اس ایکٹ میں شامل کسی امر کا اطلاق غیر مسلموں کے شخصی قوانین پر نہیں ہوگا۔ (شریعت بل صـ۲)

ایکٹ میں شخصی قوانین کی تعریف نہیں کی گئی۔

یہ شق قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ
اور (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور (یہ کتاب) اُن (کتابوں) کی محافظ بھی ہے تو (اے رسول) جو کتاب

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ۔
(المآئدۃ - ۴۸)

اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کیجیے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اُسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔

خط کشیدہ الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہے اہل کتاب کے مابین اُسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ جب ایک ملک کے قوانین دوسرے ملک میں نہیں چل سکتے تو حکومت الٰہیہ میں غیر اللہ کے قوانین کیسے چل سکتے ہیں۔ کوئی حکومت دوسرے ملک کے قوانین کی شرکت پسند نہیں کرتی تو اللہ تعالےٰ جس کو شرکت سب سے زیادہ ناپسند ہے غیر اللہ کے قوانین کی شرکت کیسے پسند کرسکتا ہے۔ مزید برآں یہ چیز تو اعلائے کلمۃ الحق اور اللہ تعالےٰ کی حاکمیت کے بھی سراسر منافی ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔
(المآئدۃ - ۴۹)

اور (اے رسول، آپ کو پھر ہدایت کی جاتی ہے) کہ جو شریعت اللہ نے نازل فرمائی ہے اُسی کے مطابق اِن کے درمیان فیصلہ کیجیے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے اور ان سے ہوشیار رہیے کہیں یہ آپ کو جزوی طور پر بھی اس شریعت سے جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے بھٹکا نہ دیں۔

اس آیت میں بھی خط کشیدہ الفاظ کا منشاء بالکل واضح ہے۔

دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلمین کے مابین تمام مقدمات کا فیصلہ اُسی شریعت کے مطابق ہوگا جو اللہ تعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی زمین پر صرف اللہ تعالےٰ کا

قانون نافذ ہوگا نہ کہ شخصی قانون۔ شخصی قانون کی پیروی درحقیقت غیر مسلمین کی خواہشات کی پیروی ہے اور یہ چیز اعلائے کلمۃ الحق کے بالکل خلاف ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کے مقدمات میں قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مخیراً ان شاءَ حکم بینھم وَان شاء اعرض عنھم فردھم الی احکامھم فنزلت (وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ ھُمْ) فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحکم بینھم بما فی کتابنا (رواہ ابن ابی حاتم۔ تفسیر ابن کثیر جلد۲ ص۶۶ وسندہ صحیح)

(پہلے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا خواہ اہل کتاب کے درمیان فیصلہ فرمائیں یا اُن سے اعراض کریں اور اُن کو اُن کے احکام کی طرف پھیر دیں لیکن بعد میں یہ آیت نازل ہوئی وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ ھُمْ (جو قانون اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے) تو (اس آیت کے ذریعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان کے درمیان اس قانون سے فیصلہ فرمائیں جو ہماری کتاب میں ہے۔

اس حکم کے بموجب اہل کتاب کے ایک مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مطابق ہی فیصلہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

ان قتلی النضیر کان لهم شرفٌ یؤدّون الدّیة الکاملة وان بنی قریظة کانوایؤدون نصف الدیة فتحاکموا فی ذٰلك الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فانزل اللّٰه عزوجل ذٰلك فیهم فحملهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علے الحق فی ذٰلك فجعل الدیة سوّاء (رواه النسائی فی کتاب القسامة والدیة جلد ۲ صـ۲۰۸ وسنده صحیح)

بنو نضیر قبیلہ کو بنو قریظہ پر ایک قسم کا شرف حاصل تھا، اس شرف کی بنیاد پر بنو نظیر کو ان کے مقتولین کے سلسلہ میں (بنو قریظہ کی طرف سے) پوری دیت ملتی تھی اور بنو قریظہ کو ان کے مقتولین کے سلسلہ میں آدھی دیت ملتی تھی۔ (اس قسم کے) ایک مقدمہ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا، تو اللہ عزوجل نے یہ حکم نازل فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس معاملہ میں حق پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا اور (دونوں کے درمیان) دیت برابر کر دی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

کان فی بنی اسرائیل القصاص ولم یکن فیهم الدیة (رواه النسائی فی کتاب القسامة والدیة جلد۲ صـ۲۱۲ وسنده صحیح)

بنی اسرائیل میں قصاص تھا، دیت نہیں تھی (یعنی توریت میں دیت کا حکم نہیں تھا بس قصاص لیا جاتا تھا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مطابق جو فیصلہ کیا وہ فیصلہ توریت کے بھی خلاف تھا اور بنی اسرائیل کے خود ساختہ مروجہ قانون کے بھی خلاف تھا۔

الغرض حکومت الٰہیہ میں تمام فیصلے اس شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ جزیہ اور جہاد تو اسی مقصد کے لئے ہیں کہ اگر غیر مسلمین اسلام قبول نہ بھی کریں تب بھی ان کے

درمیان اللہ تعالےٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ ہو۔ جزیہ اور جہاد کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنا ہے اور اسی کا نام اعلائے کلمۃ الحق ہے۔

بل کی شق ۲ (ج) | شریعت سے مراد قرآن و سنت ہے

(شریعت بل صہ ۱)

یہ شق اگرچہ صحیح ہے تاہم "سنت" کا لفظ تشریح طلب ہے ورنہ یہ لفظ تمام فرقوں کے لئے شریعت سے رُوگردانی کا ایک بہانہ بن جائے گا۔ ہر فرقہ کے نزدیک "سنت" وہ ہوگی جو اس کے فرقہ وارانہ مذہب میں مستند سمجھی گئی ہے قطع نظر اس کے کہ اس کا ثبوت کسی حدیث سے ہے یا نہیں حتیٰ کہ حدیث کے خلاف ہونے کی صورت میں بھی وہ "سنت" اس فرقہ کے ہاں مستند ہی سمجھی جائے گی۔ فرقے بہت سے ہیں لہذا ایک ہی مسئلہ میں متعدد سنتیں ظہور پذیر ہوں گی، اس طرح اگرچہ ایک اسلام کے کئی اسلام پہلے ہی بن چکے ہیں اس شق سے ان کے فرقہ وارانہ مذاہب کو مزید تقویت پہنچے گی۔ ان کو نام نہاد اسلامی حکومت کے قانون کی سند اور سرپرستی حاصل ہو جائے گی حالانکہ یہ سند اور سرپرستی اللہ تعالےٰ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف ہوگی۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران - ۱۰۳)	(اے ایمان والو) سب مل کر اللہ کی رسّی (یعنی اللہ کی شریعت) کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو۔

اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (الاعراف - ۳)	جو شریعت تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے (بس) اُس کی پیروی کرو، اس کے علاوہ دلیوں کی

پیروی نہ کرو۔

فرقہ بندی ایک قسم کا شرک | اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ (الروم - ۳۱ ، ۳۲)

اور (اے ایمان والو) تم مشرکین میں سے نہ ہوجانا (یعنی) ان لوگوں میں سے ہوجانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا اور ہوگئے فرقے فرقے، تمام فرقے جو کچھ ان کے پاس ہے اسی میں مگن ہیں۔

عربی قواعد کی رو سے "اَلْمُشْرِكِيْنَ" متبوع ہے اور "اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا" تابع ہے۔ "اَلْمُشْرِكِيْنَ" مُبدل مِنْہُ ہے اور "اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا" بدل الکل ہے۔ ایسی صورت میں قواعد عربی کی رو سے تابع عین متبوع ہوتا ہے یعنی تابع سے کلیۃً وہی شخص یا چیز مراد ہوتی ہے جو شخص یا چیز کہ متبوع سے مراد ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں "بدل الکل" کلیۃً "مبدل مِنہ" ہوتا ہے۔

قواعد عربی کے اس اصول کے مطابق مندرجہ بالا کلمات ربانی میں "اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا" اپنے متبوع "اَلْمُشْرِكِيْنَ" کا بدل الکل ہے یعنی "اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا" سے کلیۃً وہی مراد ہے جو "اَلْمُشْرِكِيْنَ" سے مراد ہے یعنی جو لوگ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے فرقے بنائیں وہ شرک کے مرتکب ہیں۔

عملاً بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بالکل ایک حقیقت ہے۔ کسی بھی فرقے کے کسی فرد کے سامنے اگر قرآن مجید یا حدیث نبوی کی نص صریح پیش کی جائے جو اس کے فرقہ وارانہ مذہب کے خلاف ہو تو وہ اپنے فرقہ وارانہ مذہب کی بات کو ماننے

گا اور اسی پر عمل کریگا گویا اس نے اپنے فقہار کو شارع بنا لیا۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کی رُو سے یہ فعل شرک ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے :۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ، وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ، سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (التوبۃ-۳۱)

اہلِ کتاب نے اللہ کے علاوہ اپنے علمار اور مشائخ کو اور عیسٰی ابن مریم کو بھی اپنا رب بنا رکھا ہے حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک الٰہ کی عبادت کریں، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ، وہ ان کے شرک سے پاک و منزّہ ہے۔

اگر کوئی حکومت فرقوں کے خود ساختہ اور متضاد قوانین کی پیروی کرتی ہے یا ان فرقوں کو اور ان کی خود ساختہ فقہوں کو سندِ جواز دیتی ہے تو وہ مندرجہ بالا آیات کی رُو سے اسلامی حکومت نہیں کہی جا سکتی۔

فرقے اور اسلام | اسلام میں فرقے نہیں اور فرقوں میں اسلام نہیں اس لئے کہ اسلام ایک ہے۔ متعدد اور آپس میں ایک دوسرے کے مخالف مذاہب کبھی اسلام نہیں ہو سکتے۔ ایسی صورت میں فرقوں کی سرپرستی اور حمایت اسلام نہیں۔

الغرض جب فرقوں میں اسلام نہیں تو فرقوں کے شخصی معاملات میں ان کے فقہی مسلک کے مطابق فیصلہ کرنا (جیسا کہ بل کی شق نمبر ۸ میں کہا گیا ہے) اسلام پر عمل نہیں ہوگا اور جب اسلام پر عمل نہیں ہوگا تو پھر اسلامی حکومت یا اسلامی نظام کی تکرار کیا معنی رکھتی ہے۔

سنّت کی تعریف | الغرض اگر بل کی شق ۲ (ج) میں سنّت کا لفظ رکھنا ہی ہے تو اس کی تعریف یہ ہونی چاہیئے :۔

"سنّت وہ ہوگی جو حدیث سے ثابت ہو۔ جو سنّت حدیث سے

ثابت نہ ہو یا کسی حدیث کے خلاف ہو اُسے سنت شمار نہیں کیا جائیگا۔"

اگر

سنت کی یہ تعریف نہ لکھی جائے تو "قرآن وسنت" کے بجائے "قرآن وحدیث" کر دیا جائے۔

نوٹ:۔ حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو صحیح یا حسن سند سے مروی ہو۔ وہ حدیث جسکی سند ضعیف ہو قابل قبول نہیں ہوگی۔

بل کی شق ۲ (ج) | "توضیح: قرآن وسنت کے احکام کی تعبیر کرتے ہوئے درج ذیل مآخذ سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔" (شریعت بل ص۵)

اس توضیح کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن وسنت کے مفہوم کو رہنمائی کے بہانے اپنی منشاء کا تابع بنا دیا جائے گا اور یہ سراسر باطل ہے۔

اجماع امت | ان مآخذ میں سے ایک ماخذ "اجماع امت" کو بھی بنایا گیا ہے۔ امت تو قیامت تک جاری رہے گی لہٰذا اجماعِ امت اگر ہو سکتا ہے تو قیامت کے دن ہی ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ کسی ایک زمانہ کے تمام لوگوں کا کسی ایک مسئلہ پر اتفاق کر لینا اجماعِ امت ہے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے نصوص صریحہ کو چھوڑ کر خلافت راشدہ کے بعد کسی ایک مسئلہ میں بھی کسی خاص زمانہ کے لوگوں کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔

اگر اجماع امت سے مراد اکثریت ہے تو یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اکثریت کے ہمیشہ حق پر ہونے کی ضمانت قرآن مجید اور حدیث شریف میں کہیں بھی موجود نہیں۔

الغرض اجماعِ امت کا ماخذ سراسر بے بنیاد ہے۔

فقہائے اسلام کی آراء | مسلمہ فقہائے اسلام کی تشریحات اور آراء کو بھی ایک ماخذ بنایا گیا ہے حالانکہ فقہاء کی تشریحات اور آراء کیسے ماخذ بن سکتی ہیں جبکہ ان کی تشریحات اور آراء اکثر مختلف ہوتی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل

مثالوں سے ظاہر ہے :-

(۱) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کفو میں نکاح ہو تو بغیر ولی کے بھی ہو جاتا ہے (بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد مؤلفہ امام قاضی ابو الولید محمد بن احمد القرطبی جلد ۲ صـ)

(۲) اگر کوئی شخص مطلقہ ثلاثہ کو اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال کرنے کے قصد سے نکاح کرے تو یہ نکاح امام مالکؒ کے نزدیک فاسد اور مفسوخ ہے، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صـ۴۴)

(۳) امام مالکؒ پڑوسی کے لئے حق شفعہ کے قائل نہیں، امام ابو حنیفہؒ پڑوسی کے لئے حق شفعہ کے قائل ہیں (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صـ۱۹۳)

(۴) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ کافر کے قتل کے قصاص میں مؤمن قتل نہیں کیا جائے گا، امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ کافر کے قصاص میں مؤمن قتل کیا جائے گا (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صـ۲۹۹)

(۵) امام مالکؒ کے نزدیک تمام بحری جانور حلال ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ تمام بحری جانور حرام ہیں (ہدایہ، کتاب الذبائح جلد ۴ صـ۴۴)

الغرض اختلاف ہی اختلاف ہے، کہاں تک لکھا جائے یشق "ج" کی توضیح کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن و سنت کا نام ہی رہ جائے گا، فرقے برقرار رہیں گے اور ہر فرقہ اپنے فقہاء کے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوگا اور اسی پر عمل کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے گا۔ ایسی صورت میں اسلام، شریعت اور قرآن و سنت کا نام ہی نام ہوگا، عمل فقہاء کے فتووں پر ہوگا۔ کیوں نہ براہ راست صاف الفاظ میں یہ کہہ دیا جائے کہ موجودہ فرقے بدستور برقرار رہیں گے اور ہر شخص اپنی فقہ پر چلے گا اور اسی کے مطابق فیصلہ چاہے گا اور حکومت الٰہیہ کو اسی کے مطابق فیصلہ

کرنا ہوگا۔ ایسی حکومت حکومت الٰہیہ نہیں ہوگی بلکہ حکومت فقہا ہوگی۔

شق (ج) کی توضیح کی عبارت اس طرح ہونی چاہیئے :۔

اگر کسی مسئلہ کے سلسلے میں قرآن وسنت میں واضح ہدایات نہ مل سکیں تو سنت خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے متفق علیہ عمل سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

شق نمبر ۳ | "شریعت کی دیگر قوانین پر بالادستی" (شریعت بل ص۵)

اس شق سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے قوانین بھی چلتے رہیں گے یعنی اللہ تعالےٰ کی حاکمیت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی حاکمیت بھی جاری رہیگی، صرف اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بالادستی حاصل ہوگی۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا — اور اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (الکھف - ۲٦)

اس شق کا نفاذ شرک فی الشریعت ہے۔

لہٰذا شق نمبر ۳ کی عبارت اس طرح ہونی چاہیئے :۔

قوانین الٰہیہ کے نفاذ کے بعد تمام لاز (LAWS)، ایکٹز (ACTS) اور آرڈیننسیز (ORDINANCES) وغیرہ منسوخ ہو جائیں گے۔ انتظامی امور میں خلیفہ کے احکام کے مطابق عمل کیا جائے گا لیکن خلیفہ کے احکام کو قوانین الٰہیہ کی طرح دائمی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔

شق نمبر ۸ | مسلمہ اسلامی فرقوں کے شخصی معاملات ان کے اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق طے کئے جائیں گے۔

(شریعت بل ص۶)

یہ شق گویا شق نمبر ۲ کی توضیح کا تتمہ ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ فرقے باقی رہیں گے اور نہ صرف باقی رہیں گے بلکہ انہیں سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ تعجب ہے کہ فرقوں کو تسلیم کر لیا جائے گا جبکہ اسلام میں فرقہ بندی

کی سخت ممانعت ہے۔ جو چیز شریعت کے نزدیک مسلم نہیں بلکہ حرام ہے افسوس ہے کہ اُسے "مسلمہ اسلامی فرقوں" کے الفاظ میں مسلمہ جان لیا گیا ہے۔

شق نمبر ۱۲ | قرآن وسنت کی تعبیر کا طریق کار

قرآن وسنت کی تعبیر کا طریق کار وہی معتبر ہوگا جو مسلمہ مجتہدین کے علم اصول تفسیر اور علم اصول حدیث وفقہ کے مسلمہ قواعد وضوابط کے مطابق ہو (شریعت بل صـ۴)

اس شق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصول فقہ مثلاً اصول کرخی ۲۸ و ۲۹ کے ذریعہ قرآن وسنت کی توضیح اس طرح کی جائے گی کہ فقہ کے اوپر قرآن وحدیث کی بالادستی نہ رہے بلکہ قرآن وحدیث پر فقہ کی بالادستی رہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فرقہ وارانہ فقہوں پر عمل ہوگا، قرآن اور حدیث کا نام نمائشی طور پر یا بطور تبرک باقی رہ جائے گا۔ ایسی حکومت کو حکومت الٰہیہ یا خلافت علی منہاج النبوت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے!

اصول کرخی | اصول کرخی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے درج ذیل ہیں:-

اصل (۲۸)

ان کل اٰیة تخالف قول اصحابنا فانها تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاَولیٰ ان تحمل علی التاویل من جهة التوفیق۔

ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو تو اُسے نسخ پر یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور بہتر یہ ہے کہ اُسے تاویل پر محمول کیا جائے تاکہ توافق ظاہر ہو جائے۔ (ترجمہ عبدالرحیم اشرف بلوچ)

تشریح | اس اصل کا لُب لباب یہ ہے کہ جو آیت حنفی مذہب کے خلاف ہوگی

(۱) اُسے یا تو منسوخ سمجھا جائے گا،

(۲) یا وہ آیت جو حنفی مذہب کا ماخذ ہوگی اُسے ترجیح دی جائے گی،

(۳) یا اُس آیت کی جو حنفی مذہب کے خلاف ہوگی ایسی تادیل کی جائیگی کہ وہ حنفی مذہب کے موافق ہو جائے۔

غرض یہ کہ حنفی مذہب باقی رہے گا اور آیت قرآنیہ کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کا نشانہ بننا پڑے گا یعنی حاکمیت حنفی مذہب کی ہوگی نہ کہ آیت قرآنیہ کی۔

اصل (۲۹)

ان کل خبر یجیئ بخلاف قول اصحابنا فانہ یحمل علی النسخ او علی انہ معارض بمثلہ ثم صار الی دلیل اٰخر او ترجیح فیہ بما یحتج بہ اصحابنا من وجوہ الترجیح او یحمل علی التوفیق۔۔۔۔

ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اُسے نسخ پر محمول کیا جائیگا یا یہ سمجھا جائے گا کہ وہ معارض ہے اپنے ہم پلہ حدیث کے، پھر کوئی اور ایسی دلیل لائی جائیگی ان وجوہ ترجیح میں سے جن کے ساتھ ہمارے اصحاب (فقہائے احناف) حجت قائم کرتے ہیں یا اُسے محمول کیا جائیگا تطبیق پر (یہ سب کچھ دلیل کی بنیاد پر کیا جائیگا) (ترجمہ عبدالرحیم اشرف بلوچ، شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۴۰۲ھ)

تشریح | اس اصل کا لُب لباب یہ ہے کہ جو حدیث حنفی مذہب کے خلاف ہوگی اُسے

(۱) یا تو منسوخ سمجھا جائے گا،

(۲) یا یہ سمجھا جائے گا کہ اس حدیث کے ہم پلہ کوئی اور متضاد حدیث ہے جس کی وجہ سے یہ دونوں ساقط ہیں، پھر کوئی اور دلیل لائی جائے گی،

(۳) یا دونوں میں تطبیق دی جائے گی۔

الغرض شریعت بل شق ۱۲ کی رُو سے اصول فقہ کے ذریعہ اصول اسلام کی بیخ کنی کی جلئے گی۔ کیا اسی کا نام اسلام ہے ؟

شق نمبر ۱۷ | قواعد سازی کے اختیارات (شریعت بل صدا)

یہ قواعد انتظامی، ہنگامی اور عارضی ہونے چاہئیں۔ ان کو قوانینِ شریعت کی طرح مستقل اور دائمی حیثیت نہ دی جلئے۔

اِسلامی حکومت کیسے قائم ہوگی

حکومت الٰہیہ وہ صاحب اقتدار مسلم قائم کرسکتا ہے جو نہ صرف قرآن و سنت کے نام کا وظیفہ پڑھے بلکہ قرآن و سنت کی عظمت اُس کے دل میں جاگزیں ہو اور اس کے جوارح سے عملاً ظاہر ہو، جو فرقہ وارانہ مذاہب سے نہ صرف بیزار ہو بلکہ انہیں دریا برد کرنے کا عزم رکھتا ہو، جو فرقوں کی رضا جوئی نہ کرتا ہو بلکہ اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے لئے تڑپتا ہو، جو فرقہ وار مسلم نہ ہو بلکہ اُس اسلام کو ماننے والا مسلم ہو جو اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا، جو اُس اسلام پر کاربند ہو جو فرقوں کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں قرآن مجید اور احادیث نبوی میں مکمل ہو گیا تھا، جو یہ سمجھتا ہو کہ کامل دین میں کسی چیز کا شامل کرنا دین کو ناقص سمجھنا ہی نہیں بلکہ دین سازی ہے، جو یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالےٰ کے بندے اللہ تعالےٰ کے دین کامل کے پابند ہیں اور جو چیز اس میں نہ ہو دینی لحاظ سے اس کے پابند نہیں، جو یہ سمجھتا ہو کہ امیر کا حکم بھی صرف انتظامی امور میں ہنگامی اور عارضی طور پر واجب الاطاعت ہے، اس کو شریعت الٰہیہ کی طرح مستقل اور دائمی قانون کی حیثیت حاصل نہیں، جو امیر اور قاضی کے فیصلوں کو صرف فیصلے سمجھتا ہو نہ کہ قانون۔

ایسا مسلم جب برسراقتدار آئے گا تو وہ آتے ہی اعلان کریگا:۔

(۱) آج اس وقت سے حکومت کا نام " خلافت علی منہاج النبوت"
ہوگا۔

(۲) حکومت کے سربراہ کو خلیفہ یا امیر المؤمنین کہا جائے گا۔

(۳) آج سے ہر شعبہ میں شریعت الٰہیہ کے مطابق عمل ہوگا، موجودہ تمام قوانین (LAWS)، آرڈیننسیز (ORDINACES) اور ایکٹز (ACTS) فوری طور پر کالعدم ہو جائیں گے، البتہ ذیلی قواعد پر فی الحال عارضی طور پر بدستور عمل ہوتا رہے گا بشرطیکہ ان قواعد میں سے کوئی قاعدہ شریعت سے نہ ٹکراتا ہو۔

(۴) آج سے تمام غیر شرعی کاروبار بند کئے جاتے ہیں۔ سود نہ لیا جائے گا اور نہ دیا جائے گا۔ جو سود اب تک زر اصل میں شامل نہ ہوا ہو اُسے کالعدم سمجھا جائے گا۔

(۵) معاشرت، معیشت، تہذیب اور تمدن کو اسلامی شریعت کے سانچہ میں ڈھالا جائے گا۔ غیر مسلم قوموں کی نقالی کی ممانعت ہوگی۔

(۶) فرقے اور فرقہ وارانہ مذاہب کالعدم ہوں گے۔ فرقہ وارانہ نام لینا جرم ہوگا۔ سب مسلم ہوں گے اور سب کا نام صرف مسلم ہوگا۔ فرقہ وارانہ مذاہب کے بجائے سب دین اسلام پر یعنی قرآن مجید اور حدیث نبوی پر عمل کریں گے۔

جماعت المسلمین کا تعارف

جماعت المسلمین ایسی جماعت ہے جس میں فرقہ وارانہ مذاہب کے ماننے والے نہیں پائے جاتے یعنی جماعت المسلمین فرقوں کا معجون مرکب نہیں ہے، جو شخص بھی جماعت المسلمین میں شامل ہوتا ہے وہ صرف مسلم ہوتا ہے، نہ اس کا کوئی مسلک ہوتا ہے اور نہ کوئی مذہب، نہ اس

کا کوئی مکتبۂ فکر ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی فرقہ وارانہ فقہ ہوتی ہے اُس کا تو بس دین ہوتا ہے اور وہ دین اسلام ہوتا ہے، وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند اور توحید و سنّت پر گامزن ہوتا ہے۔

جماعت المسلمین توحید اور اتباع سنّت پر سختی سے کاربند ہے، وہ صرف اسلام پر قائم ہے اور اُس اسلام پر قائم ہے جو اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر گئے تھے اور جو فرقہ وارانہ مذاہب کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھا۔ جماعت المسلمین اُسی اسلام کی دعوت دیتی ہے، وہ نہ فرقہ ہے اور نہ فرقہ وارانہ مذاہب کو اسلام سمجھتی ہے۔

فرقہ بندی کو ہر شخص لعنت سمجھتا ہے لیکن فرقوں کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا، یہ قول و فعل کا تضاد ہے۔ اس طرح فرقہ بندی کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور لوگوں کا یہ خواب کہ سب ایک ہو جائیں کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

جماعت المسلمین ایک حاکم، ایک امام، ایک دین اور ایک نام کی دعوت دیتی ہے۔ جماعت المسلمین اسلام کی عالمگیر اخوّت اور محبت کا درس دیتی ہے۔ جماعت المسلمین کی بنیاد الحبّ فی اللہ ہے نہ کہ دنیوی تعلقات۔ جماعت المسلمین کے نزدیک فخر کا سبب ایمان باللہ ہے نہ کہ وطن اور زبان۔ آیئے جماعت المسلمین میں شامل ہو کر فرقہ بندی کی لعنت کو ختم کیجئے۔

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینہ میں

اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ایک چھوٹی سی تبلیغی جماعت دین کا داعیہ لے کر ہندوستان کی بستی نظام الدین (دہلی) سے اٹھی اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گئی۔ اب ہر بستی اور ہر محلہ میں گشتوں کا نظام اور مسجدوں میں راتوں کا قیام عام ہے۔ پاکستان کے شہر لاہور کے قریب رائے ونڈ کے اجتماع میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا ہے جو کسی دنیاوی غرض کے لئے جمع نہیں ہوتے بلکہ سب کے دلوں میں ایک ہی تڑپ اور ایک ہی لگن ہوتی ہے کہ ہم سے ہمارا رب خوش ہو جائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقے ہماری زندگی میں رچ جائیں اور یہ بھٹکی ہوئی انسانیت پھر اپنی منزل کو پالے۔

یہی وہ جذبہ ہے جو گھروں سے نکلنے پر مجبور کرتا ہے۔ اپنا مال خرچ کرنا، اپنا بستر خود اٹھانا، گلی کوچوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، مخالفوں کے ساتھ ہمدردیاں کرنا، جذبۂ ایثار و قربانی، یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں تبلیغی جماعت کے ارکان میں پائی جاتی ہیں۔

یہ باتیں ایک مسلم میں ہونی چاہئیں،

لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود ایک اہم اور بنیادی چیز کا فقدان ہے اور وہ ہے عقائد کی درستی۔ عقائد اگر صحیح نہ ہوں تو تمام اعمالِ صالحہ بیکار ہو جاتے ہیں۔

اعمالِ صالحہ کی قبولیت کا دارو مدار توحید پر ہے۔
جب توحید نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (الزمر - ۶۵)

یقیناً ہم نے آپ کی طرف اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف یہی وحی کی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے (تمام) اعمال برباد کر دئے جائیں گے اور تم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

غور کیجئے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر کس کے اعمال ہو سکتے ہیں لیکن اُن اعمال کو بھی شرک کی موجودگی میں شرفِ قبولیت سے نہیں نوازا جا رہا۔

معلوم ہوا کہ اگر شرک بھی ساتھ ہو تو اعمالِ صالحہ کی کوئی قیمت نہیں۔
دوسری جگہ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا :۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ○

(الانعام - ۸۲)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہیں کی ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں۔

معلوم ہوا کہ امن و سلامتی اور ہدایت ربّانی کا وہی مستحق ہے جس کے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہ ہو۔

آیت بالا میں ظلم سے مراد شرک ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ لقمان کی آیت اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ پڑھ کر ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی تھی (صحیح بخاری)

کاش تبلیغی جماعت عقائد کی درستی پر کچھ کام کرتی۔ اعمالِ حسنہ کے ساتھ عقائد کی بھی اصلاح کرتی۔

ہمیں صدمہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی کام نہیں ہوا۔

تبلیغی نصاب میں کئی مقامات پر شرکیہ اقوال وافعال درج ہیں۔ ڈر ہے کہ کہیں کوئی شخص اِن کو پڑھ کر اِن کے مطابق اپنا عقیدہ نہ بنالے۔ اگر ایسا ہوا تو بقول ربّ کریم :۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ (سل اتٰلک ۳۔۴)

بہت سے مشقت کے ساتھ عمل کرنے والے دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

غور کیجیے ، خوب ریاضتیں کیں، چلّے کاٹے، گھر بار چھوڑا، مصیبتیں برداشت کیں، لیکن ملا کیا؟ آگ۔ الامان، الحفیظ۔

کاش تبلیغی اکابرین تبلیغی نصاب سے شرک و بدعت کی باتیں نکالدیں اور اس نصاب کو اس طرح از سرِ نو مرتّب کریں کہ اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ اس نصاب کی ہر روایت کو جرح و تعدیل کے فن، قرآن مجید اور صحیح حدیث کی کسوٹی پر پرکھیں۔ جو غلط ہوں اُنہیں نکال دیں۔ جھوٹی اور ضعیف روایتوں کی بنیاد پر لوگوں کے عقائد کو خراب ہونے سے بچائیں اور فرقہ وارانہ مذاہب سے اجتناب کریں۔ اس صورت میں اُمید ہے کہ دین و دنیا ______ میں کامیابی و کامرانی حاصل ہو۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران ۔ ۱۳۹)

تم ہی غالب ہوگے بشرطیکہ تم مؤمن ہوئے۔

اللہ تعالےٰ نے غلبہ اور کامرانی کا وعدہ مؤمنین سے کیا ہے،

مشرکوں سے نہیں۔ معلوم ہوا کہ آج ہم ناکام کیوں ہیں، ذلیل وخوار کیوں ہیں، برباد و رسوا کیوں ہیں، صرف اس لئے کہ ہماری اکثریت ایمان سے خالی ہے اور اگر ایمان ہے بھی تو شرک کی چادر میں لپٹا ہوا۔ ایسا ایمان درحقیقت ایمان ہی نہیں۔

اب ہم تبلیغی نصاب سے ایک مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ایک طرف ہم تبلیغی نصاب اور بدعت میں ملوث اقوال واعمال پیش کریں گے تو دوسری طرف اس کے مقابلہ میں قرآن وحدیث پیش کریں گے اور فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑ دیں گے۔

علمِ غیب

(۱) شیخ ابو یعقوب سوسی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے بعد مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا۔ میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا۔ جب میں نے اُس کو قبر میں رکھا تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے کہنے لگا میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔ (درمنثور) (فضائل صدقات حصہ دوم ص۲۰ از جناب محمد زکریا صا مکتبہ امدادیہ ملتان)

دوسرا واقعہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے :۔

(۲) ابو علی روذ باری کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا بہت خستہ حال پرانے کپڑے۔ کہنے لگا یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے جہاں غریب فقیر مر جائے۔ میں نے لاپرواہی سے لغو سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آجا اور جہاں چاہے پڑ کے مر جا۔ وہ اندر آیا، وضو کی، چند رکعت نماز پڑھی اور لیٹ کر مر گیا۔ میں نے اس کی تجہیز وتکفین کی اور جب دفن کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اس کے منہ سے کفن ہٹا کر اس کا منہ

زمین پر رکھ دوں تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس کی غربت پر رحم فرمائے۔ میں نے اس کا منہ کھولا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے پوچھا میرے سردار کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔ میں کل قیامت میں اپنی وجاہت سے تیری مدد کروں گا۔

(فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۳۰۹)

"قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان دونوں واقعات میں کس قدر قرآن حکیم کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (لقمٰن-۳۴)	بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے، کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین پر مرے گا۔ بے شک اللہ ہی جاننے والا خبردار ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا: "یہ غیب کی باتیں ہیں لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ان کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا" لیکن تبلیغی نصاب کے یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ایک مرید نے یہ بتا دیا کہ میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا اور ہوا بھی یہی۔ وہ مرید دوسرے دن ظہر کے وقت مر گیا، گویا کل کا علم اس مرید کو تھا۔ دوسرے واقعہ میں یہ بیان کیا گیا کہ ایک فقیر کو اپنے مرنے کا علم پہلے سے ہو گیا اس نے اپنے لئے جگہ کا تعین کر لیا اور مر گیا۔

مزید برآں دونوں واقعات میں یہ چیز موجود ہے کہ :-
مرنے کے بعد آنکھیں کھول دیں، بات بھی کی اور کہا کہ میں زندہ ہوں
اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔

مزید سنیئے :-

جناب محمد زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

(۳) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔
میں نے کہا کہ میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے۔
یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے۔ اس نے میرا انگوٹھا
چھوڑ دیا۔" (فضائل صدقات حصہ دوم ص۳۰۰)

قارئین کرام غور فرمائیں، کیا دینِ اسلام میں روایت کرنے کا یہی طریقہ
ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ اُن بزرگ کا نام ونشان تک نہیں۔ آخر
روایت بیان کرنے کے لئے کوئی اُصول تو ہونا چاہیئے۔

آگے لکھتے ہیں :-

(۴) شیخ ابن الجلا مشہور بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد
کا انتقال ہوا اور اُن کو نہلانے کے لئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے۔
نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے۔ کسی کی ہمت ان کو نہلانے کی نہ پڑتی
تھی۔ ایک اور بزرگ ان کے رفیق آئے۔ انہوں نے غسل دیا۔ (روض)
غرض صاحبِ روض نے بہت سے واقعات ان مرشدوں کے مرنے
کے ایسے لکھے ہیں کہ جن سے ان کے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد
نہایت بشاش ہونا، ہنسنا، مذاق کرنا، لطف اُڑانا معلوم ہوتا ہے۔
(فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۳۰۰)

یہ واقعات تبلیغی نصاب میں موجود ہیں اور تصدیق کرنے والے جناب محمد زکریا صاحب ہیں۔ کاش! ان واقعات کے دلائل بھی قرآن و حدیث سے دیئے جاتے۔ کیا ان واقعات کو ماننے سے قرآن کریم کا انکار لازم نہیں آتا؟

مالک الملک کا ارشاد ہے :۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل ۸۰) (اے نبی! آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔

اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مُردوں کو سُنا نہ سکیں، مگر یہ بزرگ مرنے والوں کو نہ صرف سناتے ہیں بلکہ خوب باتیں کرتے ہیں اور مردہ بھی خوب مردہ ہے کہ زندوں سے مذاق کرتا ہے "انگوٹھا پکڑ لیتا ہے پھر یہ سن کر کہ "تو زندہ ہے" انگوٹھا چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوتے۔ (فاطر۔ ۲۲)

لیکن یہاں زندہ بھی بات کرتا ہے اور مُردہ بھی بات کرتا ہے۔ زندہ بھی زندہ ہے، اور مُردہ بھی زندہ ہے یعنی دونوں برابر ہیں۔

کیا یہ عقیدہ قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے خلاف نہیں ہے۔

مزید سنیئے :۔

مولوی زکریا صاحب لکھتے ہیں :۔

⑤ عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی۔ دور کا سفر تھا۔ رات کو وہاں ٹھہرے۔ ان میں سے ایک شخص نے اُس قبر والے کو خواب میں دیکھا۔ وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ تُو اپنے اونٹ کو میرے بُختی اُونٹ کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے (بختی اونٹ اعلیٰ قسم کے اونٹوں میں شمار ہوتا ہے جو اس میت نے ترکہ میں

چھوڑا تھا)۔

خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں معاملہ کر لیا۔ وہ صاحب قبر اٹھا اور اس کے اونٹ کو ذبح کر دیا جب یہ اونٹ والا نیند سے اٹھا تو اس کے اونٹ کے خون جاری تھا۔ اس نے اٹھ کر اسے ذبح کر دیا (کہ اس کی زندگی کی امید نہ رہی تھی) اور گوشت تقسیم کر دیا۔ سب نے پکایا، کھایا۔ یہ لوگ وہاں سے واپس ہو گئے۔ جب اگلی منزل پر پہنچے تو ایک شخص بختی اونٹ پر سوار ملا۔ جو یہ تحقیق کر رہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں کوئی ہے۔ اس خواب والے شخص نے کہا کہ یہ میرا نام ہے۔ اس نے پوچھا کہ تم نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اپنا خواب کا قصہ سنایا۔ جو شخص بختی اونٹ پر سوار تھا اس نے کہا وہ میرے باپ کی قبر تھی۔ یہ اس کا بختی اونٹ ہے۔ اس نے مجھے خواب میں کہا ہے کہ اگر تو میری اولاد ہے تو میرا بختی اونٹ فلاں شخص کو دے دے، تیرا نام لیا تھا۔ یہ بختی اونٹ تیرے حوالہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ اونٹ دے کر چلا گیا (اتحاف) یہ سخاوت کی حد ہے کہ مرنے کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والوں کی مہمانی میں اپنے اصیل اونٹ کو فروخت کر کے آنے والوں کی مہمانی کی۔

(اتحاف = تحفہ دینا)

(اصیل = خالص نسل)

باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیونکر ہو گیا اس میں کوئی محال چیز نہیں ہے۔ عالم ارواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔ (فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۳۵۱ - ۳۵۲)

قارئین کرام اس واقعہ کو دوبارہ پڑھیں اور پھر قرآن و حدیث کے فیصلہ پر غور کریں۔

کیا یہ واقعہ قرآن و حدیث کے انکار کے لئے کافی نہیں؟ جبکہ قرآن و حدیث کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص دنیا میں نہیں آسکتا۔ شہید جو کہ عام مرنے والوں پر فوقیت رکھتا ہے اُس کو بھی دنیا میں واپس آنے کی اجازت نہیں ملتی اگرچہ وہ چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر دنیا میں شہادت کے لئے لوٹایا جائے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالےٰ تین مرتبہ شہداء سے پوچھتا ہے :۔

هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا — کیا تمہیں کسی اور چیز کی خواہش ہے؟

شہداء جواب میں کہتے ہیں :۔

يَا رَبِّ نُرِيْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِيْ اَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى فَلَمَّا رَاٰى اَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا۔ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فی بیان ارواح الشہداء جزء ۲)

اے ہمارے رب ہماری یہ خواہش ہے کہ تو ہماری رُوحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں۔ جب اللہ تعالےٰ نے دیکھا کہ اب ان کو کوئی خواہش نہیں ہے تو اُن سے پوچھنا چھوڑ دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد نے اللہ تعالےٰ سے عرض کیا تھا :۔

يَا رَبِّ تُحْيِيْنِيْ فَاُقْتَلَ فِيْكَ ثَانِيَةً۔

اے میرے رب، تو مجھے زندہ کر دے تاکہ میں تیرے راستہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا :۔

اِنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّيْ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن، سندہٗ حسن۔ جزء ۲ صفحہ ۲۳۳)

میری طرف سے یہ (فیصلہ) پہلے ہی ہو چکا ہے کہ وہ (دنیا میں) لوٹ کر نہیں جائیں گے۔

قارئین غور فرمائیں کہ جب مرنے کے بعد دنیا میں آنے کی اجازت ہی نہیں

ملتی تو یہ بزرگ دنیا میں کس طرح آکر اونٹ ذبح کرتے ہیں اور کس طرح مہمانوں کی دعوت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ ۔	جب انسان مرجاتا ہے تو عمل کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین عملوں کے (یعنی) سوائے صدقہ جاریہ کے یا علم کے جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا صالح اولاد کے جو اس کے لئے دعا کرے۔

(صحیح مسلم کتاب الوصیۃ باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ جزء ۲ صفحہ ۱۱)

الغرض جب عمل کا سلسلہ ہی منقطع ہو گیا تو اب یہ مردہ کس طرح اونٹ ذبح کرتا ہے اور کس طرح مہمانی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عالم ارواح کا معاملہ ہے لیکن قارئین کرام غور فرمائیں کہ یہ کہاں کا واقعہ ہے۔ عرب کی وہ جماعت عالم ارواح میں تو نہیں گئی تھی۔ وہ اونٹ کا گوشت عالم ارواح میں تو نہیں کھا رہے تھے۔

کیا ان تمام سوالوں کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ بات شیخ الحدیث نے لکھی ہے لہذا صحیح ہو گی۔ قارئین کرام بتائیں کیا یہ جواب صحیح ہے؟

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے :۔

(۶) مصر میں ایک صاحب خیر شخص تھے جو اہل ضرورت اور فقراء کے لئے چندہ کر دیا کرتے تھے۔ جب کسی کو کوئی حاجت پیش آتی وہ ان سے کہتا۔ وہ اہل ثروت لوگوں سے کچھ مانگ کر اس کو دے دیا کرتے۔ ایک فقیر ان کے پاس گیا اور کہا میرے لڑکا پیدا ہوا ہے اور میرے

پاس اس کی اصلاح کے انتظام کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ صاحب اٹھے اور لوگوں سے اس کے لئے مانگا لیکن کہیں سے کچھ نہ ملا کہ جو آدمی کثرت سے مانگتا رہتا ہو اس کو ملنا مشکل ہو جاتا ہے) یہ سب سے مایوس ہو کر ایک سخی کی قبر پہ گئے اور اُن کی قبر پر بیٹھ کر یہ سارا قصہ بیان کیا اور وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور واپس آکر اپنے پاس سے ایک دینار نکالا اور اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا اور دوسرا اس فقیر کو دے دیا کہ یہ میں قرض دیتا ہوں۔ اس وقت تم اس سے اپنا کام چلاؤ جب تمہارے پاس کہیں سے کچھ آجائے تو میرا قرضہ ادا کر دینا۔ وہ لے کر چلا گیا اور اپنی ضرورت پوری کر لی۔ رات کو ان صاحب دینار نے اُس قبر والے کو خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہاری بات تو ساری سُن لی تھی مگر مجھے جواب دینے کی اجازت نہ ہوئی تم میرے گھر والوں کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ مکان کے فلاں حصہ میں جو چولہا بن رہا ہے اس کے نیچے ایک چینی کا مرتبان گڑ رہا ہے۔ اس میں پانچ سو اشرفیاں ہیں وہ اس فقیر کو دے دیں۔ یہ صبح اٹھ کر اس کے مکان پر گئے اور گھر والوں سے سارا قصہ اور اپنا خواب بیان کیا۔ انھوں نے اس جگہ کو کھودا اور وہ مرتبان پانچ سو اشرفیوں کا نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

اس شخص نے کہا خواب کوئی شرعی چیز نہیں ہے تم لوگ اس مال کے وارث ہو اور مالک ہو اس لئے میں محض اپنے خواب کی وجہ سے اس کو نہیں لیتا، مگران وارثوں نے اصرار کیا کہ جب وہ مر کر سخاوت کرتا ہے تو بڑی بے غیرتی ہے کہ ہم زندہ سخاوت نہ کریں۔ ان کے اصرار پر اس

نے وہ اشرفیاں لے کر اُس فقیر کو دے دیں اور سارا قصہ سنایا اس
نے ان میں سے ایک دینار لے کر اُس کے دو ٹکڑے کئے ایک ان صاحب
کو اپنے قرضہ کی ادائیگی میں دیا اور دوسرا ٹکڑا اپنے پاس رکھ کر کہا کہ
میری ضرورت کو تو یہ کافی ہے۔ باقی یہ سب رقم میری ضرورت سے
زائد ہے میں اس کو لے کر کیا کروں گا۔ وہ سب فقراء پر تقسیم کر دی۔
صاحب اتحاف کہتے ہیں کہ اس قصہ میں غور کرنے کی چیز یہ ہے
کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ میت یا اس کے گھر والے یا یہ فقیر
اور ہمارے نزدیک تو یہ فقیر سب سے زیادہ سخی ہے کہ اپنی اِس
شدت حاجت کے باوجود نصف دینار سے زیادہ لینا پسند نہ کیا۔
(اتحاف) { فضائل صدقات حصہ دوم ص ۲۵۶ و ص ۲۵۷ }

قارئین کرام غور فرمائیں کیا اس واقعہ میں یہ درس نہیں دیا گیا کہ جب
زندوں سے مایوس ہو جاؤ اور کہیں سے کچھ نہ ملے تو کسی سخی کی قبر پر جا کر
سب پریشانی بیان کر دو کیونکہ سخی مرنے کے بعد بھی سن لیتا ہے۔
یہ بات قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (نمل۔۸۰) (اے نبی) آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے۔
ایک واقعہ اور سنیئے:۔

(۷) شیخ ابو یزید قرطبی فرماتے ہیں۔ میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے
یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا
اور کئی نصاب خود اپنے لئے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک
نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے جنت

دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے مجھے اس کی صحت میں کچھ تردد تھا۔ ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعتہً اس نے ایک چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے اس کی حالت مجھے نظر آئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا۔

چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا ان نصابوں میں سے جو اپنے لئے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا۔ میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا کہ چچا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ مجھے اس قصہ سے دو فائدے ہوئے۔

ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا، دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا۔

یہ ایک واقعہ ہے۔ اس قسم کے نہ معلوم کتنے واقعات اس امت کے افراد میں پائے جاتے ہیں۔

(فضائل اعمال ص۵۲۶۔ فضائل ذکر ص۹۸-۹۹ عتیق اکیڈمی بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ کیا یہ واقعہ انسانوں کے لئے علم غیب کو ثابت نہیں کرتا؟

اس واقعہ کی چند خصوصیات پر توجہ فرمائیں۔

۱- ابو یزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ کلمہ پڑھے۔ یہ ابو یزید نے کہاں سے سنا۔ ایسی بات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم ہی کسی صحابی کو بتا سکتے تھے۔

۲۔ افسوس کہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ مضمون نہیں ملتا پھر قرطبی صاحب کو کہاں سے معلوم ہوا۔

۳۔ پھر قرطبی صاحب کے تجربہ سے جو سبق ملا وہ یہ ہے کہ نصاب جمع کرو اور مُردوں کو بخشوالو۔

۴۔ پھر کشف یعنی پردہ کھولنا۔ جنت اور دوزخ اللہ تعالےٰ نے غیب میں رکھی ہیں۔ ان کا مشاہدہ کرنا، اپنی والدہ کو دوزخ میں دیکھنا اور پھر اس کی مغفرت کو دیکھنا کیا یہ سب علم غیب نہیں جس کو کشف کے ذریعہ معلوم کیا گیا؟

غرض یہ کہ مولوی زکریا صاحب کے بقول :۔

اس امت میں علم غیب رکھنے والے بے شمار لوگ ہیں حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ غیب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالےٰ کے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل ۔ ۶۵)	کہہ دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو لوگ ہیں ان میں سے کوئی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔

اور سنیئے :۔

(۸) ایک معتمد دوست نے راقم سے ایک خوشنویس لکھنؤ کی حکایت بیان کی۔ ان کی عادت تھی کہ جب صبح کے وقت کتابت شروع کرتے تو اوّل ایک بار درود شریف ایک بیاض پر جو اسی غرض سے بنائی تھی لکھ لیتے اس کے بعد کام شروع کرتے۔ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو غلبۂ

فکرِ آخرت سے خوفزدہ ہو کر کہنے لگے کہ دیکھئے وہاں جا کر کیا ہوتا ہے۔
ایک مجذوب آنکلے اور کہنے لگے بابا کیوں گھبراتا ہے وہ بیان سرکارؐ میں
پیش ہے اور اس پر صاد بن رہے ہیں۔

(فضائل اعمال ص۷۴۳ فضائل درود ص۹۵)

غور فرمائیے کیا مجذوب صاحب علمِ غیب کو جذب کئے ہوئے تھے؟
انہوں نے کیسے فرمایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں تمہارے درود تو سرکار نے
قبول فرمالئے۔ اب خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

اور سنیئے :-

(۹) حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا،
مجھے بڑی مشقت اٹھانی پڑی اور بڑی مصیبت پیش آئی، میں نے
برداشت کیا۔ اور خندہ پیشانی سے اُس پر صبر کیا، جب میں مکہ مکرمہ
میں داخل ہوا تو مجھ میں اس کارنامہ پر ایک عُجب سا پیدا ہوا۔
طواف ہی کی حالت میں پیچھے سے ایک بڑھیا نے آواز دی کہ اے
ابراہیم اس جنگل میں یہ بندی بھی تیرے ساتھ تھی، مگر میں نے تجھ سے
اس لئے کوئی بات نہیں کی تھی کہ اللہ جل شانہ سے تیرا دھیان ہٹ
کر دوسری طرف لگے گا۔
یہ وسوسہ جو تجھے اس وقت آگیا اس کو اپنے دل سے نکال دے۔

(روض) {فضائل حج ص۲۵۴ ص۲۵۵ مکتبہ امدادیہ ملتان}

کیا اس واقعہ میں یہ درس نہیں کہ اولیاء اللہ اگرچہ نظروں سے غائب
ہوتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ہوتے ہیں حتیٰ کہ دلوں کے ارادوں سے بھی واقف
ہوتے ہیں حالانکہ

قرآن مجید میں اس طرح ہے :۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ سینوں کی باتوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔

(آل عمران ۔ ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ (قٓ ۔ ۱۶)

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ہی جانتے ہیں کہ اس کے دل میں کیا خیالات آتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

دلوں کے خیالات کا جاننا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بندے اس صفت میں کیسے اس کے شریک ہو سکتے ہیں ؟

ایک اور جگہ ارشاد ہے :۔

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (التوبۃ۔۱۰۱)

بعض مدینہ والے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ (اے نبی) آپ اُن کو نہیں جانتے، ہم اُن کو جانتے ہیں۔

غور فرمائیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کے حال سے واقف نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ منافقوں نے آپؐ کو دھوکا دیا۔ بئرِ معونہ کے مقام پر ستر قاری شہید کر دیئے گئے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کا حال جانتے تو کیوں دھوکے میں آتے۔ ایک طرف یہ لاعلمی دوسری طرف تبلیغی بزرگ ہیں کہ سب کچھ جانتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اور سنیئے :۔

(۱۰) شیخ بنان فرماتے ہیں کہ میں مصر سے حج کو جا رہا تھا میرا توشہ میرے ساتھ

تھا، راستہ میں ایک عورت ملی کہنے لگی بنان تم بھی حمال (مزدور) ہی نکلے، توشہ لادے لئے جا رہے ہو، تمہیں یہ وہم ہے کہ وہ تمہیں روزی نہیں دے گا، میں نے اُس کی بات سن کر اپنا توشہ پھینک دیا۔ تین دن تک مجھے کھانے کو نہ ملا۔ راستہ میں چلتے چلتے مجھے ایک پازیب (پاؤں کا زیور) پڑا ہوا ملا، میں نے یہ سوچ کر اٹھالیا کہ اس کا مالک مل جائے گا تو اس کو دے دوں گا، وہ شاید اس پر مجھے کچھ دے دے تو وہ عورت پھر سامنے آئی کہنے لگی تم تو دکاندار ہی نکلے، کہ وہ پازیب کے بدلے میں شاید کچھ دے دے۔

اس کے بعد اُس عورت نے میری طرف کچھ درہم پھینک دیے کہ لے انہیں خرچ کرتا رہیو، میں نے اِن کو خرچ کرنا شروع کیا اور واپسی میں مصر تک انہوں نے مجھے کام دیا۔

(فضائل حج صفحہ ۲۵۰)

یہ واقعہ بھی پہلے واقعہ سے ملتا جلتا ہی ہے۔ ایک عورت نے دلی خیالات پر سرزنش کی اور وہ عورت بھی بنان صاحب کے ساتھ ہی تھی مگر بنان صاحب اس کو تب دیکھتے تھے جب وہ ظاہر ہوتی تھی۔ مزید برآں

یہ واقعہ سبق دیتا ہے کہ توشہ ساتھ نہیں رکھنا چاہیئے حالانکہ یہ چیز قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَتَزَوَّدُوا (البقرۃ - ۱۹۷) اور توشہ ساتھ لے لیا کرو۔

ناظرین کی خدمت میں یہ دس واقعات ہم نے تبلیغی نصاب سے نقل کئے ہیں ورنہ اس میں ایسے سینکڑوں واقعات درج ہیں۔
کاش! تبلیغی اکابرین ایسے مشرکانہ واقعات پر مشتمل تبلیغی نصاب کے ذریعہ قرآن وحدیث کے خلاف، اُسوۂ رسول کے نام پر لوگوں کے عقائد و اعمال کو مسخ کرنے کی تبلیغ نہ کرتے۔

جماعت المُسلمین کی دعوت

جماعت المسلمین ایسی جماعت ہے جس میں فرقہ وارانہ مذاہب کے ماننے والے نہیں پائے جاتے یعنی جماعت المسلمین فرقوں کا معجون مرکب نہیں ہے۔ جو شخص بھی جماعت المسلمین میں شامل ہوتا ہے وہ صرف مسلم ہوتا ہے، نہ اُس کا کوئی مسلک ہوتا ہے اور نہ کوئی مذہب، نہ اُسکا کوئی مکتبۂ فکر ہوتا ہے اور نہ اسکی کوئی فرقہ وارانہ فقہ۔ اس کا تو بس دین ہوتا ہے اور وہ دین اسلام ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند اور توحید اور سنّت پر گامزن ہوتا ہے۔

جماعت المسلمین توحید اور اتباعِ سنت پر سختی سے کاربند ہے اور وہ صرف اسلام یعنی وہ اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر گئے تھے اس پر قائم ہے اور اسی کی دعوت دیتی ہے۔ جماعت المسلمین نہ فرقہ ہے

اور نہ فرقہ وارانہ مذاہب کو اسلام سمجھتی ہے۔

فرقہ بندی کو ہر شخص لعنت سمجھتا ہے لیکن فرقوں کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا، یہ قول و فعل کا تضاد ہے۔ اس طرح فرقہ بندی کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور لوگوں کا یہ خواب کہ سب ایک ہو جائیں کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے :۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○ (الروم۔ ۳۱ و ۳۲)	اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے ہو گئے۔ تمام فرقے جو کچھ ان کے پاس ہے اس میں مگن ہیں۔

قارئین کرام، اس آیت پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ نے مشرکین کی کیا تشریح فرمائی ہے۔

آئیے جماعت المسلمین میں شامل ہو کر فرقہ بندی کی لعنت کو ختم کریں۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین، کوثر نیازی کالونی، نارتھ ناظم آباد، بلاک جی، کراچی ۳۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ اشاعت ۱۱۱ — شعبان ۱۴۱۱ھ

عذاب قبر کہاں ہوتا ہے؟

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ وَ اِنَّهٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَیُقْعِدَانِهٖ فَیَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَیَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَیُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَیَرَاهُمَا جَمِیْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَ الْكَافِرُ فَیُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا یَقُوْلُ

جب بندہ اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب واپس ہوتے ہیں تو ابھی وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہوتا ہے کہ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اُسے بٹھلاتے ہیں۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں تو ان صاحب کے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا کرتا تھا۔ اگر وہ بندہ مؤمن ہوتا ہے تو کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے: دوزخ میں اپنے مقام کو دیکھ، اللہ نے اس کے بدلہ میں تجھے جنّت میں ایک مقام عطا فرمایا ہے۔ وہ دونوں مقاموں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے۔ رہا منافق اور کافر تو اس سے بھی پوچھا جاتا ہے

النَّاسُ فَيُقَالُ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی عذاب القبر)۔	کر تو ان کے متعلق کیا کہتا تھا۔ وہ جواب دیتا ہے میں کچھ نہیں جانتا جو کچھ لوگ کہتے تھے میں بھی وہ کہا کرتا تھا۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے: نہ تو نے جانا اور نہ تو نے پڑھا۔ پھر اُسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے تو وہ ایک چیخ نکالتا ہے جس کو جن و انس کے سوا تمام مخلوق جو قریب ہوتی ہے سنتی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردے کو اسی جگہ عذاب ہوتا ہے

① جہاں اُسے رکھا جاتا ہے اور

② جہاں اُس کے ساتھی اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

اور کیونکہ (۱) مردے کو ارضی قبر میں رکھا جاتا ہے اور کیونکہ (۲) ارضی قبر ہی میں اُسے چھوڑ کر اس کے ساتھی واپس جاتے ہیں

لہٰذا ثابت ہوا کہ ارضی قبر ہی میں عذاب ہوتا ہے، کسی دوسری قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ (صحیح مسلم کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمها و اهلها باب عرض مقعد المیت او النار علیه و اثبات عذاب القبر جزء ۲ صفحہ ۵۲۴)	اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ تم (مُردوں کو) دفن نہیں کرو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ عذاب قبر جو میں سنتا ہوں اُس میں سے کچھ تمہیں بھی سنا دے۔

صحابۂ کرام ارضی قبر ہی میں دفن کرتے تھے اور جب وہ ارضی قبر میں ہونے والے عذاب کی آواز ارضی قبر سے آتی ہوئی سن لیتے تو عذاب قبر کے خطرہ سے بچنے کے لئے وہ ارضی قبر میں دفن ہی نہ کرتے ۔ اگر صحابۂ کرام کا یہ عقیدہ ہوتا کہ ارضی قبر میں عذاب نہیں ہوتا بلکہ کسی اور قبر میں ہوتا ہے تو وہ ارضی قبر میں دفن کرنا کیوں چھوڑ دیتے ۔ ارضی قبر میں دفن کرنے سے پھر انہیں کونسا امر مانع تھا۔ ظاہر ہے کہ کوئی امر مانع نہیں تھا، وہ عذاب قبر سننے کے بعد بھی ارضی قبر میں بغیر کھٹکے دفن کرتے رہتے ۔ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارضی قبر میں دفن نہ کرنے کا اندیشہ ہی نہ ہوتا ۔

اگر صحابۂ کرام کا یہ عقیدہ صحیح نہیں ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قبر کا عذاب سنانے کی دعاء کر دیتے اور انہیں سمجھا دیتے کہ وہ ارضی قبر میں دفن کرنا نہ چھوڑیں اس لئے کہ ارضی میں تو عذاب ہوتا ہی نہیں ، وہ تو کسی اور قبر میں ہوتا ہے لیکن ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی اور قبر کا ذکر ہی نہیں کیا اور ذکر تو کجا اشارہ تک نہیں کیا تو پھر یہ کس قدر فرضی عقیدہ ہے کہ کسی فرضی قبر میں عذاب ہوتا ہے ۔ فرضی قبر کا دعویٰ کرنے والے کوئی ایک آیت یا ایک حدیث ہی اس سلسلہ میں پیش کریں ۔ لیکن پیش کہاں سے کریں، اس مضمون کی کوئی آیت یا حدیث ہو تو پیش کریں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے عقیدہ کی تردید نہیں فرمائی ، ان کی غلط فہمی دور نہیں کی تو پھر ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے تو اب سوچنا چاہیئے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے کے مطابق عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر یا مشرک کیسے ہوگا ۔؟

(٣) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ
أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ
يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَ
لِلْآخَرِ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا
كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ
فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ هُوَ
عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ
أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ
قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هٰذَا
ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ
ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ
فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُولُ
أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ
فَيَقُولَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ
الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ
أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ
مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ وَإِنْ كَانَ
مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ
يَقُولُونَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي

جب میت کو یا تم میں سے کسی کو دفن
کیا جاتا ہے تو سیاہ فام، نیلی آنکھوں
والے دو فرشتے اس کے پاس آتے
ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے
کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں :-
اِن صاحب کے متعلق تو کیا کہتا تھا؟
تو جو کچھ وہ کہا کرتا تھا وہی کہے گا۔ وہ
کہے گا : یہ اللہ کے بندے اور اس
کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں
کہ اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں اور محمد اس
کے بندے اور اسکے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ
وسلم)۔ یہ سن کر وہ فرشتے کہتے ہیں
ہمیں معلوم تھا کہ تو یہ کہا کرتا تھا۔ پھر
اس کی قبر میں اس کے لئے ستّر ستّر ہاتھ
کی کشادگی کر دی جاتی ہے، پھر اس
میں اس کے لئے روشنی کر دی جاتی ہے،
پھر اس سے کہا جاتا ہے : سو جا۔ وہ
کہتا ہے میں اپنے اہل وعیال کے پاس
جاتا ہوں اور انہیں (یہ) خبر بتاؤں
گا۔ فرشتے کہتے ہیں : دولہا کی طرح سو جا

فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ فَيُقَالُ لِلْاَرْضِ الْتَئِمِيْ عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ (ر و ا ه الترمذی فی ابواب الجنائز باب ما جاء فی عذاب القبر جزء اوّل ص۲۲۷ وسندهٗ صحیح علی شرط مسلم)

جسے کوئی نہیں جگاتا مگر وہ جو اُس کے اہل (خاندان) میں سب سے زیادہ اس کو محبوب ہوتا ہے۔ (وہ اسی طرح آرام سے سوتا رہے گا) یہاں تک کہ اللہ (تعالیٰ) اس کو اُس کی اسی خوابگاہ سے اٹھا کھڑا کرے گا۔ اگر (مرنے والا) منافق ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے، میں نے جو کچھ لوگوں کو کہتے سنا میں بھی وہی کہنے لگا، (اس سے زیادہ) مجھے کچھ نہیں معلوم۔ فرشتے کہتے ہیں: ہمیں معلوم تھا کہ تو اسی طرح کہا کرتا تھا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے: اس کے اوپر مل جا۔ زمین اس کے اوپر مل جاتی ہے (یعنی اس کو بھینچتی ہے)۔ اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اس میں (اسی طرح) عذاب دیا جاتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ (تعالیٰ) اس کو اُس کی خوابگاہ سے زندہ کرکے اٹھائیگا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مُردے کو اس جگہ عذاب دیا جاتا ہے جس جگہ سے وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اور یہ سب مانتے ہیں کہ قیامت کے دن ارضی قبر سے اٹھایا جائے گا لہٰذا دلیل قاطع سے یہ چیز ثابت ہو گئی کہ مُردے

کو ارضی قبر ہی میں عذاب ہوتا ہے۔

جو شخص ان احادیث کے مطابق عقیدہ رکھتا ہے وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان احادیث کے مطابق عقیدہ نہیں رکھتا وہ مؤمن نہیں ہو سکتا اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ حدیث کی مخالفت کفر ہے تو ہونا یہ چاہیئے تھا کہ حدیث کے مخالف عقیدہ رکھنے والے کو کافر کہا جاتا لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جو شخص حدیث کے موافق عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر ہے۔ کاش یہ لوگ غور کرتے۔

اعتراضات

اپنا ایک خاص عقیدہ بنانے کے بعد لوگوں کا یہ عجیب رویہ ہو گیا ہے کہ جو حدیث ان کے عقیدہ کے خلاف ہوتی ہے اسے قرآن مجید کے خلاف کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ یہ اچھی روش نہیں ہے۔ کاش یہ لوگ غور کرتے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

یہ حدیث قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی آیت ہے تو ایسے لوگوں سے ہماری گذارش ہے کہ وہ اُس آیت کو پیش کریں جس کا یہ مضمون ہو کہ ارضی قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسی آیت پیش نہیں کر سکیں گے تو ہم ان سے گذارش کریں گے کہ وہ حدیث کو قرآن مجید کے خلاف کہہ کر ضد نہ کریں بلکہ حدیث کے مطابق اپنے عقیدہ کو استوار کر لیں۔

ایک ایسے صاحب سے ہماری گفتگو ہوئی، ہم نے حدیث پیش کی، انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔ ہم نے کہا وہ آیت پڑھیں جس میں یہ ہو کہ عذاب ارضی قبر میں نہیں ہوتا لیکن باوجود اصرار کے وہ ایسی آیت نہ بتا سکے تو پھر یہ کہنا کہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے صحیح نہیں۔

قرآن مجید کی کسی آیت کے مضمون کو توڑ مروڑ کر اپنے عقیدہ کے مطابق کر لینا اور پھر حدیث کو اس خود ساختہ مفہوم کے خلاف قرار دے کر قرآن مجید کے خلاف کہنا یہ صحیح نہیں، زیادتی ہے۔ حدیث بیشک آیت کے خود ساختہ مضمون کے خلاف ہو سکتی ہے لیکن قرآن مجید کے اصل مفہوم کے خلاف نہیں ہوتی۔ کاش یہ لوگ اپنے رویہ پر غور کریں۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ آیت کا معنیٰ حدیث کی روشنی میں کیا جائے اس لئے کہ معلّم کتاب و حکمت سے بہتر اور کس کے معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے جو معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں وہی صحیح ہیں باقی سب غلط۔

بالفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے تب بھی صحیح حدیث کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ تطبیق کی کوئی صورت تلاش کی جائے گی لیکن اُسے مسترد نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ وہ ثابت شدہ ہے اور ثابت شدہ چیز کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ ثابت شدہ چیز کو مسترد کرنا انصاف کے خلاف ہے۔

اس سلسلہ میں ہم قرآن مجید سے ایک مثال دیتے ہیں۔

اگر کوئی مرد مر جائے اور وہ کلالہ ہو تو اگر اس کی بہن ہو تو اس بہن کو ورثہ کا نصف ملے گا، اسی طرح اگر عورت مر جائے اور وہ کلالہ ہو تو اگر اس کا بھائی ہو تو بھائی کو پورا ورثہ مل جائے گا۔ اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو میراث کا دو تہائی ملے گا اور اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ورثہ ان میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے گا کہ بھائی کو بہن سے دوگنا ملے (النساء ۱۷۷)

اب ذیل میں ہم وہ آیت لکھتے ہیں جو مندرجہ بالا آیت کے خلاف ہے۔

اگر کوئی مرد یا عورت مر جائے اور وہ کلالہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو وہ ورثہ کے تہائی میں شریک ہوں گے (النساء ۱۲)

غور کیجئے دوسری آیت پہلی آیت کے بالکل خلاف ہے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ کیونکہ دوسری آیت پہلی آیت کے خلاف ہے لہٰذا یہ صحیح نہیں۔ کوئی نہیں کہتا اور نہ کسی نے آج تک کہا۔ تطبیق دیتے ہیں اور اس طرح تضاد کو دور کر لیتے ہیں۔ دوسری آیت کو غیر صحیح کیوں نہیں کہتے اس لئے کہ وہ بھی ثابت شدہ ہے اور ثابت شدہ چیز کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی ثابت شدہ حدیث بظاہر کسی آیت کے خلاف ہو تو اُسے بھی رد نہیں کیا جائے گا بلکہ تطبیق کی کوئی صورت نکالی جائے گی۔ ارضی قبر میں عذاب ثابت کرنے والی حدیث تو کسی آیت کے خلاف بھی نہیں پھر اسے کیوں قرآن مجید کے خلاف کہہ کر ٹالا جاتا ہے۔ کاش ارضی قبر میں عذاب کا انکار کرنے والے غور کریں۔

ہم نے اوپر متضاد آیتوں کا صرف ایک جوڑا پیش کیا ہے۔ اس قسم کے چالیس مزید جوڑے ہم قرآن مجید سے پیش کر سکتے ہیں جن میں ہر جوڑے کی ایک آیت دوسری آیت کے خلاف ہے لیکن کوئی بھی کسی آیت کو غیر صحیح نہیں کہتا بلکہ تطبیق کر کے تضاد کو دور کر لیتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ صحیح حدیث اور ایسی آیت جو بظاہر حدیث کے خلاف ہو دونوں میں تطبیق نہ دی جائے۔ تطبیق دینا ضروری ہے اور تطبیق دے کر حدیث کو ماننا ضروری ہے۔

اشکالات | بعض لوگ ارضی قبر میں عذاب کے واقع ہونے کے سلسلہ میں اشکالات بھی پیش کرتے ہیں حالانکہ ثابت شدہ چیز پر اشکالات پیش نہیں کیے جا سکتے۔ اشکالات سے ثابت شدہ چیز کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیا (یوسف ـ ۱۰۰) اس واقعہ میں بھی اشکالات ہو سکتے ہیں مثلاً (۱) باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنا نا قابل فہم ہے۔

(۲) دونوں کے متعلق شرک کی نسبت کی جا سکتی ہے۔

لیکن کوئی یہ اشکال پیش نہیں کرتا، کیوں صرف اس لئے کہ سجدہ کرنے کی خبر ثابت شدہ ہے۔ کسی نے سجدہ کے معنیٰ بدل کر اشکالات کو دور کرنے کی کوشش کی، کسی نے سجدہ کی دو قسمیں کر دیں: سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی۔ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ کہا گیا کہ انہوں نے سجدۂ تعظیمی کیا تھا۔ اس پر اعتراض ہوا کہ سجدۂ تعظیمی بھی ممنوع ہے تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ لیکن باپ کا بیٹے کے سامنے سجدہ کرنے کے اعتراض کو پھر بھی دور نہ کر سکے۔ کچھ بھی ہوا لیکن آیت کا انکار نہیں کیا محض اس لئے کہ وہ ثابت شدہ چیز تھی اور ثابت شدہ چیز اشکالات سے رد نہیں کی جا سکتی۔

دوسری مثال | یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں نے اپنے والد سے کہا کہ یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو بھیڑیا کھا گیا۔ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: تم نے یہ بات اپنے دل سے بنا لی ہے (سورۃ یوسف ـ ۱۷ و ۱۸)

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خبر کی تصدیق نہیں کی بلکہ اُسے جھوٹی خبر قرار دیا لیکن پھر بھی انہوں نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش کے لئے نہ کسی کو بھیجا اور نہ خود گئے۔ کیا کوئی باپ ایسا کر سکتا ہے کہ بچہ جنگل بیابان میں اکیلا ہو، رات کا وقت ہو اور وہ صبر کر کے بیٹھ جائے۔ امت میں سے بھی کسی نے نہیں کہا: ہم دیکھ کر لاتے ہیں۔ اشکال تو بہت زبردست ہے لیکن کیا کیا جائے کہ خبر ثابت شدہ ہے لہٰذا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری مثال حضرت خضر نے ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا (کہف ۷۴) بتلایئے کون سا قانون معصوم بچے کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن واقعہ کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ واقعہ ثابت شدہ ہے۔

اس قسم کی متعدد مثالیں قرآن مجید سے پیش کی جا سکتی ہیں تو کیا کسی اشکال کی وجہ سے قرآن مجید کی کسی آیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، محض اس لئے کہ قرآن مجید کی تمام آیات ثابت شدہ ہیں، بالکل اسی طرح اگر حدیث ثابت شدہ ہوگی تو اس پر بھی شبہ نہیں کیا جائے گا، اشکالات کو مسترد کر دیا جائے گا۔

ارضی قبر کے عذاب کے سلسلہ میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں ان پر جو اشکالات پیش کئے جاتے ہیں وہ بچکانہ ہیں اور ان کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔ ہم تو ان اشکالات کو اہم نہیں سمجھتے کہ ان کا جواب دیں اس لئے ارضی قبر کے عذاب کی احادیث ثابت شدہ ہیں لہٰذا اشکالات اہم ہوں یا غیر اہم سب مسترد ہیں۔

نصیحت و خیر خواہی ارضی قبر میں عذاب کا انکار کرنے والوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کریں۔ اپنی آخرت کو نہ بگاڑیں اور بلاوجہ، بغیر دلیل ایک فرضی عقیدہ کی بنیاد پر بزرگانِ دین، ائمہ اور محدثین اور جملہ مسلمین پر کفر یا شرک کا فتویٰ نہ لگائیں اور جماعت المسلمین کے جھنڈے کے نیچے آجائیں جہاں عقیدہ کی بنیاد صرف قرآن مجید اور ثابت شدہ حدیث پر ہوتی ہے۔ کسی فرضی چیز کی بنیاد پر نہ کوئی عقیدہ ہوتا ہے اور نہ عمل۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سلسلہ اشاعت ۱۱۱

عذابِ قبر کہاں ہوتا ہے؟

مندرجہ بالا عنوان پر ایک پمفلٹ پہلے شائع ہو چکا ہے۔ قارئینِ کرام سوچتے ہوں گے کہ اس عنوان پر آخر قلم اٹھانے کی کیا ضرورت تھی "عذابِ قبر" کا مرکب اضافی خود بتا رہا ہے کہ عذابِ قبر کہاں ہوتا ہے۔ جو چیز عنوان ہی سے واضح ہو رہی ہو اس کے لئے نہ کسی مضمون کی ضرورت ہے اور نہ کسی تشریح کی۔ "عذابِ قبر" اگر قبر میں نہیں ہوگا تو اور کہاں ہوگا۔ لیکن قارئین کرام کیا کہا جائے۔ کچھ لوگ ہمیشہ ایسے عجوبۂ روزگار ہوتے ہیں کہ ان سے وقتاً فوقتاً عجوبۂ روزگار چیزوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ میں لیاقت آباد نمبر ۲ کا بس اسٹاپ ناظم آباد میں تھا (اور شاید اب بھی ہو)۔ پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ لیاقت آباد کا بس اسٹاپ لیاقت آباد ہی میں ہونا چاہیئے ناظم آباد میں کیسے ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے حیرت زدہ سائل کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا جائے کہ یہ لیاقت آباد دوسرا ہے جس کا بس اسٹاپ ناظم آباد میں ہے۔ سائل کو مزید حیرت ہوگی کہ لیاقت آباد تو ایک ہی ہے، دوسرا لیاقت آباد کہاں سے آگیا۔ اس کا تو کہیں وجود ہی نہیں۔ نہ دیکھا نہ سنا۔ جواب ملتا

ہے کہ یہ لیاقت آباد پوشیدہ ہے۔ برزخ یعنی پردہ کے پیچھے ہے۔ دکھائی نہیں دے سکتا۔ اسی طرح عذابِ قبر کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ "عذابِ قبر" کے مرکب میں جس قبر کا ذکر ہے وہ برزخ میں ہے۔ سوال ہوتا ہے کہ آخر اس برزخی قبر کا کچھ ذکر کہیں قرآن مجید یا حدیث مبارک میں ہے۔ جو قبر نہ ہیں دکھائی دیتی ہے، نہ اللہ ذوالجلال والاکرام نے قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر کیا اور نہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر کبھی اس کا ذکر آیا آخر ایسی قبر کو ہم کیسے مان لیں اور دکھائی دینے والی حقیقی قبر کو نظرانداز کر کے ایک فرضی قبر کو تسلیم کر لیں۔

گزشتہ قسط میں ہم احادیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ عذابِ قبر اسی دکھائی دینے والی ارضی قبر میں ہوتا ہے لیکن مخالفین حدیث کو مانتے ہی کب ہیں۔ وہ کھلم کھلا حدیث کا انکار تو نہیں کرتے لیکن ہاں کسی نہ کسی حیلے اور بہانے سے حدیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ ہماری بیان کردہ احادیث کے متعلق بھی ان کا یہی رویہ ہے۔ کہتے ہیں یہ احادیث قرآن مجید کے خلاف ہیں لیکن وہ کوئی ایسی آیت پیش نہیں کرتے جو ان احادیث کے خلاف ہو اور جو آیت وہ پیش کرتے ہیں اس میں برزخی قبر کا ذکر نہیں۔ جو آیت وہ پیش کرتے ہیں وہ درجِ ذیل ہے :-

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ (المؤمنون — ۱۰۰)	اُن کے آگے اُس دن تک جس دن وہ لوگ (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے پردہ ہے۔

مندرجہ بالا آیت بے محل پیش کی جاتی ہے۔ اس آیت میں قبر کا لفظ تک نہیں پھر یہ آیت برزخی قبر کی دلیل کیسے بن گئی۔ بات یہ ہے کہ برزخی قبر بھی فرضی اور دلیل بھی فرضی۔ مندرجہ بالا آیت کا مطلب بالکل صاف ہے اور وہ یہ کہ مرنے کے بعد قیامت تک کی زندگی انسانوں سے پوشیدہ رہتی ہے گویا وہ زندگی برزخ یعنی پردہ کے پیچھے ہے۔ انسان پردہ کے پیچھے کے حالات

سے واقف نہیں ہوسکتے۔ فرضی قبر والے پوچھتے ہیں کہ اگر ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے تو دکھائی کیوں نہیں دیتا ؟ قبر کو کھود کر دیکھو تو عذاب جیسی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ہم کہتے ہیں یہی تو برزخ ہے، یہی تو پردہ ہے جو ہمیں ارضی قبر کے عذاب کو دیکھنے سے مانع ہے۔ اگر یہ برزخ (یعنی پردہ) نہ ہوتا تو ہمیں ارضی قبر کا عذاب نظر آجاتا۔ الغرض ارضی قبر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ پردہ کے پیچھے ہو رہا ہے۔ ہمیں نہ پردہ نظر آتا ہے اور نہ پردے کے پیچھے ہونے والے عذابات نظر آتے ہیں۔ اگر قبر کا عذاب نظر آجاتا تو پھر برزخ کہاں رہتا۔ مزید برآں ضروری نہیں کہ جو چیز نظر نہ آئے اس کا وجود نہ ہو۔ بہت سی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں لیکن ان کے وجود پر ہمارا بڑا پختہ ایمان ہے مثلاً فرشتے، شیاطین وغیرہ۔ کافر کی جان نکالتے وقت فرشتے اسے مارتے ہیں لیکن نہ فرشتے نظر آتے ہیں اور نہ ان کا مارنا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ (الانفال ـ ۵۰)

اور (اے رسول) اگر آپ (اُس وقت کی کیفیت کو) دیکھیں جس وقت فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں (تو آپ دیکھیں گے کہ) فرشتے ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور (یہ کہتے جاتے ہیں) عذابِ سوزاں کا مزا چکھو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۝ (محمد ـ ۲۷)

اس وقت کافروں کی کیا کیفیت ہوگی جب فرشتے ان کی روح قبض کرینگے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔

جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں اور انہیں مارتے ہیں تو پاس

بیٹھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا۔

خواب میں انسان کیا کیا دیکھتا ہے، اُسے خواب میں تکلیف بھی پہنچتی ہے، وہ چیختا چلاتا بھی ہے لیکن پاس بیٹھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح عذاب قبر کا معاملہ ہے۔ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بغیر دیکھے ایمان نہیں لاتے اور طرح طرح کے لایعنی اشکالات پیش کر کے اپنے ایمان کو ضائع کر لیتے ہیں۔

اس قسط میں ہم قرآن مجید سے ثابت کریں گے کہ عذاب قبر ارضی قبر میں ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قیامت کے دن مردے زندہ ہو کر اسی ارضی قبر سے نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ○
(والعادیات ۔ ۹)

کیا (انسان کو) نہیں معلوم کہ قبروں میں جو (مردے دفن) ہیں جب انہیں (زندہ کر کے) باہر نکالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ کَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ○
(اقتربت الساعۃ ۔ ۴)

لوگ قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا کہ وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ○
(طٰهٰ ۔ ۵۵)

اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو پھر لوٹائیں گے اور اسی سے پھر تم کو (زندہ کر کر) دوبارہ نکالیں گے۔

الغرض قیامت کے دن مردے زندہ ہو کر زمین والی قبر سے نکلیں گے۔ اس بات پر ہمارے مخالفین بھی ہم سے متفق ہیں۔

مخالفین ہم سے پوچھتے ہیں کہ جس شخص کو شیر نے کھالیا، جس کی لاش جلادی گئی اس کی ارضی قبر ہی نہیں بنی تو پھر اس کو ارضی قبر میں عذاب کیسے ہوگا۔ یہی سوال ہم ان سے کرتے ہیں کہ جس شخص کو شیر نے کھالیا یا جس کی لاش کو جلا دیا گیا، اس کی ارضی قبر ہی نہیں بنی تو وہ قیامت کے دن ارضی قبر سے کیسے نکلے گا۔ جو جواب وہ ہمارے سوال کا دیں گے وہی جواب ان کے سوال کا ہے۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ مردے کا جسم تیار کرکے اس کو اس کی قبر میں لے آئے اور پھر اس قبر سے اس مردے کو زندہ کرکے اٹھائے۔ ہم بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ اس شخص کی لاش کو پیدا کرے جس کو شیر نے کھالیا ہو یا جس کی لاش کو جلا دیا گیا اور پھر اس کو اس کی ارضی قبر میں لے آئے جہاں اُسے عذاب ہو اور پھر اسی ارضی قبر سے وہ زندہ کرکے اٹھایا جائے۔

کیونکہ ہر شخص کا ارضی قبر سے نکلنا قرآن مجید سے ثابت ہے تو پھر ہر شخص کی ارضی قبر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس منطقی نتیجہ کے علاوہ قرآن مجید سے بھی ہر شخص کی ارضی قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا، كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝
(ھود - ۶)

زمین میں کوئی جانور بھی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اللہ (اس جانور کی زندگی میں ہر وقت) اس کے رہنے کی جگہ سے واقف ہوتا ہے اور اس جگہ سے بھی واقف ہوتا ہے جہاں وہ (مرنے کے بعد) سپرد کیا جائے گا (اور) یہ تمام باتیں روشن کتاب میں (بھی) لکھی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

وہی ہے جس نے تم کو ایک نفس سے

نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ، قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ○ (الانعام - ۹۹)

پیدا کیا پھر (تمہارے لئے زمین کی سطح پر) ٹھہرنے کی جگہ (بنائی) اور (تمہارے مرنے کے بعد زمین کے اندر تمہارے) سپرد کرنے کی جگہ (بنائی)، ہم نے سمجھنے والوں کے لئے (اپنی) آیات کو علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے (تاکہ سمجھنے میں کوئی پیچیدگی محسوس نہ ہو)۔

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی زمین میں ایک قبر ہوتی ہے جہاں اُسے سپرد کیا جاتا ہے یا سپرد کیا جائے گا۔ بعض مُردوں کو خود انسان اس قبر میں دفن کر کے زمین کے سپرد کر دیتے ہیں اور بعض مُردوں کو اللہ تعالیٰ کسی خفیہ طریقہ سے جس کا علم ہم کو نہیں ان کی مقررہ قبر میں رکھ کر یا رکھوا کر زمین کے سپرد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَهٗ ○ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ، خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ○ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ○ (عبس - ۱۷ تا ۲۱)

انسان برباد ہو گیا، وہ کس قدر ناشکرا ہے۔ اللہ نے اُسے کس چیز سے بنایا؟ (ایک حقیر) نطفے سے۔ اللہ نے اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا پھر (بطنِ مادر سے باہر نکلنے کا) راستہ اس پر آسان کیا پھر اُسے موت دی پھر اُسے قبر میں دفن کرایا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی موت کے بعد دفن کراتا ہے لیکن بظاہر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ ہر انسان تو موت کے بعد دفن نہیں ہوتا۔ بہت سے انسان مرنے کے بعد جلا دیئے جاتے ہیں، بعض ایسے بھی انسان ہیں جن کو مچھلیاں کھا جاتی ہیں، بعض ایسے بھی انسان ہیں جن کو شیر کھا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ہر انسان کو مرنے کے بعد دفن کراتے ہیں۔ سورۂ ہود اور

سورۂ انعام کی آیات مذکورہ بر نٹ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر انسان مرنے کے بعد زمین میں دفن ہوتا ہے خواہ اُسے مرنے کے بعد جلا دیا گیا ہو یا اسے شیر نے کھالیا ہو لیکن یہ کیسے ہوتا ہے ہمیں علم نہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔

اگر مخالفین یہ کہیں کہ یہ تو ہمیں تسلیم ہے کہ ہر انسان کی قبر ہوتی ہے لیکن وہ زمین میں نہیں ہوتی کسی اور مقام پر ہوتی ہے تو یہ مفروضہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں کے خلاف ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ وَفِیۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ ○ (الاعراف - ۲۵)

اسی میں (یعنی زمین میں) تم زندہ رہوگے، اسی میں تم مروگے اور اسی سے تم (قیامت کے دن زندہ کرکے) نکالے جاؤگے۔

آیت بالاسے ثابت ہوا کہ زمین میں موت آئے گی اور زمین ہی سے نکالا جائے گا۔ یہ دونوں چیزیں بتا رہی ہیں کہ مرنے کے بعد جو کچھ ہوگا وہ زمین ہی میں ہوگا۔ مرنے اور دوبارہ زندہ ہونے کے درمیانی وقت کے سلسلہ میں کسی اور جگہ کا کوئی ذکر نہیں۔ زمین میں مرنا اور زمین سے اٹھایا جانا یہ تسلسل بتا رہا ہے کہ درمیانی وقفہ کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ہے۔ درمیانی وقفہ بھی اسی قبر میں گذرے گا۔ فرضی قبر محض فرضی چیز ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِیۡهَا نُعِیۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی ○ (طٰهٰ - ۵۵)

(اے لوگو) ہم نے تم کو زمین ہی سے پیدا کیا، زمین ہی میں تم کو لوٹائیں گے اور پھر زمین ہی سے تم کو (زندہ کرکے) دوبارہ نکالیں گے۔

یہ آیت بھی تمام انسانوں کے لئے عام ہے۔ ہر انسان کو خواہ اسے دفن کیا گیا ہو یا جلایا گیا ہو زمین میں لوٹایا جاتا ہے۔ آیت بالا میں یہ نہیں ہے کہ قیامت

کے قریب لوگوں کو زمین میں لوٹایا جائے گا پھر انہیں زمین سے نکالا جائے گا، درمیانی وقت میں وہ کہیں اور رہیں گے۔ درمیانی وقت کے سلسلہ میں مفروضہ قبر کا شاخسانہ بالکل بے بنیاد ہے۔ جو چیز آیت بالا سے ظاہر ہے وہ یہی ہے کہ ہر شخص زمین میں لوٹایا جائے گا پھر اُسی سے نکالا جائے گا۔ اس آیت میں بھی زمین میں لوٹانا اور پھر زمین سے نکالنا یہ تسلسل کسی درمیانی تبدیلی سے مانع ہے۔ الغرض قرآن مجید کی رُو سے مرنے کے بعد ہر شخص اپنی ارضی قبر میں قیامت تک رہے گا اور پھر زمین سے ہی نکالا جائے گا۔ الغرض جب ہر شخص قیامت تک ارضی قبر میں رہے گا تو پھر ظاہر ہے کہ جس شخص پر بھی عذاب ہو گا وہ اسی قبر میں ہو گا۔

الغرض قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہر انسان کی قبر زمین ہوتی ہے جس میں اُسے دفن کیا جاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مُردے دوبارہ زندہ ہو کر اُسی ارضی قبر سے نکلیں گے تو پھر یہ سوال ہی ختم ہو گیا کہ جس شخص کی قبر زمین میں بنی ہی نہیں اُسے زمین میں عذاب قبر کیسے ہو گا۔ ہر انسان کی قبر زمین میں ہوتی ہے۔ اس قبر میں اللہ تعالیٰ ہر انسان کو مرنے کے بعد یا تو انسانوں کے ذریعہ دفن کرا دیتا ہے یا کسی اور طریقہ سے اُسے اس کی ارضی قبر میں پہنچا دیتا ہے اور پھر اس قبر میں جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

ہمارے مخالفین کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مرنے والے کا ایک نیا جسم پیدا کرتا ہے پھر اس جسم کو کسی فرضی قبر میں جس کو وہ برزخی قبر کہتے ہیں رکھوا دیتا ہے پھر اس جسم پر یا تو عذاب ہوتا ہے یا اُسے راحت و آرام پہنچایا جاتا ہے۔ ان کے اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث شریف میں پھر یہ عقیدہ آیا کہاں سے؟ عقیدہ بھی فرضی، قبر بھی فرضی، اشکالات لغو اور لایعنی لیکن عقیدہ جس کو انہوں نے خود تراش لیا ہے اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس خود تراشیدہ عقیدہ کی بنیاد پر انہوں نے بے شمار ائمہ دین اور محدثین کو کافر کہا حالانکہ ان ائمہ دین اور محدثین کا عقیدہ ہی درحقیقت صحیح عقیدہ ہے جو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی۔

مخالفین کی طرف سے ان احادیث کے متعلق جن میں ارضی قبر میں عذاب ہونے کا ذکر ہے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید کے خلاف ہیں حالانکہ وہ قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں اور نہ وہ آج تک ایسی کوئی آیت پیش کر سکے جس میں برزخی قبر میں عذاب کا اثبات ہو بہر حال اب ہم نے قرآن مجید ہی سے ثابت کر دیا کہ عذاب قبر ارضی قبر ہی میں ہوتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ جو قرآن مجید کا نام رٹتے رہتے ہیں قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ محض قرآن مجید کا نام لینے سے کام نہیں چلے گا۔ قرآن مجید کے مطابق عقیدہ اور عمل ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ وہ بہکاوے میں آ گئے ہیں شخصیت پرستی میں کھو گئے ہیں۔ ان بیچاروں کو علم نہیں کہ حقیقت کیا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۱۹ صفر ۱۴۱۳ھ

عذاب قبر کہاں ہوتا ہے؟

اس قسط سے پہلے دو قسطوں میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عذابِ قبر ارضی قبر میں ہوتا ہے۔ پہلی قسط میں احادیثِ صحیحہ سے اور دوسری قسط میں قرآن مجید کی آیاتِ بیّنات سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ عذابِ قبر اسی جانی پہچانی قبر میں ہوتا ہے۔ برزخی قبر کا شاخسانہ خود ساختہ، بے ثبوت، بے بنیاد اور بالکل اجنبی ہے۔ نہ قرآن مجید میں برزخی قبر کا ذکر ملتا ہے اور نہ احادیثِ صحیحہ میں۔ برزخی قبر دراصل فرضی قبر ہے۔ مدّعیانِ برزخی قبر سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی ایک ہی آیت پیش کریں جس میں برزخی قبر کا ذکر ہو۔ اگر وہ قرآنِ مجید کی آیت پیش نہ کر سکیں اور ہرگز نہیں کر سکیں گے تو اس سلسلہ میں کوئی حدیث ہی پیش کریں۔ اگر وہ نہ آیت پیش کر سکیں اور نہ حدیث ہی پیش کر سکیں تو ہماری ان سے درخواست ہے کہ وہ فرضی قبر کے مسئلہ سے توبہ کریں اور قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے جو چیز ثابت ہے اس

پر ایمان لائیں۔ اگر وہ قرآن مجید اور احادیث سے ثابت شدہ چیز پر ایمان نہ لائیں تو وہ خود ہی سوچ لیں کہ ان کے ایمان کے دعوے کی کیا حیثیت ہے۔

اس قسط میں ہم چند مزید احادیثِ صحیحہ پیش کر رہے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عذابِ قبر اسی ارضی قبر میں اسی دنیاوی جسم پر ہوتا ہے۔

(۱) حضرت براء بن عازبؓ کی روایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ	عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔
مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا .... اِنَّ	دو یا تین مرتبہ آپ نے یہ الفاظ کہے۔
	....
الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ	(آپ نے فرمایا) مومن بندے ...
اَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ	....
فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ فَيَاْتِيْهِ	(کی روح کے متعلق فرشتوں سے کہا
مَلَكَانِ .... مَنْ رَبُّكَ	جاتا ہے اس) کو زمین کی طرف لوٹاؤ
وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ	.... پھر اس کی روح
فَيَاْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا	اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ دو
وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ ..	فرشتے آتے ہیں (وہ پوچھتے ہیں).....
.... وَاِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ	..... تیرا رب کون ہے .... (پھر
.... فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ	ایک منادی نداء کرتا ہے) اس کے لئے
وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ .... مَنْ رَبُّكَ	جنت کی طرف ایک دروازہ کھول
.... فَافْرِشُوْا لَهٗ مِنَ النَّارِ وَ	دو ...... پھر جنت کی ہوا اور خوشبو
افْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ وَيَاْتِيْهِ	اس کو پہنچتی ہے۔ اس کی قبر کو حدِ نظر
مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا وَيُضَيَّقُ	تک وسیع کر دیا جاتا ہے ..... اور
عَلَيْهِ قَبْرُهٗ .... (رواہ احمد	کافر بندہ ...... (جب مر جاتا ہے)...
وسندہ صحیح۔ بلوغ الامانی جزء ۷ ص ۲۴)	..... تو اس کی روح کو اس کے جسم میں

تا صـ۸۲)

لوٹایا جاتا ہے۔ دو فرشتے آتے ہیں ....
.... (وہ پوچھتے ہیں) تیرا رب کون ہے؟
.... (پھر ایک منادی ندا کرتا ہے) اس
کے لئے آگ کا فرش بچھا دو۔ دوزخ کی
طرف ایک دروازہ کھول دو پھر اس کو
دوزخ کی تپش اور گرم ہوا پہنچتی ہے
اور اس کی قبر کو اس پر تنگ کر دیا جاتا
ہے۔ (مسند احمد) سند صحیح ہے۔

مدعیانِ برزخی قبر کی طرف سے اس حدیث کی سند کے دو راویوں منہال اور زاذان پر کلام کیا جاتا ہے۔ وہ دونوں راوی صحیح کے راوی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم میں سے ایک نہ ایک نے ان سے اپنی صحیح میں حجت لی ہے یعنی وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کے راوی ہیں۔ ان پر جو کلام کیا گیا ہے وہ بالکل لایعنی، لغو اور فریب ہے۔ علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی لکھتے ہیں :-

قال صاحب التنقیح رواۃ احمد محتج بھم فی الصحیح .... ورواہ ابو عوانۃ الاسفراییني فی صحیحہ من طرق صحیحۃ والبیھقی وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد وصححہ ایضا العلامۃ ابن القیم فی کتاب الروح وقال ھذا حدیث ثابت مشھور مستفیض صححہ جماعۃ من الحفاظ ولا نعلم احدا من ائمۃ الحدیث طعن فیہ (بلوغ الامانی جزء ۷ صـ۸۲)

صاحب التنقیح کہتے ہیں امام احمد کی اس حدیث کے تمام راوی وہ ہیں جن سے صحیح میں حجت لی گئی ہے .... اور ابو عوانہ اسفرایینی نے اپنی صحیح میں اسے کئی طرق سے روایت کیا ہے، اسی طرح بیہقی نے بھی۔ امام بیہقی کہتے ہیں یہ حدیث سنداً صحیح ہے۔ علامہ ابن قیم نے بھی اپنی کتاب الروح میں اسے صحیح کہا ہے۔ امام ابن قیم فرماتے ہیں یہ حدیث ثابت ہے مشہور ہے، مستفیض ہے۔ حفاظ (حدیث) کی جماعت نے اسے صحیح کہا ہے۔ ائمہ حدیث میں سے کسی ایک امام نے بھی اس پر طعن نہیں کیا۔

علامہ ناصر الدین الالبانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے (التعلیقات علی المشکوٰۃ جزء اول ص ۵۱۵)

حضرت براءؓ کی حدیث کی دو اور سندیں

علامہ عاصم بن عبداللہ آل معمر القریونی لکھتے ہیں :-

۱۔ اخبرنا محمد بن یعقوب بن یوسف حدثنا محمد بن اسحق الصغانی انبأنا ابو النضر هاشم بن القاسم حدثنا عیسیٰ بن المسیب عن عدی بن ثابت عن البراء بن عازب قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار فذکر الحدیث وفیہ ان الارواح تعاد الی القبر وان الملکین یجلسان المیت وینطقانہ (اثبات اعادۃ روح ترجمہ اردو ص ۹)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے (شعب الایمان جزء اول ص ۳۵۸)

علامہ عاصم القریونی آگے لکھتے ہیں :-

۲۔ پھر ابن مندہ اسی حدیث کو دوسرے طریق سے روایت کرتے ہیں۔

محمد بن سلمہ عن خصیف عن مجاهد عن البراء بن عازب قال کنا فی جنازہ رجل ......

.... فذکر الحدیث (اثبات اعادۃ روح ترجمہ اردو ص ۹)

ابن مندہ کی مذکورہ بالا روایتوں میں منہال اور زاذان جن پر لایعنی کلام کیا گیا ہے موجود نہیں ہیں لہٰذا اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہ کرنے کے لئے جو بہانہ تراشا گیا ہے وہ کالعدم ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت

امام حاکم فرماتے ہیں :-

حدثنی محمد بن عبداللہ العمری ثنا محمد بن اسحاق ثنا علی بن منذر ثنا محمد بن فضیل ثنا الاعمش فذکرہ باسناد نحوہ وقال فی آخرہ (وحدثنا	مجھ سے محمد بن عبداللہ العمری نے بیان کیا، ان سے محمد بن اسحاق نے، ان سے علی بن منذر نے ان سے محمد بن فضیل نے ان سے الاعمش نے سند کے ساتھ اسی مضمون کو جو

علی بن منذر فی عقب خبرہ ثنا ابن فضیل حدثنی ابی عن ابی حازم عن ابی هريرة نحوا من هذه الحديث يريد حديث البراء (حاکم جزء اول ص۳۸)

براء بن عازب کی حدیث میں ہے بیان کیا اور آخر میں یہ کہا کہ ہم سے علی بن منذر نے اس حدیث کے بعد بیان کیا کہ ہم سے ابن فضیل نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے ان سے ابو حازم نے، ان سے ابو ہریرہ نے اسی حدیث یعنی براء بن عازب کی حدیث کے مضمون کے مثل بیان کیا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت کی ایک اور سند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ .... اِرْجِعِيْ ذَمِيْمَةً .... ثُمَّ تَصِيْرُ اِلَى الْقَبْرِ (رواه ابن ماجة فى باب ذكر الموت والاستعداد له۔ سنده صحيح۔ ابن ماجة مع تعليقات السندى جزء ۲ ص۵۲۶)

اگر وہ آدمی برا ہوتا ہے .... (تو اس کی روح سے کہا جاتا ہے) بری حالت میں لوٹ جا ...... پھر وہ قبر کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (ابن ماجہ) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ روح کو دنیاوی بدن میں لوٹایا جاتا ہے اور کیونکہ دنیاوی بدن ارضی قبر میں ہوتا ہے لہٰذا عذابِ قبر ارضی قبر میں ہوتا ہے۔

③ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

(وَاِنْ كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ) اُجْلِسَ فِيْ قَبْرِهٖ .... ثُمَّ يُعَذَّبُ (رواه احمد ورجاله رجال الصحيحين۔ بلوغ جزء ۸ ص۱۱۲۔ سنده صحيح۔ تنقيح الرواة جزء اول ص۳۵)

(اگر مرنے والا برا آدمی ہوتا ہے تو) اسے اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے ... . پھر اس پر عذاب ہوتا ہے (مسند احمد) سند صحیح ہے۔

④ حضرت اسماءؓ کی حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

إِذَا دَخَلَ الْإِنْسَانُ قَبْرَهُ ..... وَإِنْ كَانَ فَاجِرًا أَوْ كَافِرًا .... تُسَلَّطُ عَلَيْهِ دَابَّةٌ فِي قَبْرِهِ وَمَعَهَا سَوْطٌ ..... تَضْرِبُهُ (رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح ۔ بلوغ جزء ۸ صہ ۱۱۵ ۔ سندہ صحیح)

جب انسان اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے .... (اور اگر وہ فاجر یا کافر ہوتا ہے) .... اس پر اس کی قبر میں ایک جانور مسلط کر دیا جاتا ہے ۔ اس کے پاس ایک کوڑا ہوتا ہے .... (وہ جانور) اُسے مارتا ہے ۔ (مسند احمد) سند صحیح ہے ۔

⑤ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلَىٰ فِي قُبُورِهَا فَإِذَا الْإِنْسَانُ دُفِنَ .... (وَإِنْ كَانَ كَافِرًا أَوْ مُنَافِقًا) .... يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى النَّارِ ثُمَّ يَقْمَعُهُ قَمْعَةً بِالْمِطْرَاقِ (رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح ۔ بلوغ الامانی جزء ۸ صہ ۱۱ ۔ سندہ صحیح ۔ تنقیح الرواۃ جزء اوّل صہ ۳۱)

اے لوگو، بے شک یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے تو جب انسان دفن کیا جاتا ہے .... (اور اگر وہ کافر یا منافق ہوتا ہے) .... تو اس کے لئے دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے پھر وہ (یعنی فرشتہ) اس کو ہتھوڑے سے مارتا ہے ۔

⑥ حضرت عثمانؓ کی روایت

حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو بہت روتے تھے ۔ جب

ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اَلْقَبْرُ اَوَّلُ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ (رواہ احمد وسندہ حسن. بلوغ جزء ۸ صـ۱۰۶ والتعلیقات للالبانی علی المشکوٰۃ جزء اوّل صـ۴۸ صححہ الحاکم. تنقیح الرواۃ جزء اوّل صـ۳۳)

قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر اس سے نجات مل گئی تو اس کے بعد (والی منزلیں) اس سے زیادہ آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہیں ملی تو اس کے بعد (والی منزلیں) اس سے زیادہ سخت ہیں۔ اللہ کی قسم میں نے جتنے (ہولناک) مناظر دیکھے ہیں ان میں (وحشت، تنہائی وغیرہ کی وجہ سے) سب سے زیادہ ہولناک منظر قبر کا منظر ہے۔

الغرض اس سلسلہ میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ ہم بخوف طوالت ان کو تحریر نہیں کر رہے۔ ایمان والے کے لئے تو ایک ہی حدیث کافی ہے۔

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)
مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی، بلاک جی نارتھ ناظم آباد، کراچی ۳۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۱۸ رمضان ۱۴۱۲ھ

ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی ہیں

طلاق اور احناف

احناف کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں :-

① اَحسَن
② حَسَن
③ بِدعی

۱۔ اَحسن کی تعریف

فَالۡاَحۡسَنُ اَنۡ یُّطَلِّقَ الرَّجُلُ امۡرَاَتَہٗ تَطۡلِیۡقَۃً وَاحِدَۃً فِیۡ طُھۡرٍ لَّمۡ یُجَامِعۡھَا فِیۡہِ وَیَتۡرُکَھَا حَتّٰی تَنۡقَضِیَ عِدَّتُھَا (ہدایہ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ جلد ۲ ص ۳۵۴)

احسن طلاق یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک پاکی کے زمانہ میں جس پاکی کے زمانہ میں اس نے اس سے جماع نہ کیا ہو طلاق دے اور پھر اُسے چھوڑ دے یہانتک کہ عدّت گذر جائے۔

۲۔ حَسَن کی تعریف

وَالۡحَسَنُ ھُوَ الطَّلَاقُ السُّنَّۃِ وَھُوَ اَنۡ یُّطَلِّقَ الۡمَدۡخُوۡلَ بِھَا ثَلٰثًا فِیۡ

حسن طلاق (اور) وہ (بھی) سنّت ہے یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جس سے اس نے جماع کیا ہو تین

ثَلٰثَۃَ اَطْہَارٍ (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۴) — پاکی کے زمانوں میں تین طلاق دے۔

۳۔ بدعی کی تعریف

وَطَلَاقُ الْبِدْعَۃِ اَنْ یُّطَلِّقَھَا ثَلَاثًا بِکَلِمَۃٍ وَاحِدَۃٍ اَوْ ثَلٰثًا فِیْ طُھْرٍ وَاحِدٍ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِکَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَکَانَ عَاصِیًا (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۵)

اور طلاق بدعت یہ ہے کہ شوہر بیوی کو ایک ہی کلمہ میں تین طلاق دے یا ایک طہر میں تین طلاق دے۔ یہ طلاق بھی واقع ہو جائیگی لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔

قارئین کرام، آپ نے دیکھا: ایک طہر میں تین طلاق کو بدعت بھی کہتے ہیں اور پھر اس بدعت کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ بدعت تو ایسی چیز ہے کہ اسے مسترد کر دینا چاہیئے تھا نہ کہ تسلیم کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

جو ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالے تو وہ نئی بات مسترد کر دی جائے گی۔

طلاقِ بدعی کو بدعت ہونے کی وجہ سے مسترد کر دینا چاہیئے تھا اور اسے صرف اس حد تک تسلیم کرنا چاہیئے تھا جس حد تک شوہر کو طلاق کے سلسلہ میں شریعت نے اختیار دیا ہے یعنی اُسے ایک سمجھنا چاہیئے تھا کیونکہ شریعت نے شوہر کو ایک طہر میں صرف ایک طلاق دینے کا اختیار دیا ہے (جیسا کہ آگے آرہا ہے) لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا، بدعت بھی کہا اور تسلیم بھی کر لیا۔

الغرض پہلی دو طلاقیں یعنی اَحسن اور حَسن شریعت کے مطابق ہیں

لہٰذا وہ صحیح ہیں اور اسی وجہ سے احناف انہیں طلاق السنۃ کہتے ہیں لیکن تیسری طلاق خود ان کے کہنے کے مطابق بدعت ہے یعنی سنّت سے ثابت نہیں لہٰذا وہ باطل ہے۔ اُسے مسترد کر دینا چاہیئے۔

غور طلب احناف احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاقِ بدعت بھی سنّت سے ثابت ہے۔ اگر طلاقِ بدعت بھی سنّت سے ثابت ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اسے طلاقِ بدعت کیوں کہا جاتا ہے۔ کیوں نہیں کہا جاتا کہ ایک طہر میں تین طلاق دینا بھی سنّت ہے، بدعت نہیں ہے۔

بدعت بھی کہتے ہیں اور اسے سنّت سے ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ یہ کیسا تضاد ہے!

متقدمینِ احناف نے اِس تیسری قسم کی طلاق کو بدعت کہا کیونکہ وہ جانتے تھے اور تسلیم کرتے تھے کہ طلاق کی یہ قسم سنّت سے ثابت نہیں لیکن متاخرین احناف اپنے بزرگوں کو جھٹلا رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح اسے سنّت سے ثابت کر دیں۔

متقدمین کے نزدیک تو کوئی ایسی حدیث نہیں تھی جس سے وہ اس طلاق کو ثابت کرتے لیکن متاخرین احادیث کو توڑ مروڑ کر اس طلاق کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ کوشش بے سود ہے۔

ایک طہر میں تین طلاق کی حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک طہر کی تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور عمرؓ کی خلافت کے (ابتدائی) دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک

الثَّلٰثِ وَاحِدَةً (صحیح مسلم کتاب الطلاق جزء اول ص۶۲۹) سمجھا جاتا تھا۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قانون۔ اللہ تعالیٰ کا قانون دائمی اور قیامت تک کے لئے ہے۔ کوئی بھی نہ اس میں کمی بیشی کا اختیار رکھتا ہے اور نہ اس کو تبدیل کرنے کا۔ اگر کوئی تبدیلی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتی۔ بعد میں تبدیلی ناممکن اور صریح کفر ہے۔ کسی کو اختیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو منسوخ کر دے اور اپنے حکم یا رائے کو نافذ کر دے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں تین شمار ہوتی تھیں صحیح مسلم کی مندرجہ بالا حدیث میں اس کی کھلی تردید ہے۔ الغرض طلاق کے سلسلہ میں قوانینِ الٰہیہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) تین طلاقیں تین طہر میں ہونی چاہئیں اور

(۲) ایک طہر کی تین طلاقیں ایک شمار ہونی چاہئیں۔ حضرت عمرؓ نے انہی قوانین الٰہیہ کی حفاظت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک طہر میں تین طلاق دینے کے واقعات شاذ و نادر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ایک شخص نے ایسا کیا تھا تو آپ سخت ناراض ہوئے تھے۔

محمود بن لبیدؓ کہتے ہیں :-

اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَہٗ ثَلٰثَ تَطْلِیْقَاتٍ جَمِیْعًا فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ اَیُلْعَبُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو اکھٹی تین طلاقیں دی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا

بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ (نسائی کتاب الطلاق باب الثلٰث المجموعۃ جزو ۲ ص۸۲)	کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے حالانکہ ابھی میں تم میں موجود ہوں۔

نوٹ :- یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ محمود بن لبیدؓ بقول امام بخاری صحابی ہیں (تہذیب) مولوی اشفاق الرحمٰن کاندھلوی حنفی نسائیؒ میں بین السطور لکھتے ہیں : لَهٗ صُحْبَةٌ عَلَى الْاَصَحِّ - زیادہ صحیح یہی ہے کہ محمود صحابی ہیں (نسائی مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دہلی ص۸۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا اللہ تعالےٰ کے قانون کے ساتھ مذاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی طلاق پر سخت غضبناک ہوئے تھے۔ تعجب ہے پھر بھی یہ طلاق جاری ہے اور تسلیم کی جاتی ہے۔ کیا تسلیم کرنے والے اللہ تعالےٰ کے غضب سے نہیں ڈرتے۔

جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نادر الوجود تھی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کثیر الوجود ہو گئی۔ حضرت ابن عباسؓ صحیح مسلم کی مندرجہ بالا حدیث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

تَتَابَعَ النَّاسُ فِي الطَّلَاقِ (صحیح مسلم)	لوگ اس قسم کی طلاق لگاتار دینے لگے۔

یعنی ایک مجلس میں تین طلاق مسلسل دینے لگے۔ ظاہر ہے کہ نسائی کی مذکورۂ بالا حدیث کی روشنی میں، یہ کام اللہ تعالےٰ کی شریعت کے ساتھ مذاق تھا۔ اس مذاق کی یقیناً کوئی سزا ہونی چاہیئے تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی اس طلاق ہی کو ان پر نافذ کر کے ان کو ایسی سزا دی کہ آئندہ پھر کسی کو اس قسم کی طلاق دینے کی جرأت نہ ہو سکے اور اگر جرأت کرے تو بیوی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے۔ حضرت ابن عباس صحیح مسلم کے متن کے تسلسل میں فرماتے ہیں :-

فَأَجَازَهُ عَلَيْهِمْ (صحیح مسلم) (جب لوگ لگاتار ایسی طلاق دینے لگے) تو حضرت عمر رض نے ان کی اس قسم کی طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔

اس سلسلہ میں خود حضرت عمر رض فرماتے ہیں :-

اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ اَمْرٍ قَدْ کَانَتْ لَهُمْ فِیْهِ اَنَاةٌ فَلَوْ اَمْضَیْنَاهُ عَلَیْهِمْ (صحیح مسلم)

جس چیز میں لوگوں کے لئے تاخیر رکھی گئی تھی اس کام میں وہ عجلت کرنے لگے ہیں (یعنی تین طلاق کے لئے تین طہر کی تاخیر رکھی گئی تھی انہوں نے عجلت کی اور ایک طہر میں تین طلاق دینے لگے) تو کیوں نہ ہم ان کی اس طلاق کو ان پر نافذ کر دیں۔

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں :-

فَاَمْضَاهُ عَلَیْهِمْ (صحیح مسلم) پھر حضرت عمر رض نے اس قسم کی طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔

اَمْضَا کا مصدر اِمْضَاءٌ ہے۔ اِمْضَاءٌ میں سزا کا مفہوم پایا جاتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے طلاق کے سلسلہ میں جو خلاف ورزی ہو رہی تھی کہ مذاقاً تین طلاق دیتے تھے اس کے سدباب کے لئے بطور سزا اس طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔ اگر حضرت عمر رض ایسی طلاق پر سزا نہ دیتے تو لوگ مذاقاً اکھٹی تین طلاق دیتے رہتے اور پھر ان کو ایک مان لیا کرتے۔ اکھٹی تین طلاق سے وہ کس طرح باز آسکتے تھے جبکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا ایسا کرنے سے کچھ نہیں بگڑے گا وہ اس کو ایک طلاق شمار کر لیں گے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میاں بیوی کو جدائی کی سزا نہ دیتے تو مذاق کا یہ سلسلہ جاری رہتا۔

الغرض لوگوں نے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کو ایک مشغلہ بنا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے قوانینِ الٰہیّہ کی خلاف ورزی کرنے کے لئے قانون نہیں بدلا اور وہ ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے قانوناً نہیں بلکہ بطور سزا کے طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے قانون کی جس خلاف ورزی پر سزا کی افسوس کہ مقلدّین نے اس خلاف ورزی ہی کو قانون بنا لیا۔

مقلدین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں بھی ایک طہر میں دی ہوئی تین طلاقیں قانوناً بھی تین سمجھی جاتی تھیں تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے پھر کس چیز کو نافذ کیا۔ قانوناً تو بقول مقلدین کے ایک طہر کی تین طلاقیں پہلے بھی تین سمجھی جاتی تھیں تو آخر وہ کیا چیز تھی جس کو حضرت عمرؓ نافذ کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ کوئی نئی چیز تھی۔ قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی پر کوئی سزا پہلے سے مقرر نہیں تھی حضرت عمرؓ نے نافذ کی۔ اگر شوہر اور بیوی قانوناً ہی علیحدہ ہو جاتے تھے تو پھر بطور سزا کے ان کو علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ یہی سزا تھی جس پر سب نے اتفاق کر لیا یعنی انہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ قانونِ الٰہی کے ساتھ مذاق کرنے والوں کو ایسی ہی سزا ملنی چاہیئے۔ یہ نہیں کہ انہوں نے اس تبدیلی کو بطور قانون مان لینے پر اتفاق کر لیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے قانون کو اس کے بندے منسوخ کر دیں اور سب اس کو تسلیم کر لیں۔

جب ایک طہر کی تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں تو آخر قانون کی خلاف ورزی کرنے والے ایسا کرتے ہی کیوں تھے۔ وہ تین طلاق کیوں دیتے تھے جبکہ وہ بھی جانتے تھے کہ تین شمار تو نہیں ہوں گی لیکن مذاقاً کہہ دینے میں حرج کیا ہے۔ یہی وہ مذاق تھا جس کو روکنے کے لئے حضرت عمرؓ نے سزا نافذ کی اور ان کو اس قانون کی طرف مجبور کر دیا جس میں

تین طلاقیں تین طہر میں دی جانی چاہئیں۔

آجکل جو لوگ ایک طہر میں تین طلاقیں دیتے ہیں وہ قانون کی خلاف ورزی قصداً اور مذاقاً نہیں کرتے۔ وہ تو لاعلمی میں ایسا کرتے ہیں تو آخر ان کو کس بات کی سزا دی جا رہی ہے کہ ان کو بیویوں سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی سزا تو اس صورت میں ہے جب مذاقاً اور کثرت سے ایسا ہونے لگے۔

اشکالات

پہلا اشکال عویمرؓ نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور تین طلاقیں دیں۔

جواب یہ لعان کا واقعہ ہے نہ کہ طلاق کا۔ عویمرؓ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور تین طلاقیں دی تھیں مقلدین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تین کو ایک کیوں نہ شمار کیا یا تین طلاقیں دینے پر ناراضگی کا اظہار کیوں نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ لعان تو شرعاً جدائی ہی کے لئے ہوتا ہے لہذا لعان کی صورت میں تین طلاقیں بیک وقت دینا گویا جدائی کے عمل ہی کو سہارا دینا ہے۔ لعان میں شریعت کو جدائی مطلوب ہے لہٰذا تین طلاقیں مطلوب کی تائید میں ہیں نہ کہ مخالفت میں۔ یہی وجہ ہے کہ ناراضگی کا اظہار نہیں کیا گیا۔

لعان میں تین کو ایک کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تین اور ایک کے نتائج میں کوئی فرق نہیں۔ تین کو ایک کرانے کا مقصد رجوع یا دوبارہ نکاح ہوتا ہے لیکن یہ صورت لعان میں متصور نہیں اس لئے کہ کوئی شوہر بدکار عورت سے نہ رجوع کرتا ہے اور نہ دوبارہ نکاح کرتا ہے۔ لعان کو طلاق پر چسپاں کرنا صحیح نہیں۔ اگر لعان کرنے والا طلاق نہ بھی دے تو لعان کا مقصد ہی تفریق ہے۔ تفریق بہر حال ہو گی۔ قاضی دونوں میں تفریق

کرا دے گا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں :-

لَاعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا (صحیح بخاری کتاب الطلاق باب التفریق بَیْنَ المتلاعنین جزء ۲ ص۸۰۳)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری مرد اور ایک انصاری عورت کے مابین لعان کرایا اور (پھر) ان دونوں میں تفریق کرادی۔

دوسرا اشکال

حدیث میں ہے کہ رکانہ رضؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کر دیا۔ مقلدین محض ضد کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ صحیح حدیث وہ ہے جس میں ہے کہ رکانہ رضؓ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بَتَّہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قرار دیا۔ مقلدین کی پیش کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً (ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ جزء اول ص۳۰۶)	رکانہ رضؓ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بَتَّہ دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قرار دیا۔

رکانہؓ کی مندرجہ بالا حدیث مندرجہ ذیل تجزیہ کی روشنی میں ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ احناف کی۔ احناف کا اس حدیث کو پیش کرنا کسی حالت میں ان کے لئے مفید نہیں۔

پہلا جواب

مقلدین لفظ اَلْبَتَّۃَ سے استدلال کرتے ہیں اور اس لفظ سے وہ ایک طلاق مراد لیتے ہیں۔ اَلْبَتَّۃَ کا مصدر "بَتٌّ" ہے جس کے معنیٰ کاٹنے کے ہیں۔ رجوع یا دوبارہ نکاح کی جڑ کاٹنے والی طلاق تو تیسری طلاق ہوتی ہے۔ ایک طلاق تو رجعی ہوتی ہے۔ اس سے رجوع یا دوبارہ نکاح کی جڑ نہیں کٹتی۔ رکانہ رضؓ نے کاٹنے

والی طلاق دی یعنی تین طلاقیں دیں۔

دوسرا جواب حدیث کا متن بتا رہا ہے کہ رکانہ رضؓ نے تین طلاقیں دی تھیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ آپ نے ان کو ایک کر دیا۔ تین کو تو ایک کیا جا سکتا ہے لیکن ایک کو ایک کرنا مہمل ہے لہذا صحیح یہی ہے کہ اَلْبَتَّۃَ کے معنی تین ہی کے ہیں نہ کہ ایک کے۔

تیسرا جواب ہم اس سلسلہ میں ایک حنفی عالم کو بطور گواہ پیش کرتے ہیں۔ وہ حنفی عالم اَلْبَتَّۃَ کی تشریح کرتے ہوئے بین السطور لکھتے ہیں :- "اَلْمُرَادُ بِہِ التَّطْلِیْقَاتُ الثَّلَاثُ" یعنی اَلْبَتَّۃَ سے مراد تین طلاقیں ہیں (ابوداؤد جلد اوّل صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

چوتھا جواب صحیح مسلم کی حدیث جو پہلے (صفحہ ۵ پر) نقل ہو چکی ہے بالکل صحیح ہے لہذا رکانہ رضؓ کی حدیث کے معنی وہی کرنے ہوں گے جو صحیح حدیث میں ہیں۔ احناف کا رکانہ رضؓ کی حدیث کے وہ معنی کرنا جو صحیح مسلم کی حدیث کے خلاف ہو باطل ہے۔

تیسرا اشکال احناف کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی (جواہر الفتاوٰی جلد ۲ صفحہ ۵۱۴، ۵۱۶)

اس سلسلہ میں ہم سوال کرتے ہیں کہ اس اجماع سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانہ میں کیا ہوتا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ کچھ اور ہی ہوتا رہا تھا۔ کیا اب اس پر عمل کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔

مزید برآں، ہمیں یہ بھی بتایا جائے کہ صحابہ کرام کا اجماع حدیث کی کس کتاب میں باسند مروی ہے اور اس کی سند کیسی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اجماع کا دعوٰی بالکل بے سند ہے۔ اس کا کوئی ثبوت

نہیں ۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہ کرام کی مجلس مذاکرہ کا ذکر نہیں ملتا۔ وہ کونسی حدیث تھی جس کی بناء پر صحابہ کرام نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ ناسخ حدیث کسی نے پیش نہیں کی اور آج تک وہ حدیث لاپتہ ہے۔ اگر ناسخ حدیث نہیں تھی تو کیا صحابہ کرام نے قانونِ الٰہی کو خود ہی منسوخ کر دیا۔ کیا یہ چیز شرعاً جائز ہے۔

اگر اس طلاق پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تو پھر اس قسم کی طلاق کو طلاق بدعت کیوں کہا جاتا ہے۔ مقلدین کے کہنے کے مطابق اگر یہ طلاق حدیث سے بھی ثابت ہے اور اجماع صحابہ سے بھی تو پھر اسے طلاق سنت کیوں نہیں کہتے؟

چوتھا اشکال بعض صحابیوں سے ایسی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تین طلاقوں کو تین شمار کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض محال ایسی کوئی روایت ہو بھی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

پانچواں اشکال صحیح مسلم کی حدیث جو ص۴۷۷ پر درج کی گئی ہے سند و متن کے اعتبار سے مضطرب ہے۔

یہ بات قطعاً غلط ہے۔ سند بالکل صحیح ہے۔ صحیح مسلم کی کسی سند میں عن ابن الجوزاء عن ابن عباس نہیں ہے جیسا کہ مفتی عبد السلام صاحب نے لکھا ہے (جواہر الفتاوٰی جلد دوم ص۵۱۲)

صحیح مسلم کی تمام سندوں میں ثلاث کا لفظ ہے لہذا متن قطعاً مضطرب نہیں۔ اگر ثلاث تطلیقات یا البتۃ کے الفاظ مروی بھی ہوں تو بھی متن مضطرب نہیں ہوگا اس لئے کہ ان سب الفاظ کے معنی یکساں ہیں۔

اپنے مذہب کی خاطر صحیح مسلم کی حدیث پر کلام کرنا بہت بڑی جراَت ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ صحیح مسلم کی احادیث کی صحت پر اجماع ہو۔ امام مسلم فرماتے ہیں :۔

لَیْسَ کُلَّ شَیْءٍ عِنْدِیْ صَحِیْحٌ وَضَعْتُہٗ ھٰھُنَا اِنَّمَا وَضَعْتُ ھٰھُنَا مَا اَجْمَعُوْا عَلَیْہِ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ)

ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو میں اپنی صحیح میں نہیں لکھتا، اپنی صحیح میں تو میں صرف وہ حدیثیں لکھتا ہوں جن کی صحت پر اجماع ہے۔

علماء مقلدین سے گذارش :۔

اللہ تعالےٰ کا دین آسان ہے۔ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آسانیوں سے عوام کو محروم نہ کیجئے۔ ان کو مصیبت میں نہ ڈالئے۔ صحیح مسلم کی حدیث کو نہ چھپائیے اور نہ اپنے مذہب کی خاطر اس کی تاویل کیجئے۔ میدانِ محشر میں مذہب کے متعلق سوال نہیں ہوگا، دینِ اسلام کے متعلق سوال ہوگا۔

عوام الناس سے گذارش

اے لوگو، اگر آپ فرقہ وارانہ مذاہب و مسالک کے خود ساختہ مسائل سے بیزار ہیں تو ہم آپ کو جماعت المسلمین کی مطبوعہ کتب و لٹریچر جن میں منزل من اللہ شریعت کی بالادستی پیش کی گئی ہے مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یقیناً آپ کی بھی یہی خواہش ہوگی۔

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۲۲ شوال ۱۴۱۳ھ

امام کے دو سکتے

(احادیثِ سکتتین پر اعتراضات اور ان کے جوابات)

① حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں :-

انه کان یسکت سکتتین اذا افتتح الصلوٰۃ واذا فرغ من القراءۃ کلها (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السکتۃ عند الافتتاح جلد اوّل صـ۱۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کیا کرتے تھے : (ایک) جب آپ نماز شروع کرتے اور (دوسرا) جب آپ پوری قرأت سے فارغ ہوتے۔

اعتراض ۱ اس حدیث کو امام حسن بصری نے حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت کیا ہے۔ امام حسن بصری کا حضرت سمرہؓ سے سننا ثابت نہیں لہذا اس حدیث کی سند منقطع ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

جواب ۱) امام حسن بصری نے حضرت سمرہؓ سے یقیناً سنا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں :-

وحدیث سمرۃؓ لا یتوهم متوهم ان الحسن لم یسمع من سمرۃؓ فانه قد سمع منه (المستدرک جزء اول صـ۲۱۵)

حدیث سمرہؓ کے متعلق کوئی وہم کرنے والا یہ وہم نہ کرے کہ حسن (بصری) نے حضرت سمرہؓ سے نہیں سنا اس لئے کہ حسن نے سمرہؓ سے یقیناً سنا ہے۔

۲) امام ابوداؤد فرماتے ہیں :-

ودلت هذه الصحیفة علی ان الحسن سمع من سمرۃؓ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشهد فی الصلوٰۃ جزء اوّل صـ۱۴۷)

یہ صحیفہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حسن (بصری) نے حضرت سمرہؓ سے سنا ہے۔

۳) امام بخاری نے حسن عن سمرہؓ کی حدیث سے حجت لی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں :۔

قد احتج البخاری بالحسن عن سمرۃؓ (المستدرک جزء۲ ص۳۵) — امام بخاری نے حسن عن سمرہؓ سے حجت لی ہے۔

۴) امام علی بن مدینی فرماتے ہیں :۔

سماع الحسن عن سمرۃؓ صحیح (ترمذی کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی الصلوۃ الوسطیٰ انہا العصر جزء اول ص۲۶) — حسن کا سمرہؓ سے سننا صحیح ہے۔

۵) امام شوکانی فرماتے ہیں :۔

نقد صحح الترمذی حدیث الحسن عن سمرۃ فی مواضع من سننہ۔ (نیل الاوطار جزء۲ ص۲۰) — امام ترمذی نے اپنی سنن میں کئی جگہ حسن عن سمرہ کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۶) امام ترمذی فرماتے ہیں :۔

وسماع الحسن عن سمرۃ صحیح (ترمذی کتاب البیوع باب ماجاء فی کراھیۃ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ۔ جزء اوّل ص۲۸۵) — حسن (البصری) کا حضرت سمرہؓ سے سننا صحیح ہے۔

۷) امام بیہقی حسن عن سمرہؓ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :۔

ھذا اسناد صحیح (بیہقی کتاب البیوع باب بیع اللحم بالحیوان جزء۵ ص۲۹۶) — یہ اسناد صحیح ہے۔

۸) امام حاکم حسن عن سمرہؓ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :۔

ھٰذا حدیث صحیح الاسناد (حاکم کتاب البیوع باب نھی عن بیع الشاۃ باللحم ۲/۳۵) — یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔

۹) حبیب بن الشہید فرماتے ہیں :۔

امرنی ابن سیرین ان اسأل الحسن ممن سمع حدیث العقیقة فسألتہ فقال من سمرة بن جندب (صحیح بخاری کتاب العقیقۃ باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ جزو ۷ ص۱۰۹ و ۱۱۰)	مجھے امام ابن سیرین نے حکم دیا کہ میں امام حسن (بصری) سے پوچھوں کہ انہوں نے عقیقہ کی حدیث کس سے سنی ہے۔ امام حسن (بصری) نے فرمایا: (میں نے) (حضرت) سمرۃ بن جندب سے (سنی ہے)۔

مندرجہ بالا حوالہ جات اور امام حسن بصری کے مندرجہ بالا قول سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ انہوں نے حضرت سمرہ بن جندبؓ سے سنا ہے۔

لہذا حسن کا حضرت سمرہؓ سے نہ سننے کا اعتراض کالعدم ہے۔

اعتراض ۲ امام حسن بصری مدلس ہیں اور مدلس جب عن سے روایت کرے تو اس کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہوتی ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

جواب مدلس وہ ہوتا ہے جو تدلیس کرے۔ تدلیس کے معنی ہیں "اپنے سامان کے عیب کو چھپانا"۔ اپنے سامان کے عیب کو چھپا کر بیچنا خریدار کو دھوکا دینا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اصول حدیث میں حدیث کے عیب کو چھپانا "تدلیس" کہلاتا ہے۔ کسی حدیث کے عیب کو چھپا کر اس حدیث کو صحیح باور کرانا پوری امت کو دھوکا دینا ہے اور جو چیز شریعت میں نہ ہو اُسے شریعت میں شامل کرنا ہے۔ کیا یہ کام اچھا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ شریعت سازی نہیں ہے؟ کیا یہ دھوکا اور فریب نہیں ہے؟ کیا کوئی شخص ایسے نازیبا افعال کر کے بھی امام ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص شرک فی التشریع کر کے بھی امامت کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے؟ ایسا شخص تو کذاب اور دھوکے باز ہو سکتا ہے۔ امام شعبہ فرماتے ہیں:

تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے (علوم الحدیث مصنفہ ڈاکٹر صبحی صالح مترجم اردو ص۲۲ بحوالہ الباعث الحثیث ص۵۸)

امام عبدالرزاق پر جب تدلیس کا الزام لگایا گیا تو کعبہ (کے پردہ) سے لٹک کر کہنے لگے "اے میرے رب، مجھے کیا ہوا؟ کیا میں کذاب ہوں؟ کیا میں مدلس ہوں؟" (طبقات المدلسین لابن حجر ص۲۴)

امام شعبہ فرماتے ہیں :۔
میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح دیتا ہوں (علوم الحدیث مؤلفہ ڈاکٹر صبحی صالح مترجم اردو ص۲۲ بحوالہ التوضیح ۱/۳۶۶)

امام شعبہ نے کتنی صحیح بات کہی ہے۔ تدلیس شرک فی الشریعت ہے اور شرک یقیناً زنا سے بھی بدتر ہے۔

ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں :۔
جو راوی ایک دفعہ بھی تدلیس کا ارتکاب کرتا تو امام شافعی اس کی روایت کو رد کر دیتے (علوم الحدیث مترجم اردو ص۲۲ بحوالہ اختصار علوم الحدیث ص۵۵)

علماء پر تعجب ہے کہ امام حسن بصری بارہا تدلیس کرتے رہے اور وہ ان کی بیان کردہ حدیث کو محض اس لئے کہ انہوں نے حدثنا کہدیا صحیح مانتے رہے اور قبول کرتے رہے۔ امام شافعی کی طرح رد نہیں کیا۔

امام حسن بصریؒ بقول علماء بار بار تدلیس کر کے امت مسلمہ کو دھوکا دیتے رہے تو کیا ایسی صورت میں ان کو امام کہا جا سکتا ہے؟

تدلیس کی تہمت کی لغویت امام حسن بصری کو مدلس کہنے والے امام ابن حبان ہیں جو امام حسن بصری کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہوئے لہٰذا تدلیس کا الزام لغو اور لایعنی ہے۔ مزید برآں تدلیس کا فن ویسے ہی لغو اور لایعنی ہے (دیکھئے "اصولِ حدیث" شائع کردہ جماعت المسلمین) لہٰذا امام حسن بصری کو مدلس کہنا بھی لغو اور لایعنی ہے۔ جب فن ہی غلط تو اس کی بنیاد پر جو بات کی جائے وہ غلط ہی ہوگی۔

امام حسن بصریؒ کا مقام امام حسن بصری حضرت عمرؓ کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کی ایک کثیر جماعت سے ملاقات کی اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔ امام سلیمان التیمی کہتے ہیں: "الحسن شیخ اھل البصرۃ" حسن اہل بصرہ کے شیخ ہیں۔ امام شعبی نے عاصم سے کہا: جب تم بصرہ جاؤ تو حسن کو میرا اسلام کہنا۔ عاصم نے کہا: میں نہیں پہچانتا نہیں۔ امام شعبی نے کہا: جو شخص تمہیں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ بارعب نظر آئے اس کو میرا اسلام کہنا۔ عاصم جب بصرہ کی مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے حسن بصری کو دیکھا۔ لوگ ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے

تھے۔ عاصم ان کے پاس گئے اور سلام کیا۔ امام قتادہ کہتے ہیں جس فقیہ کے پاس بھی میں بیٹھا میں نے حسن کو اس سے افضل پایا۔ امام ایوب کہتے ہیں: میری آنکھوں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو حسن سے زیادہ فقیہ ہو۔ امام بکر المزنی کہتے ہیں: جو شخص اس بات سے خوش ہو کر وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم کو دیکھے تو وہ حسن کو دیکھے۔ امام غالب القطان کہتے ہیں ہم نے واقعی ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ امام یونس بن عبید کہتے ہیں کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو حسن کو دیکھے، ان کا کلام سنے اور ان کے عمل کو دیکھے اور اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔ امام یونس بن عبید اور امام حمید الطویل کہتے ہیں: ہم نے (بہت سے) فقہاء کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ بامروّت ہم نے کسی کو نہیں دیکھا (مروّت اُن آداب نفسانیہ کو کہتے ہیں جو انسان کو اخلاق حسنہ اور آداب جمیلہ پر برانگیختہ کریں۔ مصباح اللغات ص۸۱۳) حجاج بن ارطات کہتے ہیں میں نے امام عطاء بن ابی رباح سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: تم حسن کو لازم پکڑو۔ وہ اتنے بڑے عالی مرتبت امام ہیں کہ ان کی اقتداء کی جائے۔ امام ربیع بن انس کہتے ہیں: میں حسن کے پاس دس سال آتا جاتا رہا، ہر دن میں ان سے ایسی بات سنتا تھا جو پہلے کبھی سنی نہیں ہوتی تھی۔ امام اعمش کہتے ہیں:۔ حسن حکمت جمع کرنے سے کبھی باز نہیں رہے یہاں تک کہ اُسے بیان بھی کر دیا۔ حضرت حسینؓ کے پوتے حضرت امام محمد باقر ابوجعفر الصادق کے پاس جب حسن کا ذکر آتا تو کہتے: یہ ایسا شخص ہے کہ اس کا کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ ہے۔ محمد بن سعد کہتے ہیں: حسن جامع، عالم، بلند مرتبہ، فقیہ، مامون، عابد، زاہد، کثیر العلم، فصیح اور حسین وجمیل تھے۔ جب امام محمد بن سیرین کو امام حسن بصری کی وفات کی خبر سنائی گئی تو ان کے چہرہ کی رنگت بدل گئی، بات بند کر دی (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۲۶۴ تا ص۲۶۶)

امام ابو اسحٰق الهمدانی فرماتے ہیں: حسن بصری صحابہ کے مشابہ تھے (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزهد ۱۴/۴۷ ۔ سندہ صحیح)

امام یونس اور امام حمید فرماتے ہیں: ہم نے بہت سے فقہاء کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ جامع کسی کو نہیں دیکھا (مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الزهد ۱۴/۴۷ سندہٗ صحیح)

امام حمید فرماتے ہیں:۔ میں نے حسن سے بہتر خطیب نہیں دیکھا (صحیح ابی داؤد للالبانی

کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ جزء ۲ ص۸۴۲ حدیث نمبر ۴۶۱۴-۳۸۶۲ - سندہ صحیح)

البانی صاحب بھی امام حسن بصری کی قدر و منزلت کے معترف ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

ھو علی جلالۃ قدرہ مدلس	امام حسن بصری جلیل القدر ہونے کے
(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ۲/۲۴)	باوجود مدلس ہیں (یعنی جلیل القدر بھی

ہیں اور دھوکے باز بھی۔ افسوس البانی صاحب پر)۔

مورق العجلی کہتے ہیں مجھ سے ابوقتادہ العدوی نے کہا: اے مورق اس شیخ سے (یعنی حسن) سے چمٹے رہو اور ان سے علم حاصل کرو اس لئے کہ اللہ کی قسم میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ (حضرت) عمرؓ کے مشابہ ہو (التاریخ الکبیر للامام البخاری ۲/۲۹۰)۔

بلال کہتے ہیں: میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ غیر صحابی میں کوئی ایک آدمی بھی میں نے ایسا نہیں دیکھا جو حسن سے زیادہ صحابہ سے مشابہت رکھتا ہو (التاریخ الکبیر ۲/۲۹۰)۔

مطر الوراق کہتے ہیں جب حسن ظاہر ہوں (تو یہ سمجھو کر) ایک (ایسا) آدمی آیا جو آخرت میں تھا اور جو کچھ اس نے (وہاں) دیکھا اس کی خبر دے رہا ہے (التاریخ الکبیر ۲/۲۹۰)۔

حسن نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ بڑے ہوئے تو جہاد اور علم و عمل سے چمٹے رہے۔ وہ مشہور بہادروں میں سے ایک تھے۔ امام ذہبی کہتے ہیں: وہ حافظ تھے، علم کے سمندروں میں سے علامہ تھے، نفس کے فقیہ، کبیر الشان اور (اپنے زمانہ میں) عدیم النظیر تھے۔ ان کی نصیحت میں ملاحت ہو عظمت میں بلاغت تھی وہ انواع الخیر میں رئیس تھے (تذکرۃ الحفاظ جزء اول ص۷۱ و ۷۲)

سوال کیا جو شخص اتنا جلیل القدر امام ہو وہ مدلس یعنی کذاب ہو سکتا ہے۔ علماء نے بیسیوں محدثین کو دو شالے میں لپیٹ کر کذاب کہا اور کہلوایا افسوس !!!

امام بخاری اور سکتتین کی حدیث

امام بخاری فرماتے ہیں:۔

ثنا مسدد ...... عن الحسن	حسن (بصری) فرماتے ہیں حضرت سمرہؓ
قال تذاکر سمرۃ وعمران	اور حضرت عمرانؓ نے مذاکرہ کیا حضرت

فحدث سمرة انه حفظ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سکتتین سکتۃ اذا کبر وسکتۃ اذا فرغ من قراءتہ (جزء القراءۃ خلف الامام للامام البخاری ص۱۳)

سمرہؓ نے فرمایا مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سکتے (اچھی طرح) یاد ہیں: ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور ایک قرأت سے فارغ ہونے کے بعد۔

امام بخاری اس حدیث سے حجت لے رہے ہیں اور اسے صحیح سمجھ رہے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام بیہقی اور سکتتین کی حدیث

امام بیہقی فرماتے ہیں:-

حدیث السکتتین اثبت من کل حدیث یحتج بہ من یقول بترک القراءۃ خلف الامام فی جمیع الصلوات عند اھل المعرفۃ بالحدیث وذھب الی ھذا المذھب فی الجمع بین الانصات عند قراءۃ الامام وقراءۃ الفاتحۃ عند سکوت الامام من سمیناھم فی الجزء قبلہ من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم (کتاب القراءۃ خلف الامام للامام البیہقی ص۸۵)

علم حدیث میں معرفت رکھنے والوں کے نزدیک سکتتین کی حدیث ہر اس حدیث سے زیادہ ثابت ہے جس سے وہ لوگ حجت لیتے ہیں جو تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کے قائل ہیں اور یہی عمل ہے صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے علماء کا جن کا ذکر اس جزء میں ہم پہلے کر چکے ہیں اور جو امام کی قرأت کے وقت سکوت اور امام کے سکوت کے وقت سورۂ فاتحہ کی قرأت (کے احکام) میں (تطبیق دے کر دونوں کو) جمع کرنے کے قائل ہیں۔

حضرت سمرہؓ دو سکتے کرتے تھے

عن الحسن قال کان سمرۃ اذا کبر سکت ھنیئۃ واذا فرغ من السورۃ سکت ھنیئۃ (کتاب القراءۃ للامام البیہقی ص۸۶ سندہ صحیح)۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں حضرت سمرہؓ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کچھ دیر سکتہ کرتے اور جب سورت سے فارغ ہوتے تو کچھ دیر سکتہ کرتے

حضرت سمرہ بن جندبؓ سال میں چھ مہینے بصرہ میں رہا کرتے تھے (اسد الغابۃ ۲/۳۵۴)

بالثیب جلد مائة والرجم (صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد الزانی جلد ۲ ص۶۵)

امام مسلم نے اس حدیث سے حجت لی حالانکہ اس حدیث کی سند میں امام حسن بصری کا عنعنہ موجود ہے۔

ان دو اماموں کی مثال دینے کے بعد ہم ضرورت نہیں سمجھتے کہ دوسرے اماموں کی مثال پیش کریں۔

محدثین اور سکتے | اہل حدیث یعنی اہل علم یعنی محدثین اسی چیز کے قائل ہیں کہ امام کے سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔

حضرت ابو سلمہ تابعی فرماتے ہیں :-

للامام سکتتان فاغتنموا القراءة فیهما بفاتحة الکتاب (جزء القراءة للامام البخاری ص۶۲ وسندہ حسن)۔ البانی صاحب نے بھی اس روایت کو حسن لکھا ہے (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة جلد ۲ ص۲۴ حدیث نمبر ۵۴۶)

امام کے دو سکتے ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کو لوٹ لیا کرو۔

امام ابوسلمہ نہ امام حسن بصری سے روایت کرتے ہیں اور نہ امام حسن بصری امام ابوسلمہ سے روایت کرتے ہیں پھر بھی امام ابوسلمہ کو دو سکتوں کی حدیث کا علم تھا اگر ایک دوسرے سے روایت کرتا ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ امام ابوسلمہ نے سکتتین کی حدیث امام حسن بصری ہی سے سنی ہو گی لیکن یہ بات نہیں تو پھر امام ابوسلمہ کو سکتوں کی حدیث براہ راست پہنچی تھی۔ الغرض یہ اثر امام حسن بصری کی دو سکتوں والی حدیث کی تائید کرتا ہے۔

امام عطاء تابعی فرماتے ہیں :-

اذا کان الامام یجهر فلیبادر بقراءة ام القرآن او لیقرء بعد ما یسکت فاذا قرء فلینصت کما قال الله عز وجل (جزء القراءة للامام البخاری ص۳۱

جب امام بلند آواز سے قرأت کرے تو (اس کے قرأت شروع کرنے سے پہلے) جلدی سے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو یا بعد میں جب وہ سکتہ کرے تو پڑھ لیا کرو لیکن جب وہ قرأت کرے تو خاموش

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھایا کرتے تھے۔ امام حسن بصری بھی بصرہ میں مقیم تھے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سمرہؓ بن جندبؓ کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں لہٰذا انقطاع کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور حدیث سکتتین بالکل صحیح ہے۔

امام بخاری، امام مسلم وغیرہ امام حسن بصری کو مدلس نہیں مانتے

امام بخاری امام حسن بصری کو مدلس نہیں مانتے اور ان سے بغیر تحدیث کے روایت کرتے ہیں۔ بطور مثال ایک حدیث مع سند درج ذیل ہے :-

حدثنا ابو نعیم عن ھشام عن قتادۃ عن الحسن عن ابی رافع عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا جلس بین شعبھا الاربع ثم جھدھا فقد وجب الغسل (صحیح بخاری کتاب الغسل باب اذا التقی الختانان جزء اوّل ص۴۳)

اس حدیث سے امام بخاری نے حجت لی ہے باوجود اس کے کہ اس میں امام حسن بصری کا عنعنہ موجود ہے گویا امام بخاری نے امام حسن بصری کو مدلس نہیں مانا۔ اگر مدلس مانتے تو ان کی تحدیث ثابت کرتے جس طرح قتادہ کی تحدیث ثابت کی۔ امام بخاری اسی حدیث کی ضمن میں لکھتے ہیں :-

وقال موسی حدثنا ابان قال حدثنا قتادۃ اخبرنا الحسن مثلہ۔

امام بخاری نے قتادہ کی تحدیث تو لفظ " اخبرنا " سے ثابت کی اور تدلیس کے شبہ کو ختم کر دیا لیکن امام حسن بصری کے سلسلہ میں ایسا نہیں کیا یعنی ان کو مدلس نہیں مانا۔

امام مسلم بھی امام حسن بصری کو مدلس نہیں مانتے اور ان سے بغیر تحدیث کے روایت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک حدیث ذیل میں مع سند درج کی جا رہی ہے :-

حدثنا یحییٰ بن یحییٰ التمیمی اخبرنا ھشیم عن منصور عن الحسن عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی عن عبادۃ بن الصامتؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللہ لھن سبیلا البکر بالبکر جلد مائۃ ونفی سنۃ والثیب

وسندہٗ صحیح) رہا کرو جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔

امام عطاء نہ امام حسن بصری سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں اور نہ امام حسن بصری امام عطاء سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں یعنی امام عطاء کا دو سکتوں سے واقف ہونا براہ راست کسی اور طریقہ سے ہے لہذا یہ اثر بھی امام حسن بصری کی دو سکتوں والی حدیث کی تائید کرتا ہے۔

امام بخاری تحریر فرماتے ہیں :-

نقول یقرأ خلف الامام عند السکتات (جزء القراءۃ للبخاری ص۱۱) ہم کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتات میں پڑھے۔

مندرجہ بالا اماموں ہی پر موقوف نہیں تمام محدثین کا یہی عمل ہے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں :-

واختار اصحاب الحدیث ان لا یقرأ الرجل اذا جھر الامام بالقراءۃ قالوا یتبع سکتات الامام (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی ترک القراءۃ خلف الامام جزء اول ص۱۱) محدثین نے اختیار کیا ہے کہ جب امام بلند آواز سے قرأت کرے تو مقتدی کچھ نہ پڑھے۔ محدثین کہتے ہیں کہ امام کے سکتات کی متابعت کرے (یعنی امام کے سکتات میں پڑھے)۔

الغرض تمام اہلحدیث یعنی تمام اہلِ علم یا محدثین امام کے سکتات کو صحیح مانتے ہیں لیکن آجکل کے لوگ جو بے علم ہونے ہوئے بھی اہلحدیث کہلاتے ہیں وہ کہتے ہیں امام کے سکتات کا ثبوت نہیں لہذا نہ امام دو سکتے کرے اور نہ مقتدی سکتوں میں پڑھے۔ اب بتایئے اہلِ علم کی بات مانی جائے یا بے علم لوگوں کی۔ ہمارے متعلق تو وہ کہدیں گے کہ ہم علم نہیں رکھتے لیکن کیا وہ محدثین کو بھی بے علم مانتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے ابھی تک سکتتین کی حدیث پر عمل نہیں کیا لہذا عمل نہ کرنے کی کچھ تو معذرت کریں تاکہ حدیث پر عمل نہ کرنے کی ملامت سے بچ جائیں۔ الغرض انہوں نے امام حسن بصری کو مدلس (یعنی کذاب) کہہ کر عمل نہ کرنے کا حیلہ نکال لیا۔ افسوس امام حسن بصری جیسے امام کو جن سے امام بخاری، امام مسلم جیسے جلیل القدر امام روایت کرتے ہیں

کذاب تسلیم کیا گیا۔ انہیں غیرت نہیں آئی کہ جب امام حسن بصری اور ان جیسے بیسیوں امام کذاب ٹھہرے تو پھر صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ پورے علم حدیث کی کیا حیثیت رہی۔ کذاب نے اگر حدثنا کہہ دیا تو وہ صادق کیسے ہو گیا۔

سکتتین کی حدیث کو کس کس نے صحیح تسلیم کیا

(۱) امام بخاری اسے اپنی کتاب جزء القراءۃ میں لائے اور اس سے حجت لی (۲) امام بیہقی نے اسے ثابت تسلیم کیا (۳) امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہ امام حسن بصری کے عنعنہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں (۴) اہل حدیث یعنی محدثین نے سکتتین کی حدیث کو صحیح مانا اور اس پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی (۵) امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی اور امام اسحٰق بھی سکتتین کے قائل ہیں (نیل الاوطار ۲/۲۰۱) (۶) امام حاکم نے اسے امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا (۷) امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی (۸) امام ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا (۹) امام منذری نے اس پر سکوت کیا (۱۰) امام ترمذی نے اسے حسن کہا (۱۱) امام شوکانی نے اسے صحیح کہا (نیل الاوطار ۲/۲۰۰) (۱۲) علامہ احمد محمد شاکر نے ترمذی کی تعلیق میں اسے صحیح کہا۔ ان سب کی تصحیح یا تحسین کے مقابلہ میں علامہ البانی کی تضعیف کی کوئی حقیقت نہیں خصوصاً اس لئے کہ اس کو صحیح نہ کہنے پر وہ اپنے نظریہ کی خاطر مجبور ہیں۔ علامہ احمد محمد شاکر علامہ البانی کے پیش رو ہیں انہوں نے تحقیق کا دروازہ کھولا۔ وہ بہت بڑے محقق تھے۔ انہوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

علامہ البانی کی تضعیف کی حقیقت

علامہ البانی نے اس حدیث کو صرف اس لئے ضعیف کہا کہ اس کی سند میں حسن بصری مدلس ہیں۔ امام حسن بصری مدلس نہیں ہیں اور امام مدلس ہوتا بھی نہیں۔ فن تدلیس بالکل لغو فن ہے لہذا علامہ البانی کی تضعیف ہی بے بنیاد ہے۔ جب تدلیس ایک لغو فن ہے اور امام حسن بصری مدلس نہیں ہیں تو علامہ البانی کی تضعیف کی پوری عمارت دھڑام سے آگری۔

علامہ البانی کی تصحیح اور تضعیف کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک ہی حدیث کو وہ کہیں ضعیف کہتے ہیں تو کسی دوسرے مقام پر اُسے صحیح کہہ دیتے ہیں۔ ان کے تناقضات کو حسن بن علی السقاف نے دو جلدوں میں جمع کر دیا ہے۔ کتاب کا نام ہے "تناقضات

الالبانی الواضحات فیما وقع فی تصحیح الاحادیث وتضعیفها من اخطاء وغلطات" شائع کردہ دارالامام النووی الاردن/عمان ص ب ۹۲۵۳۹۳۔

البانی صاحب کا تو یہ حال ہے کہ وہ بالکل ضعیف حدیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں اور جب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء اسے تسلیم نہیں کریں گے تو معذرت خواہانہ انداز میں لکھ دیتے ہیں ھو عندی صحیح (یہ میرے نزدیک صحیح ہے)۔ بتلائیے اب کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟

علامہ البانی حدیث سکتتین کی تضعیف کے کیوں قائل ہیں

البانی صاحب حدیثِ سکتتین کی تضعیف کے اس لئے قائل ہیں کہ وہ جہری نماز میں مقتدی کی قرأت کو ناجائز کہتے ہیں (ان کی کتاب صفۃ الصلوٰۃ ملاحظہ فرمائیں)۔

اگر وہ حدیث سکتتین کو صحیح مان لیں تو پھر انہیں جہری نماز میں بھی مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کی قرأت کو تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ وہ نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے خواہ حدیث کو جواب ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

علامہ البانی صاحب کی تضعیف پر جو لوگ نازاں ہیں تو کیا وہ اس مسئلہ میں علامہ البانی کی تائید کرتے ہیں کہ جہری نماز میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے۔ اگر وہ اس مسئلہ میں البانی صاحب کو غلط سمجھتے ہیں تو دوسروں سے کیوں ان کی غلطی کو دلیل کی حیثیت سے منواتے ہیں۔ علامہ البانی کی مبالغہ آمیز تعریف کر کے ان کو امام الجرح والتعدیل بنانے والے اور محقق محدث کہنے والے ان کے فتوے کو تسلیم کیوں نہیں کرتے اور امام کے پیچھے جہری نماز میں قرأت کو ناجائز کیوں نہیں کہتے۔ علامہ البانی کی تحقیق کے مطابق مقتدی کا جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کرنا منسوخ ہو چکا ہے تو ان کی تحقیق پر ناز کرنے والے ان کی تحقیق کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔

علامہ البانی نے بھی امام حسن بصری کے عنعنہ کو حسن مان لیا

علامہ البانی حسن بصری کے عنعنہ کو ہر جگہ ضعیف نہیں مانتے مثلاً ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی رخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ کی ایک حدیث کو جس میں امام حسن بصری کا عنعنہ موجود ہے حسن تسلیم کرتے ہیں (صحیح ابی داؤد جزء اول ص۷۲ حدیث نمبر ۳۴۱)۔ بات صاف ہے کہ البانی صاحب نے سکتتین کی حدیث کو ضعیف اس لئے کہا کہ وہ ان کے مذہب کے

خلاف ہے اور جمعہ کے دن ترک غسل کی حدیث کو حسن اس لئے کہا کہ وہ ان کے مذہب کے مطابق ہے۔ بہرحال جب البانی صاحب نے حسن بصری کے عنعنہ کے باوجود حدیث کو حسن تسلیم کرلیا تو اب ان کے نزدیک بھی حدیث سکتتین ضعیف نہیں رہی بلکہ حسن ہوگئی۔

کاش ہمارے مخالفین تعصب کو خیرباد کہہ کر انصاف کے تقاضے پورے کریں اور سکتتین کی حدیث کی تصحیح کا اعلان فرمائیں۔

اعتراض نمبر ۳ البانی صاحب لکھتے ہیں:۔ اگر سکتہ کی حدیث صحیح ہو تو یہ تمہارے خلاف ہے اس لئے کہ حدیث میں دوسرا سکتہ پوری قرأت کے بعد ہے اور تم سورۂ فاتحہ کے بعد سکتہ کرتے ہو (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد ۲ صـ۲۵)

جواب یہ اعتراض شافعیوں پر ہوسکتا ہے۔ ہم پر نہیں اس لئے کہ ہم تو پوری قرأت کرنے کے بعد سکتہ کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۴ البانی صاحب لکھتے ہیں: اس کے متن میں اضطراب ہے۔ کسی روایت میں دوسرا سکتہ سورۂ فاتحہ کے بعد ہے اور کسی روایت میں دوسری سورت کے بعد ہے (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد ۲ صـ۲۵ ملخصًا)

جواب اس کا جواب البانی صاحب نے خود دے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

وهذه الرواية الأخيرة هي الصواب في الحديث لوصح لانه اتفق عليها اصحاب الحسن يونس واشعث وحميد الطويل (سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة جلد ۲ صـ۲۶)

اور حدیث کا متن اگر صحیح ہو تو دوسری سورت کے بعد سکتہ کرنا ہی صحیح ہے اس لئے کہ اس پر حسن بصری کے اصحاب یونس، اشعث اور حمید نے اتفاق کیا ہے۔

مزید برآں قتادہ کی روایت میں بھی دوسرا سکتہ قرأت کے بعد ہے۔ سورۂ فاتحہ کے بعد دوسرا سکتہ کرنے کا ذکر حدیث کے متن میں نہیں ہے۔ یہ قتادہ کی رائے یا قیاس ہے جو حجت نہیں خصوصًا ایسی صورت میں کہ حسن بصری کے دوسرے اصحاب کی

روایتیں اس قیاس کی تردید کرتی ہیں۔

الغرض حدیث کے متن پر اضطراب کا اعتراض غلط ہے۔

قرآن مجید اور حدیثِ نبوی کی خلاف ورزی

جو لوگ امام کے سکتوں میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے بلکہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھتے رہتے ہیں وہ قرآن مجید کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں اور حدیث شریف کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥ (الاعراف۔۲۰۴)	اور (اے ایمان والو) جب قرآن (مجید) پڑھا جائے تو اُسے غور سے سنا کرو اور چپ رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مندرجہ بالا فرمانِ الٰہی کا منشاء یہ ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموشی کے ساتھ اُسے غور سے سنتے رہنا چاہیئے۔ ہمارے مخالفین کے ہاں قرآن مجید پر عمل یا اس سے استدلال کم ہی ہوتا ہے ہاں امام بخاری کے تراجم ابواب سے ایسا استدلال کرتے ہیں جیسا کتاب و سنت سے کرنا چاہیئے۔ اس پر تقلید ہی کی تعریف صادق آتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

وَ إِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ جزء اول صـ۱۷۴)	اور جب امام پڑھا کرے تو خاموش رہا کرو۔

یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ بھی روایت کرتے ہیں اور امام مسلم اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت اور احادیث پر عمل مفقود ہے۔ اس آیت اور ان احادیث پر عمل صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ امام کے دو سکتے تسلیم کئے جائیں اور ان میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:۔

وکان ابو سلمة بن عبد الرحمٰن و میمون بن مہران وغیرھم و	ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، میمون بن مہران وغیرہم اور سعید بن جبیر امام کے سکوت

سعید بن جبیر یرون القراءۃ عند سکوت الامام الی نون نعبد لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب فتکون قراءتہ فاذا قرء الامام انصت حتی یکون متبعا لقولہ تعالیٰ فاستمعوا لہ وانصتوا فیستعمل قول اللہ تعالیٰ ویتبع قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جزء القراءۃ للامام البخاری ص۱۱)

کے وقت قرأت کرنے کے قائل ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی" اس طرح (یعنی امام کے سکتہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے سے) مقتدی اللہ تعالیٰ کے فرمان "جب قرآن مجید پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو" کا بھی متبع ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی) کا بھی متبع ہوگا۔

امام بیہقی تحریر فرماتے ہیں :۔

قال الامام احمد رحمہ اللہ وفی حدیث سمرۃ کان یسکت قبل القراءۃ وبعدھا۔ قال البخاری فاذا قرأ فی سکتۃ الامام لم یکن مخالفا لحدیث ابی خالد لانہ یقرء فی سکتات الامام فاذا قرأ انصت (کتاب القراءۃ للامام البیہقی ص۹۱)

امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حدیث سمرۃ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت سے پہلے اور قرأت کے بعد سکتہ کیا کرتے تھے۔ (امام) بخاری فرماتے ہیں جب مقتدی امام کے سکتے میں پڑھے گا تو ابو خالد کی حدیث (جب امام پڑھے تو خاموش رہو) کا مخالف نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ امام کے سکتات میں پڑھ رہا ہے اور جب امام پڑھتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔

الغرض اس طرح پڑھنے سے نہ قرآن مجید کی آیت (فاستمعوا لہ وانصتوا) اور حدیث (اذا قرأ فانصتوا) کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور نہ حدیث (لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب) کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ سب پر بیک وقت عمل ہوتا ہے۔

امام بیہقی کے مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوا کہ امام احمد اور امام بخاری کے

نزدیک سکتتین کی حدیث ثابت ہے جب ہی تو وہ اس حدیث پر عمل کرنے کی تاکید کر رہے ہیں اور قرآن مجید اور حدیث کی مخالفت سے روک رہے ہیں۔

یہ تطبیق کی کتنی اچھی صورت ہے۔ افسوس کہ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کی قرأت کو واجب قرار دینے والوں اور سورۂ فاتحہ کی قرأت سے روکنے والوں نے باوجود امام بخاری وغیرہ کی صراحت کے اس تطبیق کو اختیار نہیں کیا اور آج تک اختلاف کر رہے ہیں۔ ایک جماعت قرآن مجید کی خلاف ورزی کر رہی ہے اور ایک جماعت حدیث کی خلاف ورزی کر رہی ہے حالانکہ مذکورہ بالا تطبیق کی صورت میں قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں پر بہ یک وقت عمل ہو سکتا ہے۔ ایک کو چھوڑنا اور ایک پر عمل کرنا یہ بھی کوئی اسلام ہے۔

سکتتین کی حدیث کے شواہد

(۱) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ

انه کان یقرء خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا انصت فاذا قرأ لم یقرأ فاذا انصت قرأ (کتاب القراءۃ للامام البیہقی ص۸۶)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تو وہ نہیں پڑھتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تو وہ پڑھتے تھے۔

اس حدیث کی ایک اور سند بھی ہے۔ امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ

انهم کانوا یقرؤن خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا انصت فاذا قرأ لم یقرؤا واذا انصت قرؤا (کتاب القراءۃ للامام البیہقی ص۶۹)

صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تو صحابہ کرام نہیں پڑھتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خاموش ہوتے تو صحابہ کرام پڑھتے تھے۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سکتے بالبداہت ثابت ہو رہے ہیں۔

اعتراضات | مندرجہ بالا حدیث کی سند میں ایک راوی "ابو الصلت" ہے جو متکلم فیہ ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

جواب | "ابو الصلت" صرف دوسری حدیث کی سند میں ہے۔ پہلی حدیث کی سند میں نہیں ہے لہٰذا پہلی حدیث ضعیف نہیں ہے، بالکل صحیح ہے۔

دوسری حدیث کی سند میں اگرچہ "ابو الصلت" ضعیف ہے لیکن سب کے نزدیک ضعیف نہیں ہے۔ امام یحییٰ بن معین اور امام ابو سعید الہروی نے ابو الصلت کو ثقہ کہا ہے لہٰذا دوسری حدیث بھی حسن کے درجہ سے نیچے نہیں جائے گی اور کیونکہ حسن حدیث بھی مقبول ہوتی ہے لہٰذا پہلی اور دوسری دونوں حدیثیں مقبول ہو گئیں، کوئی بھی مردود نہیں رہی۔ مزید برآں اگر حدیث صحیح ہو تو ایک ہی کافی ہے۔ کیونکہ پہلی حدیث صحیح ہے لہٰذا عمل کے لئے وہی کافی ہے۔

امام بیہقی اور مندرجہ بالا احادیث | امام بیہقی نے مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کو صحیح کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

فلقراءة المأموم فاتحة الكتاب في سكتة الامام شواهد صحيحة عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده (كتاب القراءة للامام البيهقي ص۵۵ مطبوعہ پرنٹنگ ورکس دہلی)	مقتدی کا امام کے سکتہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدّہ کی سند سے روایت کردہ صحیح شواہد سے (ثابت) ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی کے نزدیک دوسری حدیث بھی حسن نہیں بلکہ صحیح ہے۔

علامہ البانی کی عجیب وغریب چالاکی | البانی صاحب لکھتے ہیں:۔

ابن عمير هذا متروك شديد الضعف (سلسلة الاحاديث الضعيفه	ابن عمیر متروک ہے۔ شدت کے ساتھ ضعیف ہے۔

والموضوعة ۲/۲۰/۴۲)
آگے لکھتے ہیں :۔

ونحوه المثنى ابن الصباح فقد ضعفه الجمهور من الائمة (حوالہ مذکور)

اور ایسا ہی مثنی ابن الصباح کا حال ہے۔ اس کو جمہور ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔

آگے لکھتے ہیں :۔

واما ابن لہیعة فهو معروف بالضعف (حوالہ مذکور)

اور ابن لہیعہ تو وہ ضعف میں معروف ہی ہے۔

البانی صاحب کی چالاکی کی حقیقت البانی صاحب نے ابن عمیر، مثنی اور ابن لہیعہ پر جرح کی ہے۔ امام بیہقی نے خود تسلیم کیا ہے کہ یہ تینوں راوی ضعیف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :۔

محمد بن عبد الله بن عمیر وان کان غیر محتج به وكذلك بعض من تقدم ممن رواه عن عمرو بن شعیب فلقراءة الماموم فاتحة الكتاب فی سكتة الامام شواهد صحيحة عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده (كتاب القراءة للامام البيهقی ص۵۵)

اگرچہ محمد بن عبد اللہ بن عمیر سے حجت نہیں لی جاتی اور اسی طرح بعض ان راویوں سے جنہوں نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے جن کا حال پہلے گذر چکا ہے حجت نہیں لی جاتی لیکن امام کے سکتہ میں مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے صحیح شواہد عمرو بن شعیب کی روایت سے موجود ہیں۔

امام بیہقی نے خود ان تینوں راویوں کی روایت پر جرح کی، ان سے حجت نہیں لی تو البانی صاحب نے ان کا ضعف بیان کر کے کونسا کارنامہ انجام دیا۔ البانی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بیہقی نے تو ان تینوں کی روایت کو صحیح تسلیم کیا لیکن وہ اس کا ضعف ثابت کر رہے ہیں۔ امام بیہقی نے ان تینوں کی روایت کو ضعیف تسلیم کرنے کے بعد لکھا کہ دوسرے شواہد صحیح ہیں۔ امام بیہقی نے ان تین ضعیف راویوں کی روایتوں کو صحیح نہیں کہا۔ انہوں نے تو ان روایتوں کو صحیح کہا جن میں ان تین راویوں میں سے ایک بھی راوی نہیں اور یہ روایتیں ہم ص۴۳۹ پر نقل کر چکے ہیں اور وہ بالکل صحیح ہیں۔

البانی صاحب اُن روایتوں کی تضعیف کر رہے ہیں جن کو ہم نے پیش ہی نہیں کیا۔ جن روایتوں کو ہم نے پیش کیا ان کی تصحیح یا تضعیف سے اعراض کر رہے ہیں اور ان کی تضعیف کریں بھی کیسے جبکہ امام بیہقی جیسے امام نے ان کو صحیح کہا۔ البانی صاحب لکھتے ہیں :-

واما الشواھد التی اشار الیہ البیہقی فعلی فرض التسلیم بصحتھا فھو موقوفۃ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ۲/۴۲۰)	اور اگر وہ شواہد جن کی طرف امام بیہقی نے اشارہ کیا ہے صحیح تسلیم کر لئے جائیں تو وہ موقوف ہیں۔

جن شواہد کی طرف امام بیہقی نے اشارہ کیا ہے امام بیہقی نے ان کو مع سند کے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے، البانی صاحب نے ان کی تضعیف کی طرف توجہ کیوں نہیں دی۔ جن روایتوں کو امام بیہقی نے خود ضعیف کہا البانی صاحب ان روایتوں کا ضعف ثابت کر رہے ہیں۔ آخر کیوں ؟ اس سے کیا مقصد ہے ؟ جن روایتوں کو امام بیہقی نے صحیح کہا وہ ان کا ضعف کیوں نہیں ثابت کرتے۔ بہر حال انہوں نے مذکورہ بالا عبارت میں ان کو صحیح تسلیم کرنے کی جو بات تحریر کی ہے وہ ان کی کمزوری اور جانب داری ہے۔ وہ احادیث بالکل صحیح ہیں۔ صحیح فرض کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔ ہاں البانی صاحب کے نزدیک ضرورت ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ قارئین یہ سمجھیں کہ ہیں تو وہ بھی ضعیف لیکن البانی صاحب نے ان کو صحیح مان کر بھی جواب دے دیا ہے۔

البانی صاحب نے ان صحیح احادیث کو بالفرض صحیح تسلیم کیا۔ وہ ان کو ضعیف ثابت نہیں کر سکے لہٰذا انہوں نے ان کو موقوف کہہ کر ٹال دیا۔

کیا البانی صاحب کا حضرت عبداللہ بن عمرو کی احادیث کو موقوف کہنا صحیح ہے ؟

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکتوں میں پڑھتا تھا۔ کیونکہ پڑھنا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا فعل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہیں ہے لہٰذا بقول البانی صاحب حدیث موقوف ہے۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پڑھنا صحابی ہی کا فعل ہے لیکن ہم اُسے

موقوف نہیں مانتے۔ (وجہ آگے آرہی ہے)

دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکتوں میں پڑھتے تھے یعنی صحابہ کرام کا پڑھنا صحابہ کرام کا فعل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہیں ہے لہٰذا بقول البانی صاحب حدیث موقوف ہے۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پڑھنا صحابہ کرام کا فعل ہے لیکن ہم اسے موقوف تسلیم نہیں کرتے۔ (وجہ آگے آرہی ہے)

تعجب ہے صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکتوں میں قرآت کرتے تھے لیکن البانی صاحب کے نزدیک صحابہ کرام کا یہ فعل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کی امامت میں کیا جارہا تھا حجت نہیں افسوس!۔ کیا اس پر کم از کم تقریری مرفوع حدیث کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اگر صحابہ کرام کا پڑھنا ناجائز تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیوں نہیں فرمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو خبر نہیں ہوئی تو یہ انتہائی لغو ہے۔ اچھا اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں ہوئی تو کیا اللہ عالم الغیب کو بھی خبر نہیں ہوئی۔

تعجب ہے کہ صحابہ کرام کا فعل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا جارہا ہے نہ مرفوع ہے اور نہ حجت۔ کتنی لغو بات ہے جو کہی جارہی ہے۔ افسوس!

کیا سکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے یا صحابہ کرام؟

اچھا مان لیا کہ صحابہ کرام کا یہ فعل موقوف ہے لہٰذا حجت نہیں تو ہم صحابہ کرام کا فعل پیش کب کر رہے ہیں۔ ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل پیش کر رہے ہیں جو کہ حدیث زیر بحث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کرتے تھے۔ کیا یہ سکتے کرنا بھی موقوف ہے؟ کیا سکتے کرنا صحابہ کا فعل تھا؟ پڑھنا اگر صحابہ کرام کا فعل تھا تو سکتے کرنا تو صحابہ کرام کا فعل نہیں تھا۔ سکتے کرنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا اور وہ یقیناً مرفوع ہے۔

کیا اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے سکتوں کی سنت کا احیاء نہیں کریں گے اور تاویلاتِ باطلہ سے حدیثوں کو رد کرتے رہیں گے۔ میدان محشر میں نہ اپنا خود ساختہ نظریہ کام آئے گا اور نہ اپنا مذہب۔ وہاں تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کام آئے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی درحقیقت اسلام ہے۔

الغرض جب احادیثِ مرفوعہ سے جن کی تضعیف البانی صاحب نہیں کرسکے دو سکتے ثابت ہوگئے تو ان کے تعارض میں کسی صحابی کا قول پیش کرنا جیسا کہ البانی صاحب نے کیا ہے سراسر باطل ہے۔ یہ اس اصول کو توڑنا ہے جس کو وہ خود مسلمہ اصول مانتے ہیں۔ مزید برآں ان آثار میں جو البانی صاحب نے بیان کئے ہیں دو سکتوں کا ذکر ہی نہیں تو وہ متعارض کیسے ہوئے اور اگر متعارض ہوں بھی تو وہ صحیح مرفوع احادیث کے مقابلے میں نہیں مانے جاسکتے۔ ان آثار میں تو یہ ہے کہ امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھا جائے تو کیا البانی صاحب اور ان کے مداحین کو بعض صحابیوں کا یہ فیصلہ پسند ہے؟ مزید برآں کسی بھی صحابی کے اثر میں سوائے حضرت جابرؓ کے سورۃ فاتحہ کا ذکر ہی نہیں۔ حضرت جابرؓ خود قرأت کرتے تھے لہٰذا ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ان کا قول حدیث مرفوع کے مقابلہ میں کیسے پیش کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث پر دوسرا اعتراض

سند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ضعیف ہے۔

جواب

اعتراض یہ ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے والد شعیب سے نہیں سنا اور شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمروؓ سے نہیں سنا۔

یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ عمرو نے یقیناً شعیب سے سنا ہے اور شعیب نے یقیناً حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے سنا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں :۔

وقد صح سماع عمرو بن شعیب من ابیہ وصح سماع شعیب من جدہ عبد اللہ بن عمرو (المستدرک للحاکم جزء ۲ ص ۶۵)	عمرو بن شعیب کا اپنے والد سے سننا صحیح ہے اور شعیب کا اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے سننا صحیح ہے۔

شعیب کہتے ہیں :۔

ان رجلا اتی عبد اللہ بن عمروؓ	ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس

يسأله عن محرم وقع بامرأة فاشار الى عبد الله بن عمرؓ...... فذهبت معه ...... فرجع الى عبد الله بن عمروؓ (قال شعيب) وانا معه..... {قال الحاكم: هذا حديث ثقات رواته حفاظ وهو كالآخذ باليد فى صحة سماع شعيب بن محمد عن جده عبد الله بن عمرو (المستدرك جزء ۲ ص۶۵) ورواه البيهقى فى كتاب المعرفة وقال اسناده صحيح..... وقال الشيخ فى الامام رجاله كلهم ثقات مشهورون. (التعليق المغنى لشمس الحق العظيم آبادى - دار قطنى جلد ۲ ص۲۱۰)}

آیا۔ اس نے مُحرِم کے عورت سے صحبت کرنے کے متعلق سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف اشارہ کیا...... (وہ ان کے پاس گیا) میں بھی اس کے ساتھ گیا...... وہ لوٹ کر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس آیا۔ میں اس کے ساتھ تھا..... (امام حاکم فرماتے ہیں) اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، حفاظ ہیں اور یہ حدیث شعیب بن محمد کا اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سننے کی صحت پر ایسی ہے جیسے کوئی ہاتھ پکڑنے والا (ہاتھ پکڑ لے)۔

صاحبِ مرعاۃ لکھتے ہیں :۔

ليست بمرسلة ولا منقطعة كما توهم ابن حبان ومن وافقه بل هى متصلة ولا تنحط عن درجة الحسن اذا كان الاسناد الى عمرو صحيحا قال الذهبى حديثه من قبيل الحسن قال الحافظ فى ترجمة عمرو قوية على المختار حيث لا تعارض انتهى وقال النووى ان الاحتجاج به هو الصحيح المختار الذى عليه المحققون من اهل الحديث وهم اهل هذا الفن وعنهم

یہ حدیث نہ مرسل ہے اور نہ منقطع جیسا کہ ابن حبان اور جس نے ان کی موافقت کی ہے وہم کیا ہے بلکہ یہ حدیث متصل ہے اور حسن کے درجہ سے کم نہیں جبکہ عمرو تک حدیث کی سند صحیح ہو۔ امام ذہبی کہتے ہیں عمرو کی حدیث حسن کے قبیل سے ہے۔ حافظ ابن حجر عمرو کے ترجمہ میں لکھتے ہیں عمرو کی حدیث مختار یہ ہے کہ قوی ہوتی ہے جبکہ تعارض بھی کسی سے نہ ہو۔ امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث سے احتجاج کرنا صحیح ہے، مختار ہے۔ محدثین میں سے محققین کا یہی مختار

يُؤخذ (مرعاة المصابيح حديث نمبر ۹۹ جزء اول ص ۱۸۹)

امام ترمذی فرماتے ہیں :-

قال محمد بن اسمٰعيل رأيت احمد واسحٰق وذكر غيرهما يحتجون بحديث عمرو بن شعيب قال محمد وقد سمع شعيب بن محمد من جده عبد الله بن عمرو (ترمذی ابواب الصلاة باب ماجاء فی كراهية البيع والشراء وانشاد الضالة والشعر فی المسجد جزء ۲ ص ۱۴۱)

ہے اور محدثین ہی (درحقیقت) اس فن کے اہل ہیں اور ان ہی سے (حدیث) کی صحت کے فیصلہ کو) لیا جاتا ہے ۔

محمد بن اسمٰعیل یعنی امام بخاری فرماتے ہیں میں نے احمد اور اسحٰق اور ان کے علاوہ دوسرے اماموں کو دیکھا کہ حدیث عمرو بن شعیب (بن محمد عن جدہ عبداللہ بن عمرو) سے حجت لیتے تھے ۔ امام بخاری مزید فرماتے ہیں شعیب بن محمد نے عبداللہ بن عمرو سے یقیناً سنا ہے ۔

حدیث زیر بحث میں عمرو، عمرو کے والد شعیب، شعیب کے والد محمد اور محمد کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو قابل غور ہیں ۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مراد یہ ہے کہ عمرو اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں ۔ جدہ میں ہ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع ہے نہ کہ عمرو کی طرف ۔ جدہ سے مراد محمد نہیں ہیں اس لئے کہ محمد کی تو ایسی حالت میں وفات ہو گئی تھی کہ شعیب بچے تھے ۔ شعیب کو ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو نے پالا تھا لہٰذا شعیب اپنے والد سے تو روایت کر ہی نہیں سکتے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں اور ان کی دادا سے ملاقات، ان سے سماع اور ان سے روایت کرنا صحیح طور پر ثابت ہے ۔ ابتداء میں بعض محدثین نے غلط فہمی سے جدہ میں ہٗ کی ضمیر کا مرجع عمرو کو قرار دیا ۔ نتیجۃً جدہٗ سے مراد محمد ہو گئے اور کیونکہ محمد وفات پا چکے تھے لہٰذا ان سے شعیب کی سماعت لایعنی قرار دی گئی یا کسی محدث کو یہ وہم ہوا کہ جدہ سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرو ہیں اور شعیب کی ملاقات اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے نہیں ہوئی لہٰذا حدیث کی سند بہر دو صورت ضعیف ہوئی لیکن یہ دونوں

وہم غلط نکلے محققین محدثین نے ثابت کر دیا کہ عمرو نے اپنے والد شعیب سے سنا ہے اور شعیب نے اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو سے سنا ہے لہذا حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ ابتداء میں جو غلط فہمی بعض محدثین کو ہوئی تھی تحقیق کے بعد اس غلطی کو پیش کرنا سراسر زیادتی ہے۔

علامہ احمد محمد شاکر لکھتے ہیں: والتحقیق ان روایۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ من اصح الاسانید۔ تحقیق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت اصح الاسانید میں سے ہے (تعلیقات احمد شاکر علی الترمذی جلد ۲ ص ۱۴۱)

امام بخاری فرماتے ہیں: احمد بن حنبل وعلی بن المدینی واسحاق بن راھویہ و ابا عبید وعامۃ اصحابنا یحتجون بحدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ما ترکہ احد من المسلمین (التعلیقات احمد شاکر علی الترمذی ۲/۱۴۱)

امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی، امام اسحاق بن راھویہ، امام ابو عبید اور ہمارے اصحاب (یعنی اساتذہ) سب اس حدیث سے حجت لیتے ہیں مسلمین میں سے کسی نے اس کو نہیں چھوڑا۔

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: اذا کان الراوی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ثقۃ فھو کا یوب عن نافع عن ابن عمر۔ اگر عمرو سے روایت کرنے والا راوی ثقہ ہو تو اس سند کا مرتبہ ایسا ہے جیسا مرتبہ ایوب عن نافع عن ابن عمر کی سند کا (التعلیقات علی الترمذی ۲/۱۴۲)

سکتتین کی حدیث میں عمرو سے روایت کرنے والا راوی عبد الحمید بن جعفر ہے اور وہ ثقہ ہے۔ امام مسلم اپنی صحیح میں اس سے حجت لیتے ہیں۔ الغرض بقول امام اسحٰق بن راہویہ سکتتین کی حدیث اعلےٰ درجہ کی صحیح ہے۔

علامہ عبد الرحمن البنا الساعاتی لکھتے ہیں: احتج بہ الجمھور ووثقہ النسائی و قال الحافظ ابو بکر بن زیاد صح سماع عمرو عن ابیہ وصح سماع شعیب عن عبد اللہ بن عمرو (بلوغ الامانی جزء ۱۵ ص ۱۴۵) اس حدیث سے جمہور محدثین نے حجت لی ہے، نسائی نے اس کو معتبر قرار دیا ہے۔ حافظ ابو بکر بن زیاد کہتے ہیں عمرو کا سماع اپنے والد سے اور شعیب کا سماع حضرت عبد اللہ بن عمرو سے صحیح طور پر ثابت ہے۔

علامہ ابن الصلاح لکھتے ہیں: وقد احتج اکثر اھل الحدیث بحدیثہ۔ اکثر

اہل حدیث یعنی محدثین اس حدیث کو حجت سمجھتے ہیں (مقدمہ ابن الصلاح صـ۱۵۷)

علامہ ابوعمر بن عبدالبر ایک حدیث پر جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے لکھتے ہیں :۔

هذا الحديث معروف مشهور من حديث عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم وهو حديث صحيح لا يختلف اهل العلم في قبوله والعمل به (التعليقات احمد شاكر على الترمذی ۲/۱۴۳ بحواله كتاب التقصى لحديث الموطأ صـ۱۵۴-۱۵۵)

یہ حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے معروف ہے، مشہور ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اہل علم کا اختلاف نہیں ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں :

رايت علی بن مدينی واحمد بن حنبل والحميدی واسحاق بن راهويه يحتجون به۔ (دار قطنی جلد ۲ صـ۳۱)۔

میں نے امام علی بن مدینی، امام حمیدی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کو دیکھا کہ وہ اس حدیث سے حجت لیتے تھے۔

دار قطنی کی کتاب البیوع کی ایک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں :

قال (بكير) سمعت عمرو بن شعيب يقول سمعت شعيبًا يقول سمعت عبد الله بن عمرو (دار قطنی جلد ۲ صـ۳۱)

بکیر کہتے ہیں میں نے عمرو بن شعیب سے سنا وہ کہتے تھے میں نے شعیب سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی سے سنا۔

الغرض یہ اعتراض کہ عمرو نے شعیب سے نہیں سنا اور شعیب نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی سے نہیں سنا بے بنیاد اور حقائق کے خلاف ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں :۔

وحديث محمد بن اسحاق عن عمرو بن شعيب حسن صحيح (ترمذی ابواب البر والصلة باب ما جاء فی رحمة الصبيان)

محمد بن اسحاق کی روایت عن عمرو بن شعیب حسن صحیح ہے۔

امام ابو داؤد بھی اس سند سے روایت کرتے ہیں اور سکوت فرماتے ہیں (ابو داؤد کتاب الطہارۃ جزو اول ص۲۰)

الغرض عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث بالکل صحیح اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ اور سکتتین

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :۔

للامام سکتتان فاغتنموا القراءۃ فیھما بفاتحۃ الکتاب (جزء القراءۃ للامام البخاری ص۶۲ وسندہٗ حسن)

امام کے دو سکتے ہوتے ہیں ان کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کے لئے لوٹ لو۔

البانی صاحب فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ اس حدیث کے مطابق عمل کرتے لیکن انہوں نے اس کو موقوف کہہ کر ٹال دیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ ایسا بھی موقع آیا کہ حضرت مروان مدینہ منورہ کے امیر تھے۔ مسجد نبوی میں وہی امام تھے تو سوال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے مذکورہ بالا قول میں امام سے مراد کیا حضرت مروان ہیں؟ اگر حضرت مروان ہیں تو کیا حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک حضرت مروان واجب الاتباع تھے کہ ان کے فعل کو وہ بطور حجت پیش کر رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک بھی واجب الاتباع امام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور ان کے مذکورہ بالا قول میں امام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام کے لفظ نے اس حدیث کو مرفوع ہی نہیں کیا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو مسلسل بھی کر دیا۔ البانی صاحب کا اپنے نظریہ کی خاطر اس کو موقوف کہہ کر ٹال دینا ناانصافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کرتے تھے اور آپ ہی کی اتباع میں ائمہ مساجد بھی سکتے کرتے تھے اور اسی چیز کو حضرت ابوہریرہ بیان فرما رہے ہیں۔

البانی صاحب کو تسلیم ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور حسن حدیث مقبول ہوتی ہے۔ اس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ براہ راست ذاتی طور پر سکتتین کی حدیث سے واقف تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ ان سکتات کا مقصد بھی جانتے تھے اور اس کا اعلان بھی کرتے تھے۔ اب

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ان سکتات کا مقصد سانس لینا تھا تو اس کا قیاس یا اس کی رائے اس حدیث کی روشنی میں لغو اور لایعنی ہے بلکہ قطعاً باطل ہے۔

خلاصہ

پہلی حدیث حضرت سمرہؓ کی حدیث بالکل صحیح ہے۔ امام حسن بصری کو مدلس یعنی کذاب، دھوکے باز کہنا سراسر گستاخی اور فریب نفس ہے۔

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث بھی بالکل صحیح ہے۔ ابتداء میں اس حدیث پر اعتراض کیا گیا تھا لیکن بعد میں تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ شعیب نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرو سے براہ راست سنا ہے لہٰذا انقطاع کا شبہ رفع ہو گیا اور اس حدیث کی سند صحیح ہو گئی۔

تیسری حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث بھی صحیح ہے یا کم از کم حسن ہے۔ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو سکتے کرنا اور آپ کے بعد ائمہ مساجد کا دو سکتوں پر مسلسل عمل کرنا ثابت ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث سے ان دو سکتوں کا مقصد بھی معلوم ہو گیا محدثین کا یہی مذہب ہے جیسا کہ امام ترمذی نے لکھا ہے (ص ۲) اب سکتے نہ کرنے والوں کے پاس سکتے نہ کرنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہا اور اب امید ہے کہ وہ اس پر عمل کریں گے۔

هو سمّاكم المسلمين من قبل وفي هذا

جماعت المسلمین
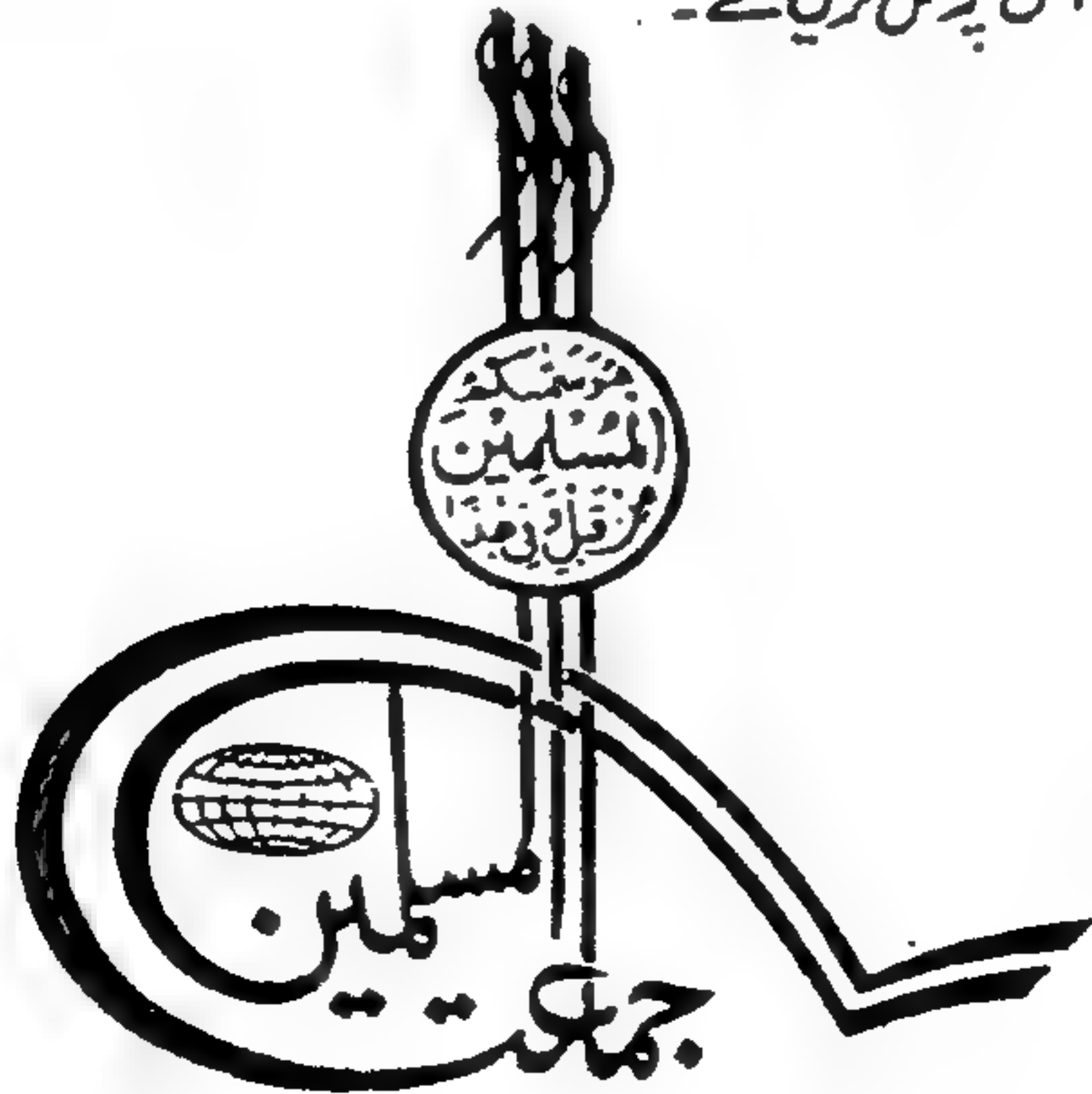
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرقہ بندی

فرقہ بندی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝
(الروم - ۳۱ و ۳۲)

اور (اے ایمان والو!) مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ یعنی ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے، تمام فرقے جو (فرقہ وارانہ مذہب) اُن کے پاس ہے اسی میں مگن ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں "مِنَ الْمُشْرِكِينَ" "مُبدَل مِنہ" ہے اور "مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا" اُس کا "بَدَلُ الکُل" ہے یعنی "مِنَ الْمُشْرِكِينَ" سے کلیتاً وہی لوگ مراد ہیں جو لوگ "مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا" سے مراد ہیں یعنی "مشرکین" سے کلیتاً وہ لوگ مراد ہیں "جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فرقے فرقے بن گئے"۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ فرقہ بندی شرک ہے اور فرقہ پرست شرک کے مرتکب ہیں۔

فرقہ پرست اتنا ضدی اور ہٹ دھرم ہوتا ہے کہ اگر اس کے سامنے آیات یا احادیث پیش کی جائیں تو وہ ان کو نہیں مانتا بلکہ اپنے مذہب پر جما رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ فعل کفر اور شرک کے دائرہ میں آتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلۂ اشاعت ۱۰۹

شوال ۱۴۰۹ھ

سجدوں میں رفع یدین ثابت نہیں

آج کل دو ایک صاحبان "سجدوں میں رفع یدین" کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے صرف ضعیف حدیثوں ہی سے کام نہیں لیا بلکہ جھوٹی حدیثوں کو بھی پیش کرنے سے احتراز نہیں کیا۔ اس مضمون میں ہم ان کی پیش کردہ روایتوں کا جائزہ لے رہے ہیں تاکہ حقائق سامنے آجائیں اور کم علم اشخاص دھوکا نہ کھائیں۔

سجدوں میں رفع یدین کرنے کے دلائل

(۱) عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے (ابن ماجہ)

جواب | اس حدیث کی سند میں عمر بن ریاح دجال ہے (یعنی بہت بڑا جھوٹا ہے) یہ شخص ثقات سے موضوع (یعنی جھوٹی) احادیث روایت کرتا ہے (تہذیب التہذیب)

خلاصہ | الغرض یہ حدیث موضوع، جھوٹی اور بناوٹی ہے۔

(۲) طاؤس کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ پہلے سجدہ کے بعد رفع یدین کرتے تھے اور میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے (ابوداؤد ملخصاً)

جواب | اس حدیث کی سند میں نضر بن کثیر ہے۔ نضر بن کثیر ثقات سے موضوع (یعنی جھوٹی) احادیث نقل کرتا ہے (تہذیب التہذیب) امام بخاری فرماتے ہیں: "عندہ مناکیر" اس کے پاس منکر روایتیں ہیں (الکامل ابن عدی جلد ۷ ص ۲۴۹۲، الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۴ ص ۲۹۲)۔

خلاصہ | الغرض یہ حدیث بھی موضوع، جھوٹی اور بناوٹی ہے۔

(۳) میمون نے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کو دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا جب وہ کھڑے ہوتے، جب رکوع کرتے، جب سجدہ کرتے اور جب کھڑے ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بتایا (ابوداؤد ملخصاً)

جواب | اس حدیث میں ایک راوی عبداللہ بن لہیعہ ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب) اور ایک

راوی میمون مجہول ہیں (تہذیب تہذیب الکمال جلد ۳ ص ۷۵)

اس حدیث میں میمون نے ایک عجیب بات بیان کی وہ یہ کہ عبداللہ ابن الزبیرؓ (رفع یدین کرنے کے بجائے) دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرنا بالکل لغو ہے۔

مزید براں اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب کھڑے ہوتے (یعنی دوسری رکعت کے لئے) تو رفع یدین کرتے۔ یہ رفع یدین بالکل باطل ہے۔ دوسری کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ قائلینِ رفع بتائیں کہ وہ اس رفع یدین پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

خلاصہ الغرض میمون کے مجہول ہونے، ابن لہیعہ کے ضعیف ہونے اور متن کے لغو ہونے کی وجہ سے یہ روایت باطل ہے اور لائق احتجاج نہیں۔

(۴) عمیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز میں ہر تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے (ابن ماجہ)

جواب اس حدیث کی سند میں رفدہ بن قضاعہ ضعیف بلکہ متروک ہے (تہذیب التہذیب) مزید براں اس کے ایک راوی عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے والد سے نہیں سنا (تعلیقات السندی علی ابن ماجہ جلد اول ص ۲۸۳)

خلاصہ الغرض یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور منقطع بھی۔ منقطع روایت کس طرح حجت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ایک راوی کا نام ہی نہیں معلوم نہیں وہ سچا ہے یا جھوٹا۔

(۵) (۱) حضرت وائل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے (ابوداؤد ملخصاً)

جواب اس حدیث کے کسی راوی نے سند میں بھی غلطی کی ہے اور متن میں بھی۔ علقمہ بن وائل کو وائل بن علقمہ کر دیا ہے اور متن میں "اذا رفع رأسه من السجود ایضاً رفع یدیه" کا اضافہ کر دیا ہے۔ امام ابوداؤد نے ان الفاظ پر شک کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ہمام نے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔

ہمام کی حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس میں یہ الفاظ کہ "جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے" نہیں ہیں۔

یہ اضافہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ابن عمرؓ سے روایت کردہ حدیث کے بھی خلاف ہے جس

میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔"
قائلین رفع کہتے ہیں کہ علقمہ بن وائل کی جگہ وائل بن علقمہ کتابت کی غلطی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتابت کی غلطی ٹھیک کر دی جاتی ہے لیکن راوی کی غلطی ٹھیک نہیں کی جاتی۔ ابوداؤد کے تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ غلطی موجود ہے لہٰذا یہ راوی کی غلطی ہے، کتابت کی غلطی نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث کی ایک اور سند دارقطنی میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ "یرفع یدیہ حین یفتتح الصلوٰۃ واذا رکع واذا سجد (دارقطنی)

جواب اس حدیث کی سند میں ایک راوی حصین ہیں جن کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔

اس حدیث میں "واذا رفع" نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ "واذا سجد" ہے۔ "واذا سجد" سے مراد "واذا رفع" ہی ہے کیونکہ دونوں کا محل ایک ہی ہے۔ لہٰذا اس میں دعوے کی کوئی دلیل نہیں۔

(۳) اس حدیث کی ایک اور سند مسند احمد میں ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔ "یَرْفَعُ یَدَیْہِ مَعَ التَّکْبِیْرِ" یعنی تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

جواب اس حدیث میں سجدوں کے رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں۔ التکبیر معرفہ ہے اور اس سے تکبیر تحریمہ مراد ہے۔

(۴) ابوداؤد طیالسی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔ "یَرْفَعُ یَدَیْہِ عِنْدَ التَّکْبِیْرِ" یعنی تکبیر (تحریمہ) کے وقت دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

جواب اس حدیث میں بھی سجدوں میں رفع یدین کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں "التکبیر" سے مراد تکبیر تحریمہ ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو قائلین رفع نے خود نقل کی ہے اور وہ یہ ہے:۔

(۵) فَلَمَّا کَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْہِ مَعَ التَّکْبِیْرِ وَاِذَا رَکَعَ وَاِذَا سَجَدَ (بیہقی ۲/۲۶)
یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تو تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب سجدہ کرتے (تو بھی رفع یدین کرتے)۔

جواب اس حدیث نے ثابت کر دیا کہ "التکبیر" سے مراد صرف تکبیر تحریمہ ہے۔ ہر تکبیر مراد نہیں۔

اس حدیث میں "وَاِذَا سَجَدَ" بھی ہے۔ یعنی رفع یدین کرتے جب سجدہ کرتے لیکن اس حدیث میں "وَاِذَا رَفَعَ" یعنی جب رکوع سے سر اٹھاتے (تو بھی رفع یدین کرتے) نہیں

ہے۔ "رکوع سے سر اٹھانا" اور "سجدہ کرنا" دونوں کا محل ایک ہی ہے لہٰذا "إذا سَجَدَ" سے مراد رکوع سے سر اٹھانا ہی ہے۔

راوی کہتا ہے: "وَ إذا رَفَعَ أوْ قَالَ سَجَدَ" یعنی "جب رکوع سے سر اٹھاتے یا جب سجدہ کرتے" تو رفع یدین کرتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "إذا رَفَعَ" اور "إذا سَجَدَ" ہم معنی ہیں۔

بصورتِ دیگر "إذا سَجَدَ" کے الفاظ مشکوک ہیں لیکن قائلینِ رفع نے ان الفاظ کو جزم ویقین کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ دیانت داری کے منافی ہے۔

(۹) اس حدیث کی ایک اور سند میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں :۔

ورفع يديه حين كبر وحين ركع وحين رفع رأسه من الركوع وقال حين سجد هٰكذا وجافى يديه عن الطيه (صحيح ابن خزيمه)

جواب | قائلینِ رفع نے "وقال حين سجد هٰكذا" سے استدلال کیا ہے یعنی "اور کہا جب سجدہ کیا تو اسی طرح کیا"۔ یہ اس کے صحیح معنی نہیں ہیں۔ صحیح معنی یہ ہیں کہ "اور جب سجدہ کیا تو اس طرح جھکے۔ حدیث کے اگلے الفاظ "وجافى يديه عن الطيه" (یعنی دونوں ہاتھوں کو بغلوں سے دور کیا) یہ کیفیت سجدوں میں ہوتی ہے نہ کہ قومہ میں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابھی سجدہ کیا نہ ہو اور دونوں ہاتھوں کو بغلوں سے دور کر لیا جائے۔ اس کیفیت کے لئے پہلے سجدہ کے لئے جھکنا ضروری ہے۔

قائلینِ رفع کے ترجمہ کے لئے الفاظ یہ ہونے چاہیئے تھے :۔ "وقال فعل هٰكذا حين سجد" یعنی اور کہا کہ آپ نے اسی طرح کیا جب سجدہ کیا۔ کیونکہ یہ الفاظ نہیں ہیں لہٰذا قائلینِ رفع کا ترجمہ صحیح نہیں ہے۔

قائلینِ رفع نے "قَالَ" کے معنی کئے ہیں "کہا" اور ہم نے "قَالَ" کے معنی کئے ہیں "جھکا"۔

قائلینِ رفع نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم "قَالَ" کے معنی "جُھکا" لغت سے ثابت کریں۔ لیجئے ہم ثابت کرتے ہیں۔ المنجد میں ہے :۔

(قال يَقول قولاً وقالاً و قِيلاً و قَوْلَةً و مَقَالاً و مَقَالَةً) تلفظ، تكلم، ــــ بكذا : حكم واعتقد به ــــ بيده : أهوى بها وأخَذَ ــــ برأسه :

اشار ـــ برجله : مشی ـــ عنه : روی ـــ علیه : افتری ـــ الحائط: سقط له : خاطبه ـــ فیه وعنه : اجتهد ـــ بثوبہ : رفعه ـــ به : احبّه، داختصّهٗ لنفسه ـــ القومُ بفلان : قتلوهٗ ـ ویأتی بمعنٰی مات وغلب ومال واقبل واستراح .... (المنجد ص۸۰۲)

قارئین کرام خط کشیدہ لفظ "مال" پر غور فرمائیں۔ قَالَ کے معنی ہیں: مَالَ " اور مَالَ کے معنی ہیں: " جھکا "

ازالۂ الزام قائلینِ رفع نے ہمیں الزام دیا ہے کہ ہم نے اس حدیث میں " سجد " کی جگہ " یسجد " کر دیا۔ یہ کام ہم نے نہیں کیا بلکہ قائلین رفع میں سے ایک صاحب نے یہ الفاظ خود نقل کئے یعنی "وقال حین یسجد" ان کی تحریر کا عکس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں ۔ قائلینِ رفع میں سے دوسرے صاحب نے اس غلطی کو ہماری طرف منسوب کر دیا۔ ہماری غلطی تو بس اتنی ہے کہ ہم نے " سجد " کی جگہ " یسجد " لکھنے والے پر تحریف کا الزام نہیں لگایا اور بغیر نیت معلوم کئے ہم تحریف کا الزام لگانے کو اچھا نہیں سمجھتے بلکہ جائز نہیں سمجھتے۔ جن لوگوں نے ہم پر تحریف کا الزام لگایا گیا وہ دلوں کا حال جانتے ہیں کہ جزم ویقین کے ساتھ تحریف کا الزام لگا دیتے ہیں۔

کلیب کی روایت ہم نے کہا تھا کہ کلیب کی روایت میں " رفع یدین فی السجود " نہیں ہے۔ قائلینِ رفع نے مندرجہ بالا حدیث ۶ کو پیش کر کے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ کلیب کی روایت میں بھی " رَفَعَ یدین فی السجود " موجود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کلیب کی اس روایت میں "قال" کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس روایت میں بھی رفع یدین فی السجود کا کوئی وجود نہیں۔

(۷) قائلینِ رفع نے لکھا ہے کہ وائل کی روایت (علقمہ اور کلیب کے علاوہ) عبدالرحمٰن سے بھی ثابت ہے۔

جواب قائلینِ رفع نے حدیث کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ ہم ان الفاظ کو نقل کر رہے ہیں :۔

ابوداؤد طیالسی میں " رفع عند التکبیر " ہے نہ کہ " رفع فی السجود "۔ بیہقی میں اذا رفع او قال اذا سجد " وہم کے ساتھ ہے، دارمی میں " یرفع یدیه عند التکبیر " ہے نہ کہ " یرفع یدیه عند السجود "۔

غرض یہ کہ کوئی روایت مقصود پر دلالت نہیں کرتی بلکہ متن میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

خلاصہ حضرت وائلؓ کی روایتوں کا خلاصہ یہ ہے :۔

حدیث ن۱ و ن۵ و ن۷ متناً مخدوش ہیں۔ مزید برآں ان میں سجدوں میں چار مرتبہ رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا دلیل کے لحاظ سے بھی یہ ناقص ہیں۔

حدیث ن۲ ضعیف ہے۔

حدیث ن۲ و ن۴ و ن۵ سنداً ایک ہیں، علیحدہ لکھنے سے صرف تعداد بڑھ گئی ہے۔

حدیث ن۳ و ن۴ و ن۶ میں "رفع یدین فی السجود" کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

الغرض حضرت وائلؓ کی کوئی روایت صحیح نہیں، کوئی متناً ضعیف ہے اور کوئی سنداً ضعیف ہے اور کسی میں "رفع فی السجود" کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

(۶) حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہر تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے (مسند احمد)

جواب اس حدیث میں مقصود کی وضاحت نہیں۔ تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے جیسا کہ پہلے ن۳، ن۴ اور ن۵ میں ص۵۳ و ص۵۴، ۵۴ پر لکھا گیا ہے۔

(۷) حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے، جب رکوع کرتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے۔ جب سجدہ کرتے اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے (نسائی۔ ملخصاً)۔

جواب اس حدیث کی سند میں قتادہ ہیں۔

امام شعبہ کہتے ہیں: اگر قتادہ نے سنا ہوتا تو "حدثنا" کہتے تھے اور اگر سنا نہیں ہوتا تھا تو "قال" کہتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں قتادہ نے "حدثنا" نہیں کہا لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔

واضح ہو کہ جس حدیث میں قتادہ نے کہا ہے کہ "میں نے سنا" اس حدیث میں "رفع یدین فی السجود" کا وجود نہیں ہے اور وہی حدیث صحیح ہے۔

قائلینِ رفع نے اس حدیث کو بارہ مرتبہ نقل کیا ہے۔

حالانکہ تین تو مقصود پر دلالت نہیں کرتیں اور باقی نو میں سے ہر ایک میں قتادہ ہیں۔ اس حدیث کو بارہ مرتبہ نقل کرنے کا مقصد تعداد بڑھا کر کم علموں پر کثرتِ تعداد کا رعب ڈالنا تو ہو سکتا ہے اور اگر یہ نہیں تو آخر اس کا کیا مقصد ہے؟ ایک کو بارہ دکھانا دیانتداری نہیں ہے۔

(۸) (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے (مصنف ابن ابی شیبہ)

(۲) ابن عمرؓ جب سجدوں سے سر اٹھاتے اور جب کھڑے ہونے کا ارادہ کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے (جزء رفع الیدین ص۸)

جواب یہ دونوں روایتیں موقوف ہیں اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہیں۔

مزید برآں دوسری حدیث میں "علاء" راوی ہے جس کے متعلق خلیلی فرماتے ہیں: "مدنی مختلف فیہ لانہ ینفرد باحادیث لایتابع علیہا (تہذیب التہذیب ۸/۱۸۶) یعنی "علاء" مدنی ہے۔ اس کے معاملہ میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسی احادیث کے ساتھ منفرد ہوتا ہے کہ اس کا کوئی متابع نہیں ہوتا۔"

اس حدیث کے ان الفاظ کہ" ابن عمرؓ جب کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے" علاء کا کوئی متابع نہیں لہٰذا یہ روایت ناقابل اعتبار ہے یا اس حدیث میں تیسری رکعت کا رفع یدین مراد ہے۔

(۳) ابن عمرؓ جب کسی شخص کو دیکھتے کہ جھکتے اور اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرتا تو اسے کنکریاں مارتے تھے (مسند حمیدی ملخصاً)

جواب جھکنے اور اٹھنے سے رکوع میں جانا اور رکوع سے اٹھنا مراد ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں موجود ہے: "عن ابن عمر کان اذا رای رجلا لا یرفع یدیہ اذا رکع واذا رفع رماہ بالحصی یعنی ابن عمر جب کسی شخص کو دیکھتے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھ کر رفع یدین نہیں کرتا تو اُسے کنکری مارتے تھے" (جزء رفع الیدین ص۹)

(۴) ابن عمر کہتے ہیں: "جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو دونوں ہاتھ اٹھائے اس لئے کہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں (مصنف عبدالرزاق)

اس حدیث کو بالکل بے محل پیش کیا گیا ہے۔ یہ فعل دیانت داری کے منافی ہے۔ اس حدیث میں" فلیرفع یدیہ "سے مراد کانوں تک اٹھانا نہیں ہے بلکہ زمین سے اٹھانا مراد ہے۔ اس کی وضاحت وہ حدیث کرتی ہے جو اسی کتاب میں اسی صفحہ پر صحیح سند سے موجود ہے اور وہ یہ ہے: "اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فلیضع یدیہ مع وجھہ فان الیدین تسجدان کما یسجد الوجہ واذا رفع رأسہ فلیرفعھما معہ یعنی جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنے چہرے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو بھی (زمین پر) رکھے اس لئے کہ دونوں ہاتھ اسی طرح

سجدہ کرتے ہیں جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے اور جب (سجدہ سے) سر اٹھائے تو ان دونوں کو بھی (زمین سے) اٹھائے (مصنف عبدالرزاق جزء ۲ ص۱۷۲)

الغرض ہاتھوں کو اٹھانے سے مراد دونوں ہاتھوں کا زمین سے اٹھانا ہے۔

خلاصہ | حضرت ابن عمرؓ کی دو احادیث تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات اور ناقابل اعتبار ہیں اور دو احادیث مقصود پر دلالت نہیں کرتیں۔

⑨ (۱) حضرت ابوہریرہؓ ہر جھکنے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے (دار قطنی ملخصاً)

جواب | ہم نے لکھا تھا کہ یہ روایت دار قطنی میں نہیں ملتی۔ قائلینِ رفع کا فرض تھا کہ وہ ہمیں بتلاتے کہ یہ روایت دار قطنی میں فلاں جگہ ہے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

اعتراض | قائلینِ رفع کہتے ہیں کہ ہم نے اس روایت کی سند میں محمد بن عمرو کو محمد بن عمر کر دیا نہیں ہرگز نہیں، ہم نے نہیں کیا۔ قائلینِ رفع میں سے ایک صاحب نے خود محمد بن عمر لکھا ہے۔ ان کی تحریر کا عکس اس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور سجدہ کرتے تب بھی ایسا ہی کرتے (ابن خزیمۃ وابن ابی حاتم ملخصاً)

جواب | سجدہ کرنے سے مراد رکوع سے سر اٹھانا ہی ہے۔ دونوں کا محل ایک ہی ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ کی تیسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے جب نماز شروع کرتے، جب رکوع کرتے اور جب سجدہ کرتے (ابن ماجہ)

جواب | اس حدیث کی سند میں اسمٰعیل بن عیاش ہیں جو حجازیوں سے روایت کرنے میں ضعیف ہیں۔ انہوں نے اسے صالح بن کیسان سے روایت کیا ہے جو حجازی ہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

خلاصہ | پہلی حدیث ملتی نہیں۔ دوسری اور تیسری میں اذا سجد سے مراد اذا رفع ہی ہے۔ لہٰذا حضرت ابوہریرہؓ سے رفع یدین فی السجود ثابت نہیں۔

⑩ (۱) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں اور سجود میں رفع یدین کرتے تھے (ابن ابی شیبۃ جلد اول ص۲۳۵)

جواب | اس حدیث کی سند میں حمید ہیں۔ ان کی دوسری روایت میں تصریح ہے کہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے۔ اس روایت میں سجود کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) قائلینِ رفع نے اس حدیث کو تین مرتبہ نقل کیا ہے، حالانکہ حدیث ایک ہی ہے۔

تین مرتبہ نقل کرنے سے تعداد کو بڑھانا مقصود ہو سکتا ہے تاکہ کثرتِ تعداد سے کم علم حضرات مرعوب ہو جائیں۔

یحییٰ کہتے ہیں: "میں نے انسؓ کو دیکھا کہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے"۔
امام بخاری اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی (جزء رفع الیدین ص۳۴) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہلی ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ اس کے بعد امام بخاری سالم بن عبداللہ کا قول نقل کرتے ہیں: "سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق ان یتبع" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی حقدار ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو سجدوں کے درمیان رفع یدین ثابت نہیں تو صحابی کے فعل پر عمل کیسے ہو سکتا ہے یعنی امام بخاری کے نزدیک سجدوں کے رفع یدین کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں لیکن ہمارے زمانہ کے قائلینِ رفع امام بخاری کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدوں میں رفع یدین ثابت ہے۔
فیا للعجب! اب ہم کس کی مانیں۔ امام بخاری کی یا قائلینِ رفع کی۔ مزید برآں یحییٰ معلوم نہیں کونسے حضرمی یا ہنائی۔ ہنائی پہچانے نہیں جاتے۔ ہو سکتا ہے سجدتین سے مراد رکعتین ہی ہو جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے (طبرانی اوسط)

جواب اس حدیث کی سند میں عبیداللہ عرزمی بہت ضعیف ہے۔ یہ شخص متروک الحدیث ہے اور کثرت سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے (تہذیب التہذیب) الغرض یہ روایت باطل ہے۔

خلاصہ حضرت انسؓ کی پہلی حدیث مشکوک اور دوسری جھوٹی ہے۔

نتیجہ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رفع یدین فی السجود کے سلسلہ میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو بے محل ہیں یا جھوٹی، لغو، مشکوک، معلول یا منقطع ہیں۔ سجدوں میں رفع یدین کسی صحیح صریح اور مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔

حیرت انگیز قائلینِ رفع کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدوں میں جھکتے اور اٹھتے وقت چار مرتبہ رفع یدین کرنا ہے۔

۱۔ جب پہلا سجدہ کرے۔
۲۔ جب پہلے سجدے سے سر اٹھائے۔

۳۔ جب دوسرا سجدہ کرے۔
۴۔ اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھائے۔

اگرچہ رفع یدین فی السجود کی کوئی حدیث صحیح نہیں پھر بھی یہ بات حیرت انگیز ہے کہ یہ چاروں رفع یدین کسی ایک حدیث میں اکٹھے بیان نہیں کیے گئے کسی میں کوئی رفع یدین ہے اور کسی میں کوئی۔ کوئی مجمل روایت ہے اور کوئی مضطرب۔ آخر جس طرح سے شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین مسلسل ملتا ہے اس طرح یہ چار رفع یدین کیوں نہیں ملتے۔ صحابہ کی حدیثیں جو صرف رفع یدین کے بیان میں صحیحین میں ہیں ان میں صرف تین مرتبہ کے رفع یدین کا ذکر ہے ان چار مرتبہ کے رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں۔ رفع یدین کی حدیث ہو اور پھر رفع یدین کا بیان ناقص رہ جائے حیرت انگیز ہے۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ جن صحابیوں نے تیسری رکعت کی ابتداء کا چوتھا رفع یدین بیان کیا ہے وہ بھی درمیان میں یہ چار رفع یدین چھوڑ گئے۔ آخر ایسا کیوں؟

سجدوں میں رفع یدین نہ کرنے کے دلائل

(۱) عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:۔" ولا یفعل ذلك حین یسجد ولا حین یرفع رأسه من السجود یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہیں کرتے تھے۔" (صحیح بخاری)

یہ حدیث صحیح و صریح اور بہترین سند سے روایت کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جس نے رفع یدین فی السجود کی تمام روایتوں کو تار عنکبوت بنا کر رکھ دیا۔

(۲) حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے (ولا یرفع یدیه فی شئ من صلاته وهو قاعد) اور اپنی نماز کے کسی اور رکن میں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور آپ بیٹھے ہوتے تھے (ابوداؤد، نسائی، ترمذی ملخصًا) اس حدیث کو امام ترمذی اور امام احمد نے صحیح کہا ہے (نصب الرایہ ۱/۴۱۲) امام ابن حبان نے بھی اسے صحیح کہا ہے (فتح الباری)۔

اس حدیث کے ایک راوی عبدالرحمن کے متعلق علامہ احمد شاکر لکھتے ہیں: " والحق انه ثقة ولا حجة لمن ضعفه (التعلیقات) حق یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں جس نے ان کو ضعیف کہا

اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ امام مالک، امام احمد، امام یحیٰی بن معین، امام ترمذی، امام عجلی نے ان کو معتبر مانا ہے (التعلیقات احمد شاکر ملخصاً)

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا، رکوع کے وقت رفع یدین کیا اور سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رفع یدین کیا۔ پھر انہوں نے کہا: اسی طرح کیا کرو۔ (پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے (رواہ الدارقطنی والبیہقی وانسخ ملخصاً) حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مولوی انور شاہ حنفی نے عرف الشذی ص۱۲۵ میں اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے (التحقیق الراسخ ص۴۴)

خوش فہمی

قائلینِ رفع کا کہنا ہے کہ بے شک صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایتوں میں سجدوں میں رفع یدین کرنے کی نفی ہے لیکن یہ ان کا پہلا عمل ہے بعد میں وہ رفع یدین کرنے لگے تھے۔

ہم اس سلسلہ میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ کس صحابی کے کہنے سے انہوں نے اپنی اصلاح کی۔ اصلاح کا واقعہ اور اس صحابی کی بیان کردہ حدیث کہاں ہے؟ جس حدیث کی بنیاد پر حضرت ابن عمرؓ نے رفع یدین کیا اس حدیث کو انہوں نے کیوں روایت نہیں کیا۔

مزید برآں ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت تک ساتھ رہے۔ پانچ نمازیں آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ سنت کے شیدائی تھے اور سنت کے متلاشی رہتے تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود انہیں رفع یدین فی السجود کی سنت معلوم نہ ہو سکی اور کسی دوسرے صحابی نے انہیں بتائی۔ یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے۔

انتباہ: قائلینِ رفع اور علامہ البانی صاحب بھی اکثر اسماء الرجال کو دیکھ کر کسی حدیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ متن میں کوئی خرابی مثلاً نکارت، اضطراب، علت تو نہیں ہے لہٰذا جب تک خود تحقیق نہ کی جائے نہ قائلینِ رفع کی تصحیح کا اعتبار ہے اور نہ البانی صاحب کی تصحیح کا۔ قائلینِ رفع یدین نے حد ہی کر دی کہ موضوع اور جھوٹی روایتوں کو یہ کہہ کر کہ "اس مفہوم کی دوسری حدیث صحیح ہے"، حسن بنا دیا اور اس طرح شواہد کی تعداد بڑھا دی تاکہ قارئینِ کرام کو اطمینان ہو جائے۔ اس طرح تو ہر شخص کر سکتا

ہے کہ کسی صحیح حدیث کے خود ساختہ مفہوم کے مطابق سینکڑوں حدیثیں بنا دے اور کہے کہ دیکھو اس مفہوم کے کتنے شواہد ہیں تو کیا قائلینِ رفع ان شواہد کو مان لیں گے۔ واضح ہو کہ موضوع حدیثیں شواہد کا کام نہیں دیتیں۔ البانی صاحب بھی اسی کے قائل ہیں۔

انتباہ ۲ ہم نے اس پمفلٹ میں حصین کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔ قائلینِ رفع کہتے ہیں کہ یہ تو صحیح بخاری کے راوی ہیں لہٰذا ان کی بیان کردہ حدیثیں کیسے ضعیف ہو سکتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری حصین سے ان کے حافظہ بگڑنے کے بعد کوئی حدیث روایت نہیں کرتے۔ لہٰذا قائلینِ رفع یہ کہہ کر دھوکہ نہ دیں کہ یہ تو صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

انتباہ ۳ قائلینِ رفع کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری کے یہ الفاظ ولا یفعل ذلک حین یسجد ولا حین یرفع راسہ من السجود (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ اس وقت رفع یدین کرتے تھے جب سجدوں سے سر اٹھاتے تھے) حضرت ابن عمرؓ کے نہیں ہیں بلکہ امام زہریؒ کے ہیں۔

جواب اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ الفاظ امام زہری کے ہیں بلکہ اس بات کا صریح و صحیح حدیث سے ثبوت موجود ہے کہ یہ الفاظ حضرت ابن عمرؓ ہی کے ہیں۔ حدیث یہ ہے: "عن الزهري عن سالم عن ابيه قال رايت النبي صلى الله عليه وسلم لا يرفع يديه بين السجدتين (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۰)۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ امام زہری کے ہیں؟ کیا امام زہریؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا؟

(اقتباس بحوالہ صفحہ ۸)

[illegible] حدثنا ابو بكر نا محمد بن يعلى نا وهب بن جرير نا شعبة عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر انه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين كبر وحين ركع وحين رفع راسه من الركوع وقال حين [illegible]

(اقتباس بحوالہ صفحہ ۱۳)

روى [illegible] عن ابن [illegible] حدثنا [illegible] عن ابي سلمة عن ابي هريرة [illegible]
[illegible] ويقول انا اشبهكم صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ادارۂ مطبوعات اسلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی : اللہ تبارک وتعالیٰ	..	اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	..	فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام	..	فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی : اللہ کا رکھا ہوا نام مسلم	..	فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیادِ محبت	صرف ایک	یعنی : اللہ تعالیٰ سے تعلق	..	دنیوی تعلقات نہیں
وجہِ افتخار	صرف ایک	یعنی : ایمان باللہ العظیم	..	وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے
ساتھ تعاون فرمائیں۔
پمفلٹ مفت طلب فرمائیں۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین، کوثر نیازی کالونی۔
[illegible] ناظم آباد بلاک [illegible] کراچی

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ادارۂ مطبوعات اسلامیہ

تمہید و تعارف

تبلیغ اسلام کے کام کو تیز تر کرنے کے سلسلہ میں جماعت المسلمین نے ایک منصوبہ تشکیل دیا ہے۔ یہ منصوبہ ایک کاروباری منصوبہ ہے جس پر انشاء اللہ العزیز جماعت المسلمین اپنے ارکان کی شرکت و تعاون سے مستقبل قریب میں عمل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس منصوبہ میں جماعت کے بھی حصص ہوں گے اور اُن ارکان جماعت کے بھی حصص ہوں گے جو اس منصوبہ میں شرکت کرنا چاہیں گے۔ سال کے آخر میں جو منافع ہوگا وہ جماعت اور شرکاء میں ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ جماعت کے منافع سے تبلیغ کے کام کو فروغ دیا جائے گا۔

اس منصوبہ کا مسودہ تیار کیا جا چکا ہے اور اب بذریعہ ہذا جماعت کے ارکان کی اطلاع کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ ارکانِ جماعت اگر اس سلسلہ میں کوئی مشورہ دینا چاہیں تو اس منصوبہ کی تاریخِ اشاعت سے ایک مہینہ کے اندر دے سکتے ہیں۔ اگر وصول شدہ مشوروں کی روشنی میں منصوبہ میں کوئی ترمیم ہوئی تو ترمیم شدہ منصوبہ پھر شائع کر دیا جائے گا اور اس کے فوراً بعد خازن کا تقرر ہوگا اور حصص کی رقمیں جمع کرنے کا اعلان کر دیا جائے گا۔

ارکانِ جماعت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس مسودے کو غور سے پڑھیں

اور اگر وہ مشورہ دینا چاہیں تو بہت جلد اپنے مشورہ ارسال کر دیں۔ فقط

مسعود احمد
امیر جماعت المسلمین
۲۰ صفر ۱۴۰۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلہ اشاعت ۱۱۳

ادارۂ مطبوعاتِ اسلامیہ

ادارے کی تنظیم :-

(۱) اس ادارے کا نام " ادارۂ مطبوعاتِ اسلامیہ " ہوگا۔ یہ ادارہ پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی کی حیثیت سے کام کرے گا۔

(۲) ادارے کو مناسب وقت پر رجسٹرڈ کرایا جائے گا۔

(۳) اس ادارے کے رہنما امیر جماعت المسلمین ہوں گے۔ اشاعت کے کُلی اختیارات ان کے پاس ہوں گے۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی دینی کتاب یا چیز اس ادارے کے نام سے نہیں چھپے گی تنظیمی معاملات منتظمینِ ادارہ کے آپس کے مشورہ سے طے کئے جائیں گے۔ اختلاف کی صورت میں امیرِ جماعت سے رجوع کیا جائے گا اور اُن کے فیصلہ پر لازماً عمل کیا جائے گا۔

(۴) ادارے کی مالیت کم سے کم دس لاکھ روپے ہوگی۔ اشیاء کی قیمت یا رائیلٹی کو اس دس لاکھ روپے میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

(۵) ۔ اس ادارے کے کم از کم ۵۱ فیصد شیرز جماعت المسلمین کو لازماً خریدنے ہوں گے اور زیادہ سے زیادہ ۴۹ فیصد شیرز جماعت کے ارکان خریدیں گے۔

(۶) جس تاریخ کو مندرجہ بالا رقم مکمل ہو جائے گی اُس ہی تاریخ سے اس ادارے کا وجود مکمل ہو گا۔ غیر مکمل حالات میں ادارہ کام تو کرتا رہے گا لیکن شرکار کو منافع نہیں دے گا۔ منافع ادارہ کی مالیت میں جمع ہوتا رہے گا، جب تک ادارہ کی مالیت دس لاکھ روپے نہ ہو جائے۔ ہر شریک کا منافع اس کے شیئر میں شامل ہوتا رہے گا۔ جب ادارہ کی مالیت دس لاکھ روپے ہو جائے گی تو شرکار میں منافع تقسیم کرنا شروع کر دیا جائیگا۔

(۷) ہر شیئر کی قیمت سو روپیہ ہو گی۔ شیئر قابل فروخت ہو گا مگر ادارہ اس کو خریدنے کا ذمہ دار نہیں ہو گا۔ شیئر کی خرید و فروخت اس پر چھپی ہوئی رقم سے کم یا زیادہ پر نہیں کی جائے گی۔

(۸) سال مکمل ہونے کے بعد حساب اور کارکردگی کی رپورٹ شرکار میں تقسیم کی جائے گی۔

(۹) جماعت اور شرکار منافع اور نقصان میں اپنے حصص کے تناسب کے مطابق شریک ہوں گے اگر منافع ہو گا تو ادارہ اس منافع کو دیگر اضافی شیئرز یا نقد کی صورت میں شرکار کو ادا کرے گا اور اگر نقصان ہو گا تو شرکار اس کو ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے تاکہ سرمایہ کم نہ ہونے پائے۔

(۱۰) ایک مینیجر یا ناظم کاروبار ہو گا، جس کا تقرر امیر جماعت کریں گے۔ امیر جماعت کی رہنمائی میں مینیجر اس کاروبار کو چلائے گا۔ اس پر پورے کاروبار کی عملی ذمہ داریاں ہوں گی۔ وہ امیر جماعت کے مشورے سے اسٹاف کا تقرر کریگا۔

(۱۱) ایک خازن (CASHIER) ہو گا جس کا تقرر امیر جماعت کریں گے۔ اُس کے پاس جماعت کا سرمایہ بطور امانت رہے گا۔ امیر جماعت کی اجازت سے وہ اس کا لین دین کرے گا۔ ایک اکاؤنٹنٹ جس کو تنخواہ دی جائے گی وہ اس کے ماتحت کام کرے گا۔

(۱۲) جو افراد ادارے کا کام مستقل طور پر کریں گے ان کو تنخواہ، کمیشن یا اجرت دی جائے گی مگر اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ اخراجات آمدنی سے زیادہ نہ ہوں۔

سرمایہ کی تقسیم

(۱) مندرجہ ذیل تقسیم کے مطابق چار لاکھ روپیہ ادارے کے قیام (ESTABLISHMENT) پر خرچ ہوں گے:

۱) ایک بڑی دوکان خریدی جائے گی جس میں جلد سازی کا مکمل ساز و سامان فراہم کیا جائے گا، ضروری فرنیچر خریدا جائے گا۔ گتہ، کاغذ اور کتابیں رکھنے کے لئے مچان اور الماریاں بنوائی جائیں گی، استعمال کے لئے ضروری اسٹیشنری چھپوائی جائے گی۔ اس سلسلہ میں تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ صرف ہوں گے۔

۲) پچاس ہزار روپیہ اسٹیشنری بنانے کے کاروبار میں لگائے جائیں گے۔ مثلاً مختلف قسم کی کاپیاں، رجسٹر، فائلیں، جرنل، ڈائریاں وغیرہ ہمارے کارخانے میں تیار کرائی جائیں گی جنکے سرورق پر ادارے کا نام، آیات و احادیث کے چارٹ، جماعت کی دعوت کے نکات وغیرہ چھپوائے جائیں گے۔ ان کا معیار اعلیٰ اور قیمت مناسب ہوگی۔ اس کے علاوہ کچھ اسٹیشنری کی خرید و فروخت بھی کی جائے گی یہ کام اس لئے کیا جائے گا کہ ادارے کو مستقل طور پر کام فراہم ہوتا رہے، اخراجات پورے ہوتے رہیں اور منافع بھی ہو۔ معیار اعلیٰ اور دام مناسب ہونے سے فروخت کی مقدار میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ہماری دعوت بھی اس ہی رفتار سے پھیلتی جائے گی۔

۳) ایک پرنٹنگ مشین جس کا نام روٹا (یا آفسیٹ) ہے اور جس کی قیمت تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہوتی ہے خریدی جائے گی۔ اس مشین کو آسانی سے

کوئی بھی چلا سکتا ہے۔ اس مشین پر طبع ہونے والی ہر سو صفحات کی ایک کتاب (مثلاً "التحقیق فی جواب التقلید") کے ایک ہزار نسخوں کی لاگت بشمول تمام اخراجات (از کتابت تا جلد سازی) ہمارے معیار کے مطابق تقریباً چار ہزار روپیہ آئے گی۔ جب وہ کتاب دوبارہ چھپے گی تو اس کی لاگت تقریباً دو ہزار روپیہ آئے گی۔ کام اتنی تیز رفتاری سے ہوگا کہ اس کتاب کی ایک ہزار جلدیں دو چار دن میں تیار ہو جایا کریں گی۔ اس چھاپہ خانہ میں جماعت کا بھی سب کام ہوگا اور باہر سے بھی کام لیا جائے گا بشرطیکہ اس کام میں اسلام کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

۴) بقیہ چھ لاکھ روپیہ کتابوں کی طباعت وغیرہ پر صرف ہوگا۔

ہمارا کام اور ہمارے مقاصد

اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ ہماری کتابیں باطل کے مقابلہ میں ہماری تلواریں ہوں گی اور قرآن مجید و حدیث نبوی کے دلائل کاری وار ہوں گے، جہاد شروع ہوگا، حق سامنے آئے گا اور باطل بھاگ جائے گا۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری مدد کرے گا۔ ہمارا جہاد عقائد فاسدہ اور نظریاتِ باطلہ کے خلاف ہوگا اور ہمارا مقصد ترویج اسلام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے پاس ہماری جماعت کا تیار کردہ کافی لٹریچر موجود ہے جس کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم کو مسلم بننے کی توفیق ملی۔ اب ہم سب خلوص دل کے ساتھ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک کے تمام افراد بلکہ پوری دنیا کے لوگ مسلم بن جائیں لیکن مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ہمارا لٹریچر جو ہماری دعوت اور تبلیغ کا اصل ذریعہ ہے بہت سست رفتاری سے پھیل رہا ہے۔ ہماری دعوت ایسے افراد تک بھی نہیں پہنچ رہی جو تلاش حق میں سرگرداں ہیں۔ ہماری جماعت کے تقریباً ہر رکن اور ہر کارکن میں تبلیغ کی تڑپ ہے اور وہ سوچتا رہتا

ہے کہ ہماری دعوت لوگوں تک کیسے پہنچے لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجبور نظر آتا ہے۔

اس سلسلہ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اہمیت بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس کی اہمیت کو تو سب تسلیم کرتے ہیں۔ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ جن عقائد فاسدہ اور نظریاتِ باطلہ کو کم علمی کی بنا پر لوگ عینِ اسلام سمجھتے ہیں یا اسلام سمجھ کر مانتے اور عمل کرتے ہیں حالانکہ وہ اسلام نہیں ہوتے اُن کی حقیقت کو آشکار اکیا جائے۔

افسوس کہ قرآن مجید کی آیات کو فروخت کرنے والے، حق بات کو چھپانے والے اور حق کو باطل کے ساتھ ملانے والے علماء نے نظریات باطلہ کو اسلام ہی کے نام پر لوگوں کو سکھایا ہے اور ایسے عقائد جو اسلام نہیں اُن پر اسلام کا لیبل لگا دیا ہے لہٰذا زیادہ ضرورت اس بات کے بتانے کی ہے کہ کن کن عقائدِ فاسدہ اور نظریاتِ باطلہ پر علماء سوء نے اسلام کا لیبل لگا دیا ہے۔

اسلام سے کون انکار کرتا ہے۔ اسلام کا سب سے پہلا کلمہ "لا" ایک منفی کلمہ ہے یعنی اسلام لفظ "نہیں" سے شروع ہوتا ہے اس لئے سب سے پہلے ان منفیات پر وار کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ان منفیات کا گرد و غبار ہٹ جائے گا تو راستہ خود بخود صاف نظر آئے گا۔ ہم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں لوگ ہمارے دلائل کا جواب نہیں دے سکتے، ہم سے مرعوب ہو جاتے ہیں، ہم کو دفاع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ حملہ کرنے اور ایسے مورچے بنانے کی ضرورت ہے جہاں سے تمام فاسد عقائد اور نظریات پر دلائل کی گولیاں برسائی جائیں۔

ہمارا یہ ادارہ ہمارا مورچہ ہوگا جو اپنی پوری قوت اور وسائل اور ارکان کے جذبۂ ایمانی اور ان کے مال اور اوقات کی قربانی کے ساتھ جہاد کرے گا۔

جہاد ہر مسلم پر فرض ہے لہٰذا ہر مسلم کو ہر لحاظ سے اس ادارہ کو قوت پہنچانی ہوگی۔

اب ہم چند ایسے موضوعات کی نشاندہی کرتے ہیں جن کے سلسلہ میں ہمارا ادارہ پوری قوت کے ساتھ حق کو واشگاف کرے گا۔

(۱) قرآن مجید کی آیات اور احادیث جن کو علماء چھپاتے ہیں۔ (۲) عقائد اور ان کی حقیقت۔ (۳) تقلید (۴) کیا مسالک اور مکاتب فکر کے بغیر اسلام نامکمل ہے؟ (۵) فرقہ پرستی شرک ہے۔ (۶) اللہ تعالےٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں دوسروں کے احکام کی شرکت۔ (۷) کیا کسی شخص کی بندگی اس کو یا کسی اور کو فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ (۸) تقدیر کا حیلہ (۹) شفاعت پر پورا بھروسہ (۱۰) نئے بت: وطن پرستی، صوبہ پرستی، قوم پرستی، ملک پرستی (۱۱) طلاق بدعت (۱۲) اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک (۱۳) احادیث اور اُن کی ملحدانہ تاویل۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ جماعت نے ابھی تک جو کتابیں شائع کی ہیں ان میں سے پچاس سے زیادہ عنوانات پر چھوٹی چھوٹی کتابیں مرتب ہو سکتی ہیں۔

ہمارے ملک میں اسلامی کتابیں شائع کرنے والے ہزاروں ادارے ہیں۔ ان کی طرح ہم بھی بہت سی کتابیں جو خالص اسلامی نقطۂ نظر سے تیار کی گئی ہوں شائع کر سکتے ہیں۔ یہ کتابیں اسکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں میں فروخت کی جا سکتی ہیں اور عوام الناس میں بھی فروخت ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ جماعت کی مطبوعہ کتابوں کی ایک ایسی فہرست تیار کی جاسکتی ہے جس میں ہر کتاب کا جامع تعارف پیش کیا گیا ہو اس فہرست کو پڑھ کر لوگوں میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کی رغبت پیدا ہوگی۔ یہ فہرست طلباء، علماء، اساتذہ، کتب فروشوں اور لائبریریوں میں مفت تقسیم کی جا سکتی ہے۔ ہر کتاب کے آخر میں قارئین سے یہ گذارش کی جائے گی کہ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کے ذہن میں کوئی شک د

شبہ ابھرا ہو تو آپ ہمارے ادارے کو سوال لکھکر بھیج سکتے ہیں۔ اسکا جواب ہمارے کتابچہ " المسلم " میں دیا جائے گا۔ اس طرح ہمارے رسالہ کی اشاعت بڑھے گی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے ارکان بھی موجود ہیں اور جماعت کا ایسا لٹریچر بھی موجود ہے جن کے ذریعے ہم مطلوبہ لٹریچر تیار کر سکتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ جو صحابہ کرام مکہ میں اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے مدینہ میں آکر سپہ سالار اور حکمران کیسے بن گئے؟ ان میں یہ صلاحیتیں کہاں سے آگئیں؟ تفصیل کی ضرورت نہیں بس جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ یقیناً اس کی مدد کرتا ہے۔

اصحاب صفہ غریب افراد کی جماعت کا نام نہیں تھا صفہ ایک یونیورسٹی تھی جہاں سے تعلیم پاکر نکلنے والے اعلےٰ درجے کے علماء اور مبلغ اسلام ہوتے تھے۔ یہ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا نتیجہ تھا ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔

کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے ارکان کام کریں اور اللہ ان کی مدد نہ کرے۔ المختصر لکھنے کو ابھی بہت کچھ باقی ہے اس دور میں اور اس ملک میں ہم تقریر، تحریر اور دلائل کے علاوہ اور کس چیز سے جہاد کر سکتے ہیں؟

طریق کار :-

ہمارے ملک میں ایسے ہزاروں ادارے ہیں جو اسلامی کتب کی اشاعت کرتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت بھی کرتے ہیں۔ چند اداروں کے نام یہ ہیں۔ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ فیروز سنز لمیٹڈ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ اسلامک پبلیکشن قرآن محل لمیٹڈ وغیرہ۔

یہ ادارے کتابوں کی اشاعت بھی کرتے ہیں اور دیگر اداروں کی کتابیں بھی خریدتے ہیں اور ان کو اپنی کتابیں بھی فروخت کرتے ہیں اس کے علاوہ اسٹیشنری بھی بناتے ہیں اور اسٹیشنری کی خرید و فروخت بھی کرتے ہیں۔ ان کے جلد سازی کے اپنے کارخانے ہیں۔

یہ ادارے ملک کے کتب خانوں اور کاروباری اداروں میں اپنی فہرست بھیجتے ہیں، ان سے خط و کتابت کرتے ہیں اور ذاتی طور پر بھی ان سے رابطہ رکھتے ہیں۔ یہ ادارے درسی کتابیں بھی چھاپتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ ملک میں سینکڑوں اسکول اور کالج ہیں جن میں لائبریری کے لئے کتابیں خریدنے کے لئے مقررہ بجٹ ہوتا ہے۔ یہ ادارے ان کو بھی اپنی فہرست کتب بھیجتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں چھوٹے چھوٹے دوکانداروں سے رابطہ اور اپنی کتابوں کی فروخت کے لئے سول ایجنٹ اور ڈسٹری بیوٹرز سے بھی اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ ہر شہر میں کتابوں کی ایک ہول سیل مارکیٹ ہوتی ہے ان کی طرف یہ سب سے زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں کتابوں کے میلے اور نمائش بھی لگتی رہتی ہیں ان سے بھی یہ ادارے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی کتابوں کے اشتہار خود اپنی کتابوں میں اور دیگر اداروں کی کتابوں اور رسالوں اور اخباروں میں چھپواتے رہتے ہیں۔

الغرض اس طرح یہ ادارے اپنی اشاعت کو فروغ دیتے ہیں۔ ہم ان سب طریقوں کو اسلامی نقطہ نظر کی روشنی میں اختیار کریں گے۔

اس کے علاوہ ہم حکام، علماء، دانشوروں اور دیگر تبلیغی اور سیاسی اور سماجی اداروں سے بھی رابطہ قائم کریں گے۔

ہم دیگر ممالک میں بھی جہاں ہماری کتابوں کی کھپت ہو سکتی ہے توجہ دینگے اور وسائل اور ضرورت کے اعتبار سے دیگر زبانوں میں ترجمے بھی کروائیں گے۔

یہ مبالغہ نہیں اگر ہمارے پاس ایمان، عمل اور جذبۂ قربانی ہو تو یہ سب کام ہوسکتے ہیں اور کروائے جاسکتے ہیں۔

الغرض جہاد کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اللہ کی راہ میں نکل آیئے اور اپنے اپنے مورچے سنبھال لیجیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ آخر

اس منصوبہ کو پیش کرنے کے بعد جماعت المسلمین چند ناگزیر وجوہ کے سبب اس میں شریک نہ ہوسکی، پھر اس ناچیز کو اللہ تعالیٰ نے ہمّت واستقامت عطاء فرمائی۔ ادارہ نے سب سے پہلے یعنی تقریبًا پانچ سال قبل نو کتابیں شائع کیں۔ اس کے بعد اللہ کے ایک بندہ نے جو اس وقت تحقیق میں لگا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو توفیق عطا فرمائی اور اس طرح ادارہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مستحکم ہوتا چلا گیا۔ بیشک جو اللہ کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔

الحمد للہ! ادارہ ابھی تک سو سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے اور ہر کتاب موجود ہے گویا ادارہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی منشاء نہ ہوتی تو ادارہ مستحکم نہ ہوتا اور اس کے ذریعہ جو تبلیغ اور اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے وہ نہ ہوتی، گویا ادارہ کا قیام اور اس کا استحکام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ

يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

(الحدید — ۲۹)

(اس حقیقت کو اس لئے بیان کیا گیا ہے) تاکہ اہلِ کتاب (جاننے والے) جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کوئی قدرت نہیں رکھتے اور یہ کہ اللہ کا فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے (اپنے فضل سے) نوازتا ہے اور اللہ بڑے فضل (وکرم) والا ہے۔

محمد صدیق میمن
ناظم
ادارہ مطبوعات اسلامیہ
یکم رمضان ۱۴۱۶ھ

تاریخ الاسلام والمسلمین (مختصر)

اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں برپا ہوئیں۔ ایک سازش یہ بھی تھی کہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کر دیا گیا۔ خود ساختہ واقعات کو رنگ آمیزی اور نمک مرچ لگا کر اس طرح پیش کیا گیا کہ پڑھنے والے اپنے اکابر کے متعلق بدظنی کا شکار ہوگئے اور جھوٹ سچ میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔

موجودہ زمانہ میں اسلام سے بیزار کرنے کے لئے یہ چال چلی گئی کہ ان فرضی واقعات کو تاریخی حقائق کے نام سے متعارف کرایا گیا۔ یہ سازش اتنی کارگر ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ذہن مسموم ہوگئے اس سازش نے جو فتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں:۔

(۱) انکارِ حدیث کے لئے فضا سازگار ہوگئی (۲) جب حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو قرآن مجید کی من مانی تاویلیں کی جانے لگیں اور (۳) خلافتِ راشدہ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابہ کرام کو ٹھہرایا گیا۔

یہ وہ فتنے ہیں جو ہماری غلط تاریخ کی وجہ سے وجود میں آئے۔ پہلے دور کی غلط کتبِ تاریخ کی بنیاد پر دوسری کتبِ تاریخ وجود میں آئیں۔ علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں انہیں کتبِ تاریخ کے افسانوں کو مستند سمجھ کر پیش کیا حالانکہ ان کے باطل ہونے پر قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ شاہد ہیں۔

قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے وہ کسی پر مخفی نہیں لیکن افسوس ہے کہ تاریخ کے سلسلے میں بھی علماء نے ان کتابوں سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا اور تاریخ کے ان واقعات کو بھی صحیح تسلیم کرلیا جو ان صحیح ترین کتابوں سے متصادم تھے۔ ایسی حالت میں کیا ایک ایسی تاریخ کی ضرورت نہیں جو روایتاً اور درایتاً صحیح ہو؟ "تاریخ الاسلام والمسلمین" ایک مختصر تاریخ ہے، صرف قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مستند احادیث سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب صرف تاریخ ہی نہیں بلکہ اسلام کے متعلق مفید معلومات کا ایک ذخیرہ ہے۔ اس میں توحید، رسالت، قیامت اور دیگر مسائل پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔ مؤلفہ:۔ مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین